بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی اسلامی مناد ہندوستان میں پہنچ چکے تھے۔ خلافت راشدہ میں مشرقی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مسلمان فاتحان ہندوستان کے حالات اگر مفصل لکھے جائیں تو کئی ضخیم کتابوں میں سما سکتے ہیں۔ جن کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ اس کتاب میں بھی انتخاب واقعات کا وہی طریقہ ملحوظ رکھا جائے گا۔ جو تذکرہ بہادران اسلام میں مد نظر تھا۔ اور وہی غرض تالیف ترقی اسلام بہ تقلید صحابہ کرام ہو گی۔ اسکے علاوہ چونکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی ضروریات دیگر اسلامی ممالک سے کچھ جدا بھی ہیں اس لئے ان ضروریات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے عہد اسلامیہ کی تاریخ کا صحیح فوٹو ناظرین کو دکھایا جائے گا جس سے مسلمانوں کو علمی معلومات کی ترقی کے علاوہ اخلاقی فوائد بھی حاصل ہوں۔ جنکی فی الحال سخت [illegible] قوم کے علاوہ گورنمنٹ عالیہ کو بھی [illegible] ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ ہر ایک قوم اپنے بزرگوں کے کارنامے سن کر علمی میدان میں ترقی کا قدم بڑھا سکتی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان جن کی اسلامی [illegible] قومی عصبیت [illegible] ہو چکی ہے۔ ان کے لئے بادشاہان ہندوستان [illegible] اسلامی [illegible] کا مطالعہ نہایت مفید ہے۔ اور دیگر ملکی بھائی ہندوؤں وغیرہ کو جو نفرت [illegible] تاریکی کو رسول [illegible] مدارس کے مطالعہ سے پیدا ہو کر ہندوستان کی مشکلات [illegible] ہو رہی ہے [illegible] خیالات اور واقعات [illegible] ہوں گے اخباروں اور ہندو مجالس میں شاہان اسلام پر جو بے بنیاد الزام لگائے جاتے ہیں [illegible] مسلمان کسی مہذب قوم کے سامنے منہ نہیں دکھا سکتے [illegible]

الزام ہم قریباً تیس سال سے برابر سُنتے چلے آتے ہیں۔ اور موجودہ ہندو نسل میں وہ غلط الزامات تاریخی درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ اور اب ہندوؤں کے بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہیں۔ جسکا بُرا نتیجہ بعض روشن دماغ ہندو بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ ہم ملکی بہبودی کے خیال سے اُن غلط الزاموں کے مٹانے اور تاریخ اسلامیہ کا صحیح پہلو دکھانے کی کوشش کریں گے۔ فقیر راقم یہ دعوے ہرگز نہیں کر سکتا کہ یہ کتاب نقائص سے خالی اور ہر ایک مطالعہ کرنیوالے خصوصاً غیر مسلم اقوام کے ضرور دل پسند ہو سکے گی۔ کیونکہ میں بھی ایک ناقص العلم انسان ہوں بشریت سے خالی نہیں۔ اُنیسویں صدی عیسوی کی نشو و نما ہے مگر نہایت ادب سے غیر مسلم ناظرین کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس تاریخ کو غور سے پڑھیں اور مولفانہ نیت کو مدنظر رکھتے ہوئے واقعات کی مورخانہ نگاہ سے جانچ پڑتال کریں۔ اور کسی فقرہ یا طرز بیان کو سرسری پڑھ کر ہی کتاب کو ردی میں نہ پھینکدیں۔ بلکہ فاضلانہ استقامت سے مطالعہ کریں۔

اس اسلامی تاریخ کا ماخذ۔ ابن اثیر۔ مسعودی۔ فتوحات اسلامیہ بعد فتوحات نبویہ یمینی۔ طبری۔ طبقات ناصری۔ فیروز شاہی۔ طبقات اکبری۔ فرشتہ۔ اکبر نامہ آئین اکبری تاریخ بدایونی۔ تورک تیموری۔ روضۃ الصفا۔ تورک بابری۔ تورک جہانگیری۔ اقبالنامہ جہانگیری۔ شاہجہان نامہ مصنفہ بھگوانداس۔ تاریخ سندھ مولفہ محمد معصوم۔ ماثر عالمگیری اقبالنامہ عالمگیری۔ زبدۃ التواریخ مولفہ نور الحق دہلوی۔ بادشاہ نامہ مولفہ عبد الحمید لاہوری۔ خلاصۃ التواریخ مولفہ سبحان رائے۔ تاریخ محمد شاہی مولفہ خوشحال چند۔ چہار چمن مولفہ دولت رائے۔ منتخب التواریخ مولفہ حسن بن محمد سبزواری۔ تاریخ سکھاں مولفہ سروپ لال۔ تاریخ سکھاں مولفہ عطر سنگھ۔ عمدۃ التواریخ مولفہ سوہن لعل۔ تواریخ شاہان ہندوستان مولفہ نواب جھجر۔ شمشیر خانی۔ تاریخ سلاطین افغانان۔ محاربات سلاطین درانیہ۔ ظفر نامہ بہادر شاہ۔ سیر المتاخرین۔ تاریخ ہند مصنفہ لیتھبرج صاحب تاریخ ہند مصنفہ الفنسٹن صاحب۔ تاریخ افغانستان۔ تاریخ کشمیر۔ تاریخ دکن۔ حدیقۃ الاقالیم۔ تاریخ ہند مولفہ شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔ خزانہ عامرہ۔ تصرحار فان۔ تالیف التذکرہ۔

کتب مندرجہ بالا میرے مطالعہ سے گذر چکی ہیں جو گورنمنٹ انگریزی کی علمی سرپرستی کے

طفیل مجکو لاہور کی پبلک لائبریری سے دستیاب ہوتی رہیں۔ خاص لاہور میں تین ماہ رہ کر میں نے قلمی کتابوں کا خصوصاً مطالعہ کیا۔ پس جسقدر مجھسے ہوسکا تاریخی معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی گئی۔ اور ذریعہ معلومات صرف انگریزی گورنمنٹ کی علمی فیاضی ہے۔ جس نے فراہمی اسباب میں شاہانہ سہولتیں اور اشاعت علوم و فنون میں ہر ایک قسم کی آسانیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ چونکہ ہر ایک زمانہ میں علمی تصانیف کسی سلطان یا امیر قدردان کے نام نامی سے معنون ہوتی رہی ہیں اور آج ہندوستان میں ایسے امراے اسلام کا قحط ہے جو پابند شرع ہوں اور بلا تعلق کسی مصنف کی سرپرستی کریں۔ مگر بقول اورنگ زیب۔ "زمانہ از آدم خوب ہیچ گاہ خالی نباشد"، یہ کتاب بحضور خادم شریعت نبویہ حامی علوم دینیہ منبع فتوت و مروت معدن جود و شفقت عدالت پژوہ امیر والا شکوہ محب رسول الثقلین حاجی حرمین شریفین عالیجناب فضیلت مآب حاجی مولوی رحیم بخش صاحب سی۔ آئی۔ ای پریزیڈنٹ کونسل آف ریجنسی ریاست بہاولپور پیش کی اور درخواست کی کہ خود اپنے نام نامی سے ڈیڈی کیٹ ہونا منظور فرماویں۔ مگر آپ نے جوش وفاداری و نمک حلالی سے اپنے آقائے ولی نعمت سرکار عالی تبار گردوں وقار یادگار دولت عباسیہ و فخر دودمان قرشیہ۔ عدل گستر رعایا پرور جواد دریا نوال رکن الدولہ نصرت جنگ حافظ الملک مخلص الدولہ نواب حاجی محمد صادق خاں صاحب بہادر خامس عباسی والی ریاست بہاولپور صانہ اللہ عن الشرور الدہور خلد اللہ ملکہ کے اسم گرامی اور نام نامی سے معنون (ڈیڈی کیٹ) کرنے کی اجازت عطا کی۔ جو کتاب ہذا کے قبولیت عامہ کی نیک فال ہے ❊

شائقین کی سہولیت کے لئے اس کتاب کے تین حصے ہونگے۔ حصہ اول میں فاتحان عرب سے لیکر آخیر عہد خلجی تک اور حصہ دوم میں عہد تغلق سے بابر تک۔ حصہ سوم میں عہد مغلیہ شاہ عالم ثانی تک موعودہ تذکرہ بہادران اسلام حصہ دوم کبھی مناسب وقت پر شائع کیا جاویگا۔ شاہ عالم ثانی کے عہد سے سلطنت انگریزی کا زمانہ شروع ہوتا ہے جو فقیر کی حد سے خارج ہے کبھی بشرط زندگی اور موافقت زمانہ اس کی تاریخ لکھی جائیگی۔

ناظرین۔ مشہور مورخ ابن خاوندشاہ کے قول ؎ سخن آرائی را دست و دل ❊ پر خیال فرما کر فقیر کی عدم فراغت مدنظر رکھتے ہوئے سہو و خطا سے اغماض فرمائینگے۔ سفتن جز بالماس ❊ فقط

فقیر کرم الٰہی صوفی ڈنگو

اسلامی تاریخ

حصہ اول عہد افغانیہ

ہندوستانیوں کے لئے تاریخ ہند ایک ایسا مضمون ہے۔ جس سے اون تمام لوگوں کو جنہوں نے انگریزی سکولوں میں تعلیم پائی ہے۔ کچھ نہ کچھ مس ضرور ہے۔ مگر یہ تاریخی تماس اور احساس اُن تاریخی کتابوں سے حاصل ہوا ہے جن کو اُنہوں نے ایام تعلیم میں بطور کورس پڑھا ہے اور اُن کی ترتیب و تالیف میں عموماً مصالح ملکی یا قومی کو مدنظر رکھا گیا ہے علاوہ اس کے ناقص اور غلط بھی ہیں۔ عہد ہنود کا غیر مفید تذکرہ چند اوراق میں لکھا گیا ہے جن کی تنقید کا حق ہنود فضلا کو زیادہ حاصل ہے ؛

ہنود عہد کی بابت عذر کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کی کوئی معتبر اور مسلسل تاریخ نہیں پائی جاتی اگر کوئی شاذ و نادر ملتی بھی ہے تو بعید از قیاس افسانوں یا شاعرانہ غلو و مبالغہ سے خالی نہیں ہوتی +

مگر عہد اسلامیہ کی مسلسل اور معتبر تاریخ کی موجودگی کے یورپین فضلائے قائل ہیں۔ میں نے جن ۴۵ کتابوں کی فہرست دیباچہ میں دی ہے۔ چند ایک کے سوا تمام انگریزی عہد سے پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔ علاوہ اس کے اور بھی کئی ایک ہندوستان کی تاریخیں لکھی گئی ہیں جو فقیر کو دستیاب نہیں ہو سکیں۔ پس اسلامی عہد کی تاریخ کی نسبت یورپین مورخ کوئی عذر نہیں کر سکتے۔ لیکن افسوس ہے کہ سلطنت اسلامیہ کے حالات بیان کرنے میں مورخانہ کاوش سے کام نہیں لیا گیا۔ بعض نے حملہ آوران اسلام کو ظالم۔ لٹیرا۔ غاصب۔ بے رحم درندہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایسے حالات چن چن کر لکھے ہیں۔ کہ جن کو ہنود طلبہ پڑھ کر مسلمانوں کیطرف سے سخت متنفر ہو جاتے ہیں اور اسلام کو روحانی کمال اور فضائل سے خالی یقین کر لیتے ہیں۔ انہیں تاریخی کورسوں کا زیادہ اثر ہے کہ آج تک ہنود و مسلمانوں میں کئی جگہ دنگہ فساد ہو چکے ہیں شاید بعض کوتاہ بین اسکو استحکام سلطنت کا باعث خیال کرتے ہوں لیکن رعایا کا باہمی اختلاف اور فساد ملک کی بے امنی کا موجب ہوتا ہے اور نقص امن سے سلطنت کے وقار اور

اعتبار میں فرق آجاتا ہے اور متمرد فرقے دلیر ہو کر آخر گورنمنٹ کے موہنہ بھی آنے

مورخانہ غلطی

واقعات اور روایات کے لحاظ سے زیادہ حیرت ہوتی ہے۔ تاریخ ہند مصنفہ لیتھبرج صاحب مروجہ مدارس پنجاب میں لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سے سب سے اول ابو العاص عامل یمن نے ۱۵ھ میں خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب کے عہد میں سندھ پر حملہ کیا اور الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۴۹۱ سطر ۹ پر لکھتا ہے کہ سمندر کی راہ سے سندھ پر عرب والوں کا آنا ابتدا ہی کے زمانہ میں یعنے حضرت عمر خلیفہ کے عہد میں ہوا + اس کے بعد بحری حملہ پر شک کرتے ہوئے بے انصافی سے خلاف واقعہ اپنی ذاتی رائے کا یوں اظہار کرتا ہے کہ " اگر ایسا ہی ہوا ہو گا تو غالب یہ ہے کہ سندھ کی حسین عورتوں کے لئے لٹیروں نے ارادہ کیا ہو گا کیونکہ ملک عرب میں اس ملک کی حسین عورتوں کی کمال آرزو تھی "۔ پہلے فقرہ " اگر ایسا ہی ہوا ہو گا " سے صاف ثابت ہے کہ الفنسٹن صاحب کو سمندر کے راستہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عربوں کا سندھ میں آنا مشکوک ہے۔ اور حملہ کو بھی لوٹیروں سے منسوب کرتا ہے ایسی لوٹیرے اور سمندری ڈاکو دربار خلافت سے کوئی تعلق نہیں رکھ سکتے۔ ایسے بحری قزاقوں کے فعل کو اگر واقعی ایسا ہی ہوا ہو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دکھا کر ناظرین کو دہوکہ میں ڈالنا اور اسلام کی طرف سے بدگمان کرنا ہے جو ایک قومی پالیسی ہے +

حسین عورتوں کو وجہ حملہ قرار دینا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا سندھ کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت شام۔ روم۔ مصر۔ ایران کی عورتیں تھیں جہاں مسلمان عہد فاروقی میں فتح کے نشان اڑا رہے تھے مگر کہیں بھی عورتوں کے لئے حملہ نہیں ہوا سب حملات دفاعی یا انتقامی تھے۔ یہ رکیک فقرہ تاریخی اسناد سے خالی محض الفنسٹن صاحب کے ذاتی تعصب کا نتیجہ ہے +

اب رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں حملہ کرنا اسکو ہم واقعات سے غلط ثابت کریں گے۔ الفنسٹن صاحب ولید کے زمانہ سے پہلے سندھ کا فتح ہونا تسلیم نہیں کرتا چنانچہ وہ اپنی تاریخ جلد دوم صفحہ ۴۹۲ سطر ۱ و ۲ و ۳ میں لکھتے ہیں کہ شروع اسلام میں جو جو خلیفہ ہوئے اُن کے وقتوں میں بھی مکران کے جنوب میں اکثر فوجیں روانہ

کی گئی تھیں مگر کوئی شخص کامیاب نہ ہوا +
آخر کار ولید کے عہد میں مسلمان بڑے جوش سے آئے اور حملہ آور ہوئے جو تاریخ کے خلاف ہے خلیفہ ولید سے ستر سال پہلے سندھ میں اسلامی فتوحات کا دور شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ صفحہ ۴۹۰ سطر ۲۲ پر لکھتے ہیں کہ ۶۶۴ء مطابق ۴۴ھ میں پہلے پہل مسلمانوں کا قدم ہندوستان میں آیا اور مہلب بن ابی صفرہ بعد اس عہد کے ملتان تک پہنچا۔ دیکھو الفنسٹن صاحب خود ہی اپنے قول کی تردید کرتے ہیں۔ اور ۴۴ھ سے پہلے مسلمانوں کا ہندوستان میں آنا نہیں مانتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سندھ کا شہر دیبل ہو یا تھا کس طرح فتح ہوا + حضرت عمرؓ کا عہد ۲۳ھ تک ختم ہو چکا تھا اور ۴۴ھ میں عہد معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور مہلب ان کا ہی بہادر جرنیل تھا۔ مگر الفنسٹن صاحب کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ عہد امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ میں عبد الرحمن بن سمرہ بن جندب بن حبیب بن شمس نے بغرور اور سوار العبدی نے کیکان اور عہد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ میں ناعر بن اعور نے معہ حارث بن مرہ بیس ہزار سندیوں کو شکست دی +
الفنسٹن صاحب کے اقوال متضاد ہیں اور ۴۴ھ سے پہلے مسلمانوں کا ہندوستان میں آنا لیتھبرج صاحب کے قول کی تردید کرتا ہے جو ۱۵ھ میں خلیفہ ثانی کے عہد میں عربوں کا سندھ پر حملہ آور ہونا لکھتا ہے۔ چونکہ انگریزی خواں اصحاب کو انگریزی تاریخوں پر زیادہ وثوق ہے۔ اسلئے ہم ثابت کرتے ہیں کہ حملہ ۱۵ھ ناممکن تھا +
عرب سندھ پر دو راستوں سے حملہ کر سکتے تھے ایک سمندر کے راستہ بذریعہ جہازات دوئم براہ ایران و بلوچستان مورخین اسلام کا اسپر اتفاق ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ بسبب اس کے کہ ابھی مسلمان فن جہازرانی میں مہارت اور بحری لڑائیوں کا تجربہ نہ رکھتے تھے بحری مہمات کے خلاف تھے۔ چنانچہ معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام نے جب جزیرہ سائپرس واقعہ بحیرہ شام پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا وجہ کے سبب سے اجازت نہ دی۔ پس جبکہ ساحل شام کے متصلہ جزیرہ پر حکم نہ دیا گیا تو عامل یمن کو بحر ہند کے طویل اور خطرناک سفر کی کسطرح اجازت دی گئی۔ اگر بقول لیتھبرج صاحب حملہ بمقام تھانہ قریب بمبئی پر ہوا تو دربار خلافت نے چند فوجی جہازات

دے ہونگے۔ مگر حضرت عمر رضؓ کے عہد میں اسلامی بیڑہ کا وجود ثابت نہیں ہوتا۔ کسی ایک دو سمندری کشتیوں کا ساحل ہند کے کسی شہر میں سارقانہ وارد ہونا اگر واقعی ہوئی ہوں ہرگز فاتحانہ (خصوصًا مہمات عہد فاروقی سے) منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے بحری قزاق ممکن ہے کہ مدت سے لوٹ مار کے عادی ہوں۔ مگر حملہ آوران اسلام کے ضمن میں عاملین کا لفظ عمال فاروقی کا ناظرین کو دہوکہ دیتا ہے۔ اور یورپین مورخوں کی یہ طرز تحریر مورخانہ کانشنس کے خلاف ہے +

علاء الحضرمی گورنر بحرین نے بلا اطلاع خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ شہر اصطخر متصلہ شیراز پر حملہ کیا اور اس چھوٹی سی مہم میں بھی سوار بن ہمام اور جارود بن معلی جیسے بہادر جرنیل کٹوا کر مآل اندیش اور مدبر خلیفہ ثانی کے رائے کے مطابق شکست کھانی پڑی۔ غالبًا اسی حملہ والی بحرین کو ایلیٹ صاحب وغیرہ نے کسی غیر محقق مشرقی مورخ کی تقلید میں حملہ سندھ قرار دیدیا ہے

دوسرا راستہ سندھ ایران اور بلوچستان میں سے تھا مگر ۱۵ھ تک تو مشہور جنگ قادسیہ کا ہی خاتمہ ہوا تھا جس میں کہ ایرانیوں کے بہادر سپہ سالار رستم اور فیرزان کی سرکردگی میں جان نثاران ایران نے کئی رات دن کی متواتر جنگ شدید سے مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال دیا تھا جسکو غازیان اسلام نے جانوں پر کھیل کر مقدس صحابی سعد وقاص رضؓ کے زیر کمان جیتا تھا یزدجرد شاہ ایران اور ایرانیوں کی قومی طاقت موجود تھی ایران کے مشرقی اور جنوبی شمالی صوبے ۱۵ھ تک مسلمانوں کے دست تصرف سے آزاد تھے ۱۵ھ کے بعد کئی معرکہ مثل جلولا واہواز ہوئے مشہور جنگ نہاوند ۱۸ھ یا ۱۹ھ میں ہوا تھا جس میں یزدجرد شاہ فارس نے تمام ایرانی حکام اور رعایا کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ کیا تھا چونکہ ایرانیوں کی یہ آخری قسمت آزمائی تھی اس لئے شاہ فارس نے دیگر ایشیائی قوموں سے بھی کمکی فوج منگوائی تھی۔ معرکہ نہاوند کی مجمع فوج میں فوج سندھ کا نام بھی لکھا ہے جسکو اسلامی اور سندھی فوج کا پہلا معانقہ کہہ سکتے ہیں مگر نہاوند حدود سندھ سے دور خاص ایران میں تھا اسکو حملہ سندھ نہیں کہہ سکتے البتہ وجہ حملہ قرار دے سکتے ہیں جنگ نہاوند کے بعد ایران کے بڑے بڑے شہر اصفہان۔ ہمدان وغیرہ فتح ہوئی۔ اور اہل اسلام کو مشرق کیطرف بڑھنے کا موقعہ ملا۔ خراسان ۲۳ھ اور کرمان اسی سال سہیل بن عدی نے فتح کیا اور اسی سال سیستان

تسخیر ہوا اور یہی علاقے سندھ کے راستہ میں تھے جو ۸۵ھ تک ابھی فتح نہیں ہوئے تھے پھر معلوم نہیں کہ مسلمان کس راستہ سے ۱۵ھ میں سندھ پر حملہ آور ہوئے +

یورپین مورخ جو خود عموماً عربی فارسی تاریخیں نہیں پڑھ سکتے اور عموماً کم لیاقت ہندوستانیوں کے ذریعہ تاریخیں تالیف کراتے ہیں جن پر نہ تو تاریخ نویسی کی ذمہ داری ہوتی ہے اور نہ اُن کو تاریخ سے مذاق ہوتا ہے ایسے فضلائے یورپ پر تو کوئی افسوس نہیں مگر مشرقی علوم کے فاضل جب عام انگریزی خواں اصحاب کیطرح عربی فارسی تاریخوں کی موجودگی میں اپنی تالیفات کا مدار صرف انگریزی تاریخوں پر ہی رکھیں اور یورپین مورخوں سے زیادہ ٹھوکریں کھائیں تو سخت افسوس ہوتا ہے +

میں اصلاح غلطی کی نیت سے مجبوراً عرض کرتا ہوں کہ شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ خانصاحب دہلوی نے ہندوستان کی تاریخ بسیط کئی جلدوں میں لکھی ہے مگر تعجب ہے کہ اس موقعہ پر مختلف اور متضاد مضامین کے لکھنے میں الفنسٹن صاحب سے بڑھ گئے ہیں۔ مورخ موصوف اپنی تاریخ کا انحصار چچ نامہ اور تاریخ سندھ مؤلفہ میر معصوم اور تاریخ الیٹ صاحب پر رکھتے ہیں جیساکہ وہ خود جلد اول صفحہ ۳ باب سوم میں لکھتے ہیں اگر تکلیف فرما کر کسی اور عربی فارسی تاریخ کو دیکھتے تو اس قدر تضاد اور تخالف نہ پایا جاتا۔ چچ نامہ سے میر معصوم نے انتخاب کیا ہے۔ چنانچہ میر معصوم اپنی قلمی تاریخ سندھ صفحہ ۲ موجودہ پبلک لائبریری لاہور میں لکھتے ہیں کہ "اہل تواریخ متفق اند بریں معنی کہ فتح سندھ در زمانِ ولید بن عبدالملک بسعی و اہتمام حجاج بن یوسف ثقفی بود چنانچہ علی بن حامد بن ابوبکر کوفی در تاریخ سندکہ مشہور ست بچچ نامہ مسطور نمودہ آنچہ ضروری است دریں اوراق مرقوم می نماید" اس سے پایا جاتا ہے کہ میر معصوم کی تاریخ سندھ چچ نامہ کا خلاصہ ہے روایت درایت کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ پس دونوں کو ایک تاریخ سمجھنا غلط نہیں ہے +

چچ نامہ کو ہمنے نہیں دیکھا مگر تاریخ سندھ مصنفہ سید محمد معصوم کو ہم نے بغور پڑھا ہے۔ محققانہ تحریر نہیں ہے جیساکہ اوپر لکھا گیا ہے کہ فتح سندھ ولید کے عہد میں ہوئی اور اس پر اہل تاریخ کو متفق لکھتے ہیں۔ حالانکہ آمد ۷۰ سال پہلے اور متواتر فاتحانہ قبضہ عربوں کا ۵ سال ولید سے پہلے کا چلا آتا تھا۔ اور یہی مورخ اپنی تاریخ سندھ کے صفحہ ۵ کی اخیر سطر میں لکھتے ہیں کہ "از دار الخلافہ بغداد در زمان خلافت ولید بن عبدالملک بر سندھ

حملہ نمودہ" حالانکہ ولید کے عہد میں بغداد دارالخلافہ نہ تھا۔ بلکہ بغداد کا بقول بعض نام و نشان تک نہ تھا۔ حملہ آور فوج کوفہ سے روانہ ہوئے جو حجاج بن یوسف کا صدر مقام عراق تھا۔ یہی مصنف معز الدین کو شہاب الدین غوری کا بھائی لکھتا ہے حالانکہ دونوں محمد غوری کے خطاب ہیں۔ خسرو ملک غزنوی کا قید کرنیوالا غیاث الدین غوری کو لکھتا ہے۔ اسی قسم کے اور واقعات ہیں۔ پس چچ نامہ کی ثقاہت کا بھی یہی حال ہوگا۔ جو تاریخ سندھ مؤلفہ سید محمد معصوم کا ماخذ ہے۔ تاریخ سرجان ایلیٹ ضرور ایک فاضل یورپین کی لکھی ہوئی ہے۔ مگر یورپین مورخ جو اسلامی تاریخ کے لکھنے میں نتائج خلاف واقعہ اور بعض موقعہ پر متعصبانہ رائے دیتے ہیں سرجان ایلیٹ کب بچ سکتا ہے۔ ایک مشرقی زبانوں کا جاننے والا مسلمان مورخ بلا تحقیق ایسے صاحبوں کی رائے تسلیم نہیں کرسکتا جو عربی فارسی کو اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے یا بالکل ہی نہیں جانتے۔

اس بحث سے غرض یہ ہے کہ پروفیسر دہلوی نے سندھ کے حملہ آوران عرب کے حالات اپنی مفصل تاریخ ہند میں لکھے ہیں۔ جنہوں نے چچ نامہ۔ تاریخ سید محمد معصوم۔ تاریخ سرجان ایلیٹ پر زیادہ مدار رکھا ہے۔ مگر حملہ آوران عرب کی نسبت فاضل پروفیسر دہلوی اور ہماری تحقیقات میں فرق ہے۔ محقق ناظرین محض وجاہت دنیوی پر نگاہ کرکے ہی میری ناچیز تحریر کو حقارت سے نہ دیکھیں بلکہ اختلافات کو تاریخی معیار سے تحقیق فرمادیں۔

ہم نے لکھا ہے کہ خلیفہ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے اور پھر سوار العبدی نے بغرور اور کیکان واقعہ سندھ تک فتوحات کیں اور عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں مہلب نے ملتان تک ملک فتح کیا۔ ولید کے عہد میں محمد بن قاسم نے فتوحات سندھ کو مکمل کیا۔ راجہ داہر مارا گیا۔ ہندوؤں کے خاندان سے عربوں کے ہاتھ میں حکومت چلی گئی۔ مگر پروفیسر دہلوی اپنی تاریخ ہند جلد اول میں متضاد فقرات لکھتا ہے۔ اور حملہ آوران عرب کی ترتیب اور تاریخ حملہ کو مشکوک کر دیتا ہے۔ چنانچہ فاضل دہلوی اپنی تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۷ میں لکھتے ہیں کہ "۱۵ھ یا ۱۶ھ میں عثمان بن العاص ثقفی حاکم بحرین وعمان نے حضرت عمر کے مشورہ بغیر عمان کی راہ سے ساحل سندھ پر ایک لشکر غزا کے لئے بھیجدیا وہ بمبئی میں تھانا تک آیا اور حضرت عمر ناراض ہوئے اسپر ہمارا وہی اعتراض ہے جو تاریخ لیتھ برج صاحب پر پہلے کیا گیا ہے۔ یہ حملہ حاکم بحرین کا وہی

ہے جو اصطخر متصلہ شیراز تھا مگر فاضل دہلوی خود ہی اس کے برخلاف کئی جگہ لکھتا ہے چنانچہ تاریخ ہند جلد اول صفحہ ۸۷ پر فاضل موصوف لکھتا ہے کہ "حضرت عثمان کی خلافت میں عراق کا والی عبداللہ مقرر ہوا اس کے زمانہ میں اول حملہ کابل پر ہوا اس کو خلیفہ نے ہدایت کی کہ جاسوس بھیج کر اضلاع ہند کا حال دریافت کرے گو جاسوسوں نے ایسا حال بتلایا کہ وہ حملہ آوران کو منع کرتا تھا مگر عبداللہ نے اپنے عم زاد بھائیوں میں سے عبدالرحمن بن سمرہ کو حکم دیا کہ وہ سیستان پر حملہ کرے۔

جلد اول صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۷ پر لکھا ہے "حکیم ابن جبلہ کے حالات سندھ بیان کرنے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لکھ بھیجا کہ سندھ پر لشکر کشی سے احتراز کرے۔ حالانکہ یہ واقعہ امتناع حملہ سندھ عربی تاریخ فتوحات اسلامیہ جلد اول صفحہ ۱۱۵ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لکھا ہے جو صحار العبدی کے بیان حالات سندھ پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے امرائے فوج مکران کو حکم بھیجا کہ "لا یجوزن مکران احد من جنودھا" یعنی مکران سے آگے کوئی نہ بڑھے اور مکران واقعہ بلوچستان اور سیستان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہو چکی ہے نہ بقول فاضل دہلوی عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں عبدالرحمن بن سمرہ نے سیستان کو فتح کیا۔

یہی فاضل جلد اول صفحہ ۱۱۷ پر لکھتا ہے کہ "عبداللہ بن عامر نے حضرت عمر سے دریائے سندھ عبور کرنے کی اجازت طلب کی مگر وہ اُسی اپنی محتاط تدبیر کے پابند تھے"۔ تعجب ہے کہ یہاں عہد فاروقی میں تو دریائے سندھ تک مسلمان پہنچ گئے اور سیستان بلوچستان مغربی علاقہ سندھ فتح بھی کر آئے اور عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں بقول فاضل دہلوی ابھی حالات سندھ دریافت کئے جاتے تھے اور بلا اجازت عثمان رضی اللہ عنہ عبدالرحمن سیستان پر حملہ کرتا ہے۔ عجیب ترقی معکوس ہے کس بیان کو صحیح مانا جائے۔ فاضل دہلوی نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ دریائے۔ دجلہ۔ فرات نیل کو تو بہادران اسلام اپنے افسروں کی ہدایت کے موافق عبور کر جائیں اور سندھ کے عبور کرنے کے لئے خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کی اجازت طلب کیجائے جبکہ دریائے سندھ کا مغربی علاقہ جس میں راجہ سندھ کا ایک بہت بڑا حصہ ملک شامل تھا مسلمان فتح کر چکے مگر اسلامی اور سندھی فوج کے کسی معرکہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ جلد اول صفحہ ۱۱۶ سطر ۱۶ پر لکھتے ہیں کہ اُسی زمانہ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) میں مغیرہ بن العاص

دیبل واقعہ سندھ پہنچا اُس زمانہ میں ملک سندھ میں راجہ چچ بن سلائج کا راج ۳۵ سال کر چلا آتا تھا چچ نے ۴۰ سال حکومت کی بقول فاضل دہلوی اس کے بھائی نے ۸ سال جس کے بعد راجہ داہر سندھ کا والی ہوا۔ راجہ داہر بقول فاضل دہلوی دہم ماہ رمضان ۹۳ھ کو کشتہ ہوا۔ ۱۶ھ سے لے کر ۹۳ھ تک ۷۷ سال کے عرصہ جس میں پانچ سال بقیہ حکومت چچ اور ۸ سال اس کے بھائی کے نکالنے سے باقی ۶۴ سال خاص راجہ داہر کی سلطنت ماننی پڑتی ہے اور اسقدر طویل عرصہ میں فاضل دہلوی نے مسلمانوں اور راجہ داہر کے کسی مقابلہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ بقول فاضل دہلوی ۶۵ سال پیشتر مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد سندھ میں پڑ چکی تھی جیسا کہ جلد اول صفحہ ۳۲ سطر ۵ پر لکھتے ہیں کہ "۲۸ھ میں ہرات پر اسلام کا ڈنکا بجا اور وہاں سے پھر سارے افغانستان میں سندھ تک اسلام کے اعلام ظفر قائم ہوئے اور سندھ میں اُن کی سلطنت کی بنیاد پڑی" جب ۲۸ھ کے قریب سندھ میں مسلمانوں کی سلطنت کی بنیاد پڑ چکی تھی تو راجگان ہند خصوصاً داہر جو بقول فاضل دہلوی اُسوقت سندھ کا راجہ تھا کیوں نہ کسی جگہ میدان میں نکلا اور مسلمان مونہہ اُٹھائے والی سندھ ہو گئے پس راجہ داہر کا ۶۴ سال حکومت کرنا بھی درست نہیں راجہ داہر ایک زبردست غیور بہادر راجہ تھا جس نے کہ محمد بن قاسم کے مُنہ توڑ مقابلے کئے اور بہادروں کیطرح ملک و ملت پر قربان ہو گیا +

اِن اختلافی مضامین کے دکھانے کی غرض یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے صحیح حالات یورپین تاریخوں سے نہیں مل سکتے اور اُن کے نتائج مستخرجہ واقعات کے خلاف ہوتے ہیں اور جو ہندوستانی مورخ صرف انگریزی تاریخوں پر حصر رکھتا ہے وہ بھی غلطی سے نہیں بچ سکتا پس نتیجہ یہ نکلا کہ علاقہ سندھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح نہیں ہوا اور نہ کسی مسلمان جرنیل نے حملہ کیا۔ مکران سے آگے بڑھنا تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے +

فتح مکران (بلوچستان) اور سندھی فوج سے مقابلہ

فتح نہاوند کے بعد جن امرائے اسلام کو علم سرداری دیکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح امصار پر مقرر کیا تھا اُن میں سے ایک حکم بن عمرو التغلبی تھے جسکو فتح مکران واتمہ

بلوچستان کے لئے روانہ کیا گیا۔ اہالی مکران نے راجہ سندھ سے مدد طلب کی اور سخت جنگ کے بعد فوج مکران اور سندھ کو شکست ہوئی۔ اور مکران پر اہل اسلام کا قبضہ ہو گیا مگر یہ واقعہ ۲۳ھ کا ہے نہ کہ ۱۵ھ کا اور یہ کیچ مکران بلوچستان میں ہے۔ مکران سے آگے بڑھنا اور سندھ کا فتح کرنا عہد فاروقی میں ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عربی تاریخوں میں صاف لکھا ہے کہ جب فتح مکران کا مال خمس صحار العبدی لیکر مدینہ منورہ گیا اور خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے حالات علاقہ مکران دریافت کئے تو صحار العبدیؓ نے جواب دیا کہ یا امیر المومنین ھی اَرضٌ سھلھا جبلٌ وماؤھا وشلٌ وتمرھا دقلٌ وعدوھا بطلٌ وخیرھا قلیلٌ وشرھا طویلٌ والکثیر فیھا قلیلٌ والقلیل ضائعٌ وما وراءھا شرٌ منھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حالات سن کر سرداران متعینہ مکران کو لکھدیا کہ لایجوزن مکرانِ احدٌ من جنودھا یعنے مکران سے آگے کوئی فوج نہ بڑھے۔ اس امتناعی حکم کے ہوتے یہ کہنا کہ ابو العاص عامل یمن نے ۱۵ھ میں خلیفہ ثانی کے عہد میں سندھ پر حملہ کیا۔ مورخانہ تحقیقات سے گرا ہوا ہے +

مسلمانوں کے سندھ پر حملے

امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ماہ ذی الحجہ ۲۳ھ کو شہید کئے گئے اور امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد شروع ہوا جنہوں نے عہد فاروقی کی طرح ایشیا۔ افریقہ کے باطل پرستوں اور رومی عیسائیوں کے مقابلہ پر فوجیں روانہ کیں۔ ایشیائی فتوحات کا کام عبداللہ بن عامر کے سپرد ہوا۔ جس نے خود تو عہد شکن خراسانیوں کو اور بہادر احنف بن قیس نے مرورود۔ جرجان۔ فاریاب۔ طخارستان۔ بلخ کو باجگذار بنایا اور سیستان کا حاکم عبدالرحمن بن سمرہ بن حبیب بن عبدالشمس مقرر ہوا جس اولوالعزم کے سامنے بلوچستان سندھ افغانستان پڑے تھے۔ چونکہ راجہ سندھ دو دفعہ پہلے معرکہ نہاوند اور مکران میں بلاسبب مسلمانوں کے برخلاف ہتھیار اوٹھا چکا اور تکالیف دے چکا تھا اس غیور عبدالرحمن نے پہلے بلوچستان اور سندھ کی طرف رخ کیا اور مخالف فوج کو شکست پر شکست دیتا اور نشان فتح اوڑاتا ہوا مقام بغرو واقعہ سندھ تک پہنچ گیا پس میرے نزدیک مسلمانوں میں پہلا حملہ آور سندھ عبدالرحمن بن سمرہ تھا۔ مگر اس نے

اس سے زیادہ فتوحات نہیں کیں۔ جلدی ہی اسکو کابل کیطرف متوجہ ہونا پڑا۔ جہاں اسکی خدمات کی کابل کے خونخوار اور جنگجو باشندوں کے مقابلہ میں زیادہ ضرورت تھی۔
عبدالرحمن کی جگہ ابن عامر نے سوار العبدی کو فتح سندھ پر مامور کیا جسکے مفتوحہ شہر کا نام عربی تاریخوں میں قیقان لکھا ہے۔ یہ فتوحات عثمانی عہد کے ہیں امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اخیر ۳۵ھ میں باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ جنگ جمل اور صفین لاکھوں مسلمانوں کی ہلاکت اور قومی افتراق کا باعث ہوئے اور امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سندھ اور دیگر ایشیائی مہمات کیطرف توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی۔ اور سندھ پر کوئی حملہ نہ ہوا صرف سابقہ مفتوحہ علاقہ ہی جگذار رہا۔ اسی طرح اس خانگی فساد سے اہل افریقہ اور رومیوں کے مقابلہ میں بھی کوئی عظیم الشان فتح حاصل نہ ہوسکی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو ایک نابکار خارجی عبدالرحمن ابن ملجم کے ہاتھ سے کوفہ میں شہید ہوئے اور ان کے جانشین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے محض اس خیال سے کہ باہمی کشت وخون سے امت محمدی علیہ الصلوۃ والسلام قتل ہورہی ہے اور ترقی اسلام میں ہرج ہورہا ہے۔ ربیع الاول ۴۱ھ کو خلع فرماکر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی اور اپنے جد مکرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی حدیث "اِنَّ اِبنِی ھٰذَا سَیِّدٌ سَیُصلِحُ اللہُ بِہٖ بَینَ فِئَتَینِ عَظِیمَتَینِ مِنَ المُسلِمِینَ" کو صحیح ثابت کردیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی دنیا کا واحد خلیفہ بن گیا اور ۵ سال گذشتہ میں جو غیر ممالک کی فتوحات میں توقف پڑ گیا تھا اس کی کسر نکالنے لگا۔ ایک دفعہ ہی کوئی تیس بہادر جرنیل ایشیا۔ افریقہ۔ یورپ کی مختلف اقوام اور مختلف اطراف کی تسخیر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بحر و بر میں ہل چل ڈال دی ان میں سے مہلب بن ابی صفرہ اپنی متواتر ایشیائی فتوحات کے سبب خاص ممتاز تھا۔ اسی مہلب نے ۴۴ھ میں عہد معاویہ رضؓ میں سندھ پر حملہ کیا اور قندہار سے لے کر ملتان تک کا کل علاقہ تسخیر کرلیا۔ اور سندھ پر مسلمانوں کا پورا تسلط ہوگیا۔ غالباً اسی عہد کے ایک غازی کی قبر ضلع جھنگ واقعہ پنجاب کے موضع پیر عبدالرحمن میں واقعہ ہے جو اس غازی کے نام سے منسوب ہے مجاورین عبدالرحمن بن عوف رضؓ بتلاتے ہیں جو غلط ہے۔ کیونکہ عبدالرحمن ابن عوفؓ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔ یہ غازی قلعہ شور (موجودہ شورکوٹ) اور قلعہ رور

کی فتح میں شہید ہوئے ہونگے جن کے کھنڈر موضع پیر عبدالرحمٰن کے قریب ہیں۔ مہلب کی فتوحات اس سے آگے پنجاب اور سندھ میں نہ بڑھیں اور مفتوحہ علاقہ سندھ اور پنجاب ضمیمہ ممالک اسلام بن گیا۔

وجہ توقف فتوحات ہند

چونکہ مہلب ماتحت حکم بن عمرو الغفاری گورنر جنرل خراسان کے تھا اور حکم کو باشندگان غور افغانستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے ہمہ تن مصروف ہونا پڑا اسلئے مہلب کو بھی واپس بلا لیا جس نے مہم مذکور میں اپنی تدبیر و شجاعت کے جوہر دکھا کر بغاوت کا قرار واقعی انتظام کر دیا اور مہلب ہندوستان کیطرف نہ آسکا ۵۴ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو خراسان کا گورنر جنرل اور ایشیائی مہمات کا مختار کیا۔ یہ شخص اپنے باپ زیاد کیطرح پولٹیکل چالوں میں مشتاق تھا لیکن دیگر عرب سرداروں کی طرح کوئی مشہور مرد میدان نہ تھا۔ والی خراسان ہوتے ہی ترکستان کی بغاوت پھوٹ پڑی اس لئے عبید اللہ مذکور کو اپنی ساری توجہ تاتاری علاقہ کیطرف ہی مصروف کرنی پڑی اور کوئی اولوالعزم جرنیل فتح ہندوستان پر مامور نہ کر سکا۔ بہادر مہلب عبید اللہ بن زیاد کی ماتحتی ہی کام کرتا رہا۔ بخارا وغیرہ کا علاقہ اسی عبید اللہ نے فتح کیا چونکہ اس کا کام کچھ تسلی بخش نہ نکلا۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے عام سلوک سے خوش نہ رہا اسلئے عبید اللہ معزول اور اس کی جگہ ۵۶ھ میں سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مشرقی مہمات پر مامور ہوا جنہوں نے ترکستان کی ادھوری مہم کیطرف ہی توجہ مبذول رکھی اور تسخیر ہندوستان میں ایزادی نہ ہو سکی سمرقند۔ صفد۔ ترمذ واقعہ تاتار کو اسی سعید نے فتح کیا تھا۔ ۶۰ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور مشہور فاسق یزید اُن کا جانشین ہوا اور گورنر خراسان مسلم بن زیاد مقرر ہوا اور سعید رضی اللہ عنہ معزول کئے گئے اسی مسلم کی ماتحت بہادر مہلب نے خوارزمیوں۔ تاتاریوں افغانوں کے مقابلہ میں اسلامی شجاعت کے جوہر دکھا کر ہر ایک بغاوت کو رفع کیا مگر یزید کے عہد میں تمام طرف سے اسلامی فتوحات رُک گئیں یزید کو سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کی فکر پڑی جسکا خاتمہ خونخوار ظالمانہ واقعہ کربلا پر ہوا اور یزید اور اس کے خاندان کیطرف سے

مسلمانوں کے دل بھر گئے اور اہل اسلام کا فاتحانہ جوش گم ہو گیا اور سنہ ۶۴ھ میں ناکام مر گیا اور چالیس یوم بعد اسکا بیٹا معاویہ ثانی جو ایک نیک نہاد تھا راہی ملک بریں ہوا۔ اور ظالم یزید کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا +

اس کے بعد مسلمانوں میں دو دعویدار سلطنت پیدا ہو گئے۔ بنی امیہ میں سے جن میں ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے مقدس خلیفہ اور دوسرے معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور کشور کشا بہادر اقطار عالم میں بنی امیہ کی سیادت کا سکہ جما چکے تھے اول تو مروان بن الحکم اور اس کے بعد اسکا بیٹا عبد الملک بن مروان مدعی سلطنت ہوا جسکا صدر مقام دمشق واقعہ شام تھا۔ اور دوسرا حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خاص مکہ معظمہ میں اپنا دار الخلافہ مقرر کیا عرب۔ عراق اور اس کی جنگجو اقوام عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھیں مشرقی ممالک میں جہاں ہواخواہان بنی امیہ کی کثرت تھی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے مخالف عبد الملک کے قطعی فیصلہ کے بغیر توجہ نہ کر سکتا تھا اور خود عبد الملک کا ہاتھ خراسان اور سندھ تک نہ پہنچ سکتا تھا اس لئے ایشائی علاقہ دو ملاں میں مرغی حرام کی مثال بنا رہا۔ اور مجاہدین مشرق کسی سرپرست اور واحد خلیفہ کے نہ ہونے سے ہندوستان وغیرہ میں قدم نہ بڑھا سکے اور جسقدر علاقہ سندھ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہادر مہلب نے فتح کیا تھا وہی مسلمانوں کے ماتحت رہا مگر جوں ہی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما عبد الملک کے سپہ سالار مشہور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور عبد الملک بن مروان بلا مزاحمت اسلامی دنیا کا واحد خلیفہ مقرر ہوا تو بیرونی فتوحات کیطرف توجہ ہوئی عبد الملک نے حجاج بن یوسف کو مشرقی ممالک عراق۔ ایران۔ خراسان۔ ترکستان کا کامل الاختیار نائب مقرر کیا جسے سندھ کا حاکم مجاعہ بن سعد التیمی کو تجویز کیا جس کے مفتوحہ شہر کا نام قنداسیل لکھا ہے غالباً یہ شہر جنوبی سندھ میں ہوگا۔ اس سے زیادہ عبد الملک کے عہد میں ہندوستان کے اندر فتوحات نہیں بڑھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ عبد الملک خود اگرچہ علم و فضل زہد و تقوی میں مشہور تھا مگر ایک اسلام کی جڑ ہلا دینے والے واقعہ کربلا نے بنی امیہ کی محبت عامہ کو عام مسلمانوں کے دلوں سے گھٹا دیا تھا اگر یہ معاملہ یزید کے خاندان کی بربادی سے کچھ فراموش ہوا تھا تو ظالم حجاج کے افعال ظالمانہ یعنے بیت الحرام مکہ زاداللہ شرفاً کی سنگباری اور انہدام قوم کے ہر دلعزیز اور بہادر صحابی عبد اللہ بن زبیر

رضی اللہ عنہا کے سولی چڑھانے اور حضرت انس و جابر بن عبداللہ اور سہیل بن سعد الساعدی جیسے بزرگوار اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شکلیں کسو رنے اور توہین کرنے اور تارک الدنیا مقدس عالم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا کو باشارہ حجاج زہر سے بجھے ہوئے حربہ سے زخمی کرنے جس سے کہ وہ جانبر نہ ہوسکے علاوہ اس کے ہزار ہا بے گناہ مسلمانوں کے سفک و مار سے عرب و عراق جو بہادروں کی کانیں تھیں وہاں ناراضگی پھیل گئی اور جہادی شوق کم ہوگیا۔ اس لئے عبدالملک کے عہد ۷۳ھ لغایت ۸۶ھ تک صرف بنی امیہ کا کھویا ہوا اقتدار ہی قائم کیا گیا اور ہرقلہ اور آرمینا اور طرابلس واقعہ افریقہ کی مکرر فتح سے اسلامی وقار تازہ کیا گیا۔

حجاج بن یوسف نے اپنی ساری طاقت رتبیل شاہ افغانستان ترکستان کی بغاوت کے فرو کرنے میں صرف کردی عبیداللہ بن ابی بکرہ اور شریح بن ہانی صحابی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ جیسے ممتاز سردار معہ فوج کثیر ترکوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئے۔ اور بہت ہی تھوڑی مسلمان جان بچاکر واپس ہوئے۔ یہ پہلا واقعہ تھا کہ جس میں مسلمانوں نے مشرق میں ایسی شکست فاش کھائی اس لئے عبدالملک کو ترکستان کیطرف پوری توجہ کرنی پڑی اور بہادر مہلب نے اپنے بیٹوں یزید اور حبیب کی مجاہدانہ سعی سے ترکستان کے امصار رتبیل اور کش کی تسخیر اور بخاریوں کی چالیس ہزار فوج بھگا دینے سے کچھ اسلامی رعب قائم کیا۔ مگر اس زمانہ میں مہلب زیادہ بچاؤ ہی کرتا رہا کیونکہ فوج کم تھی۔ حجاج نے سابقہ شکست کا داغ مٹانے کے لئے کوفہ اور بصرہ کی چھاونیوں سے چالیس ہزار سوار کا دستہ مرتب کیا جس کی کمان عبدالملک نے عبدالرحمن بن محمد بن اشعث بن قیس کو دی۔ مگر حجاج کا دل عبدالرحمن کیطرف سے صاف نہ تھا۔ عبدالرحمن نے رتبیل شاہ ترکستان کو شکست پر شکست دیکر دور دراز کوہستانی علاقہ میں بھگا دیا اگر عبدالرحمن اُس کے تعاقب میں گھس جاتا تو اُسپر وہی مصیبت ہلاکت نازل ہوتی جو شریح بن ہانی اور اُس کے رفقا کو پیش آئی تھی۔ اسلئے اُس نے صلح کرنی چاہی۔

حجاج جو عبدالرحمن کو تباہ کرنا چاہتا تھا وہ آگے بڑھنے پر زور دیتا رہا عبدالرحمن اور اس کے ہمراہیوں کو یقین ہوگیا کہ حجاج ہمیں ہلاک کرنا چاہتا ہے اور عبدالملک حجاج کے

ہاتھ میں کٹھ پتلی ہے اس لئے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھ کر عبدالرحمٰن کی بیعت کی گئی اور مقابلہ حجاج کے لئے عراق کو واپس چلے آئے۔ مسلمان حجاج کے ظلموں سے تنگ آئے ہوئے تھے اس لئے عبدالرحمٰن نے ایک لاکھ کی جمعیت سے حجاج کا زور توڑ کر کوفہ اور بصرہ لے لیا آخر عبدالملک نے شام سے تازہ دم فوج اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ روانہ کی اور ۱۰۳ متواتر لڑائیوں کے بعد عبدالرحمٰن کو شکست ہوئی اور اس کے ہمراہی جن میں بڑے بڑے علماء اور مقدس تابعین داخل تھے ظالم حجاج کے ہاتھ سے سخت عذاب اٹھا کر ہلاک ہوئے یہ واقعہ ۸۱ھ کا ہے۔ ان خانہ جنگیوں کی باعث ہندوستان پر عہد عبدالملک میں کوئی کامیاب حملہ نہ ہوا۔ عبدالرحمٰن کے بعد مہلب گورنر خراسان مقرر ہوا جس کے متعلق سندھ بھی تھا اور ضرور یہ بہادر اپنی گورنری کے زمانہ میں اپنے قدم جولانگاہ ہندوستان میں کوئی مہتم بالشان فتح کرتا مگر ایک سال کے اندر ہی ۸۲ھ میں فوت ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون جس کی جگہ اس کا بیٹا یزید مقرر ہوا جس کے سامنے ترکستان کی ادھوری مہم موجود تھی اس لئے تاتاری قلعہ بادغیس فتح کیا اور ۸۵ھ میں معزول ہوا اور اسکا بھائی مفضل بن مہلب والی خراسان ہوا مگر وہ بھی انتظام ترکستان میں مصروف رہا اور چند شہروں کی فتح سے کچھ رعب قائم کیا شوال ۸۶ھ میں عبدالملک فوت ہو گیا ان وجوہات سے جو اوپر بیان کی گئی ہیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر عہد سے لیکر عبدالملک کی وفات تک ہندوستان کی فتوحات میں کوئی ایزادی نہ ہوئی۔ ہاں عبدالملک نے تمام مخالفتوں کو دور کر لیا اور اپنی اولاد کے لئے میدان صاف کر گیا ؀

خلیفہ ولید بن عبدالملک
اور
سندھ کی فوج کشی کا سبب

عبدالملک کے بعد اسکا بیٹا ولید بلا تنازعہ تخت خلافت پر بیٹھا جس نے مشرقی صوبجات کا چارج بدستور حجاج بن یوسف کے پاس ہی رکھا حجاج نے مجاعہ کے بعد محمد بن ہارون کو سرحد سندھ پر حاکم مقرر کیا۔ جس نے باغی علاقوں کو کچھ مدت تک تنگ رکھا۔ حجاج کے دوسرے سردار قتیبہ بن مسلم الباہلی کو جس نے جنگ عبدالرحمٰن بن محمد

بن اشعث میں خدمات نمایاں کی تھیں وسط ایشیا کی مہم پر مقرر کیا جو خوارزم ۔ بخارا ۔ خجند شاش ۔ سمرقند ۔ فرغانہ کو فتح کرتا ہوا کاشغر تک جا پہنچا ۔ اگر شاہ چین کے سفرائی وہاں آکر صلح و صفائی سے حدبندی نہ کر لیتے تو یہ بہادر چین کے سمت رواں تک پرچم فتح ضرور اڑاتا +

اس بہادر نے مفتوحہ اقوام میں اسقدر محبت و اطاعت کا بیج بو دیا کہ دو لاکھ ترک قتیبہ کی فوج میں ملازم ہو گئے جو ہر ایک دشمن اسلام سے ترک ہو یا چینی جان باز مقابلہ کرتے جو مسلمان فاتحین کے منصفانہ برتاؤ اور فیاضانہ سلوک کا نتیجہ تھا اور فاتح مفتوح میں اس قسم کا باہمی سلوک بغیر کامل مذہبی آزادی عطا کئے ہرگز پایا نہیں جاتا ۔ جبکہ بہادر قتیبہ نے تاتاریوں کیطرف سے جو نصف صدی سے اسلامی گورنمنٹ کو چینی چبا رہے تھے اطمینان دلادیا تو سندھ کی طرف بھی خیال ہوا +

اس سے چند سال پہلے ایک ایسا واقعہ ہوا تھا کہ سندھ والوں نے مسلمانوں کو خواہ مخواہ چھیڑا تھا ۔ راجہ لنکا نے خلیفہ ولید کی شوکت و عظمت سے ڈر کر مسلمان یتیم بچہ اور عورتیں جن کے سرپرست لنکا میں بسلسلۂ تجارت وغیرہ مر گئے تھے معہ قیمتی تحائف کے آٹھ جہازوں میں بھر کر حجاج کے پاس روانہ کیا مخالف ہوا سے وہ دیبل (ٹھٹھہ) واقع سندھ پر آلگے اور سندھیوں نے لوٹ لئے ۔ خبر ہونے پر حجاج نے داہر راجہ سندھ کو مسلمان عورت بچوں کے چھوڑانے کے لئے لکھا لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ قزاق میرے اختیار سے باہر ہیں ۔ یہ عذر لنگ کب قبول ہوسکتا تھا ۔ حجاج نے اول تو عبداللہ بن نابہان اسلمی کو دیبل پر روانہ کیا جو شکست کھا کر وہیں کام آیا ۔ حجاج نے دوبارہ بدیل کو اہل سندھ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا جو محمد ہارون حاکم مکران اور عبداللہ بن قحطانی کی کمکی فوج تعدادی چار ہزار لیکر دیبل جا پہنچا اور داہر کے بیٹے جی سب (کیشب) صبح سے شام تک لڑا اور گھوڑے سے گر کر شہید ہوا ۔ اور اس دفعہ بھی مسلمان ناکام رہے ۔ اس ناکامی کی وجہ مسلمانوں کی بے احتیاطی اور سامان جنگ کا کافی نہ ہونا تھا وہ سندھ والوں کو اسقدر دلیر جنگی نہ جانتے تھے جسقدر کہ وہ نکلے +

……… + ………

محمد بن قاسم کی سپہ سالاری

اور

اسلامی جوش

حجاج اس شکست کا حال سن کر ہاتھ کاٹنے لگا اور خلیفہ ولید کو جو اس دور دست مہم کے خلاف تھا یہ کہہ کر پرچا لیا کہ روپیہ جسقدر خرچ ہوگا میں خود ادا کروں گا۔ فوج شام سے جنگ آزمودہ تجربہ کار ۶ ہزار مشہور شہسوار محمد بن قاسم بن ابی عقیل ثقفی کے ماتحت روانہ کی یہ محمد بن قاسم ۱۷ یا ۱۸ سالہ نوجوان حجاج کا چچازاد بھائی اور داماد خراسان کی مہمات میں اپنی لیاقت و شجاعت کے جوہر دکھا چکا تھا۔ اسقدر چھوٹی عمر میں محمد سے اکثر عمدہ کارنامے ظاہر ہوئے۔ وہ سکندر یونانی سے کم دلیر مدبر صف شکن نہیں تھا۔ سکندر بھی اسی عمر میں جنگی فتوحات میں ناموری حاصل کرنے لگا اور ہندوستان میں آکر ناکام پھرا۔ لیکن عربی شہسوار کو فتح ہندوستان میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اس زمانہ کے عربوں کی جوش ولیاقت کے لئے محمد بن قاسم کی سپہ سالاری زبردست شہادت ہے کہ اسلام نے سکندر جیسے فاتح کئی ایک عربوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ جو قومی اعزاز اور ملکی وقار کے ساتھ ساتھ اشاعت توحید کا راستہ صاف کرتے تھے۔ اور اسی شوق توحید نے اُن کو زبردست جرنیل اور نڈر فاتح بنا دیا تھا۔ اگر مسلمان تعلیم قرآن پر دل سے یقین رکھتے ہوں تو ایثار و قربانی اور ملک و ملت پر جاں نثاری کرنے کے لئے کسی تحریک لکچر یا شاہی امید و بیم کی ضرورت نہیں رہتی۔ جہاد و غزا کی فضیلت میں قرآن و حدیث بھرا پڑا ہے۔ اُس عہد کے مسلمان اپنی ترقی و بہبودی عزت و فلاح اسی میں جانتے تھے کہ دشمنان دین کے مقابلہ میں جانیں دیکر اعزاز حاصل کریں اور جو فوج جان دینے سے دریغ نہ کرے وہ کبھی ناکام نہیں ہوسکتی۔ اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اور اہل اسلام کی ابتدائی فتوحات کا یہی راز تھا کہ جس قربانی کے لئے آج دنیا کی قومیں مختلف تحریکیں کر رہی ہیں مگر اسلام کے

ایک ہی اعلان "لَا تَقُولُوا لِمَن یُقتَلُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَموَاتًا بَل اَحیَاءٌ عِندَ رَبِّهِم یُرزَقُون" نے حیات ابدی و نجات سرمدی کے حصول کے لئے قومی قربانی اور ایثار کو ہر ایک مسلمان کے دل میں نقش کر دیا تھا اور "الجنۃ تحت ظلال السیوف" پر پورا یقین تھا۔

غرضیکہ محمد بن قاسم شجاعت و تہور کے علاوہ جو ایک جانباز فوج کے جرنیل کے لئے ضروری ہیں۔ عقل و تدبیر معاملہ فہمی لطف و کرم شفقت و تواضع کے وہ صفات محمودہ بھی رکھتا تھا جو ایک فاتح کشورکشا کے لئے ضروری ہیں +

حجاج کو مسلمان عورتوں کی اسیری اور راجہ داہر کی بے پرواہی اور بدیل کی شہادت سے سخت رنج تھا وہ سندھ پر فوج کشی کرنے اور داہر کو سزا دینے کے لئے خلیفہ ولید سے ایکدو دفعہ ناکام درخواست کر چکا تھا۔ اور منظوری درخواست کے بعد بھی ناکامی ہوئی۔ اس لئے اب اس نے سپہ سالار محمد بن القاسم کو مقرر کیا اور اسکو ہر ایک قسم کی ملکی اور جنگی نصیحتیں کیں محمد بن قاسم براہ شیراز روانہ ہوا اور آلات قلعہ کشائی منجیقین .. وغیرہ سامان جنگ براہ خلیج فارس روانہ کیا جو دیبل میں محمد بن قاسم کو آملا +

محمد بن قاسم کی فتوحات

محمد بن قاسم مکران وغیرہ راستہ کی فوجوں کو لیکر جن کی کل تعداد پندرہ (۱۵۰۰۰) ہزار سوار چھ (۶۰۰۰) ہزار سانڈھنی سوار تین (۳۰۰۰) ہزار پیادہ تھی علاقہ سندھ میں داخل ہوا۔ یہ فوج ایسی آراستہ تھی اور سامان کمسریٹ وغیرہ اسقدر کافی تھا کہ سوئی دھاگہ تک بھی فوج کو باہر سے لینے کی ضرورت نہ پڑتی تھی اور یہ امر حجاج کی کمال درجہ کی بیدار مغزی اور مہارت جنگی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسقدر انتظام و احتیاط اس لئے کیا گیا تھا کہ فوج ضروریات بہم پہنچانے کے لئے مفتوحہ علاقہ میں دست برد نہ کرسکے۔ یہ حال اس مسلمان گورنر کا ہے جو ظلم و سفاکی میں زبان زد خلایق ہے۔ مگر مفتوحہ قوموں کے امن و آرام اور ملکی و جنگی تدابیر میں اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ آج کل کی مہذب قوموں سے کسی طرح کم نظر نہیں آتا +

محمد بن قاسم مکران سے چلکر ارمن بیلہ میں پہنچا اور ارمن بیلہ کی فتح کے بعد نیرون کو روانہ ہوا۔ اہالیان نیرون نے حملات عرب سے ڈر کر پہلے ہی حجاج سے امان نامہ لکھوالیا تھا اور وعدہ مدد لکھ دیا تھا مگر راجہ داہر کا بیٹا جی سب (کیتھب) نیرون میں مقابلہ محمد بن قاسم کے لئے چار ہزار سوار لے کر مقیم تھا +

مسلمانوں کا راجہ داہر کی فوج میں شامل ہونا

عبدالملک کے ابتدائی عہد میں خانگی فساد رہا۔ جب فساد مٹا تو مکران کا حاکم سعید بن اسلم کلابی کو مقرر کیا سعید نے سفہوی ایک مخالف کی کچی کھال اُتروا کر اس کا سر حجاج کے پاس روانہ کیا تھا۔ سفہوی کے رشتہ دار معاویہ اور محمد علافی تھے۔ اُنہوں نے سعید کی کچی کھال اوتار کر انتقام لیا۔ اور باغی ہو کر مکران پر قبضہ کر لیا۔ حجاج نے علافیوں کے سردار سلیمان کو قتل کرا دیا اور عبدالرحمٰن بن عشا کو علافیوں کی لڑائی کے لئے بھیجا جو بھر کہ میں مارا گیا۔ حجاج نے مجاعہ بن سعید کو حاکم خراسان مقرر کر کے علافیوں کی سزا دہی کے لئے مقرر کیا جس سے علافیوں نے لڑنا مناسب نہ جانا اور ۸۵ھ میں بھاگ کر راجہ داہر والی سندھ کے پاس چلے آئے۔ راجہ داہر عربوں کے جنگ کو اٹل جانتا تھا اس کو ہر ایک قسم کے بہادروں کی ضرورت تھی ایسے زخم خوردہ عرب جو ممالک اسلامیہ میں کہیں امن نہ پا سکتے تھے راجہ داہر کے کام ضرور آ سکتے تھے۔ اب یہ باغی عرب راجہ داہر کی فوج میں شامل تھے۔ راجہ داہر نے محمد علافی سے صلاح پوچھی تو اُس نے کہا کہ آپکے بیٹے جے سنگھ (کیشب) کو بمقام نیرون محمد بن قاسم سے مقابلہ کرنا مناسب نہیں۔ محمد بن قاسم کے ہمراہی چیدہ اور منتخب بہادر ہیں اس لئے راجہ داہر نے بیٹے کو لڑائی سے منع کیا اگر لڑائی ہوتی تو چار ہزار سواروں میں سے بہت کم بچتے۔

راجہ داہر کا حال

راجہ داہر بن چچ قوم کا برہمن اور مذہب کا بدھ تھا اس کی حکومت کشمیر سے لے کر بندر سورت تک اور مکران سے لے کر قنوج تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے باپ چچ نے سندھ کے ایک قدیم حکمراں ہندو خانداں سے فریب و دھوکہ دیکر سلطنت حاصل کی تھی سندھ کا راجہ ساہسی قوم راجپوت لاولد تھا۔ اُس کی رانی چچ برہمن سے بگڑ گئی جو خوبصورت نوجوان تھا اور بوڑھے راجہ ساہسی کے مرنے پر اُس کے وارثوں کو رانی نے فریب سے مار کر چچ سے نکاح کر لیا۔ چچ سے کئی مدعیان سلطنت نے مقابلہ کیے مگر شکست کھائی۔ چچ ہندوستان میں ایک بڑا زبردست راجہ گذرا ہے۔ قندھار سے لیکر

قنوج تک اور کشمیر سے بندر سورت تک اس کا علاقہ تھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ قریباً تمام شمالی ہند اس کے ماتحت تھا۔ رانی مذکور کے بطن سے جسکا نام سبھہ دیوی لکھا ہے دو بیٹے داہر اور دہر سیہ اور ایک بیٹی رانی مائی پیدا ہوئی +

راجہ داہر کا بہن سے شادی کرنا

رانی مائی کی شادی ایک راجہ بھاٹیہ سے رچائی گئی۔ داہر نے نجومیوں سے رانی کے طالع کی بابت دریافت کیا نجومیوں نے کہا کہ علم جوتش کے رو سے معلوم ہوتا ہے کہ رانی قلعہ الور سے باہر نہیں جائیگی۔ اور فرمانروائے ہندوستان سے اس کی شادی ہوگی۔ یہ بات سُنکر داہر کو فکر پیدا ہوئی کہ کوئی اور شخص مالک ہندوستان ہونیوالا ہے اور ہمارا خاندان برباد ہونیوالا ہے کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی آخر وزیر کے مشورہ سے بہن سے شادی کرلی تاکہ شاہ ہندوستان وہی ہو مگر تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ سچ ہے "تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ" انسانی ناقص تدبیریں تقدیر ربانی سے مقابلہ نہیں کرسکتیں رانی کی شادی تقدیر میں فاتح ہندوستان محمد بن قاسم سے لکھی تھی جس کے ہاتھ سے راجہ داہر کی سلطنت کی بربادی مقدر تھی۔ جسکا حال آگے بیان ہوگا +

محمد بن قاسم کا دیبل کو محصور اور فتح کرنا

مدبر اور تجربہ کار حجاج کی جنگی ہدائتیں محمد بن قاسم کو برابر پہنچتی رہتی تھیں وہ انکے موافق ہی عمل کرتا تھا۔ نقشہ جنگ تک حجاج تجویز کرکے بھیجتا تھا۔ دیبل پہنچکر اپنے کیمپ کے گرد ۱۲ گز عریض اور ۶ گز عمیق خندق کھود کر مقیم ہوا۔ یہاں سامان جنگ بھی بذریعہ جہازات پہنچ گیا۔ ایک منجنیق اسقدر گراں تھی کہ اُسکو پانچسو جوان کھینچتے تھے اُسکا نام عروسک تھا دیبل میں ایک مندر تھا جسکا ریشمی پھریرا اسقدر تھا کہ جب اُسکو کسی مشکل کیوقت کھولدیتے۔ تو اُس کے چاروں حصے شہر کے چاروں طرف پر پھیل جاتے اور لوگوں کو یقین ہوجاتا کہ اب بدھ کا سایہ ہمارے سروں پر ہوگیا ہے ہم مغلوب نہیں ہونگے۔ چنانچہ اسی حوصلہ سے سات یوم تک محصورین نے سخت مقابلہ کیا اور جب آٹھویں روز ایک برہمن نے اپنے

ذاتی بچاؤ کے لئے قلعہ سے باہر آکر سپہ سالار اسلام کو اطلاع دی کہ قلعہ والوں کی تسلی اور تقویت کا باعث مندر کا نشان ہے جب تک مندر کا گنبذ اور نشان نہ اوڑایا جائے فتح مشکل۔ لشکر اسلام میں جوبہ نام مشہور منجنیقی تھا اُسکو دس ہزار روپیہ کے انعام کا وعدہ دیاگیا حجاج نے جس کی ہر تیسرے روز ڈاک کوفہ سے پہنچتی تھی جس کی تیز روی ریل سے کم نہ تھی جوبہ مذکور کو منجنیق لگانے اور نشانہ باندھنے کے طریقہ لکھکر بھیجدیئے۔ جوبہ نے ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ مندر کے نشان کے پرخچے اڑ گئے۔ اور قلعہ والوں کے دل ٹوٹ گئے اور محمد بن قاسم نے چاروں طرف سے حملہ کا حکم دیدیا غازیان اسلام جھٹ کمندیں ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے جو بہادر سب سے پہلے قلعہ پر چڑھا وہ خریمہ کوفی تھا۔ قلعہ فتح ہوا اور تین روز تک شہر کے اندر بھی فریقین میں تلوار چلتی رہی۔ مندر لٹ گیا مورتیں توڑی گئیں۔ جو مسلمان عورتیں قید تھیں وہ قید سے چھوڑائی گئیں اور جس ہندو افسر نے بحالت قید مسلمان عورتوں سے نیک سلوک کیا تھا اُسپر نوازش کی گئی اور یہی شخص محمد بن قاسم کیطرف سے دیبل کا نائب (ویسرائے) مقرر ہوا۔ مسجد بنائی گئی۔ اور چھاؤنی ڈالی گئی +

راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی خط و کتابت

دیبل کی فتح کی خبر سُن کر راجہ داہر نے برہمن آباد وغیرہ قلعوں کی حفاظت اور اجتماع فوج کا حکم دیا اور محمد بن قاسم کو بذریعہ خط دھمکایا ڈرایا اور لکھا کہ او بیرحم ظالم محمد بن قاسم تم سے پہلے بھی مسلمانوں کو فتح سندھ و ہند کا خبط سمایا تھا مگر یہاں کے بہادر ٹھاکروں سے مار کھاکر بھاگ گئے اب تیرے دماغ میں بھی وہی خبط سمایا ہے اور دیبل کو جو نہ کوئی بھاری قلعہ تھا اور نہ اُس میں کوئی جنگی فوج تجارت پیشہ وغیرہ لوگ آباد تھے وہاں کی فتح سے مغرور ہو کر آگے قدم بڑھا رہا ہے اگر دیبل پر ہمارے بہادروں سے مقابلہ ہوتا تو ایک مسلمان بھی بچ کر نہ جاتا۔ میرا فرزند راجہ جی سب (کیشب) جس کی شجاعت و تہور کے ساتھ شاہان روئے زمین سر جھکاتے ہیں اور بہادران عالم اس کی اطاعت کا طوق گردن میں ڈالتے وہ یکصد زنجیر فیل کا مالک اور فیل سفید کا راکب ہے اگر میں اُسکو دیبل پر لڑنے کی اجازت دیتا تو تم ہرگز وہاں قدم نہ رکھ سکتے اگر تو واپس نہ گیا اور خواب غفلت سے

بیدار نہ ہوا تو تیرا وہی حال ہوگا جو بدیل کا ہوا تھا ؛

جواب محمد بن قاسم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط محمد بن قاسم ثقفی کی طرف سے کافر متکبر ومنکر داہر کی طرف لکھا جاتا ہے ؛
جو کچھ تمنے اپنی جہالت وحماقت، غرور ونخوت فیل وسوار کی کثرت قوت وشوکت سے ڈرایا ہے اس کے مقابلہ میں ہم "لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم" کا ورد کرتے ہیں اور کرم الہی پر بھروسہ رکھتے ہیں ہم ہاتھی گھوڑوں پر اعتماد نہیں کرتے ہم صرف خدا تعالے پر بھروسہ کرتے ہیں فتح وشکست اسی کے ہاتھ میں ہے ہمارے لشکر کشی کا باعث تو خود ہوا ہے سراندیپ سے ہمارے خلیفہ کے لئے جسکا ادب آج تمام دنیا کرتی ہے تحائف جارہے تھے تم نے لوٹ لئے اور مسلمان عورتوں کو قید کرلیا اور خلیفہ کی فہمایش کی کچھ پروا نہ کی اب خلیفہ نے اون مظلوم عورتوں کے انتقام کے لئے ہمکو بھیجا ہے خدا تعالے سے ظفر وفتح کی امید رکھتا ہوں تیرا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیجوں گا یا خود میدان جنگ میں جان دونگا۔ یہ مہم محض رضائے الہی کے لئے ہے اسی سے فتح کی امید ہے فقط

۹۳ ھ

حجاج کا ہدایت نامہ انتظام ملکی

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم سیسم پہنچا اور یہاں حجاج کا ہدایت نامہ انتظام اسکو ملا جس میں لکھا تھا کہ

(۱) جو مال ومتاع ہاتھی گھوڑا ہاتھ لگے اسکو اپنی خاص ملکیت نہ بنانا وہ حق مسلمانوں کا ہے
(۲) اپنے ہمراہیوں سے نیک سلوک کرنا ہر ایک کی درجہ بدرجہ تعظیم وعزت احترام خاطرداری مدنظر رکھیں۔
(۳) فوج کو جس چیز کی ضرورت ہو اس کے بہم پہنچانے میں سعی بلیغ کریں سپاہی کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔
(۴) مال غنیمت سپاہیوں کا حق ہے مال خمس نکال کر باقی حسب شریعت ان میں تقسیم کریں

سوار کو پیادہ سے دو گنا حصہ۔

(۵) غلہ کی ارزانی کا ہمیشہ خیال رکھیں اور اسقدر فیاضی کریں کہ کبھی گرانی غلہ پیدا نہ ہوسکے۔

(۶) جب ملک پر قبضہ مظبوط ہو جاے اور قلعہ اور چھاونیاں مستحکم تو جو کچھ بچے وہ رعایا کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔

(۷) زراعت پیشہ اہل حرفہ و صنعت تجارت کی رعائت اور امداد سے دریغ نہ کریں۔ ملک کی حقیقی آبادی انہیں لوگوں کی ترقی و بہبودی پر منحصر ہے۔

(نوٹ مؤلف)

اخیر کی تین ہدائتیں اس شخص نے لکھی ہیں جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ بدنام اور ظالم کے نام سے مشہور رہا ہے مگر اس کی ہدایت نمبر ۵ کا مقابلہ آج کوئی عادل سے عادل بادشاہ بھی نہیں کرسکتا اور گرانی غلہ کا انتظام اس سے نہیں ہوسکتا باقی نمبر ۶ و نمبر ۷ آج متمدن سلطنتوں کا دستور العمل ہو رہا ہے جو حجاج ظالم ہندوستان میں رواج دیچکا ہے ۔

فتح بہرج و سیوی

محمد بن قاسم نیرون کو گیا۔ نیرون والوں نے چونکہ حجاج سے امان نامہ حاصل کیا ہوا تھا وہاں کا حاکم حاضر ہوگیا اور تحفہ تحائف رسد رسانی پیش کی اور آیندہ لڑائیوں میں شامل رہا اور رہنمائی اور استمالت رعایا کا کام دیتا رہا +

بہرج نیرون سے ۳۰ فرسنگ دور تھا وہاں کا حاکم راجہ داہر کا بھتیجا تھا اسکو رعایا نے ہر چند سمجھایا مگر سات روز تک قلعہ بند ہو کر لڑا آخر ناچار ہو کر رات کو بھاگ گیا قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور مال کثیر غنیمت میں ملا +

تالیف قلوب

یہاں کی فتح کے بعد سمانی جاٹوں نے مقابلہ کا خیال کیا اور شبخون مارنا چاہا مگر کارگر نہ ہوا مسلمانوں کے رعب نے نجومیوں کو اسلامی فتوحات کا یقین دلایا تھا اور اس تجربہ کو

بنجوم سے منسوب کر کے اپنے کمال کا اڈا جمانے تھے اُن بواعث نے جاٹوں کو محمد قاسم
کی خدمت میں حاضر کیا محمد بن قاسم نے گراں بہا خلعت کے علاوہ وہ علاقہ بدستور سمائی
جاٹوں کے سردار کے پاس رہنے دیا اور اپنی آیندہ مہمات کا انکو مشیر بنایا سردار کاکا
کی عزت افزائی سے اور زمیندار سردار بھی مطیع ہو گئے جن نے سرکشی کی سزا پائی +

اس کے بعد حسب الحکم حجاج نیرون کو واپس گیا اور دریائے سندھ سے اُترنے
کی تدبیریں کرنے لگا۔ حاکم نیرون سے ایفائے عہود اور موکہ پسر بایا کے حسن سلوک سے
جو زمینداران سندھ میں سے نہائت زبردست تھا اور راجہ داہر کو موکہ پر بہت کچھ امید تھی۔
سندھ کے علاقہ کے لوگ جوق جوق محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہونے لگے جنکو انعام وخلعت
معافی وجاگیر اور سند حکومت نسلاً بعد نسلاً وغیرہ احسانات سے گرویدہ احسان بنایا گیا۔ اور
اسلامی گورنمنٹ کی اطاعت کا بیج بویا گیا اور کم سے کم اُس نفرت کو کم کیا گیا جو عموماً ابتداً
میں ایک غیر مذہب فاتح قوم کی تابعداری سے ہوا کرتی ہے۔ فاتحین اسلام خصوصاً عرب
اس قسم کی تالیف قلوب میں ید طولیٰ رکھتے تھے گو اُن کے ہاتھ زبردست تھے اور وہ تمام
خصوصیتیں رکھتے تھے کہ جو ایک فاتح اور کشورکشا قوم کے لئے ضروری ہوتی ہیں لیکن محض
تلوار کے بھروسہ کوئی شخص خواہ کسقدر بہادر ہو تسخیر عالم کا بیڑا نہیں اُٹھا سکتا اور نہ تلوار سے
ہر ایک مشکل کو حل کر سکتا ہے۔ محمد بن قاسم نے ضرور تلوار سے بھی کام لیا مگر اُس موقعہ پر
جہاں تلوار کی ضرورت تھی۔ مدعیان ملک وسلطنت کا فیصلہ بغیر تلوار نہیں ہو سکتا اس لئے
راجگان ہند مثل داہر وغیرہ کے مقابلہ میں محمد بن قاسم کو عربی شمشیر خون آشام کو میان سے
نکالنا پڑا لیکن اور جگہ عموماً سرداران قوم کی خاطرداری اور الفت محبت احسان ومروت سے
کام لیا گیا اور تالیف قلوب اور رعایا پروری کے اصول کی نگاہداشت جسطرح مسلمانوں خصوصاً
عربوں نے کی دنیا کی کسی قوم نے نہیں کی اور اُن کی عالمگیر فتوحات کا باعث جو چند سال میں ایشیا
یورپ۔ افریقہ میں حاصل ہوئیں یہی رعیت پر شفقت تھی۔ عربوں نے جس ملک کو فتح کیا سوا
مقررہ خراج کے اور کسی قسم کا بوجھ رعایا پر نہیں رکھا۔ مذہبی آزادی کے علاوہ رعایا کی وسائل
آمدنی زراعت وتجارت حرفت وصنعت کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں
کی گئی۔ جملہ اسباب تمول رعایا کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ جو عہد کیا جاتا یا اعلان دیا جاتا تھا
اُس میں سرمو انحراف نہ ہوتا اسی قسم کی عام شاہانہ رعائتوں کیوجہ سے سندھ کی ہندو رعایا

عموماً محمد بن قاسم کی طرف رجوع لانے لگی۔ اور راجہ داہر کی ملکی طاقت میں کمی آنے لگی۔ محمد بن قاسم جسقدر تلوار کا دھنی تھا اُسیقدر ہاتھ کا سخی مال خمس نکال کر جو حق خلیفہ ہوتا تھا باقی فوج اور رعایا میں ہی تقسیم کیا جاتا۔ رحمدل اسقدر تھا کہ خواہ کیسا ہی پولیٹیکل رقیب امان مانگتا فوراً دے دیتا اس عام عادت امان پر حجاج نے محمد بن قاسم کو تنبیہ بھی کی تھی اور سے
درشتی و نرمی بہم در بہ است ؎ پر عمل کرنے کو لکھا تھا کہ دشمنوں کو عبرتاً سزا بھی دینی چاہیئے مگر محمد بن قاسم اپنی طبیعت سے مجبور تھا عموماً امان و احسان سے ہی ہندوں کو مطیع کرتا رہا۔

دریائے سندھ پر محمد بن قاسم کا قیام اور مشکلات

جب محمد بن قاسم دریائے سندھ پر بمقام جہل وکرہل خیمہ زن ہوا تو دوسرے کنارہ راجہ داہر کا بیٹا جی سب (کیشب) بہت بڑا لاؤ لشکر لیکر مانع عبور تھا۔ ہندو فوج نے پل باندھنے دیتی تھی اور کشتیاں وغیرہ بھی مخالفوں کے قبضہ میں تھیں۔ دریائے سندھ کو تیر کر عبور کرنا جبکہ دشمن کی زبردست فوج سامنے موجود تھی محالات سے تھا۔ اس لئے پچاس روز یہاں محمد بن قاسم کو ٹھیرنا پڑا۔ گھوڑوں میں وبا پھیل گئی۔ باہر سے غلہ و گھاس وغیرہ آنا بند ہو گیا۔ فوج بھی مرض رطوبت اور سوء ہضمی میں مبتلا ہو گئی۔ حجاج نے جسکو پل پل کی خبریں پہنچتی تھیں اور جدید عربی نسل گھوڑے اور روئی سرکہ میں بھگو کر محمد بن قاسم کے پاس روانہ کیئے۔ اور لکھا کہ روئی کو پانی میں تر کر کے سرکہ نکال لیا کریں اور فوج میں تقسیم کریں۔ گھوڑے سپاہیوں میں بلاقیمت بانٹ دیں۔ نقشہ دریائے سندھ جو محمد بن قاسم کو دیکھ کر حجاج نے پل باندھنے کا موقعہ تجویز کر کے بھیجدیا +

محمد قاسم نے چند مسلمان سرداروں کو معہ ہندو فوج کے جو ملازم ہو گئی تھی اُن تمام ناکوں پر مقرر کر دیا جدھر سے راجہ داہر کی مدافعت کا اندیشہ تھا اس فوج نے اپنے مورچہ پر پہنچکر مخالفوں کو مزاحمت پل سے روک رکھا۔ پل کی تیاری میں ہندو سردار موکہ پسر بسایا نے فراہمی کشتیوں وغیرہ میں بڑی مدد دی لیکن اُسکا دوسرا بھائی راسل راجہ داہر کیطرف ہو گیا اور علاقہ کے مقدموں نمبرداروں اور راجہ کی فوج کو لیکر پل بنانے کا مانع ہوا مگر محمد بن قاسم نے بقول سے ستیزندہ چوں رو حتائی بود + شکستن بہ از مومیائی بود +

ان دیہاتی جاٹوں کے بھگانے کا یہ انتظام کیا کہ دریا ر کی چوڑائی کے مطابق دریا کے مغربی کنارہ پر کشتیوں کو جوڑ دیا اور جب کشتیاں جڑ گئیں تو ان کشتیوں پر بہادران جنگی بٹھا دیئے اور کشتیوں کا مُنہ ایک طرف سے دوسرے کنارہ کیطرف پھیر دیا سرے کی کشتی پر حکم انداز تیر چلانے والے بیٹھے تھے اسی طرح بعد کی کشتیوں پر بھی تیر انداز تھے۔ تیر اندازوں کے تیر اولوں کیطرح پڑتے تھے اور مخالف گرتے تھے۔ جوں جوں دشمن کا زور گھٹتا تھا کشتیاں دوسرے کنارہ کے قریب لائی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے شرقی کنارہ کے ہندوؤں کو ساحل سے ہٹا دیا اور جڑی ہوئی کشتیوں کا سرا کنارہ پر جاکر میخوں سے گاڑ دیا اور اس نرالی اور بہادرانہ تجویز سے پل باندھ لیا سوار پیادہ بخیریت پار ہو گئے۔ اور دشمن کو بھگا دیا +

محمد بن قاسم نے دریائے سے اُتر کر فوج سے کہا کہ اب سامنے راجہ داہر کا زبردست لشکر پڑا ہے اور مقابلہ پر ایک بڑا اعظم ہے پس پشت دریائے سندھ لہریں مار رہا ہے۔ عرب یہاں سے دور دراز ہے۔ اب ہم موت کے دریا میں تیرنے لگے ہیں جو شخص واپس جانا چاہتا ہے چلا جائے۔ اسوقت چلا جانا میدان جنگ سے بھاگنے اور باقی فوج پر بُرا اثر ڈالنے سے بہتر ہے۔ صرف تین کس جن میں سے ایک کی چھوٹی سی لڑکی لاوارث اور ایک کی بوڑھیا ماں اور ایک قرضدار تھا اور سب نے جان دینے اور بہشت مول لینے کی قسم کھائی یہاں سے چلکر محمد بن قاسم روڑی اور جے وار (جے پور) واقعہ سندھ پہنچا +

راجہ داہر کے معرکے

نمبر (۱)

راجہ داہر نے لشکر اسلام کے عبور سندھ کی خبر سُن کر محمد علافی کو مقابلہ کے لئے کہا اُس نے مسلمانوں سے مقابلہ کرنا مذہباً حرام بتا کر اولاً انکار کیا مگر راجہ کے احسانات جتلانے اور بار بار کہنے سے فوج ہراول کے ساتھ بطور فوجی مشیر مقرر ہوا۔ مگر اس فوج کو بھی مسلمانوں نے شکار کر لیا اور محمد علافی عربوں کے طعن و طنز کی ذلت اُٹھا کر اور راجہ داہر کے انجام پر خیال کر کے علیحدہ ہو گیا اور داہر کے مرنے پر محمد بن قاسم سے طالب امان ہوا جسکو رحمدل کریم النفس محمد بن قاسم نے فوراً امان دیدی اگر کوئی اور ہوتا تو ایسے باغی

اور پولیٹیکل دشمن کو کبھی زندہ نہ چھوڑتا۔ آیندہ مہمات میں یہی محمد علافی راجگان ہند کے پاس بطور سفیر جاتا رہا۔ اور راجاؤں کو اطاعت خلیفہ اسلام کی ترغیب و تحریص دیتا رہا معلوم ہوتا ہے کہ محمد علافی ہندوستانی زبان اور راہ و رسم سے بخوبی واقف ہو چکا تھا۔ بیدار مغز مآل اندیش محمد بن قاسم نے اس سے بھی وہی کام لیا جو اور نہ کرسکتے تھے۔ جنگی صیغہ میں نہ لیا گیا۔ گو ہندو بھی سفارت کا کام کرتے تھے مگر ایک عرب سفیر اسلامی تحریک کے لئے زیادہ موزون ہوسکتا تھا ✦

راجہ داہر کے بیٹے کا معرکہ اور شکست

محمد علافی کی شکست کے بعد راجہ داہر نے اپنے بیٹے جی سب دکیشب) کو فوج جرار اور جنگی ہاتھی دیکر مقابلہ لشکر اسلام کے لئے بھیجا سخت گھمسان کا رن پڑا مگر راجہ کی فوج اکثر قتل ہوگئی اور راجہ کا بیٹا جان بچا کر باپ کے پاس بھاگ گیا اس شکست کے بعد واسل ہندو سردار دنیاوی جاہ طلبی کے لئے بیوفائی کا ٹیکا پیشانی پر لگا کر محمد بن قاسم سے مل گیا اور جنگ زرگری کر کے نیت رہوا۔ محمد بن قاسم نے راسل اور اس کے بھائی موکہ کی صلاح و مشورہ پر آیندہ جنگوں میں انحصار کیا اور راسل کی عزت افزائی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا راسل نے اس جھیل سے جو اسلامی اور ہندو فوج کے مابین واقع تھی لشکر اسلام کو عبور کرا دیا اور راجہ داہر کے کیمپ کے قریب پہنچا دیا ✦

راجہ داہر اور نجومی

نجومی جسقدر ہندوؤں مین قابل اعتماد تصور کئے جاتے ہیں اور کسی قوم میں نہیں۔ اسلام تو سرے سے نجوم پر اعتقاد رکھنے والوں کو خالی از ایمان بتاتا ہے اور علم غیب خاصہ ذات الہی قرار دیتا ہے۔ مسلمان کسے کام کے کرنے میں نجومی کا محتاج نہیں ہوتا ہر ایک معاملہ قرائن عقلیہ سے جو تجربہ اور مشاہدہ سے صحیح معلوم ہوتے ہیں اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے متوکلاً علی اللہ شروع کرتا ہے۔ راجہ داہر نے جنگ شروع کرنے کے لیے ساعت لغد لگن دریافت کی نجومیوں نے کہا کہ زہرہ آپ کے روبرو اور عربوں کے پس پشت ہے

اس وقت کی لڑائی کا نتیجہ شکست ہوگا اس کی نحوست اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ زہرہ کی مورت سونے کی بنا کر فتراک میں باندھ لیں اس ترکیب سے زہرہ پس پشت ہو جائے گی اور آپ کی فتح ہوگی ضعیف الاعتقادی نے مورت بند ہوائی۔ مگر بہادروں کی شمشیروں کو بیجان مورت کب بے اثر کر سکتی تھی۔ افسوس ہے کہ صدیوں سے یہ ابلہ فریبی ہندوستان میں چلی آتی ہے بڑی بڑی سلطنتوں کو تباہ کر چکی۔ لیکن جوتش کا ٹوٹکا نہ ٹوٹا ہندوؤں کے میل ملاپ سے سلمان خاندان بھی اس مرض میں کچھ نہ کچھ مبتلا ہو رہے ہیں خصوصاً عورتیں تو رمالوں وغیرہ کے ہاتھ سے لٹتی ہیں۔ اور مردوں کی جرأت اور اولو العزمی میں ہارج ہوتی ہیں ؂

محمد بن قاسم اور راجہ داہر کی خونخوار لڑائیاں

جب دونوں فوجیں ایک دوسری کے قریب ہو گئیں تو بہادر راجہ داہر نے ایک جانباز دلیر ٹھاکر کو لڑائی کے لئے روانہ کیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا دوسرے روز جدید فوج ایک اور بہادر سردار کے ماتحت میدان میں بھیجی اس فوج نے کمال دلاوری کی اور سردار فوج شجاعت کے جوہر دکھا کر آقا پر نثار ہو گیا دو دن کی لڑائی میں جو ہندو فوج قتل ہوئی تو وزیر نے راجہ سے کہا کہ اس طرح بہادر سرداروں کو عربوں کے ہاتھ سے مروانا بے سود ہے اسطرح تو ہمارے تمام چیدہ سردار تباہ ہو جائیں گے مناسب یہ ہے کہ راجہ تمام فوج کے ساتھ حملہ کرے ممکن ہے کہ ہندو فوج کے اس سیلاب عظیم کو مسلمان نہ روک سکیں۔

جنگ روز سوم

راجہ داہر نے وزیر کی صلاح سے اتفاق کیا اور تیسرے روز ہندو فوج میں پیدہ بہادر پنجہزار سوار جو لوہے میں غرق تھے بیس ہزار پیادے ساٹھ جنگی ہاتھی لیکر مقابلہ عرب پر چڑھا سر سے پاؤں تک ہتھیاروں میں چھپا ہوا تھا۔ سفید ہاتھی پر سوار عماری میں دو خوبصورت کنیزیں بیٹھی تھیں ایک تو راجہ کو پان کا بیڑا اور دوسری تیر دیتی تھی۔ اس حالت سے ثابت ہوتا تھا کہ بہادر راجہ اپنی ذاتی شجاعت اور قومی طاقت کے مقابلہ میں عربوں کی کچھ حقیقت نہ جانتا تھا اور تسلی و اطمینان کے ساتھ رزم کو بزم خیال کئے ہوئے تھا۔ اور اپنی حفاظت سے مطمئن ہو کر بجائے

مردوں کے عورتوں کو ردیف بنایا تھا یا بہادر راجہ سر باختہ ہو کر میدان جنگ میں آیا تھا اور میدان سے بغیر فتح زندہ جانے کی تمام امیدیں توڑ کر معشوقان دلنواز کو اخیر وقت میں اپنے ساتھ لے لیا تھا خیر ہر حال میں راجہ داہر کی کمال جرأت و تہور اور حفاظت قومی ثابت ہوتی ہے راجہ داہر خود بنفسہٖ شجاعت میں محمد بن قاسم سے کم نہیں تھا اور جسقدر کہ وہ بقدر طاقت بشری کر سکتا تھا اسقدر راس نے دشمن کے مقابلہ میں زور لگایا۔ اس کی بہادر فوج نے بھی ملک اور قوم کے بچانے میں جان توڑ مقابلہ کئے۔ راجہ داہر خود بھی قریبًا نصف ہندوستان کا مالک تھا۔ دیگر

چار فیصلہ کن جنگ

اس لئے یہ معرکہ اُن چار عظیم جنگوں میں شمار کرنا چاہیئے جو مسلمانوں اور ہندوؤں سے سرزمین ہند میں فیصلہ کن ہوئے۔ ہندوؤں نے متفقہ طاقت سے مقابلہ کیا اور انہیں لڑائیوں سے ہندو طاقت کا خاتمہ ہوا۔ ایک تو یہی لڑائی تھی جس سے سندھ کی ہندو سلطنت کا خاتمہ ہوا دوسری سلطان محمود غزنوی اور انند پال کی بمقام پشاور تیسری محمد غوری اور پرتھی راج کی لڑائی بمقام تراوڑی چوتھی احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی لڑائی بمقام پانی پت جس نے مرہٹوں کی آرزوئے سلطنت ہند کا خاتمہ کر دیا۔

باقی فوج راجہ نے سب اپنے بہادر بیٹے کے ساتھ کر دی فوج کے یہ دونوں حصے باقاعدہ آگے بڑھے +

محمد بن قاسم نے بھی میمنہ۔ میسرہ۔ قلب۔ طلایہ۔ ساقہ پانچ حصے مقرر کر دیئے اور ہر ایک فوج کی کمان مشہور شجاعان عرب کو دی اور تسویہ صفوف کے بعد فوج کو مخاطب کر کے یوں تقریر کی +

تقریر محمد بن قاسم

محمد بن قاسم نے توحید باریتعالے اور محامد و محاسن حضرت محمد رسول اللہ کے بعد غزو و جہاد کی ترغیب دی اور "تُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ" کی خلاصی بیان کرنی شروع کی کہ قومی ترقی کے لیئے اولاً

سلہ پارہ ۲۸ سورہ صف۔ اگر تم سمجھو تو راہ خدا میں مال و جان کو خرچ کرنے پر ہی تمہاری بہتری ہے +

مال کو بطور چندہ قومی دیگر قومی اور مذہبی مشکلات کو حل کیا جائے اور وقت پر ایسے ملت و مذہب
کے ضروری کاموں میں جانیں قربان کیجاویں اس قسم کی مالی اور جانی قربانی میں ہی قوم کی بہبودی
ملک کی ترقی اعلائے کلمۃ اللہ منصوّر ہے اور یہی مومنین کے لئے خیر حقیقی اور سعادت دائمی ہے
اعلان توحید ہی راہ خدا ہے تم تو اس راستہ کی مشکلات و موانع کے دور کرنے کے لئے جانیں
قربان کرتے ہو اور کفار شرک و کفر کے لئے مقابلہ کرتے ہیں ایسے جنگوں میں فتح یقینی ہے چنانچہ
اللہ جل جلالہ فرماتا ہے۔ "الذین[1] آمنو یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفرو یقاتلون
فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطان ان کید الشیطان کان ضعیفا" محض رضائے
الٰہی و تعمیل ارشاد رسالت پناہی کے لئے لڑنے والے اور کفر و شرک کی بربادکن عادات کو
مٹانے والے مومنین کفار پر فتح پاتے ہیں جو کہ باطل پرستی کی حمایت میں ہتھیار اٹھاتے ہیں
آج جہد و سعی کا روز ہے خدا پر بھروسہ کرو بصورت فتح دین و دنیا کی عزت پاؤ گے دشمن کے
ملک و مال پر قابض ہو جاؤ گے اگر سستی و بزدلی کرو گے تو ایک بھی زندہ واپس نہیں جائیگا
سب مارے جائیں گے اور بفحوائے "من[2] یولہم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا
الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر" سیدھا جہنم کو جائیں گے
اور آئندہ نسلوں میں نامرد بزدل کہلائیں گے۔ اور یہ داغ نامردی کسی طرح نہ مٹ سکیگا۔
پس ہمت کرو اور جانیں لڑا دو۔ اور تائید الٰہی کے منتظر رہو اگر میں مارا جاؤں تو محرز بن ثابت
اور وہ شہید ہو تو سعید سردار لشکر ہوگا ؎

نظارۂ جنگ

بہادران عرب نے اول تو فرداً فرداً جوہر شجاعت دکھانے شروع کئے لشکر اسلام
میں سے محرز بن ثابت اول حملہ آور ہوا اور کئی ایک کو مار کر شہید ہوا۔ پھر سعید نے حملہ کیا

---

[1] پارہ ۵ مسلمان تو اسلام کی حمایت اور توحید کی اشاعت کے لئے ہتھیار اٹھاتے ہیں اور کفار بد اخلاقی گمراہی لذائذ
جسمانی ہواجس نفسانی مادہ پرستی وغیرہ شیطانی امور کے پھیلانے کے لئے لڑتے ہیں ایسی لڑائیوں میں اسلامی
فتوحات کا وعدہ حتمی ہے ؎ [2] ۹ جو شخص مقابلہ کفار میں بلا ضرورت جنگی پیٹھ پھیرے وہ ضرور عذاب الٰہی میں
گرفتار ہوگا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ؎

اور داد جہاد دیتا ہوا تاج شہادت پہن کر داخل روضۂ جنان ہوا۔ بعد ازاں حسن بکری میدان میں آئے اور عربی تہور کا شان دکھا کر ایک ہندو کی تلوار سے شہید کئے گئے۔ یہ تین بہادر تو ہاتھ سے گئے لیکن ہندو فوج کے جنگ مبازرانہ کے حوصلے ٹوٹ گئے اور راجہ داہر نے جنگی مست ہاتھیوں کو لشکر اسلام پر ریل دیا۔ اگر بہادران عرب نہ ہوتے تو ان قوی ہیکل کوہ پیکر دیو صورت کو کون روک سکتا تھا مگر غازیان اسلام کی پرجوش ہمت اور فدائیانہ قوت کے سامنے انکی کیا حیثیت تھی بہادری ومردانگی سے ہاتھیوں کے حملے کو روکا گیا۔ اور ہاتھیوں کا منہ اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے پھیر دیا۔ دن بھر یہ لڑائی ہوتی رہی اگرچہ اسلامی فوج کو نقصان پہنچا لیکن ہاتھیوں کے حملے بیکار جانے سے ہندوؤں کے دلوں میں بہادران اسلام کی دہشت بیٹھ گئی مست ہاتھی جو ہندوستان میں سب سے زیادہ قوی اور زبردست آلہ تھا اسکو بہادران اسلام نے بیکار کر دیا۔ اور ہاتھیوں کے مقابلہ سے دشمن کو اپنی شیرانہ صولت کا یقین کرا دیا کہ عربوں کے سپاہی بھی جنگی ہاتھیوں سے کم زور نہیں رکھتے +

دوسرے روز صبح ہوتے ہی طرفین کی فوجیں میدان میں آکر جم گئیں۔ محمد بن قاسم نے فضیلت جہاد اور ثواب غزا سنا کر فوج کو گرما دیا خداوند تعالے پر بھروسہ رکھنے اور قرآن مجید پڑھنے کی تاکید کی اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا ورد بتلایا گیا +

فوجی انتظام نہایت عمدہ تھا پانی پلانے والے فوجوں میں گھومتے پھرتے تھے اور ضروریات جنگی کا انتظام اسی وقت حسب ضرورت کیا جاتا تھا راجہ داہر کا انتظام بھی اعلے تھا دونوں فوجیں انتظام اور شجاعت میں یکہ تھیں۔ تعداد میں ہندو فوج بہت زیادہ تھی مگر مسلمان جاں بازی اور سرفروشی حصول رضائے الہی کے لئے لڑتے تھے اور ہندوؤں کا مدعا یہ نہ تھا اور یہی فوقیت بہادران اسلام کو حاصل تھی جس سے وہ کامیاب ہوتے تھے جو کام ذاتی اغراض سے مبرا ہو وہ کام ہر طرح سے فضیلت رکھتا ہے اور آج اسی خلوص دلی کے نہ ہونے سے مسلمان تباہ ہو رہے ہیں۔ اخلاص سے ایثار اور ایثار سے جاں فروشی اور جانفروشی پر کامیابی کا انحصار ہے جس کی زمانہ حال کے مسلمانوں کو ضرورت ہے قرون اولے کے مسلمان ان صفات عالیہ سے موصوف تھے +

نوٹ: سوا خدا بزرگ اور عظیم کی طاقت وقوت نہیں مل سکتے +

داہر کی فوج میں سے ہندوؤں کا اسلام لانا

عین میدان جنگ میں چند ہندو راجہ داہر کی فوج سے محمد بن قاسم کے پاس حاضر ہوئے اور بطیب خاطر اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد اسلامی فوج کا ایک دستہ لیکر راجہ داہر کی فوج کے پس پشت حملہ آور ہوئے سامنے سے محمد بن قاسم نے حملہ کیا اور اس دوطرفہ زد سے راجہ کی فوج میں بدنظمی پڑ گئی مگر بہادر راجہ ذرہ نہ گھبرایا اور دونوں طرف لڑتا رہا ✦ ناظرین انصاف کریں کہ ان ہندو سرداروں کا عین لڑائی کے وقت ایمان لانا محض اسلامی کشش کا نتیجہ تھا:

ایک حبشی مسلمان کا راجہ داہر پر حملہ کرنا

اسلامی فوج میں ایک بہادر حبشی تھا اُس نے سپہ سالار اسلام کے سامنے قسم کھائی کہ جب تک راجہ داہر کے مقابل ہو کر اُس کے ہاتھی پر زخم نہ لگاؤں کھانا پینا حرام ہے۔ راجہ داہر تک پہنچنا کوئی آسان نہ تھا۔ جنگی ہاتھیوں اور بہادر سواروں کی صفوں اور فوج قلب کے نمک حلال چیدہ شجاعوں کو چیر کر زندہ راجہ داہر تک پہنچنا اور داہر جیسے شیر شرزہ سے مقابل ہونا بظاہر مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مگر وہ بہادر.... سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر ہندو فوج کے مقدمہ اور قلب کو چیرتا ہوا سفید ہاتھی کے سامنے جا اڑا حبشی کا گھوڑا ہاتھی سے ڈرا مگر اُس کی آنکھوں پر اندھیری ڈال کر خوف دور کیا گیا۔ حبشی تیر چلانا چاہتا تھا کہ بہادر راجہ نے خود ہاتھی پر سے تیر مار کر حبشی کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا۔ اُس سے لشکر اسلام پر دہشت طاری ہو گئی لیکن بہادر اور نڈر محمد بن قاسم نے بہادروں کو للکارنا اور فوج کو اُبھارنا شروع کیا۔ مسلمان حملہ کے لئے بڑھے اور خود محمد قاسم اس حملہ کی جان تھا۔ دونوں فوجوں میں تلوار چلنی شروع ہوئی ہتھیار کند ہو گئے نیزہ تلوار ٹوٹ گئے۔ ہندوؤں نے کمال درجہ کی پائداری دکھائی اور صبح سے شام تک تلوار چلتی رہی۔ ہندو بیشمار مارے گئے اور سر شام بہادر راجہ کی ہمراہ صرف ایک ہزار سوار باقی رہ گئے ہزاران جوان غازیان اسلام لقمہ شمشیر ہو گئے۔ بہادران اسلام کی طاقت و قوت اور جوشیلی صولت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں نے بھی میدان سے قدم نہ ہٹایا مگر شیران اسلام کی شمشیر خارا شگاف نے سب کو تہ تیغ کر دیا

اور کوہ وقار راجہ داہر ایک ہزار وفاداروں سمیت میدان میں رہ گیا۔ شام ہو چکی تھی اور راجہ کے پاس فوج بھی نہ رہی تھی اس لئے قلعہ راوڑ میں چلا گیا جس کو بہادران عرب نے شکست دی اور راجہ داہر مارا گیا۔ یہ لڑائی دسویں ماہ رمضان ۹۳ھ کو ہوئی تھی +

یہ روایت کہ راجہ داہر کے ہودہ میں آگ لگ گئی اور وہ ہاتھی کو پانی کیطرف لے گیا اور اپنی عورتوں کو بچاتے ہوئے ہاتھی پر مارا گیا ٹھیک ہے۔ محمد بن قاسم نے جب تک کہ ایک برہمن کے ذریعہ راجہ داہر کا مارا جانا تحقیق نہ کر لیا فوج کو ہتھیار بند مستعد جنگ رکھا۔ یہ ممکن ہے کہ راجہ داہر کے سر کی شناخت انہیں دو لونڈیاں سے کرائی گئی ہو جو راجہ داہر کے ہمراہ عماری میں سوار تھیں اور اب مسلمانوں کے پاس تھیں۔ اس برہمن اور لونڈیوں کے تین سو رشتہ دار آزاد کئے گئے باقی فوجی اشخاص قتل کئے گئے۔ تجارت و حرفت پیشہ وغیرہ ہر ایک قسم کی رعایا کو امن و امان دیا گیا مال خمس اور فتح نامہ حجاج کے پاس روانہ کیا جس نے بہت کچھ خوشی منائی اور خدا کا شکر کیا۔ راجہ داہر کی رانی جو قید ہوئی ہے وہ باجازت خلیفہ وقت محمد بن قاسم کے نکاح میں آئی +

قلعہ راور بھرور دہلیلہ کی فتح

راجہ داہر کے بعد اس کا بیٹا جی سب باقیماندہ فوج اور زر و جواہر کو لیکر قلعہ برہمن آباد میں چلا گیا۔ اور قلعہ راور خفیف سے جنگ کے بعد محمد بن قاسم کے ہاتھ آیا۔ علاوہ دیگر مال غنیمت کے راجہ داہر کی بھانجی بھی تھی جس کو راجہ داہر اور دیگر ہندو سرداروں کے سروں کی ہمراہ معہ مال خمس خلیفہ کے پاس روانہ کیا گیا۔ داہر کی بھانجی کو خلیفہ اپنے محلسرا میں داخل کرنا چاہتا تھا مگر ایک اور عرب سردار کی درخواست پر اُس کو دی گئی راجہ جے سب (کیشب) نے اپنے بھائی اور چچیرے بھائیوں اور خیر خواہوں کو جمع کیا۔ اور قلعہ برہمن آباد کو مستحکم کر لیا محمد بن قاسم نے بھی اسی طرف کوچ کیا راستہ میں دو قلعہ بھردرا اور دہلیلہ تھے سولہ ہزار فوج کی جمعیت تھی سُرنگیں لگائی گئیں اور بھرور بزور شمشیر دو ماہ بعد فتح ہوا۔ اور قلعہ کی فوج تہ تیغ ہو گئی قلعہ دہلیلہ والوں نے اول تو قلعبندی کی مگر پھر رات کو بھاگ گئے اور قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

محمد بن قاسم نے اس فتح کے بعد عام اعلان دیدیا کہ جو اطاعت کرے گا اور اسلام نہ لانے کی صورت میں جزیہ جو ایک معمولی ٹیکس تھا ادا کرے گا اس کو ہر ایک قسم کی امان ہو گی اُس کی

جان ومال اہل وعیال مال ومتاع کسی چیز میں دست اندازی نہ کی جاوے گی اس اعلان سے ہندوؤں نے فائدہ اٹھایا راجہ داہر کا وزیر سی ساگر محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو گیا جسکو کمال عزت کے ساتھ مشیر بنایا گیا اور محمد بن قاسم نے اس وزیر سے اپنے تمام فاتحانہ ارادے ظاہر کردئے۔ کیاساگر جیسے مقتدر وزیر اعظم داہر کا خود بخود چلا آنا عربوں کے اس عادلانہ سلوک اور فیاضانہ عادات کو ظاہر کرتے ہیں جو وہ ہندوؤں سے برتتے تھے اور عام طریقہ انتظام کی بابت ہم آیندہ لکھیں گے +

فتح برہمن آباد

راجہ جے سیہ تو برہمن آباد میں سولہ کرنیل اور چار جرنیل چالیس ہزار فوج چھوڑ کر ایک محفوظ جگہ میں چلا گیا تھا۔ محمد بن قاسم نے برہمن آباد کا محاصرہ کیا۔ ہندو ہر روز جوش وخروش سے ڈھول بجاتے قلعہ سے نکلتے اور دن بھر کی لڑائی کے بعد اندر چلے جاتے اسی طرح محاصرہ کو چھ ماہ گذر گئے اور راجہ جے سیہ بھی مسلمانوں کی فوج میں پرکاہ تک نہ پہنچنے دیتا۔ دوطرفہ جنگ کے سبب برہمن آباد کی فتح میں توقف ہوا تھا ہوکا ہندو سردار کی تجویز کے مطابق اسلامی فوج راجہ جے سیہ کی لڑائی کے لئے روانہ کی گئی جے سیہ بھاگ گیا اور برہمن آباد والونکا حوصلہ ٹوٹ گیا اور سوچنے لگے کہ اب ذخیرہ ختم ہونے کو ہے عربوں کا عزم استقلال مشہور ہے تمام علاقہ کو فتح کر چکے ہیں راجہ داہر مارا گیا اُسکا بیٹا بھاگ گیا اب کون مدد کرنے والا باقی رہا ہے۔ اگر قلعہ بزور شمشیر فتح کیا گیا تو ہم سب بندی غلام بنائے جاوینگے گھر بار لٹ جائے گا قتل واسیر کے ہولناک واقعات دیکھنے پڑینگے۔ بہتر یہی ہے کہ محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کرلیں اور امان مانگ لیں۔ اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور ایلچی بھیجکر درخواست امان دی گئی۔ راجہ جے سیہ کے طعن سے بچنے کے لئے خفیف سے جنگ کے بعد کھلے دروازہ چھوڑکر شہر میں چلے گئے اور مسلمان داخل ہو گئے بقول بعض رانی لادی اسی قلعہ کی ہیرو تھی اور اسی جگہ قید ہوئی +

محمد بن قاسم کا انتظام مُلکی

برہمن آباد کا قلعہ چار برہمن سرداروں کی تحویل میں دیا گیا جو راجہ داہر کے متعلقین

ہیں سے تھے اور ان چار شخصوں کی ایک کونسل انتظام ملک کے لئے بنائی گئی۔ زمین کی مالگذاری قدیم رسم و رواج کے مطابق تجویز کی گئی کوئی جدید ٹیکس نہ لگایا گیا۔ اسلام لانے والے پر فوجی خدمت اور آبائی مذہب پر رہنے والے لوگوں پر اول درجہ ۴۸ تولہ دویم درجہ ۲۴ تولہ سوم درجہ ۱۲ تولہ چاندی سالانہ جزیہ مقرر رہا۔ جو زمانہ حال کے بیشمار ٹیکسوں کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھا زراعت۔ تجارت۔ حرفت میں کسی قسم کی دست اندازی نہ کی گئی رسوم مذہبی کے ادا کرنے کی آزادی دی گئی وصول خراج کے معاہدہ بدستور سابق نمبرداروں چودھریوں اور مقدموں سے کئے گئے۔ اُن کا نام امین رکھا گیا یہ سب عہدہ دار ہندوستانی تھے ان لوگوں کو ہندوستانی طریق پر انعام و اکرام دیا جاتا تھا سونے کے کڑے ہاتھوں میں پہنائے جاتے اور گھوڑے معہ زین مطلا عطا کئے جاتے ایام جنگ میں جن صناعوں اور کاشتکاروں کو نقصان پہنچا تھا ان میں سے ہر ایک کو معاوضہ دیا گیا۔ برہمن جو راجہ داہر کے ہم قوم ملازمت پیشہ تھے اُن کو زمانہ سابق کیطرح معزز و ممتاز رکھا تمام بڑے بڑے سولین عہدے برہمنوں کو دیدیئے داہر کے استیصال سلطنت سے جو اُن کو ذاتی نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اسکو اس طرح رفع کر دیا کہ تمام عہدے برہمنوں کے لئے موروثی کر دیئے اور اُن کی عزت و حرمت کو ملک میں قایم رکھا۔ ان برہمن عہدہ داروں نے وہ خوف ہندو رعایا کے دلوں سے دور کر دیا جو وہ عربوں سے رکھتے تھے۔ عربوں کے عادلانہ برتاؤ اور رواداری مذہبی لگاؤ کو دیکھ کر بعض ہندو اسلام لائے جن کے حقوق عرب مسلمانوں کے برابر سمجھے گئے۔ اور اسلام لانے کے بعد نسل کا امتیاز اُٹھ گیا نو مسلم ہندوؤں کو بھی وہ حقوق حاصل تھے جو عرب مسلمانوں کو۔ سولین برہمنوں کو تاکید کی گئی کہ مقررہ خراج سے ایک کوڑی بھی زیادہ وصول نہ کریں اور ظالم رشوت خواروں سے غریب رعایا کو بچانے کے لئے سخت احکام صادر کئے ؎

مندر بدھ کے پجاری

برہمن آباد میں جو بدھ کا عظیم الشان مندر تھا اور جو لڑائی میں ہندوؤں کی تقویت کا موجب رہا تھا اور اسی مندر کا برج اُڑنے پر فتح حاصل ہوئی تھی اور مندر کچھ شکستہ ہو گیا تھا۔ فتح کے بعد عام ہندو عربوں کو مندر کا مخالف جان کر جبکی سنگساری سے وہ گرا تھا

نہ مندر میں آتے اور نہ نذر بھینٹ پجاریوں کو دیتے مندر کی رونق اور آمدنی میں بہت نقصان آگیا۔ محمد بن قاسم کی عام مروت و احسان کو دیکھکر پجاریوں نے درخواست دی کہ رعایا کا ہر ایک فرقہ تاجر و صناع اہل حرفہ و کاشتکار سب پر حضور نے لطف و کرم کیا ہے بلکہ عوضانہ نقصان بھی دیا گیا ہے مگر مندر بدھ کی رونق کم ہو گئی۔ نہ لوگ عبادت کے لئے آتے ہیں اور نہ نذر و نیاز دیتے ہیں۔ ہم پجاریوں کا گذارہ محض رقم چڑھاوے پر تھا جو بند ہو گیا۔ ہم اور دیگر مندر کے متعلقین آج نہیں تو کل ضرور تنگدست ہو کر تکلیف اٹھائیں گے آپ عام حکم دیں کہ لوگ بلا خوف و خطر مندر میں آیا کریں اور عبادت بدھ کیا کریں ہماری مقررہ نذر ادا کریں۔ اور مندر کی مرمت کا حکم صادر فرمادیں۔ اس درخواست میں اگرچہ مرمت مندر کی اجازت کے بغیر جو پولٹیکل ضرورت سے کسیقدر گرایا گیا تھا باقی امور گورنمنٹ سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ لوگوں کو چڑھاوا چڑھانے اور بدھ کی پوجا کرنے پر مجبور کرنا کوئی گورنمنٹ پسند نہیں کرتی بلکہ آجکل پولٹیکل نگاہ سے اس قسم کا مذہبی تنفر غنیمت سمجھا جاتا ہے لیکن محمد بن قاسم جو بے تعصب اور کسی قدر رعایا کو تکلیف دینا پسند نہ کرتا تھا اس نے پجاریوں کی آیندہ تکالیف کو محسوس کر کے حکم دیا کہ ہندو و بدستور سابق بدھ کی پرستش کیا کریں اور نذر و نیاز چڑھایا کریں۔ اور مندر کی مرمت کریں۔ اس حکم سے مندر تعمیر کیا گیا اور رونق و عظمت مندر قایم ہو گئی اس کارروائی سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عرب ہندوؤں کی مذہبی احکام کی بجاآوری میں ہرگز دست اندازی نہ کرتے تھے بلکہ ہر طرح سے مدد دیتے تھے ایسے روشن خیال فاتحین پر جبراً مسلمان کرنے کا الزام ہرگز عائد نہیں ہوسکتا۔ اور ایسے واقعات کے ہوتے یہ الزام سراسر بے انصافی ہے +

جاٹوں سے سلوک

علاقہ سندھ میں جاٹ ایک جاہل سرکش قوم تھی۔ چوری قزاقی اُن کا کام تھا۔ اُن کا انتظام ہندو وزیر سی ساگر کی سپرد کیا جس نے راجہ چچ اور داہر کے قواعد مجریہ کے مطابق امتیازی لباس پہننے اور گھوڑے پر نہ سوار ہونے اور اظہار نشان دہقانی کے لئے کتا ساتھ رکھنے اور موٹی چادر پہننے اور سرکاری فوج میں رسد پہنچانے اور مال مسروقہ کے برآمد کرانے وغیرہ جاٹوں کے ذمہ لگا دیئے محمد بن قاسم نے اپنی طرف سے صرف یہ حکم ایزاد کیا کہ وہ ہر ایک مسافر کو ایک روز اور بیمار کو تین دن تک کھانا کھلایا کریں یہ قاعدہ تجارت و سیاحت کیلئے

مفید یہ تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں جاری کیا تھا۔ اسی جگہ حجاج کا خط پہنچا جس میں محمد بن قاسم کے انتظام کی تعریف اور الور اور ملتان کے تسخیر کی ہدایت درج تھی۔ محمد بن قاسم نے تمام قلعوں اور جنگی ناکوں پر فوج مقرر کی اور بہادر عرب سرداروں کے سپرد کی۔ تمام ضروری انتظام سے فارغ ہو کر الور پر چڑھ گیا+

الور کی تسخیر

الور (حیدر آباد) جو راجہ داہر کا صدر مقام اور سندھ کا مشہور جنگی مقام تھا اس کی فتح کے لئے محمد بن قاسم روانہ ہوا۔ راستہ کے شہروں نے اطاعت اختیار کی جہاں پہنچتا تھا لوگ اپنے اپنے قومی دستور کے مطابق استقبال کرتے کوئی ننگے سر حاضر ہوتا اور کوئی باجہ بجاتے آتا۔ الور کے راستہ میں کوئی مشکل پیش نہ آئی اور دریا نے علاقہ کو حوضہ تصرف میں لاتا ہوا الور پہنچ گیا۔ الور میں داہر کا بیٹا فیوفی حکمران تھا۔ فوج اور جنگی سامان اور خاندانی شجاعت رکھتا تھا۔ محصور ہو کر لڑائی پر تیار ہو گیا۔ محمد بن قاسم کو ایک ماہ تک وہاں مقیم رہنا پڑا۔ جامع مسجد بنائی گئی۔ عوام کالانعام کے دلمیں ڈالا گیا تھا کہ راجہ داہر زندہ ہے ہندوستان کے راجاؤں کی فوج لئے آتا ہے اور اسی حوصلہ پر الور والے اڑے ہوئے تھے رانی لاڈی کو جو اب محمد بن قاسم کے نکاح میں تھی قلعہ والوں کے سامنے کیا گیا جس نے راجہ داہر کے مارے جانے کی شہادت دی اور ایک جوگن نے بھی علم جوگ کے ذریعہ داہر کا مارا جانا تصدیق کیا تو لوگوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور لڑائی میں ڈھیلے پڑ گئے۔ اور اطاعت اسلام کے مشورہ کرنے لگے۔ فیوفی رعایا کے خیالات بھانپ کر مع اہل و عیال و خزانے وغیرہ رات کو الور سے نکل کر بھائیوں کے پاس چلا گیا۔ اور دوسرے روز قلعہ الور پر غازیوں کا قبضہ ہو گیا۔

الور کی فتح اور اسلامی گورنمنٹ

الور (حیدر آباد) کے باشندوں نے اطاعت منظور کی اُن کو امان دی گئی تجارت زراعت وحرفت پیشہ اشخاص عموماً تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اتنا بڑا شہر جو راجہ داہر کا دار السلطنت تھا اور جس کی فتح زور شمشیر کی امید واثق تھی۔ داہر کا بیٹا فیوفی بھاگ چکا تھا۔ اگر محمد بن قاسم لالچی اور محض لٹیرا ہوتا تو ہرگز باشندگان الور کی درخواست امان نہ مانتا۔ کروڑوں کا مال

کا مال غنیمت میں ملتا۔ مگر اسلام کا صاف حکم تھا کہ جب کوئی دشمن ہتھیار رکھدے تو پھر ہتھیار چلانا جائز نہیں اور صلح سے مُنہ موڑنا اصول اسلام کے برخلاف ہے یہی وجہ تھی کہ الور کے خونخوار دشمنوں کو بھی امان دی گئی اُن کا مال و متاع اہل و عیال سلامت رہا بلکہ رانی لادی کی سفارش سے فوجی اشخاص جنہوں نے اخیر دم تک اطاعت نہیں کی تھی رہا کیے گئے۔ اسی عام کرم و عنایت کا اثر تھا کہ ہندو رعایا چند روز میں ہی ہندو گورنمنٹ کو بھول گئی اور اسلامی گورنمنٹ کے عادلانہ اصول سلطنت اور محمد بن قاسم کی ذاتی مروت و فتوت پیر چشمی کو دیکھ کر اسلامی گورنمنٹ کی ترقی کے خواہاں ہو گئی یہ اصول جہانداری غیر قوم غیر مذہب کی گورنمنٹ کے لئے لابدی ہیں مگر مسلمانوں کیطرح کوئی فاتح قوم رعیت پروری کی ایسے نظائر پیش نہیں کر سکتی ؎

راجہ جے سیہ

راجہ جے سیہ نے جب دیکھا کہ سندھی رعایا مسلمانوں کے ساتھ ہو گئی ہے اور فوجیں تباہ اور کمزور ہو چکی ہیں۔ مقابلہ مشکل ہے۔ قلعہ کورج کے راجہ دردہر راے کے پاس لباس جوگیانہ پہن کر چلا گیا۔ راجہ نے بہت عزت کی مگر ایک رانی جے سیہ پر فریفتہ ہو گئی اور مراد سے مایوس ہو کر اپنی عصمت میں خلل ڈالنے کا جرم لگایا راجہ دردہر راے مخالف ہو گیا۔ جے سیہ جان بچا کر پنجاب کو بھاگ ایا اور پھر کشمیر کے راجہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک آوارہ رہا۔ مگر حضرت عمر رضہ کے عہد میں اسکو سندھ کے ایک حصہ میں حاکم بنایا گیا ؎

محمد بن قاسم کی علاقہ ملتان پر چڑھائی

اور

فتوحات

الور کی فتح اور انتظام کے بعد محمد بن قاسم ملتان کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ قلعہ بابیہ کا والی راجہ داہر کا عم زاد بھائی لکھہ بن چندر جو زبان سنسکرت کا بہت بڑا فاضل تھا پہلے تو وہ قلعہ بند ہوا مگر آخر انجام پر خیال کر کے محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ محمد بن قاسم نے لکھہ کو اپنا مشیر اعظم مقرر کیا وزیر خزانہ اور رمال اسکو بنایا اسکا یہاں تک اعتبار بڑھایا کہ مُہر شاہی بھی اُس کے ہی حوالہ کی گئی۔ لکھہ کو ہمراہ لیکر محمد بن قاسم دریاے بیاس سے پار علاقہ ملتان میں پہنچا قلعہ اسکلندہ پر

سات روز تک لڑائی ہوتی رہی۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ آخر اسلامی فوج کی شوکت اور شہرت نے حاکم قلعہ کو بھگا دیا قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ قلعہ اسکلندہ کی فتح کے بعد قلعہ سکہ فتح کیا گیا جو دریائے راوی کے جنوب میں واقع تھا اس قلعہ پر ہندوؤں نے کمال مردانگی سے مقابلہ کیا سترہ روز تک شہر سے باہر نکل کر عربوں سے مقابلہ کرتے رہے اسلامی لشکر سے دو سو پندرہ سپاہی اور پچیس افسر شہید ہوئے جن کا انتقام شہر کی بربادی سے لیا گیا۔ فتح سکہ کے بعد ملتان پہنچا۔

جنگ ملتان

ملتان کے گھاٹ پر ہندو فوج نے مقابلہ کیا بجے رائے ہندو فوج کا افسر تھا ہر روز صبح سے شام تک معرکہ کارزار گرم رہتا۔ فریقین کے بہادر میدان میں کشتہ ہوتے۔ اس لڑائی نے دو ماہ تک طول کھینچا جو ہندوؤں کی جنگی طاقت اور فوجی لیاقت کی قوی دلیل ہے ہندوؤں نے کہیں بزدلی نہیں دکھائی۔ عربوں نے سندھ و ملتان کو جانوں پر کھیل کر فتح کیا۔ بہادران ہند سے کوئی فریب و دھوکہ نہیں کیا گیا۔ سچے بہادروں کی طرح طرفین نے دل کھول کر شجاعت کے جوہر دکھائے۔ بس عربوں کی فتوحات میں کسی پولٹیکل یا سیاسی چال بازی کا اثر نہیں پایا جاتا اُن کا صاف صاف پیغام اسلام۔ جزیہ (اطاعت) تلوار تھی۔ ہندو گورنمنٹ کے ذمہ دار افسروں نے عموماً تلوار سے جواب دیا اور خوب بہادرانہ مقابلہ کیا۔ اسلئے کہہ سکتے ہیں کہ عربوں کی فتوحات کا باعث ان کی شمشیر براں تھی۔ ملتان کی اسقدر طویل لڑائی میں غلہ گراں ہو گیا اور گوشت اسقدر کمیاب تھا کہ گدھے کی سری پانچسو درم کو فروخت ہوئی تھی راجہ داہر کا عمزاد بھائی گور سیہ ولد چندا محمد بن قاسم کے عزم بالجزم اور مآل کار پر خیال کر کے کشمیر کو بھاگ گیا باقی سردار بدستور مقابلہ پر ڈٹے رہے ایک ملتانی ہندو کی رہبری سے موقعہ سرنگ ملا جہاں سرنگ آسانی سے لگائی گئی اور قلعہ دو تین یوم میں فتح ہو گیا چھ ہزار فوجی اشخاص قتل اور اُن کا اہل و عیال قید ہوا۔ چونکہ فوج کو قلعہ ملتان کی فتح میں بہت سی تکالیف برداشت کرنی پڑی تھیں اس لئے تمام مال غنیمت جس کی مقدار ساٹھ ہزار درم صرف چاندی تھی سب فوج میں تقسیم کیا گیا۔ شاہی خزانہ میں رقم بھیجنے کے لئے محمد بن قاسم متردد تھا کہ ایک برہمن نے اپنا رسوخ بڑھانے اور فائدہ اٹھانے کے لئے محمد بن قاسم کو ایک قدیم دفینہ کا پتہ دیا جو ۱۰۰×۱۰۰ گز تھا اور اس میں ایک تبکدہ ۵۰×۵۰ گز تھا بت سونے کا بنا ہوا اور اس

بتخانہ میں چالیس دیگیں سونے کی مدفون تھیں۔ بقول مصنف فتوحات اسلامیہ اس بتخانہ میں ۶ ہزار بت رکھے تھے بت کلاں کا وزن دوسو تیس من نکلا اور دیگوں میں سے سترہ ہزار دو سو من سونا برآمد ہوا۔ جواہر و مروارید علاوہ تھے۔ چونکہ یہ مال غنیمت نہ تھا بلکہ خزانہ خداداد تھا جو فتح کے بعد برہمن کی مخبری سے ملا اسلئے یہ تمام سونا وغیرہ دربار خلافت کو روانہ کیا گیا۔ اسی روز حجاج کا خط پہنچ گیا کہ میں مہم سندھ کے اخراجات کے عوض میں دوچند روپیہ خزانہ خلافت میں داخل کرنے کا ضامن تھا سو ساٹھ ہزار خرچ کے مقابلہ میں ایک لاکھ اٹھائیس ہزار داخل خزانہ شاہی ہو چکا ہے۔ آیندہ جسقدر مال ملے وہ ہندوستان کے سود و بہبود تعمیر مساجد و منابر اور رفاہیت عامہ پر خرچ کیا کرو اور فتوحات ہندوستان کو مکمل کرو +

حجاج کی موت اور توقف فتوحات

محمد بن قاسم ملتان کے جنگی مقامات میں عرب سرداروں کو مقرر کرکے خود تو شمالی پنجاب کو روانہ ہوا اور ابو حکم شیبانی کو دس ہزار سوار دے کر راجہ قنوج کے ملک پر حملہ کرنے کو روانہ کیا۔ راجہ قنوج پیغام اسلام۔ اطاعت۔ جنگ کو سن کر بگڑ گیا اور لڑائی پر تیار ہو گیا۔ ابو حکم شیبانی نے محمد بن قاسم کو اطلاع دی یہاں بصلاح امرائے لشکر قنوج پر چڑھائی کرنے کی تجویز پاس کی گئی تھی کہ حجاج بن یوسف کی فوتیدگی ۹۵ھ کی خبر پہنچی اور محمد بن قاسم کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور حجاج کے بیشمار دشمنوں کے ہاتھ سے جس انتقامی ذلت کی امید تھی اسکا خاکہ آنکھوں میں سما گیا اسلئے قنوج کی فتح کا ارادہ ترک کرکے روڑی کو واپس چلا گیا۔ اور بیلمان فتح کرتا ہوا کیرج پر چڑھ گیا جو سندھ کے جنوبی حصہ میں واقع تھا راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ علاقہ پر عربوں کا تسلط ہو گیا۔ اب محمد بن قاسم سندھ کے انتظام میں مصروف تھا اور اس کے بعد مغربی ہندوستان میں فتوحات کا راستہ کھولنا چاہتا تھا کہ خلیفہ ولید اُسکا مربی ماہ جمادی الاول ۹۶ھ میں ۵۱ سال کی عمر میں مر گیا +

خلیفہ ولید کی یادگاریں

بقول تاریخ گزیدہ ولید نے ساٹھ ہزار دینار سرخ جامع مسجد دمشق کی تعمیر پر خرچ کئے مسجد نبوی کو وسیع کیا۔ بیت المقدس کی عمارت کی تجدید کی۔ اندھوں کے لئے رہبر اور دیوانہ

پاگلوں کے لئے پاگل خانہ۔ شفاخانہ۔ لنگر خانہ۔ مسافر خانہ۔ منار۔ مساجد۔ حوض۔ تالاب جنگلوں اور ضروری مقامات پر بنوائے۔ ہمیشہ تین دن میں قرآن مجید ختم کرتا۔ ماہ رمضان میں ۱۷ ختم قرآن کرتا۔

محمد بن قاسم کی معزولی اور قتل

خلیفہ ولید اپنے بھائی سلیمان بن عبدالملک کو ولیعہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا جس کی تائید حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم نے کی تھی مگر عمر بن عبدالعزیز وغیرہ دیگر سرداران بنی امیہ کی مخالفت کے سبب ولید اپنی آرزو میں کامیاب نہ ہو سکا اور سلیمان ہی خلیفہ ہوا۔ حجاج تو پہلے ہی مر چکا تھا مگر اس کا نزلہ بیگناہ محمد بن قاسم پر گرا اور معزول کیا گیا اور اسکی جگہ یزید بن ابی کبشہ گورنر ہندوستان مقرر ہوا۔ جسنے محمد بن قاسم کو قید کر کے عراق کو روانہ کر دیا اور واسط علاقہ عراق میں صالح بن عبدالرحمن نے جسکے بھائی کو حجاج نے قتل کیا تھا محمد کو سخت عذاب دیکر مار ڈالا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ظالمانہ واقعہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں اور اس کے حکم سے ہوا نہ کہ خلیفہ ولید کے عہد میں جیسا کہ ہندوستان کی بعض تاریخوں میں درج ہے۔ اور وجہ معزولی وقتل راجہ داہر کے بیٹوں کی شکایت خیال کیجاتی ہے۔

یہ ناقدردانی صرف محمد بن قاسم کے ساتھ ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ نالایق سلیمان نے ولید کے تمام بہادر ظفر جنگ سپہ سالاروں کو مقتول یا جنگی خدمات سے معزول کر دیا۔ شیر دل قتیبہ بن مسلم الباہلی جس نے ترکستان چینی تاتار کے تمام زبردست قوموں کو بزور شمشیر اور تدبیر و انتظام سے مطیع و فرمانبردار کر لیا تھا اور کوئی سرکش سردار وسط ایشیا میں اسلامی فوج کے مقابلہ کے قابل نہ چھوڑا تھا بلکہ ترک و تاتار اسلامی فوج کی جزو اعظم بن گئے تھے ولید کی رائے ولیعہدی کی تائید کے جرم میں معہ اپنے گیارہ بھائیوں اور رشتہ داروں کے جن میں سے ہر ایک رستم و اسفندیار کو زعم میں نہ لاتا تھا بیرحمی سے قتل کئے گئے اور موسےٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد فاتحان افریقہ و یورپین فوجی خدمات سے الگ کئے گئے۔ سلیمان نے ان اسلامی خادموں کو ہی تباہ نہ کیا بلکہ بنی امیہ کی جڑ کو ہلا دیا اسی وقت سے بنی امیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ اور کوئی جدید فتح ممالک خارجیہ میں حاصل نہ ہوئی۔ یزید بن ابی کبشہ محمد بن قاسم کو قید کرنے سے ۱۸ روز بعد مر گیا۔ اور سلیمان نے حبیب بن مہلب کو والی سندھ مقرر کیا جس کے وقت میں تمام ہندو رؤسا باغی ہو گئے۔ حبیب بن

مہلب صرف باغیان روڑی کو سزا دے سکا +

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ اور اشاعت اسلام

سلیمان بن عبد الملک ماہ صفر سنہ ۹۹ھ میں فوت ہوا۔ اور اسکا جانشین مشہور عادل و پادل فخر اسلام امیر المومنین عمر بن عبد العزیز بن مروان بن حکم خلیفہ ہوا۔ جن کے اعمال صالحہ کی نظیر سوا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے کسی اور سلطان یا خلیفہ میں نہیں ملتی اس ستودہ صفات کے خلیفہ ہوتے ہی اسلامی دنیا میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ اور دیرینہ کدورتوں میں بھی بہت کچھ کمی ہو گئی۔ ملکی انتظام اور قومی امتیاز میں نمایاں بیشی ہوئی۔ مگر اس خدا دوست خلیفہ کو قتل نفوس سے طبعاً نفرت تھی اس لئے جنگ و جدل سے عموماً پہلو بچاتا رہا۔ صرف لطف و عدالت احسان و مروت سے غیر مذاہب کو اسلامی صداقت کا گرویدہ بناتا رہا۔ راجگان سندھ کے پاس بھی اسلامی مشن روانہ کئے گئے چونکہ اہل سندھ مسلمانوں کی طرز زندگی اور عقائد اسلام کی سادگی کو پوری صدی سے وزن کر رہے تھے اور دینی و دنیوی امور میں عربوں کو کامل العیار دیکھ چکے تھے اسلئے راجہ جے سیہ بن داہر سندھ کا موروثی راجہ معہ چند دیگر رئیسوں کے بطوع و رغبت مسلمان ہو گیا جن کے ساتھ ان کی قوم کے ہزاروں شخص مسلمان ہو گئے۔ جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ زندگی اور اس کے عمال کے خالص اسلامی تمدن اور عام مسلمانوں کے سادہ اور دلکش اطوار و عادات اور بے لوث زہد و ورع کا اثر تھا اس سے پہلے عموماً اہل سندھ بت پرست تھے خراج و جزیہ دے کر مطیع اہل اسلام تھے۔ اسوقت گورنر سندھ عمر بن مسلم الباہلی تھا جسنے سابقہ مفتوحہ علاقہ سے آگے جنوب کیطرف بھی قدم بڑھایا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سنہ ۱۰۱ھ میں بعمر ۳۹ سال راہی فردوس بریں ہوئے اور یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا۔ جس کے عہد میں یزید بن مہلب نے بغاوت کی یہ یزید بہت بڑا بہادر اور سخی تھا اور عہد سلیمان بن عبد الملک میں گورنر خراسان رہا تھا۔ چالیس ہزار جرجانیوں کے قتل سے بدنام ہو گیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے معزول اور قید کر دیا مگر قید سے بھاگ کر عہد یزید بن عبد الملک میں باغی ہو گیا اور خلیفہ کی فوجوں کو چند شکستیں دیکر بہت زور پکڑ گیا جسکو آخر مسلمہ بن عبد الملک نے تباہ کیا اس بغاوت اور فساد خانگی اور خود یزید بن عبد الملک کی نالائقی کیوجہ سے ہندوستان وغیرہ میں کوئی فتح حاصل نہ ہوئی پھر یزید سنہ ۱۰۵ھ میں فوت ہوا اور اسکا جانشین ہشام بن عبد الملک ہوا

اور جس کے عہد میں بنی امیہ کی گذشتہ شوکت پھر تازہ ہوگئی اور بیرونی ممالک میں فوج کشی ہونے لگی +

جنید بن عبدالرحمٰن المری کی فتوحات ہند

ہشام نے گورنر سندھ جنید بن عبدالرحمٰن المری کو مقرر کیا۔ جنید اپنی فتوحات کو ہندوستان میں وسیع کرنا چاہتا تھا اور دریائے سندھ عربوں اور راجہ سندھ کے علاقہ میں حد فاصل تھا جنید نے دریائے سندھ کو عبور کرنا چاہا راجہ جے سیہ کو بدگمانی پیدا ہوئی اور جنید کو لکھا کہ مجکو اس ملک کا حاکم خلیفہ عادل عمر بن عبدالعزیز نے کیا ہے مسلمان ہوں خراج دیتا ہوں پھر خلاف عہد نامہ میرے ملک سے کیوں تعرض کرتے ہو۔ جنید جو راجہ کے مانع عبور ہونے سے اُسکو فتوحات اسلامی کا نارج جانتا تھا۔ راجہ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ گو بظاہر دفع الوقتی کے لئے طرفین سے معتبر اشخاص بطور (اول) رہن دئے گئے۔ مگر راجہ کی بدگمانی بڑھتی گئی۔ چونکہ ایسی حالت میں راجہ کو مسلمانوں کیطرف سے تو کچھ امداد پہنچ نسکتی تھی اور ہندو اسکو مسلمان ہونے کے سبب بُرا جانتے تھے اسلئے اسکو سوائے اس کے کوئی مفر معلوم نہ ہوا کہ وہ ہندو مذہب کی آڑ میں جان بچائے۔ جنید کی حریفانہ غلطی نے راجہ کو اسلام کیطرف سے مایوس کردیا اور پھر ہندو ہوگیا اور ہندو بہادر قوموں اور راجاؤں کو ساتھ لیکر لڑا اور مارا گیا۔ راجہ کا دوسرا بھائی دمشق پہنچکر خلیفہ سے جنید کی شکایت کرنی چاہتا تھا جسکو جنید نے دھوکہ سے قتل کروایا یہ واقعہ ۱۰۷ھ کا ہے اس واقعہ نے اسلام کی اشاعت میں رکاوٹ ڈالدی اور مسلمانوں کے قول وفعل کا اعتبار نہ رہا۔ کیونکہ اسلام کی صداقت کا اندازہ مسلمانوں کی اعمال وافعال سے کیا جاتا تھا جس میں وہ ہر طرح کامل دکھائی دیتے تھے اسی کشش مقناطیسی نے ہندوستان وغیرہ میں اسلام کو پھیلایا اور آج کل بھی ایسے ہی پاکیزہ عمل مسلمانوں کی ضرورت ہے جن کی کمی کے سبب ہندوستان میں ترقی اسلام میں ہرج ہو رہا ہے۔ جس پر میں علیحدہ بحث کرونگا +

تسخیر گجرات

جنید اس واقعہ کے بعد جنوب کو بڑھا اور راجہ گجرات جو عہد سابق میں خراج گذار تھا اور اب باغی ہوگیا تھا اُس کی تنبیہ کو روانہ ہوا۔ راجہ گجرات بھی غافل نہ تھا اُس نے پہلے ہی جہانتک

ہوسکا راجگان ہند کو اپنی مدد کے لئے بلا لیا تھا۔ ہندوؤں نے پورے قومی اور مذہبی جوش کا ثبوت دیا اور اس اسلامی سیلاب کو روکنے کے لئے اچھی طرح قومی اور مذہبی اتفاق سے مقابلہ کیا مگر راجپوت وغیرہ بہادران اسلام کی شجاعت کا مقابلہ نہ کر سکے اور جو نتیجہ پون صدی سے دونوں قوموں کی پرجوش لڑائیوں سے نکلتا رہا تھا۔ وہی یہاں نکلا۔ ہندوؤں کی مجموعی فوج کو شکست ہوئی اور جنید گجرات میں اسلامی سکہ بٹھاتا ہوا بھروچ تک جو احاطہ بمبئی میں مشہور شہر ہے جا پہنچا۔ کچھ۔ کاٹھیاواڑ راجپوتانہ کے شمالی اور مغربی حصہ اور جنوب میں مہاراشٹر تک اور شمال میں وسط پنجاب شورکوٹ ضلع جھنگ تک کا تمام علاقہ خلیفہ دمشق کے ماتحت ہو گیا۔ جنید آگے بڑھنے کی تیاری کر رہا تھا اور وہ تمام ہندوستان کو فتح کرنا چاہتا تھا جس کی کامیابی میں کوئی شک نہ تھا۔ کیونکہ اس عہد میں ہندوستان کے اندر عموماً راجپوتوں کی ریاستیں تھیں اور یہی قوم جنگی بہادر جاں فروش تھی جو کئی بار مجموعی طاقت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرکے ہار مان چکی تھی ہندوستان کے باقی راجگان بھی اسی درجہ کے بہادر ہونگے۔ تو پھر نتیجہ بھی وہی سابقہ نکلنا تھا۔ بہرحال جنید کی آرزو پوری نہ ہوئی اور جنید کی خدمات کی ضرورت ترکستان میں پڑی۔ اور وہ ۱۱۱ھ میں اشرس بن عبداللہ معزول شدہ کی جگہ گورنر خراسان کیا گیا۔ اور جنید کی جگہ تمیم بن زید حاکم سندھ مقرر ہوا۔ مگر یہ شخص لایق گورنر نہ تھا۔ نہ اس میں جنگی لیاقت تھی نہ انتظامی اس لئے اس کے وقت میں بمشکل ہندو باجگذار ریاستوں کو ہی قابو رکھا گیا۔ اور ہندو پر پرزے نکالنے لگے۔

بنی امیہ کی بربادی اور سندھ کی آزادی

ہشام طبعاً خونریزی سے کراہت کرتا تھا۔ رحمدل سخی۔ عالم شخص تھا اسلئے جنید کے بعد خود تو پیش قدمی کو مکروہ جانتا تھا اور جو حاکم مقرر ہو کر آتے رہے وہ بہادرانہ اوصاف سے خالی تھے اس لئے جنید کے فتوحات سے آگے عربوں کا قدم نہ بڑھ سکا۔ تمیم بن زید کا ذکر کیا گیا کوئی اولوالعزم نہ تھا اس لئے ہندو بغاوت پر اتر آئے۔ اور جب اس کی جگہ حکم بن عورم الکلبی مقرر ہوا تو وہ بھی اس عہدہ کے لئے موزوں نہ نکلا۔ ہشام بنی امیہ کا اخیر خود مختار خلیفہ ہے جو ۱۲۵ھ میں فوت ہو گیا اور اسکا جانشین ولید بن یزید بن عبدالملک ہوا مگر یہ بھی ثانی یزید نکلا نہایت فاسق۔ فاجر۔ شراب نوش۔ منہیات کا مرتکب۔ محرمات سے

نکاح کرنیوالا۔ لوطی۔ زانی نہایت برا تھا اس لئے عام مسلمان اس سے بگڑ گئے اور مذکورہ بالا جرائم کبیرہ کے جرم میں ۱۲۶ھ میں قتل کیا گیا اس کے عہد میں بیرونی فتوحات بند ہوگئیں اور راجگان ہند خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہونے لگے اور مسلمان مرکزی طاقت کی کمزوری کے سبب بیدست وپا ہوگئے ولید کے بعد یزید بن ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا جو منتظم لایق تھا مگر ۶ ماہ کی سلطنت کے بعد طاعون سے بعمر پینتیس سال فوت ہوگیا۔ بنی امیہ اسوقت بداخلاقی کا نمونہ تھے اسی یزید نے بنی امیہ کو کہا تھا کہ خبردار گانے کے پاس نہ پھٹکنا یہ حیا کو کم کرتا ہے شہوت کو بڑھاتا ہے۔ مے نوشی کیطرف مائل کرتا ہے اور زنا کا مرتکب بناتا ہے کیونکہ گانا زنا کا پیش خیمہ ہے ✦

یزید کے بعد اسکا بھائی ابراہیم بن ولید خلیفہ ہوا مگر ۷۰ روز کے بعد ہی مروان بن محمد بن مروان بن حکم بن العاص نے اسکو معزول کر دیا یہ مروان عام جفاکشی اور سپاہیانہ عادات برداشت محنت کے باعث مروان الحمار مشہور تھا مگر سلطنت اسکو ایسے وقت میں ملی کہ سلطنت بنی امیہ کی بنیاد کھوکھلی ہوچکی تھی اور علویوں اور عباسیوں کی قدیم عداوت اور پولیٹکل رقابت نے اسلامی ممالک میں بعض سلاطین امویہ کے خلاف شرع چلن اور بداخلاقی کی منادی سے بنی امیہ کی محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکال دیا تھا اور انقلاب سلطنت کے لئے ملک کو تیار کر لیا تھا۔ امام زید اور انکے فرزند یحییٰ تو علانیہ تلواریں اٹھا چکے اور عزیز جانیں گنوا چکے تھے۔ مگر بنی امیہ کے برخلاف ایک جنگی فرقہ کھڑا ہوگیا جس سے بنی عباس نے خوب کام لیا مروان الحمار عام مخالفوں سے لڑتا بھڑتا آخر ۱۳۲ھ میں مارا گیا اور خاندان امویہ کا چراغ گل ہوگیا۔ اور بنی عباس کا ڈنکا بج گیا ✦

ان خانہ جنگیوں کے سبب سے ہندوستان کی اسلامی طاقت کمزور ہوگئی۔ اور سندھ کے مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے محفوظ مقامات بنانے لگے۔ حکم بن عوانہ الکلبی گورنر سندھ نے احتیاطی مدافعت اور اپنی حفاظت کے لئے محفوظہ نام جدید چھاونی کی بنیاد سندھ میں ڈالی اور مورچوں۔ دمدموں۔ خندقوں سے اسکو خوب مضبوط کر لیا۔ مسلمان امرا ہر طرف سے بھاگ بھاگ کر اس چھاونی میں پناہ گزین ہوتے رہے۔ انہیں سرداروں میں مشہور فاتح محمد بن قاسم کا بہادر بیٹا عمر تھا جو اپنے نامور باپ کی شجاعت سے پورا حصہ رکھتا تھا۔ جنگی انتظام عمر بن محمد کے حوالہ کیا گیا جس نے مسلمانان سندھ کی قلیل جماعت کو ساتھ لیکر ہندوؤں کے بیشمار

حملہ آور لشکر کو شکست فاش دیکر ثابت کر دیا کہ گو اُن کو دار الخلافہ سے مدد نہیں پہنچ سکتی۔ اور غیر ملک میں اپنی جنگی طاقت کے بڑھانے کے وسائل مہیا نہیں رکھتے لیکن وہ ایسے گئے گذرے نہیں کہ وہ مفتوح قوم سے ڈر کر سندھ سے خارج ہو سکیں اور جس ملک کی فتح میں اُن کے بزرگوں نے اپنی عزیز جانیں قربان کی ہیں اس ملک کو ہندوؤں کی کثرت تعداد اور شور و غوغا سے خوف زدہ ہو کر نامردوں کیطرح چھوڑ دیں۔ جس مقام پر یہ عظیم الشان جنگ ہوتے رہے گو نقصان مسلمان اُٹھاتے رہے۔ مگر سندھ سے باوجود ہندوؤں کی متواتر کوششوں کے خارج نہ ہوئے اور شروعِ عہد عباسی تک یہی حال رہا۔ اور سندھ میں اسلامی طاقت کا زور گھٹ گیا +

عباسی اور سندھ

آل عباس کا پہلا خلیفہ عبد اللہ (سفاح) بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہوا لیکن اسکا نو سالہ عہد حکومت بنی امیہ کے خاندان کو صاف کرنے میں لگا۔ خراسان وغیرہ مشرقی ممالک کا چارج عباسی سلطنت کے بانی و معاون ابو مسلم صاحب الدعوۃ کے سپرد تھا جس کے خونخوار مقابلے شاہ فرغانہ (ترکستان) سے شروع ہو گئے۔ شاہ فرغانہ کی مدد پر شاہ چین نے ایک لاکھ سوار روانہ کئے۔ ابو مسلم نے زیاد بن صالح کو سر عسکر مقرر کیا جس نے جنگ شدید کے بعد پچاس ہزار قتل اور بیس ہزار قید کر لئے۔ ابو مسلم تو تاتاریوں اور چینیوں کے معرکوں اور اُن ممالک کے انتظام میں مصروف رہا اور خود سفاح ہوا خواہان امویہ سے شام وغیرہ کو صاف کرتا رہا۔ اس لئے ہندوستان کی طرف کوئی جدید فوجی مہم روانہ نہ ہو سکی۔ سندھ کے مسلمان ہی ہندو حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے رہے۔

سفاح کے بعد منصور خلیفہ ہوا۔ جسکو بیرونی ممالک کیطرف توجہ کرنے کا موقعہ ملا۔ اور ۱۴۲ھ میں منصور نے عمر بن حفص کو گورنر سندھ مقرر کیا اور مسلمانان سندھ نے جو عموماً بنی امیہ کے نمکخوار یا خیر خواہ تھے اموی گورنر عیینہ بن موسیٰ بن کعب کی ماتحتی میں مقابلہ کیا اور کئی لڑائیوں کے بعد عباسیوں کا تسلط سندھ پر بیٹھا۔

منصور عباسی

ابو مسلم صاحب الدعوۃ کے رسوخ سے بدگمان ہو کر منصور نے اسکو قتل کرا دیا جسکا نتیجہ یہ

فتح و قتل ہوئی و داں بطور یادگار فتح منصورہ نام شہر آباد کیا گیا جو بعد میں مسلمانان سندھ کا مستقر رہا۔ ہندوؤں سے مقابلہ ہ

نکلا کہ خراسان وغیرہ مشرقی صوبوں میں کوئی الوالعزم فاتح گورنر نہ رہا۔ اور ۱۵۰ھ میں خراسان سیستان
بادغیس ہرات کے علاقوں میں اصلی باشندوں نے استاذ سیس کے زیر فرمان عربوں کے
برخلاف عام بغاوت کردی اور تین لاکھ باغیوں کی جمعیت نے ایک سرحدی مسلمان سردار کو
معہ تمام فوج غارت کردیا۔ منصور کو اس بغاوت کے دبانے میں ہمہ تن مصروف ہونا پڑا۔ آخر
منصور نے اپنے بیٹے مہدی کو چیدہ اور منتخب فوج دیکر روانہ کیا جس کے بہادر سرداروں بکار
بن مسلم اور خازم اور ہشیم نے نہایت تدبیر و دانش اور شجاعت سے اس باغی گروہ کو شکست
دی ستر ہزار باغی میدان جنگ میں قتل ہوئے اور خود استاذ سیس قید اور اُس کے ہمراہی
تیس ہزار آزاد کئے گئے۔ پس جبکہ خراسان کی یہ حالت تھی تو ہندوستان پر فوج کشی کس طرح
ہوسکتی تھی۔ صرف عمال عہدہ داران بنی امیہ کا سندھ سے اخراج عہد منصور میں ہوا۔ منصور
۱۵۸ھ میں مرگیا بغداد اسی منصور کا آباد کیا ہوا ہے ؎

خلیفہ مہدی عباسی

منصور کے بعد مہدی خلیفہ بغداد ہوا۔ مہدی نے ۱۵۹ھ میں بیڑہ جہازات براہ
خلیج فارس بسر کردگی عبدالملک بن شہاب المسمعی جس میں باقاعدہ فوج کے علاوہ والنٹیر (مجاہد)
بھی شامل تھے فتح سندھ پر روانہ کئے۔ مسلمانوں نے شہر باربد کو فتح کیا اور ہندوستان
میں از سر نو اسلامی رعب قائم کیا گیا مگر کچھ زیادہ فتوحات نہ ہوسکیں ہند و راجگان جس طرح
عہد بنی امیہ میں خراج گذار تھے ان راجگان نے خلفائے بغداد کی اطاعت مان لی لیکن
فتوحات امویہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ رومی عیسائیوں نے اموی اور
عباسی خاندان کی باہمی نزاع کے دنوں میں ایشیائی روم میں بہت کچھ زور پکڑ لیا تھا مسلمانوں
کے کئی شہر فتح اور ہزاروں مسلمان قتل و قید کر لئے تھے اس لئے مہدی عباسی کو اپنا سارا
زور رومیوں کے مقابلہ پر خرچ کرنا پڑا اور چیدہ فوجیں جملہ ممالک محروسہ سے منگوائی گئیں خراسان
کی فوجوں کو بھی روم میں کام کرنا پڑا۔ مہدی ایک بیٹے ہادی کو بغداد چھوڑ کر دوسرے بیٹے
ہارون رشید کو ہمراہ لیکر ۱۶۳ھ میں جہاد روم پر روانہ ہوا اور کامیاب رہا جس کا بیان تذکرہ
بہادران اسلام میں آچکا ہے۔ اس کے بعد رومی عیسائیوں کا زور توڑنے کے لئے گرمیوں
میں لگاتار حملات کا سلسلہ قائم کیا جو بعد میں صدیوں تک عباسیوں کا معمول رہا۔ رومیوں

کی ان لڑائیوں کی مصروفیت کے سبب سے مہدی کے عہد میں کوئی اعلیٰ پیمانہ پر جنگی مہم سندھ پر وانہ نہ ہو سکی۔ سابقہ مفتوحہ علاقہ کی باجگذاری پر ہی قناعت کی گئی۔ مہدی ۱۶۹ھ میں مر گیا اس کے جانشین ہادی کی ایک سالہ سلطنت میں بھی یہی حال رہا۔

خلیفہ ہارون رشید

۱۷۰ھ ہارون رشید خلیفہ بغداد ہوا۔ جو ایک جلیل القدر خلیفہ اسلام گذرا ہے۔ مگر اس کی توجہ بھی زیادہ تر روم اور افریقہ کیطرف ہی مبذول رہی۔ کیونکہ عباسی خاندان کا مخالف عہد منصور عباسی میں سپین کے اندر عبدالرحمٰن ایک زبردست سلطنت کی بنیاد ڈال چکا تھا اور اس کے لایق جانشینوں نے خلفائے بغداد کی تمام مخالفانہ کوششوں کو ناکام ثابت کر دیا تھا بلکہ خلفائے سپین کی مشہور فتوحات نے عباسیوں کے لئے خطرہ پیدا کر دیا تھا جیسا کہ ہم نے تذکرہ بہادران اسلام میں مفصل لکھدیا ہے اور انہیں رقیبانہ خطرات کے سبب ہارون رشید نے شارلمین شاہ فرانس سے دوستی کا ڈھنگ ڈالا تھا۔ اس وجہ سے ہارون رشید کی جنگی توجہ یورپ اور افریقہ کیطرف ہی رہی ہندوستان میں کوئی عظیم الشان فتح نہ ہو سکی۔ راجگان مغربی ہندوستان اس بلند اقبال خلیفہ کے ماتحت تھے جن کی خراجگذاری پر قناعت کی گئی۔ اور یہی حال اس کے جانشین مامون رشید اور معتصم باللہ کا رہا۔ جو عموماً رومیوں کی لڑائیوں میں مصروف رہے۔ معتصم باللہ ۲۲۷ھ میں فوت ہوا اور خاندان عباسیہ کا زوال شروع ہو گیا اور عربوں کی جگہ ترکوں کا بغداد میں زور بڑھ گیا۔ جس کے نتایج اور اسباب کا ذکر تذکرہ بہادران اسلام میں کیا گیا ہے۔ چند خلفائے کے عزل ونصب قتل وقید کے بعد عباسی خلیفہ کا رعب برائے نام رہ گیا۔ یورپ اور افریقہ کیطرح ایشیا میں بھی جسکی لاٹھی اسکی بھینس کا نقشہ جم گیا۔ سندھ کا علاقہ جسقدر خاص مسلمان گورنروں کے ماتحت تھا وہ کچھ عرصہ تک خلافت بغداد کے متعلق رہا اور خراجگذار ہندو راجگان اطاعت کا جوا کندہوں سے اوتار بیٹھے۔ اور مسلمانان سندھ کو ستانے لگے اور علاقجات چھیننے لگے یہاں تک کہ مسلمانوں کے پاس صرف خاص خاص چھاونیاں اور امصار مثل منصورہ وغیرہ کے رہ گئیں جن ہندوؤں نے اسلام قبول کیا تھا یا تو مارے گئے یا ملک بدر کئے گئے یا پھر ہندو بنائے گئے۔ مگر سندھ سے مسلمان بالکل خارج نہ ہو سکے اور مسلمانوں کی قلیل جماعت نے ذاتی شجاعت سے اسلامی ریاست کو سندھ میں قائم رکھا یہی

ریاست تھی جو مجاہدین غزنویہ کی آمد کے وقت ملتان وغیرہ میں موجود تھی جسکا مذہب عموماً اسماعیلیہ تھا
پس عباسیہ عہد میں ہندوستان اور سندھ میں کوئی ایزادی نہیں ہوئی اور عباسی جرنیل بہادران امویہ
سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔ بلکہ باعث زوال ہوئے۔ مسلمان غالب سے مغلوب بن گئے۔ اور
مفتوحہ علاقہ بھی ہاتھ سے نکل گئے۔

سامانی خاندان

مکتفی باللہ عباسی کے عہد میں بہادر اسماعیل سامانی نے بخارا میں ایک طاقتور سلطنت قائم
کی یہ اسماعیل بن احمد بن اسد بن سامان بن خداہ بن طغمات بن نوسرو بن بہرام چوبین تھا۔ خداہ
اسقدر تنگدست ہوگیا کہ پیشہ ساربانی پر گذارہ کرنے لگا مگر اسکا بیٹا سامان اپنی خاندانی عظمت کی روائتیں
سن سن کر پیشہ ساربانی کو پسند نہ کرتا تھا اور بہادرانہ گیت سنکر ڈاکہ زنی اختیار کی اور زور پکڑ کر شہر
اساس پر قبضہ کر لیا اور مامون رشید عباسی کے عہد میں اسکا بیٹا اسد امرائے سلطنت میں داخل
کیا گیا اور سمرقند۔ فرغانہ۔ اساس۔ ہراۃ کی گورنری اس کے چار بیٹوں اسد۔ احمد۔ یحیٰی۔ الیاس
کو دی گئی ۲۶۱ھ میں معتمد خلیفہ عباسی نے تمام ملک ماوراء النہر (ترکستان) کی حکومت نصر بن احمد
کو عطا کی اسکا چھوٹا بھائی اسماعیل بن احمد حاکم بخارا ہوا۔ ۲۷۹ھ میں نصر فوت ہوا اور ماوراء النہر
کا واحد گورنر جنرل اسماعیل بن احمد مقرر ہوا۔ اور بنی لیث کی شکست کے بعد خلیفہ معتضد باللہ
عباسی نے ملک خراسان کی حکومت بھی اسماعیل کے حوالہ کی اور ایران کے بعض صوبے بھی اسماعیل
کے ماتحت ہوگئے۔ اسماعیل نے ترکوں اور چینیوں کو بارہا شکستیں دیں جو عباسیوں کی کمزوری
کے سبب اسلامی ممالک واقعہ ترکستان پر حملات کرتے تھے۔ ایشیا میں اسوقت صرف ایک
اسماعیل ہی خادم اسلام تھا۔ جو اپنی شجاعت اور لیاقت سے وقار اسلام کو برقرار رکھنے والا تھا
پرجوش بہادران اسلام اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ علماء فضلا کے لئے ایک
بخارا ہی ملجا و ماوا تھا۔ عباسی سلطنت دن بدن کمزور ہو رہی تھی اور خلفا سے بغداد کی جان
و آبرو صرف ترک غلاموں کے ہاتھ میں تھی۔ مکتفی باللہ عباسی کی کمزور سلطنت میں جہاں مصر اور شمالی
افریقہ میں عبید اللہ (مہدی) نے خاندان اسماعیلیہ کی خودمختار سلطنت کی بنیاد رکھی۔ وہاں اسماعیل
نے تاتار۔ افغانستان۔ خراسان وغیرہ پر اپنا شاہی تسلط جما لیا۔ گو عبید اللہ کی طرح عباسیوں
کا مد مقابل حریف نہ ہوا اور سکہ و خطبہ خلیفہ بغداد کا جاری رکھا مگر دراصل آزاد تھا اس کو حکومت پہ شیدا

کی تقرری عزل ونصب میں خلیفہ بغداد دست اندازی نہ کرسکتا تھا برائے نام خلافت کا اثر تھا
اسماعیل ۱۴ صفر ۲۹۵ھ کو فوت ہوا اُس کی اولاد میں سے احمد بن اسماعیل نصر بن احمد۔ نوح
بن نصر۔ عبدالملک بن نوح زبردست سلاطین اور حامی اسلام گذرے ہیں۔ عبدالملک
چوگان بازی میں گھوڑے پر سے گر کر ۳۵۰ھ میں فوت ہوا اوسکا وارث منصور خوردسال
رہا ہے

خاندان غزنویہ کا آغاز

عبدالملک کا غلام الپتگین بہادر ہونے اپنی عمدہ خدمات کے سبب سے ترقی پاکر گورنر خراسان
ہوگیا تھا اور رکن سلطنت بن گیا تھا۔ عبدالملک کے فوت ہونے پر اُس کا بیٹا منصور خوردسال
تھا بعض امیر کہتے تھے کہ منصور تخت نشین کیا جاے اور بعض کی رائے تھی کہ منصور خوردسال ہے
اُسکا چچا بادشاہ مقرر ہو۔ اور الپتگین سے دربارہ جانشینی رائے طلب کی گئی جسنے منصور کے
برخلاف رائے دی مگر الپتگین کی رائے پہنچنے سے پہلے منصور بادشاہ بن چکا تھا اس وجہ سے
منصور الپتگین کے برخلاف ہوگیا۔ اور الپتگین کو بخارا طلب کیا۔ جہاں قید اور ذلت کا ہونا یقینی
تھا۔ اس لئے تین ہزار غلام خاصہ کے سہارے جبکہ اور فوج اور امیر اُسکا ساتھ چھوڑ چکے تھے
خراسان سے غزنی کو چلا گیا اور سرکش ہوگیا اور منصور کی دو زبردست فوجوں کو جن میں سے ایک کی
تعداد تیس ہزار تھی شکست دے کر خودمختار حکومت کی بنیاد افغانستان میں ڈالدی۔ اور خاندان
سامانیہ میں ضعف شروع ہوگیا منصور ۱۵ سال کی حکومت کے بعد ۳۶۵ھ میں فوت ہوگیا۔ جسپر
سامانی خاندان کا جاہ و جلال ختم ہوگیا منصور کا جانشین اُسکا بیٹا الراضی نوح ہوا جسکے عہد
میں اندرونی و بیرونی فسادات کا دورہ رہا۔ امراے بخارا کی بیوفائی و شرارت سے بغراخان جو
نسل افراسیاب سے تھا۔ بخارا پر قابض ہوگیا۔ اور بیمار ہوکر ترکستان کو واپس ہوا۔ اور راستہ
میں مرگیا۔ اور نوح بن منصور پھر بخارا پر قابض ہوگیا۔ مگر نمکحرام امیروں نے لڑائی شروع کردی۔
نوح بن منصور نے ہر طرف سے ناامید ہوکر سبکتگین سے مدد چاہی جو الپتگین کے بیٹے اسحاق
کے مرنے کے بعد اپنے حسن اخلاق اور عام لیاقت اور حمایت اسلام کے سبب سے بجاے داماد ی
الپتگین حاکم غزنی ہوگیا تھا اور بہادرانہ شہرت اور عادلانہ نیکنامی حاصل کرچکا تھا سبکتگین و محمود
نے نوح بن منصور کے مخالفوں کو شکست دیکر سامانی حقوق کو ادا کردیا اور سواے

معمولی اور رسمی خطابوں کے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ غزنی کی ریاست عہد الپتگین سے آزاد خودمختار چلے آتے تھے اور اسقدر زور پکڑ چکی تھی کہ شاہ بخارا کو بھی آخر بہادران غزنی کا سہارا لینا پڑا اور محمود ہی شمشیر نے سامانی وقار بحال کر دیا مگر خاندان سامانیہ کی کمزوری کمال درجہ تک پہنچ چکی تھی شاہ بخارا خود مرد میدان نہ تھا۔ چند پشتوں کی سلطنت سے آرام طلبی۔ عیاشی۔ کاہلی۔ زنانہ صفات کا مجموعہ تھا اس لئے خودغرض اراکین سلطنت کو قابو میں نہ رکھ سکا اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ ناچار خراسان کی حکومت بھی سبکتگین کو دیدی گئی۔ خود سبکتگین ہرآۃ میں اور بہادر محمود نیشاپور میں مقیم تھا۔ اور ابوعلی اور فایق باغی سرداروں کو باپ بیٹے نے شکست فاش دے کر خراسان سے نکال دیا۔ اور نوح شاہ بخارا کو ان دشمنوں سے نجات دلائی نوح رجب ۳۸۷ھ کو فوت ہوا۔ اُسکا جانشین الراضی منصور بن نوح اور اس کے بعد ابوالحرث شاہ بخارا ہوا جس نے خراسان کا ملک غزنی والوں سے چھیننا چاہا اور محمود سے بگاڑ ہوا۔ محمود نے شاہ بخارا کے گورنر کو شکست دے کر خراسان سے نکال دیا اور ابوالحرث کا مقابلہ بخیال ولی نعمت نہ کیا جس میں کہ محمود کی کامیابی یقینی تھی۔ مگر نمکحرام امرائے بخارا نے ابوالحرث کو اندھا کر دیا۔ اور عبدالملک بن نوح بن منصور امیر بخارا ہوا۔ جس کی مدد محمود کرتا رہا اور اسی عبدالملک پر سامانی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور ملک طوائف الملوکی میں تقسیم ہوگیا۔ مگر خراسان پر غزنویوں کا تسلط رہا۔

نسب نامہ سلطان محمود

محمود بن سبکتگین بن جوقان بن قرا بحکم بن قزل ارسلان بن قرا ناما ن بن فیروز بن یزدگرد بن شہریار بن خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں :-

ناصر الدین سبکتگین

سبکتگین یزدگرد شاہ فارس کی نسل سے تھا اور گردش زمانہ سے الپتگین کے ہاتھ فروخت ہوا اور حسن لیاقت اور پاکیزہ چال چلن اور بہادرانہ جوش کے سبب ترقی پاکر درجہ امارت کو پہنچ گیا اور پھر الپتگین نے اپنی بیٹی کا نکاح سبکتگین سے کر دیا جس کی وجہ سے غزنی میں جملہ امرائے سے مقدم ہوگیا۔ الپتگین ۲۰ یا ۱۶ سالہ حکومت کے بعد فوت ہوا جس کی جگہ اُسکا بیٹا اسحاق حاکم

غزنی ہوا گر دو سال کے اندر ہی لاولد مر گیا۔ اراکین غزنی نے باتفاق سبکتگین کو ۳۶۶ھ میں امیر بنالیا جس کی شفقت و رحمدلی عدالت و شجاعت سے کسی کو انکار نہ تھا۔ ملک مقبوضہ میں خوب انتظام کیا اور تمام مخالفوں پر رعب جمالیا۔ یہاں تک کہ شاہ بخارا جو الپتگین اور سبکتگین کو ایک غاصب اور باغی تصور کرتا تھا اب سبکتگین کی امداد کا طالب ہوا اور سبکتگین کی مدد سے اپنے جانی دشمنوں مغرا خان حاکم کاشغر وغیرہ سے جانبر ہوا اور سبکتگین کو سند امارت غزنی عطا کر دی اور پھر حکومت خراسان بھی دیدی۔ سلطنت بخارا دن بدن کمزور ہوتی گئی اور جدید طوائف الملوک ہر ایک لڑائی میں سبکتگین اور اس کے بہادر فرزند محمود سے شکستیں پاکر مضمحل ہو گئے افغانستان۔ خراسان اور کچھ حصہ تاتار پر شاہ غزنی کا پورا تسلط ہو گیا۔ عام مسلمانوں کی نگاہیں صرف سبکتگین پر پڑنے لگیں اسلئے بہادران اسلام سبکتگین کے زیر علم جمع ہونے لگے جسکو ہندوستان میں توحید پھیلانے کا خیال پیدا ہوا سبکتگین سے پہلے اسلام کا فاتحانہ اثر ہند میں بالکل نہ رہا تھا۔ جب تک کہ خلافت بغداد میں جان رہی ہندو راجہ اور مسلمان عہدہ دار باجگذار رہے۔ مگر جوں جوں عباسی خلافت میں ضعف آتا گیا۔ سندھ کے ہندو راجہ مسلمانوں کی اطاعت سے آزاد ہوتے گئے۔ اور مسلمانوں سے مفتوحہ علاقے چھینتے رہے۔ مگر سندھ سے مسلمان خارج نہ ہو سکے اور ایک حصہ ملک پر اُن کا حاکمانہ تصرف رہا اور مصر کے اسماعیلیہ خاندان کے طاقتور ہونے کے ساتھ ہی سندھ کے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ گو مصریوں نے کبھی ہندوستان پر حملہ نہ کیا لیکن اُن کی اولوالعزمی کی داستانیں ہندوؤں کو ضرور مرعوب رکھتی تھیں۔ مسلمانان سندھ میں اسماعیلیہ مذہب رواج پاچکا تھا بالخصوص مسلمان رئیس سندھ اور اُن کا خاندان ملاحدہ مشہور تھا اور اس ریاست کا صدر مقام ملتان تھا۔

شاہان غزنوی کے حملات کیوقت علاقہ سندھ اور ملتان میں یہی لوگ حکمران تھے۔ غزنویوں سے پہلے جسقدر مسلمان ہندوستان پر حملہ آور ہوئے وہ براہ بلوچستان یا براہ سمندر حملہ آور ہوتے رہے۔ بنی امیہ کے بعد فتوحات ہند میں کوئی ایزادی نہ ہوئی اور خلیفہ المعتصم باللہ کے مرنے کے بعد خلافت بغداد پر ضعف آتے ہی سندھ آزاد ہونے لگا اور بہادران اسلام خانگی نفاق وغیرہ وجوہات کے سبب وسط ایشیا کے جھگڑوں میں مبتلا رہے جو رستم وکیکاوس جیسے سپہ سالار اور شہنشاہ سے بھی فتح نہ ہو سکے تھے اور ایرانی فوج جیحون سے پار قدم نہ ٹکا سکی تھی۔ جب تک صوفیائے کرام اور علمائے عظام کی برکت نفوس سے ترکوں اور بعد ازاں

اور کچھ مخالفوں بجز اسلام قبول نہ کیا مسلمانوں کی توجہ ایشیا کے دیگر اقوام کیطرف نہ ہوئی ایک تو وجوہات بالا کے سبب سے دویم کوہ سلیمان کی دشوارگذار گھاٹیوں اور تندخو افغانوں کے سدراہ ہونے کے باعث سے جنہوں نے ابتک اسلام قبول نہ کیا تھا۔ کابل سے مسلمان براہ کوہ سلیمان نہ بڑھ سکے۔ پشاور اور اسکے قرب وجوار کے پہاڑی قلعے ہندو راجاؤں کی ماتحت تھے ہندو راجہ دولتمندی سامان جنگ کثرت فوج سے ہمسایہ شاہ غزنی کو ہیچ جانتے تھے۔ مذہبی جوش اور قومی اتفاق رکھتے تھے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ گو ہندوستان میں مختلف راجہ تھے۔ مگر مسلمانوں کے مقابلہ پر انہوں نے کمال درجہ کے اتفاق او یکجہتی سے کام لیا ہندو قومی ضروریات کو بخوبی سمجھتے تھے حب الوطنی کا پورا جوش رکھتے تھے۔ اور جسطرح کہ آجکل یورپ کی مختلف سلطنتوں میں غیر اقوام کے مقابلہ پر اتفاق ہوتا ہے اُنہیں اصول کے ساتھ راجگان ہند میں رابطہ اتحاد موجود تھا۔ جس سے اہل اسلام کے مقابلہ میں بخوبی کام لیا گیا۔ پس یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ہندوؤں کی طوائف الملوکی اور باہمی نفاق کے سبب مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں سبکتگین کوئی شاہنشاہ نہ تھا وہ اور اسکا مربی الپتگین شاہ بخارا کا نام لیوا اور خلیفہ بغداد کا سکہ وخطبہ جاری رکھنے والا تھا۔ سبکتگین کی ماتحت موجودہ امیر افغانستان سے بھی کم علاقہ تھا اور مدد پر کوئی مسلمان رئیس نہ تھا بلکہ حکام ماوراء النہر وایران خاندان غزنویہ کے مخالف تھے پس بہادر سبکتگین کو محض چند ہزار بہادران غزنی کی جان بازی پر بھروسہ تھا۔ اور راجگان ہند کی فوج اور تمول سے ہرگز لگا نہیں کہا سکتا تھا۔

قدیم افغانوں اور ہندوؤں کے معرکے

افغان عرب خالدی ہیں یا قبطی یہودی ہیں یا اولاد یافث بہرحال مسلمانوں کی فتح کابل کیوقت کچھ زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔ بروایت فرشتہ خالد بن عبداللہ ایک عرب جدید حاکم کابل سے متوحش ہوکر کوہ سلیمان میں چلا آیا اور ایک کوہستانی مسلمان کو لڑکی نکاح کر دی جس سے لودی اور سور پیدا ہوئے۔ قریبًا سو سال بعد جب اُن کی اولاد کثیر ہوئی تو کوہستان سے نکل کر علاقہ پشاور۔ ستواری۔ کوہاٹ بنوں وغیرہ پر قابض ہو گئے۔ جو جزو علاقہ راجہ لاہور تھا۔ راجہ لاہور نے ایک امیر کو ہزار سوار دے کر ان دہقانی افغانوں کی سزادہی کے لئے مقرر کیا جسکو افغانوں نے سخت جنگ کے بعد تہ تیغ کیا۔ اور راجہ کا اور علاقہ دبالیا۔ راجہ نے یہ خبر سن کر

اپنے بھتیجے کو دو ہزار سوار اور پنجہزار پیادہ دے کر افغانی غاصبوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا چونکہ ہندو فوج زبردست تھی اسلئے مسلمانان کابل اور غور۔ غلزئی سے افغانوں نے مدد چاہی جسپر چار ہزار بہادر مدد پر آگئے اور پانچ ماہ کے عرصہ میں ستر لڑائیاں ہندو فوج سے کیں اور میدان سے نہ ہٹے۔ جاڑے کے آنے سے ہندو فوج نقصان کثیر اٹھا کر بلا فیصلہ کے واپس لوٹ آئی ✤

موسم سرما کے گذرنے اور بہار کے آنے پر راجہ لاہور کا بھتیجا تازہ دم اور فوج لے کر افغانی علاقہ پر حملہ آور ہوا۔ اس دفعہ بھی بدستور سابق کابل وغیرہ کے مسلمانوں نے بلا شمولیت کسی امیر و بادشاہ خود بخود محض حمایت اسلام کے خیال سے افغانوں کی مدد کی اور اٹک و پشاور کے درمیان خونریز معرکے ہونے لگے۔ کبھی ہندو افغانوں کو دباتے دباتے کوہستانی دروں میں پہنچاتے تھے اور کبھی افغان ہندوؤں کو دریائے سندھ تک بھگاتے تھے اسی طرح کئی ماہ تک غیر فیصل لڑائیاں ہوتی رہیں کہ اتنے میں موسم برسات آگیا اور ہندو فوج کو چونکہ افغانوں نے کئی دفعہ دریائے سندھ تک بھگایا تھا۔ اس خیال سے کہ کسی سخت موقعہ پر سندھ کی طغیانی مانع عبور ہو کر باعث ہلاکت نہ ہو۔ ہندو فوج ناکام لڑائیاں لڑ کر سندھ سے پار ہو گئی اور افغان اور اُن کے مددگار اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اور راجہ سے بالکل علیحدہ اور آزاد ہو گئے اس کے بعد راجہ لاہور اور قوم کھوکھریں مخالفت پڑی اور کفار کھوکھر نے ان آزاد شدہ افغانوں سے موافقت کر لی۔ راجہ لاہور جو افغانوں کے ہاتھ دیکھ چکا تھا۔ اب افغانوں سے طالب اتحاد ہوا۔ اور دریائے سندھ کے کنارہ کا کچھ اور علاقہ دیکر کھوکھروں کے معاملات میں عدم مداخلت کے علاوہ کابل و غزنی کیطرف سے اہل اسلام کے حملات روکنے کا وعدہ لیا افغانوں نے اس رکاوٹ کے لئے خیبر میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس وعدہ کو عمدگی سے پورا کیا۔ عہد سامانی میں کوئی حملہ آور خیبر کے راستہ ہندوستان پر حملہ نہ کر سکا۔ اور علاقہ لاہور افغانوں کے سبب سے محفوظ رہا۔ جب الپتگین نے غزنی میں ایک جدید سلطنت کی بنیاد رکھی شمال۔ مغرب۔ مشرق میں شاہ بخارا کا تسلط تھا۔ جنوب کے سوا اور کسی طرف ملک نہ بڑھا سکتا تھا الپتگین کے سپہ سالار سبکتگین نے قلعہ خیبر کو فتح کر کے علاقہ پشاور وغیرہ آنبوہے دریائے سندھ کو جو اسوقت کسی ہندو راجہ کے ماتحت نہ تھا قبضہ تصرف میں لانے کی کوشش کی۔ افغان جو حملات سبکتگین کی تاب نہ لا سکے اور اس بہادر الوالعزم کو تو روک سکے۔

راجہ جیپال کو اطلاع دی جس نے راجہ بھٹنڈہ کے مشورہ سے سلطنت غزنی اور لاہور کے درمیان
ایک افغانی ریاست قائم کرنے کی رائے دی تاکہ مغربی حملہ آوروں کے لئے کافی روک ہو سکے
روپیہ وغیرہ مدد کے علاوہ شیخ حمید ایک بارسوخ افغان کو ایک جائز والی ریاست تسلیم کیا اور
سواحل سندھ کا علاقہ اُس کو دیدیا۔ اس تاریخ سے ایک افغانی ریاست کی بنیاد پڑی۔ اور
افغان اپنی قومی ریاست کے استحکام کے لئے الپتگین کی فوجوں کی پیش قدمی روکتے رہے مگر
جب خود سبکتگین حملہ آور ہوا تو شیخ حمید بالآخر سے ڈر کر سبکتگین کا مطیع ہو گیا اور
دوراندیش سبکتگین نے لپٹا۔ ... جاگیر شیخ حمید کو ملتان فتح کر کے جاگیر میں دیدیا
ملتان اس کا مختصر علاقہ عہد بنی امیہ سے سلمانوں کے تصرف میں چلا آتا تھا۔ اسی شیخ حمید
کا پوتا ابوالفتح داؤد بن نصر والی ملتان ہندو راجگان سے سازش کرنے کے جرم میں سلطان محمود
کے ہاتھ سے تباہ ہوا +

جیپال کی چڑھائی

راجہ جیپال یہ دیکھ کر کہ شیخ حمید افغان سبکتگین سے مل گیا ہے اور سبکتگین کے حملات
روکنے اور پنجاب کو بچانے کے لئے جو افغانی طاقت کی دیوار آہنی قایم کی گئی تھی وہ ٹوٹ
گئی اور افغان اسلامی فوج کے راہبر اور مددگار بن گئے اس لئے بہادر جیپال نے خود اپنی شمشیر سے
سبکتگین کی پیش قدمی کے اندیشہ کو ہمیشہ کے لئے مٹانے کی کوشش کی اور راجگان ہند کی چیدہ اور منتخب
فوج کو لیکر دریائے سندھ اُتر گیا اور سبکتگین کے عہدہ داروں اور اُن کے افغانی مددگاروں
کو دباتا ہوا درہ خیبر سے پار نکل گیا۔ اور خاص علاقہ غزنی پر حملہ آور ہوا پس اس لڑائی کا
بانی خود راجہ جیپال تھا سبکتگین نے افغانوں کے وہ قلعہ اور قصبات فتح کئے تھے جو خود مختار
تھے اور اُن کا سردار بھی مسلمان افغان تھا۔ شیخ حمید کا ماتحت سبکتگین ہونا اتحاد مذہبی کی
رو سے بھی درست تھا۔ مگر راجہ جیپال اپنی ذاتی شجاعت اور راجگان ہند کی فوجی طاقت
کے سبب غزنی کی چھوٹی سی ریاست کو ہندوؤں کی کثرت آبادی و متمول اور بہادر جتھہ
کے مقابلہ میں ہیچ جانتا تھا اور سبکتگین کو کسی مسلمان سلطان یا امیر سے بیرونی امداد ملنے
کی امید نہ رکھتا تھا سبکتگین کو شروع ہی میں دبانا اور کچلنا چاہا۔ راجہ جیپال کی یہ دانشمندی
اور زبردست پولیٹیکل چال تھی۔ اگر کامیاب ہو جاتا تو مغربی حملہ آوروں کا کچھ عرصہ کے لئے

خوف جاتا رہتا۔ اور ہندو بہادروں کا رعب فوج غزنی پر بیٹھ جاتا +

سبکتگین اور جیپال کا جنگ

سبکتگین بھی فوج خاصہ اور چند ہزار مجاہدین لیکر مقابل ہوا اس لڑائی کا موقعہ گھاٹی خورک لکھا ہے جو نواح جلال آباد کے قریب ہے۔ جہاں کی خونی برف کی ہندوستانی اب بھی برداشت نہیں کر سکتے جیسا کہ ۱۸۴۲ء میں انگریزی اور ہندوستانی فوج کا صفایا اسی برف باری سے ہوا تھا مسلمانوں کی فتح اور ہندوؤں کی شکست کی وجوہات میں ایک چشمہ کا ذکر لکھا ہے کہ اس نواح میں ایک ایسا چشمہ تھا کہ اگر اس میں کچھ نجاست ڈالی جائے تو رعد و برق برف و باران شروع ہو جاتے تھے سبکتگین نے بھی اس چشمہ میں کچھ نجاست ڈلوا دی جس سے برف پڑنے لگی اور ہندو فوج جو سردی کی عادی نہ تھی ٹھٹھر کر مرنے لگی جیپال نے مجبور ہو کر درخواست صلح کی۔ یہ روایت غلط ہو یا صحیح بہرحال ہندوؤں کی شکست کی وجہ برف و باران ہی ہو سکتی ہے گویا سبکتگین نے جیپال کو بزور شمشیر مغلوب نہ کیا بلکہ قدرتی اسباب باعث فتح ہوئے۔ سبکتگین کا الوالعزم بیٹا محمود جو جیپال کی شکلات سے واقف تھا اس صلح کے برخلاف تھا اور ایسے مفید اور نازک موقعہ سے فائدہ اٹھا کر جیپال کو حملہ کی سزا کافی دینی چاہتا تھا۔ مگر سبکتگین نے درخواست صلح منظور کر لی جیپال نے خرچہ جنگ اور پچاس ہاتھی اور شمالی قلعے دینے قبول کئے ادائے نقد کے لئے چند ہندو سردار بطور ضمانت سبکتگین کے حوالے کئے اور سبکتگین کے چند معتبر روپیہ دینے کے لئے ساتھ لئے اور دار السلطنت میں پہنچکر مسلمان معتبروں کو قید کر لیا اور حسب وعدہ روپیہ دینے سے انکار کر دیا راجہ جیپال کی یہ ایسی حرکت تھی کہ کوئی غیور بھی درگذر نہیں کر سکتا مسلمان سرداروں کا چھوڑانا ضروری تھا اس لئے مسلمانوں میں عام جوش پھیل گیا۔ ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ ان لڑائیوں کا باعث خود راجہ جیپال ہوا۔ جس نے پہلے بھی خود مسلمانوں پر حملہ کیا اور مسلمان مدافعانہ جنگ پر مجبور ہوئے۔ جبکہ سبکتگین کو پوری کامیابی کی امید تھی اور جیپال ایسی مصیبت میں گرفتار تھا کہ اگر سبکتگین پیچھا نہ چھوڑتا تو ایک ہندو بھی بچ کر نہ جاتا مگر سبکتگین کی نرمی اور رحمدلی ہندوؤں کے کام آگئی۔ اب بھی جیپال ہی جو ہندوستان کی وسعت اور کثرت آبادی اور ہندو راجگان کی مدد اور اپنی ذاتی شجاعت کے سبب مسلمانوں کو ہیچ جانتا تھا البادی اظلم کا مصداق ہوا سبکتگین کے ساتھ گو فوج قلیل تھی مگر یہ وہ لوگ تھے جو الجنۃ

تحت ظلال السیوف پر دل سے یقین رکھتے تھے اور قومی لڑائی سے دل چرانا پیٹھ دکھانا گناہ کبیرہ جانتے تھے یہ گروہ مجاہدین جو بیس ہزار سے کم تھا فتح ہندوستان کے لیئے روانہ ہوا جیپال کی کثرت فوج اور ہندوستان کی مردم شماری کا کچھ خیال نہ کیا کہ جس کی بہتات پر ہندو مغرور رہتے تھے۔ ان بہادروں نے راستہ کے تمام پہاڑی قلعہ فتح کرلیئے اور درہ خیبر جیسے دشوار گذار راستہ سے بھی بزور شمشیر گذر کر ہندو فوج کو شکست پر شکست دیکر علاقہ پشاور کو زیروزبر کر دیا۔ اور قلعہ لمغان واقعہ دریائے اٹک کے مضبوط حصین کی جس میں ہندو فوج کافی موجود تھی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اور اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلعم کی فلاسفی کی منادی اس علاقہ میں کی گئی گویا سرحدی صوبہ کے اضلاع پشاور وغیرہ میں پہلا مجاہد فی سبیل اللہ سبکتگین ہوا۔ اس دفعہ چونکہ راجہ جیپال عدم تیاری کے سبب مقابلہ کو نہ نکلا اس لئے سبکتگین دریائے اٹک تک فتح کر کے واپس ہوا۔

سبکتگین اور جیپال کا جنگ دوم
اور
ہندو جوش

جیپال جو جمع آرائی فوج میں لگا ہوا تھا جب ہندوستان کے مختلف راجاؤں کی فوجیں پہنچ چکیں اور ہندوؤں میں پورا مذہبی جوش پیدا کر چکا اور تیاری مکمل ہو چکی تو ایک لاکھ فوج لیکر سبکتگین کو ہمیشہ کے لیئے تباہ کرنے اور مسلمانوں کو راجپوتی کھانڈے کی برائی دکھانے اور مغربی حملہ آوروں کے خدشہ کو دوامی طور پر مٹانے کے لیئے روانہ ہوا۔ اسوقت ہندوؤں میں حب الوطنی اور قوم پرستی کا پورا جوش تھا جان و مال اس قومی جنگ میں قربان کرنے کو تیار تھے اور ملک کے سچے خیر خواہوں کیطرح ملک کو بچانے کے لیئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اور اس نتیجہ کو بخوبی سمجھے ہوئے تھے کہ بصورت شکست ہندو سلطنت کی خیر نہیں اس وجہ سے تمام ہندو تن من دھن سے ایثار نفوس پر تلے ہوئے تھے۔ سبکتگین بھی یہ خبر سنکر واپس ہوا۔ اگر نہ ہوتا تو ہندوؤں کا ٹڈی دل غزنی تک پیچھا نہ چھوڑتا۔ نواح پشاور میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اگرچہ مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کا پانچواں حصہ تھی۔ مگر مسلمان قوی ہیکل جنگی فنون سے واقف۔ تجربہ کار۔ مشتاق شہادت تھے اور ایسے غازیوں کی قلت ہمیشہ دنیا کے ہر ایک حصہ میں مخالفوں کی کثرت پر بھاری رہی تھی۔ اور کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ

کی زبردست تاریخی مشاہدے یاد رکھتی تھی۔ اسلئے ہندوؤں کی کثرت فوج کا سبکتگین اور اُسکے بہادروں کے دلوں پر کوئی اثر نہ پڑا۔ سبکتگین نے جو ایک تجربہ کار جرنیل تھا اپنی فوج کے کئی حصہ کر دئے اور ہر ایک حصہ (ڈویژن) کو باری باری سے حملہ کرنے اور جنگ کو طول دینے کا حکم دیا۔ جب ایک حصہ (ڈویژن) فوج تھک جاتا تو دوسری فوج اُس کی جگہ لیکر لڑائی جاری رکھتی اس طرح اسلامی لشکر تازہ دم ہوکر لڑتا اور ہندو فوج تمام لڑائی میں حصہ لے رہی تھی جب اس طرح کی لڑائی سے ہندو فوج تھک گئی۔ تو سبکتگین نے تازہ دم فوج خاصہ کے ساتھ حملہ کردیا جسکا ساتھ تمام اسلامی فوج نے دیا۔ ہندو قوی ہیکل زور آور مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لاسکے، وہ بھاگ نکلے ہزارہا قتل و قید ہوگئے۔ جیپال باقیماندہ ہمراہیوں سمیت جان بچاکر بھاگ گیا۔ مال کثیر غنیمت میں سبکتگین کو ملا۔ اس شکست سے ہندوؤں کی طاقت اور ہمت ٹوٹ گئی اور آئندہ خود حملہ کرنے کی جرأت نہ رہی دریائے اٹک تک اسلامی علاقہ وسیع ہوگیا۔ اور راجہ جیپال نے خراج دینا منظور کیا۔ جو سبکتگین کی وفات تک برابر ادا ہوتا رہا۔ بیس سال کی حکومت کرکے شعبان ۳۸۷ھ ۵۶ سال کی عمر میں موضع ترمذ واقعہ علاقہ بلخ میں فوت ہوا سبکتگین۔ رحیم کریم۔ عادل شجاع پابند شریعت سلطان تھا۔ ہندوستان کی فتوحات کا نئے سر سے اس نے ہی دروازہ کھولا۔

سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اور ابتدائی مہمات

سلطان محمود جمعرات شب عاشورہ ۳۶۱ھ میں پیدا ہوا۔ اسی رات ولادت سے پہلے سبکتگین نے خواب میں دیکھا کہ اُس کے آتشدان سے ایک درخت اوگا ہے۔ جسکا سایہ آناً فاناً تمام دنیا میں پھیل گیا ہے۔ متردد ہوکر خواب سے اُٹھا اور تعبیر سوچ رہا تھا کہ دفعتاً بیٹے کے پیدا ہونے کی خبر پہنچ گئی شکر بجالایا اور محمود نام رکھا اور اسی رات علاقہ پشاور میں کنارہ دریائے سندھ پر شہر ہند اور قدیمی مندر تھا جسکو نہایت مقدس خیال کیا جاتا تھا خود بخود گر پڑا۔ اور تزلزل در ایوان کسرے فتادکی مطابقت نے اس کو آئندہ سود ثابت کردیا نجومی محمود اور رسالت پناہی صلعم کا طالع یکساں بتلاتے تھے واقعی نتائج اسلامی کے رو سے درست تھا۔

سلطان محمود اپنے نامور باپ کے عہد میں ہی شجاعت اور عام لیاقت میں نام پاچکا تھا۔ باپ کی وفات کے وقت گورنر خراسان تھا چھوٹے بھائی اسماعیل نے جو الپتگین کا نواسہ

اوراس شاہی رشتہ کے سبب سے محمود جس کی والدہ رئیس زابل کی بیٹی تھی اپنے آپ کو جب سے زیادہ مستحق سلطنت جانتا تھا تخت و تاج پر قبضہ کر لیا محمود نے ہر چند سمجھایا مگر راہ راست پر نہ آیا اور مقابلہ پر شکست پاکر قید ہوا۔ اور محمود تخت غزنی پر متمکن ہوا اول اول تو ابو الحرث سامانی والی بخارا اور خلف بن احمد ایک باغی حاکم کو صلح و جنگ اور ایک نال شاہ ترک کو شکست دیکر وسط ایشیا میں اپنا رعب جمایا۔ اس زمانہ خانہ جنگی میں راجہ جیپال نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کئے خراج دینا بند کر دیا اور شمالی حدود پر پیش قدمی شروع کر دی۔ سلطان محمود جب تک سلطنت کی خارجی اور داخلی مخالفتوں کے دبانے میں مصروف رہا مگر ادھر سے فراغت پاکر ہندوستان کیطرف متوجہ ہوا +

سلطان محمود ہندوؤں میں کیوں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے

ہندوؤں میں عموماً سلطان محمود اپنی عالمگیر فتوحات کے سبب سے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے مگر اس کا صرف فاتح ہونا ہی باعث نفرت نہیں بلکہ سلطان کے جو جو واقعات ہندوؤں کو سنائے گئے وہ زیادہ اور حقیقی رنجش کا باعث ہیں۔ یہ حالات ہندوؤں کو یورپین مورخوں کے ذریعہ پہنچے ہیں جن کی تصانیف پولیٹیکل اغراض اور قومی فوائد سے کبھی خالی نہیں ہوتیں ہم واقعات سے اُن غلط خیالات کی تردید آگے چل کر کریں گے۔ بہادر الوالعزم اشخاص کا نام عزت سے لینا خواہ کسی قوم کے ہوں۔ ہر ایک بہادر غیور شریف کا فرض ہوتا ہے۔ مگر بہادران اسلام کی تاریخ کا تاریک پہلو غلط طور پر ہندوؤں کو دکھایا گیا ہے۔ جس سے ہندو اسلامی گورنمنٹ کو ہی ظالم و جابر دشمن آزادی نہیں جانتے بلکہ مذہب اسلام کو بہت بُرا خیال کرتے ہیں۔ ہندو مسلمانوں کے فساد کی جڑ یہی تاریخیں ہیں جو بچپن سے پڑھائی جاتی ہیں +

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ خود راجہ جیپال سبکتگین کے ملک پر حملہ آور ہوا۔ اور ہلاکت کو یقینی دیکھ کر طالب صلح ہوا اور مخلصی پاکر عہد شکن ہوا لڑائی کے بعد کر صلح سے فائدہ اٹھایا۔ سبکتگین کے مرنے پر پھر مخالفانہ حرکات کرنے لگا۔ ایسے مشتبہ حالات میں اگر سلطان محمود کی جگہ کوئی اور مہذب گورنمنٹ ہوتی تو وہ بھی سوائے اس کے اور کیا کرتی کہ راجہ جیپال کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے معدوم کر دیتی اور روزمرہ کی مشکلات سے نجات

پاتی پس سلطان محمود کا پنجاب پر حملہ کرنا بے وجہ نہ تھا بلکہ خود حملہ کا باعث راجہ جے پال تھا۔ اگر یہ وجہ بھی نہ ہوتی تو بھی ایک اولوالعزم فاتح کے لئے کشور کشائی کوئی امر معیوب نہیں۔ ایرانی یونانی۔ رومی۔ تاتاری۔ عرب اور آج کل کی یورپین قومیں انہیں صفات سے ممتاز ہیں۔ خود ہندو بہادروں کے سرتاج راجہ رام چندر جی فتح لنکا کے سبب درجہ معبودیت تک تسلیم کئے جاتے ہیں۔ بہادران کوروجھیتر کے نام پر ہندوؤں کو کمال فخر ہے۔ پس سلطان محمود کا فاتح ہندوستان ہوتا منصف مزاج لوگوں کے لئے کوئی وجہ نفرت نہیں ہونی چاہئے +

سلطان محمود اور یورپین مورخ

لیتھبرج صاحب اپنی تاریخ مروجہ مدارس پنجاب میں سلطان محمود کے حملات کی وجہ لکھتے ہیں "کہ محمود کا ہند کی دولت پر تو دانت تھا ہی مگر ساتھ ہی یہ بھی آرزو تھی کہ بڑے بڑے بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے دین اسلام میں داخل کرے"

(۱) پہلا اعتراض نہایت رکیک اور مورخانہ کانشنس سے گرا ہوا ہے بھلا ہندوستان کی دولت پر کس کے دانت نہیں رہے۔ آریا۔ ایرانی۔ یونانی اسی دولت کے لئے ہندوستان کی آبادی کی اوسط گھٹاتے رہے۔ یورپ کی مختلف قومیں اسی سونے کی چڑیا کے پھانسنے کے لئے بالمقابل طرح طرح کے جال پھیلاتی رہیں اسی دولت ہند کے سمیٹنے اور بچانے کے لئے لیتھبرج صاحب کے ہم قوم ناخنوں تک زور لگاتے رہے ہیں۔

فاتح اقوام اور سلاطین غیر ممالک کے فتوحات حصول دولت کے لئے ہی کیا کرتے ہیں لیتھبرج صاحب کا یہ اعتراض روئے زمین کی کل بہادر قوموں اور فاتح سلاطین پر عاید ہوتا ہے۔ افسوس کہ تعصب یا کسی اور مصلحت نے لیتھبرج صاحب کو ایسا دل شکن اور رکیک غیر منصفانہ فقرہ لکھنے پر مجبور کیا +

(۲) دوسرا اعتراض راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا واقعات کے خلاف ہے ہم مانتے ہیں کہ سلطان محمود دین اسلام کا بہت بڑا حامی اور پابند احکام اسلام تھا مگر یہی پابندی اس کو جبراً مسلمان کرنے سے روکتی تھی۔ اسلام کا صاف اور صریح حکم "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ"

موجود تھا اور اس کی پابندی کی مثالیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات حیات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حالات میں سینکڑوں ملتی تھیں۔ ایسا جبریہ اسلام خدا اور رسول کے نزدیک ہرگز مقبول نہیں اور نہ اس سے کسی ثواب اخروی کی امید ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگ جو دل سے ایمان نہ لائیں اور کسی طمع یا خوف سے اسلام ظاہر کریں منافق کہلاتے ہیں اور منافقوں سے دوری ومہجوری اور ان کا عدم اسلام قرآن سے ثابت ہے پس اگر سلطان محمود بانکے راجپوتوں کو تلوار کے زور سے اسلام میں داخل کرنا چاہتا تھا تو اس کی یہ آرزو عبث اور فضول تھی۔ جس کام سے دینی و دنیوی فائدہ حاصل نہ ہو اس کا کرنے والا پاگل اور دیوانہ کہلاتا ہے۔ حالانکہ سلطان محمود کی متواتر کامیابیاں اور سینکڑوں زبردست مخالفوں پر فتحیابیاں اور نصف ایشیا پر کا تسلط اس کو اپنے زمانہ کا زبردست مدبر اور پالیٹیشن ثابت کرتا ہے ایسے پابند اسلام اور ملکی ضروریات کو سمجھنے والے سلطان سے جبریہ اسلام کی غلط اور مضر کارروائی ہرگز نہیں ہو سکتی تھی کیا اچھا ہوتا جہاں لیتھبرج صاحب نے یہ چونکا دینے والا اعتراض لکھا تھا وہاں چند ایک مثالیں بھی لکھ دیتے کہ فلاں فلاں بڑی بانکے راجپوت کو سلطان نے بزور شمشیر مسلمان کیا تاکہ کسی کو انکار کی گنجایش نہ رہتی۔ مگر لیتھبرج صاحب اور دیگر مورخوں کی تاریخوں میں کوئی ایسا واقعہ نہیں پایا جاتا کہ جس سے لیتھبرج صاحب کے قول کی تصدیق ہولی۔ ہندو مورخ بھگوانداس اور سجان رائے جنہوں نے ایک دو صدی پیشتر تاریخیں لکھی ہیں وہ بھی جبریہ اسلام کے واقعات سے خاموش ہیں۔ جنکو کہ ایسے واقعات سے لیتھبرج صاحب کی نسبت زیادہ ہمدردی تھی +

مسلمان مورخ جو زمانہ حال کی طرح کسی پالیسی کے پابند نہ تھے اور نہ اس زمانہ اقبال میں ان کو کسی معترض کا خوف تھا اگر کوئی واقعہ بانکے راجپوتوں کو جبراً مسلمان کرنے کا ہوتا تو صاف لکھ دیتے جیسا کہ انہوں نے بتوں کا توڑنا اور مندروں کو لوٹنا بلا خوف وخطر بلکہ بعض نے فخریہ طور سے لکھا ہے۔ بیسیوں محقق مورخین اسلام اور ہندو مورخ تو کسی بانکے راجپوت کا بزور مسلمان کرنا بیان نہ کریں اور لیتھبرج صاحب پر زور لفظوں میں سلطان محمود کا تذکرہ اسی سے شروع کریں +! افسوس صد افسوس!

اگر لیتھبرج صاحب یا کسی یورپین مورخ کو اس قسم کا واقعہ مل سکتا تو کبھی اخفا نہ کرتے

جبکہ یہ دل آزار فقرہ لکھدیا کہ "اس کی فوج متھرا سے اسقدر ہندوؤں کو پکڑ کر لے گئے کہ غزنی میں دو دو روپیہ کو ہندو غلام بکا" اگر درحقیقت بڑے بڑے بانکے راجپوت جبراً مسلمان کئے

جانتے اور لیتھبرج صاحب کو بھی نظیر مل سکتی تو لکھنے سے کبھی نہ ٹلتا اور انشا پردازی کا خوب زور دکھاتا اس قسم کی خاموشی بطلان دعوے کی دلیل ہے۔ لیتھبرج صاحب نے یہ بہتان اُن متعصبین یورپ کے غیر محققانہ خیال کی تقلید میں لگا دیا ہے جو وہ اشاعت و ترقی اسلام کی نسبت کور کورانہ رکھتے ہیں کہ "اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے"۔ لیتھبرج صاحب اسلامی تاریخ سے اسقدر ناواقف ہے کہ خلیفہ دمشق اور خلیفہ بغداد میں تمیز نہیں کر سکا۔ جس کا فٹ نوٹ محمد بن قاسم فاتح سندھ کے حال میں لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی خلفائے دمشق اور خلیفہ بغداد کی عداوت کو جانتا ہے۔ اور دمشق اور بغداد کا علیحدہ علیحدہ محل وقوع پہچانتا ہے مگر فاضل لیتھبرج صاحب دمشق اور بغداد میں امتیاز نہیں کر سکا۔ واقعہ متھرا میں بھی اگر غور کیجائے تو ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمود کو جبراً مسلمان کرنے کا شوق نہ تھا اگر ہوتا تو متھرا کے بے کس بے بس قیدی جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا جبراً مسلمان کئے جاتے۔ جس محمودی تلوار نے ہندوؤں کو قید کی ذلت اُٹھانے اور غزنی میں غلامی کی تکلیف برداشت کرنے پر مجبور کیا اُسی تلوار کا خوف اُن کو جبراً اسلام میں داخل کرا سکتا تھا اور سلطان محمود اپنے شوق و آرزو کو پورا کر سکتا تھا۔ جس میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ مگر بقول لیتھبرج صاحب ہندو غلاموں کا غزنی میں دو دو روپیہ کو بکنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ یہ ہندو مسلمان نہیں کئے گئے۔ کیونکہ بحالت اسلام غلام بنانا اور فروخت کرنا اصول اسلام کے برخلاف ہے۔ ان میں بڑے بڑے بانکے راجپوت ہونگے جو اسیران جنگ تھے اس قسم کے قیدیوں کی تعداد ترپن ہزار ہو یا لاکھ محمودی فتوحات کے مقابلہ میں کروڑوں ہندوؤں کی آبادی پر خیال کرنے سے کچھ زیادہ دکھائی نہیں دیتی۔ ہندو لاکھوں کے شمار میں شمشیر بکف سلطان کے مقابل آتے رہے ایسے فوجی لوگوں میں سے ترپن ہزار اسیران جنگ کی تعداد حیرت انگیز نہیں ہے۔ یہ لوگ جنگی اشخاص تھے جنہوں نے اخیر دم تک تلوار کو ہاتھ سے نہ رکھا اور بعد شکست قید ہوئے ایسے قیدیوں کو کوئی عقلمند فاتح کھلے بندوں چھوڑ کر مشکلات نہیں بڑھا سکتا۔ اور محفوظ جگہ میں رکھتا ہے۔ ہندوستان میں سلطانی فوج نے ابھی مستقل سکونت اختیار نہیں کی تھی۔ اور اسلامی سلطنت قائم نہیں ہوئی تھی۔ ایسے قیدی غلامانہ نام سے پکارے گئے یا ملازمانہ طور سے رہے بہرحال اُن قیدیوں کی نسبت بہتر سلوک ہوتا تھا جو اُس زمانہ میں یورپ خصوصاً روم میں مسلمان قیدیوں اور حبشی غلاموں سے کیا جاتا تھا۔ اسلام کی غلامی تاجداری شمار ہوتی تھی ⁂

اگر سلطان محمود کو عام ہندو رعایا کے غلام بنانے کا شوق ہوتا تو کروڑوں تک نوبت پہنچتی جن کے قید کرنے میں کوئی مشکل نہ تھی اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عام ہندو رعایا سے تعرض نہیں کیا گیا۔ صرف فوجی اشخاص کو قید کیا گیا جو ضابطہ جنگ کے خلاف نہ تھا۔

لیتھبرج صاحب کے الزام کی تردید یورپین مورخ الفنسٹن صاحب نہایت زور سے کرتا ہے اور اپنی تاریخ اردو کے صفحہ ۵۵۵ پر لکھتا ہے کہ "یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے (سلطان محمود نے) ایک ہندو کو بھی مسلمان کیا ہو" اور صفحہ ۵۵۶ پر لکھتا ہے کہ "سوائے لڑائی کے کسی ہندو کو قتل نہیں کیا"۔ یہ اس مورخ کا قول ہے جو سلاطین اسلام پر الزام و بہتان لگانے میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور واقعات کی توڑ پھوڑ خلاف اسلام نتائج نکالنے میں بہت بڑا مشاق ہے۔ مگر اس کو جب کوئی واقعہ نہ ملا تو اقرار کرنا پڑا کہ نہ سلطان محمود نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان کیا اور نہ جنگی اشخاص کے سوا عام ہندو رعایا میں سے کسی کو قتل کیا۔ اسی مضمون کو ایک فاضل مورخ نے نظم کیا ہے۔

نظم

ہر جا کہ جنبشی رسید + اقبال برہنہ پا دوید
شیران جہان شکار کردن + وز مور چگاں کنارہ کردہ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمود نے عام ہندو رعایا کو نہ قید کیا نہ ستایا نہ لوٹا نہ کوئی تکلیف دی۔ صرف راجاؤں اور اُن کی فوج سے تعلق رکھا بعد شکست راجاؤں کو تاج بخشی ہوتی رہی۔ جیسا کہ راجہ جیپال۔ انند پال۔ راجہ قنوج۔ کالنجر۔ گوالیار۔ گجرات وغیرہ۔

سلطان محمود کے ہندو جنرل اور ہندو فوج

سلطان محمود کو اگر اُس وقت کے ہندو جو زمانہ حال سے زیادہ پرجوش اور پابند مذہب تھے واقعی متعصب اور جبراً مسلمان کرنے والا جانتے تو کبھی اُس کی فوجی ملازمت قبول نہ کرتے اور نہ خود مدبر سلطان ایسی آزردہ خاطر قوم کو فوجی عنصر بناتا جس پر کہ اس کی شاہانہ فاتحانہ اقتدار کا مدار تھا اور فوج بھی وہ جو بقول مخالف ہر سال اُن کے ہی ہندو بھائیوں کو جبراً مسلمان کرتی بنتی تھی اور ہندو مذہب بگاڑتی تھی۔

آج کل کے اہل الرائے اصحاب اس بات کا بخوبی وزن کرسکتے ہیں کہ اُس وقت جبکہ ہندوؤں کی زبردست سلطنتیں موجود تھیں جن کی حرارت اور مذہبی عصبیت کمال درجہ پر تھی۔ اسلامی گورنمنٹ کے ہندوستان میں پاؤں دھجے تھے اُس کی آمد ورفت محض ترکتازانہ شمار ہوتی تھی۔ ایسی حالت میں جبراً مسلمان کرنیوالا سلطان ہندوؤں پر ہرگز فوجی اعتبار نہ کرسکتا تھا۔ اور نہ ہندو ایسے بے غیرت تھے کہ بزور شمشیر مسلمان کرنے والے سلطان کے نام پر جانیں قربان کریں کوئی گورنمنٹ ہو جب تک کہ کسی قوم پر پورا اعتماد نہ کیجے اُس قوم کو نہ فوج میں بھرتی کرسکتی ہے اور نہ ذمہ واری کے عہدے دے سکتی ہے۔ سلطان محمود کے پاس ہندوؤں کی زبردست فوجیں موجود تھیں جنکے سپہ سالار اور افسر ہندو تھے ہیں۔ ہندو سلطان کے بے تعصبانہ فیاضانہ سلوک سے خوش و خرم تھے اور سلطان ہندو فوج پر بھروسہ رکھتا تھا۔ ایلک خاں شاہ ترکستان کے معرکہ عظیم میں جو حدود ترکستان میں ہوا تھا۔ ہندو فوج اور ہندو بہادروں کو فوج قلب میں کھڑا کیا گیا تھا جس کے ثبات وعدم ثبات پر عموماً فتح و شکست کا انحصار ہوتا ہے اور کمانڈر کی جان کی محافظت بھی ہوتی ہے تاریخ یمینی صفحہ ۱۷۲ میں ہندوؤں کا قلب میں قائم ہونا لکھا ہے جہاں کہ سلطان کا چھوٹا بھائی امیر نصر اور مشہور عرب سپہ سالار عبد اللہ طائی کھڑے کئے گئے تھے۔ ہندوؤں کے اس اعتبار و وقار کا باعث سلطان محمود کی بے تعصبی۔ فیاضی۔ سیر چشمی۔ رعایا پروری تھی*

سلطان کی وفات کیوقت ہندو جرنیل مع ہندو فوج غزنی میں موجود تھی۔ تاریخ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ سلطان محمود کی وفات پر جب سلطان محمد بن سلطان محمود تخت نشین ہوا۔ اور خواجہ ایاز مع غلامان خاصہ اور جرنیل علی خویشاوند کے سلطان مسعود کے پاس ہرات جانیکو غزنی سے بھاگا تو سلطان محمد نے سوندھرائے سپہ سالار ہندو فوج کو تعاقب میں روانہ کیا تھا جس میں کہ بہادر سوندھرائے معہ بہت سے ہندوؤں کے میدان میں مارا گیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو دربار غزنی میں کسقدر اعتبار اور وقار رکھتے تھے کہ خواجہ ایاز جیسے مشیر سلطانی اور علی حاجب جیسے معزز و مقتدر جرنیل کی گرفتاری کے لئے ہندو سپہ سالار منتخب کیا گیا جو حق نمک ادا کرتا ہوا آل محمود پر قربان ہو گیا*

سوندھرائے خالص ہندوانہ نام ہے اس کے ماتحت فوج کو بھی ہندو فوج لکھا ہے اگر اس فوج کو نو مسلم ہندو فوج کہا جائے تو جبراً بزور شمشیر مسلمان کئے ہوئے ہندو کیوں جانیں قربان کرتے اور نہ سلطان کا ایسا عقیدہ تھا کہ جیسے بعض بد سید۔ اور جبراً اسلام لائے ہوئے ہندوؤں کو

فوجی خدمات دیتا اور مسلمان مورخ نو مسلموں کو ہندو لکھتے اسلام لانے کے بعد سب کے لئے ایک ہی
لفظ مسلمان استعمال ہوتا ہے پس یہ امر صاف ہے کہ سوندیرائے کے ماتحت ہندو فوج تھی جو
سلطان محمود کے بے تعصبانہ اعمال اور فیاضانہ افعال سے گرویدہ ہو کر محمودی فوج کی قابل اعتبار
جزو بن گئی تھی اور محمود کے جانشین نے مخالفوں کے مقابلہ کے لئے اسی ہندو فوج کو منتخب کیا
ہندو سپہ سالار معہ رفقا کمیت رہا یہ فدویانہ جوش سلطان محمود کے منصفانہ اور آزادانہ سلوک
کا نتیجہ تھا +

سوندیرائے کے علاوہ اور بھی ہندو جرنیل تھے جب سلطان مسعود بلخ کیطرف مصروف تھا
احمد خزانچی سلطان محمود جسکو مسعود نے بجرم خیانت جرمانہ اور قید کی سزا دی تھی اور پھر معافی دیکر کچھ حصہ
پنجاب کا حاکم مقرر کیا تھا باغی ہو گیا۔ سلطان مسعود نے ایک ہندو جرنیل کو جسکا نام فارسی تاریخوں
میں بانتھ لکھا ہے جو دراصل ناتھ معلوم ہوتا ہے معہ ہندو فوج کے احمد باغی کی سرکوبی کے لئے
روانہ کیا ناتھ معہ ہندو فوج کے حق نمک ادا کرتا ہوا میدان جنگ میں معہ ہندو فوج کے مارا گیا
سلطان مسعود نے اس کی جگہ پر ہندو جرنیل تولک (تلک) کو ہندو فوج دے کر پنجاب کو روانہ
کیا۔ باغیوں نے سخت مقابلہ کیا مگر تلک جس کی مدد پر مسلمان سردار بھی پہونچ گئے تھے کئی لڑائیاں
لڑکر غالب رہا باغی کچھ مارے گئے کچھ قید ہوئے خود احمد دریائے سندھ میں بوقت عبور
غرق ہو گیا +

سلطان محمود نے ہندوؤں کی جنگی ملازمت کے بارہ میں جو قاعدہ جاری کیا تھا اس کی اولاد
میں برابر جاری رہا اخیر عہد غزنویہ میں ہندوؤں کی فوجی طاقت سب پر غالب تھی اور سلطنت غزنی
کی حفاظت کا بیڑا ہندوؤں نے ہی اٹھا رکھا تھا چنانچہ جب علاؤالدین غوری اور بہرام شاہ
غزنی کا مقابلہ ہوا اور واقعہ افغانستان میں ہوا تھا تو بعد فتح علاؤالدین غوری نے جو شاعر بھی
تھا ذیل کی فخریہ نظم میں رائے و رانا یعنے راجگان ہنود کی شمولیت جنگ اور بہرام شاہ کی امداد کا ذکر
اور رائے و رانا کی شکست و قتل پر فخر کیا ہے یہ نظم طبقات ناصری میں موجود ہے۔ جسکو ہم بہرام شاہ
کے تذکرہ میں لکھیں گے یہاں صرف ایک شعر لکھا جاتا ہے

شعر پشتئ خصم گرچہ بہرام رائے و رانا بود + چہ غم گر دہم بگرز خورد سر رائے و رانا را + یعنے
اگرچہ بہرام شاہ کے مددگار رائے و رانا (راجگان) تھے مگر میں نے تمام راجاؤں کے سر کو گرز سے
چکناچور کر دیا اور میدان فتح کیا +

(نوٹ)

ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ جب سوندیرائے۔ ناتھ۔ تلک جیسے معزز اور معتبر جرنیل اور ہندو فوج سلطان محمود کی تربیت یافتہ موجود تھی سلطان محمود اور اس کی اولاد کو ہندوؤں پر اعتبار تھا اور ہندو محمود اور اس کے جانشینوں پر جانیں قربان کرتے تھے بہرام شاہ کی فوج کا قابل ذکر حصہ صرف راجگان ہند تھے۔ تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلطان محمود کا برتاؤ ہندوؤں سے عادلانہ تھا وہ ہندوؤں کی قدردانی اور عزت مسلمانوں سے کم نہیں کرتا تھا۔ ملکی عہدے تو عموماً ہندوؤں کو دے رکھے تھے مگر فوج میں بھی ہندوؤں کے حقوق مسلمانوں سے کمتر درجہ پر شمار نہ ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے لئے ترقی کا ہر ایک دروازہ ویسا ہی کھلا تھا جیسا کہ مسلمانوں کے لئے دربار سلطانی میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے برابر دیکھا جاتا تھا۔ کیا ایسے فیاض و منصف سلطان پر یہ بے سند الزام کہ بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا انصاف و ایمان کے خلاف نہیں اس وقت کے ہندو تو سلطان محمود پر جانیں قربان کریں اور صدہا سال بعد یہ الزام لگایا جائے۔ یہ الزام سلطان محمود پر ہی نہیں بلکہ اسلام کو بدنام کرنیوالا اور اسلام کی طرف سے نفرت دلانے والا اور ہندوستان کے امن و امان میں خلل ڈالنے والا ہے اور اسی ملکی خیال سے ہم تاریخ کا صحیح پہلو پبلک کو دکھانا چاہتے ہیں۔ غالباً یورپین مورخوں نے سلطان محمود کی ہندو فوج کی خدمات خدویانہ اور سلاطین غزنی کے سلوک شاہانہ کا مطالعہ نہیں کیا اگر کسی نے کیا ہے تو اسپر غور نہیں کی اور عادت کے مطابق ایسے زبردست پابند اسلام مدبر نصف ایشیا کے خود مختار بہادر سلطان پر ناحق بہتان لگایا ہے جو تاریخ سے صحیح ثابت نہیں ہوتا۔

ضرور ہندو صاحبان سلطان محمود کو فاتح ہندوستان سمجھ کر اور لڑائی کے نتائج قتل و قید۔ نہب و غارت کے سبب اچھا خیال نہیں کرسکتے لیکن اولوالعزم سلاطین میں سے ایک بھی اس جرم سے بری نہیں ہوسکتا۔ اور تو اور خود ہندوستان کے راجگان قدیم راجہ رام چندر جی۔ بدمشہور ارجن۔ سالباہن۔ رام دیو راٹھور۔ مال چند بانی مالوہ۔ بنگل راجہ بنگالہ۔ فور بخالف راجہ وبہاو بانی دہلی وغیرہ کی لڑائیوں کے نتائج بھی قتل و غارت ہی ہوتے تھے اس لئے سلطان محمود پر فاتحانہ نتائج کے لحاظ سے بدگمان نہ ہونا چاہیئے۔ جو اعزاز اور اختیارات سلطان محمود نے ہندوؤں کو عطا کئے تھے اُس کے لئے ہندو ہمیشہ ترستے رہیں گے افسوس کہ سلطان محمود کے عمدہ سلوک کو

اخفا کیا گیا اور خلاف کانشنس ۔ ظالم ۔ لوٹیرا۔ دشمن آزادی متعصب جتلایا گیا ۔ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کسی ہندو کو جبراً مسلمان نہیں کیا ۔ نہ اُس کے سلوک سے ہندو ناراض تھے نہ ہندوؤں پر سلطان کو بے اعتباری تھی بلکہ دونوں فریق ایک دوسرے سے خوش تھے اُس وقت کے ہندوؤں کو ایسی شکایت نہ تھی جس کے لئے لیتھبرج صاحب شکایت کرتا ہے +

سلطان محمود کی بُت شکنی

رہا بتوں کا توڑنا اور کہیں کہیں مندروں کا گرانا اس میں کوئی ذاتی غرض نہ تھی ۔ اسلام کو بت پرستی سے سخت نفرت ہے اور شرک سے بڑھ کر اور کوئی گناہ روحانی جلال اور انسانی کمال کا مانع دین اسلام میں تصوّر نہیں ہوتا ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی قلیل مگر صابر جماعت سمیت مشرکین مکہ سے ہر قسم کی اذیت اُٹھائی جلا وطنی اختیار کی مگر شرفائے قریش کی اس درخواست کو منظور نہ کیا کہ "بت پرستی کے خلاف وعظ نہ کیا جائے اور وقت پر خاص اپنے مولد و مسکن مکہ میں جہاں اُن کے آبا و اجداد کے سینکڑوں بُت رکھے تھے خود اپنے دست مبارک سے توڑ پھوڑ دئے چونکہ شرک اور بت پرستی کی مخالفت اسلام کی اصل و بنیاد ہے اس لئے اگر سلطان محمود نے بت توڑے تو کسی خدا پرست کے نزدیک قابل گرفت نہیں خاص ہندوؤں کے کئی فرقے سکھ ۔ برہمو ۔ آریا وغیرہ بت پرستی کے مخالف اور قابو پا کر کوئی بھی بُت توڑنے اور بتوں کو درجہ معبودیت سے گرانے میں کوتاہی نہیں کرتا ۔ انصاف سے دیکھا جائے تو سلطان محمود کا یہ فعل خود غرضی پر محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ بہبودی خلائق پر مبنی تھا اگر خود غرض و طامع ہوتا تو بتخانہ تھانیسر کے عوض (جس کی ابتدا ہندو آفرینش کے ساتھ مانتے تھے) راجہ سرو جیپال کا پیش بہا عوضانہ اور سومنات کی بت کے بدلے کڑوروں کا مال پیش کردہ پجاریاں سے لیتا جبکہ وزرائے سلطنت اس بھاری رقم کے قبول کرنے کی جنگی اور ملکی ضرورت کے اظہار پر زور دے رہے تھے اور وزرائے مذکور سلطان کیطرح بُت کو کھوکھلی یا ٹھوس مورت جانتے تھے مگر ہر ایک موقعہ پر موحد خدا پرستوں کی طرح سلطان یہی جواب دیتا رہا کہ میں قیامت کے دن بت فروش لقب لکھوانا نہیں چاہتا ۔ کیا ایسے سلطان کی بت شکنی سے جس نے کڑوروں پر لات ماردی اور عقیدہ خدا پرستی پر طمع اور لالچ کو غالب نہ ہونے دیا کوئی خدا پرست ناراض ہو سکتا ہے بت پرستوں کو بھی سلطان کی نیک نیتی مدنظر رکھتے ہوئے سلطان کو بُرا نہیں کہنا چاہئے (سلطان بت شکنی کو

حسب تعلیم اسلام عامۂ خلائق اور بت پرست قوموں کی روحانی و اخلاقی ترقی کے لئے ضروری سمجھتا تھا اس نے اپنی طرف سے کوئی بدخواہی نہیں کی۔ اسلام نے سلطان کو پختہ یقین کرا دیا تھا کہ بت پرستی سے بڑھ کر اور کوئی چیز انسانی فضائل کو نقصان پہنچانے والی نہیں۔ بت پرست اسکو خواہ کچھ خیال کریں مگر اکثر کی نیت کو دیکھنا چاہیئے مرض طاعون نے ہندوستان کی ایک کروڑ آبادی کو تباہ کیا ہے جس کی میزان تمام حملہ آوران اسلام کی ایک ہزار سالہ تاخت و تاراج سے بہت بڑھ گئی ہے اور انگریزی گورنمنٹ رعایا کی بہتری کے لئے کوارنٹین لگاتی اور طاعون زدہ مقامات کو خالی کراتی رہی۔ جسپر نادان رعایا نے سرکشانہ مقابلے کئے اور یہی ناپسندیدگی طاعونی ٹیکہ کی نسبت ظاہر کیجاتی رہی۔ مگر کوئی عقلمند گورنمنٹ انگریزی کی نیک نیتی پر اعتراض نہیں کرسکتا +

یہی خیال سلطان محمود کا تھا وہ بتوںکو توڑ کر بت پرستوں کی ضعیف الاعتقادی کو دور کرنا چاہتا تھا کہ جن بتونکو تم معبود اور صاحب تصرف خیال کرتے ہو۔ اور نفع و نقصان پہنچانے والا مانتے ہو وہ تو اپنی ذات کی بھی حفاظت نہیں کرسکتے۔ وحدہٗ لاشریک لہ۔ قادر مطلق۔ احکم الحاکمین زندہ و پائندہ۔ ابدی۔ لایزال۔ الہ العالمین کی ذات احدیت سمات کی صفات عالیہ الٰہیہ ربوبیہ کی شان ارفع کو کب پہنچ سکتے ہیں +

ابیات

بُتے چوں برآرد مہمات کس | کہ نتواند از خود پراند مگس
نہ نیروے دستش نہ رفتار پائے | اگر لفگنی بر نخیزد زجائے
زبیچارگی چوں خدائی کند | کہ کار خدائی خدا را سزد
بتاں راہداں خالق دو جہان | کہ تیرہ شود مرد روشن رواں +
چہ کردن تواند بت بے تواں | چہ خواہی ازیں ناتوان جہاں
زمادہ پرستی رسد تیرگی + | روان و خرد را شود خیرگی
شود نسل آدم ازآن خاکسار + | ازین در بود آدمی خوار زار +
خدائے کزو ہر کہ آگاہ نیست | خرد را بداں سبے خرد راہ نیست

بتوں کو جو صفات باریتعالےٰ کے شریک مانے جاتے تھے توڑ کر بت پرستوں کے ذہن نشین شدہ عقیدہ کو نکالنا منظور تھا کہ بت درحقیقت کوئی نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے ان سے خوف وخطر اور امید وبیم رکھنی فضول ہے اور یہ غلط اور مضر اخلاق خیال تب ہی دور ہو سکتا تھا کہ ایمانی استقامت کے ساتھ بتوں کو توڑ کر بتوں کی بیکسی اور ناتوانی دکھلائی جاتی پس سلطان محمود کا منشا بہ تقلید اصول اسلام صرف یہی تھا کہ بت پرستوں کے دلوں سے بتوں کی عظمت دور ہو اور بتوں کو لاشئی سمجھکر معبود حقیقی کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت سے بت پرستوں کے دلوں میں بت پرستی سے نفرت کی تحریک شروع ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ سلمان فقرا صوفیا اور صالح علما کی صحبت اور موحدانہ کلام سُننے کا خیال پیدا ہوا اور ہندو اسلام کے قریب آتے گئے۔ اور کچھ مسلمان ہوتے گئے حتےٰ کہ کچھ عرصہ بعد ہندوؤں میں چند ایسے فرقہ نکل آئے جو بت پرستی سے نفرت اور توحید سے محبت رکھتے تھے۔ مثلاً نانک شاہی۔ داؤد پنتھی۔ کبیر پنتھی۔ چرنداسی وغیرہ کئی ایک خدا پرست فرقہ اسلامی عہد میں پیدا ہو گئے۔ پس جہاں تک غور سے دیکھا جائے یہ بت شکنی بنی آدم کی بہتری کے لئے کی گئی تھی مقابلہ کرنے والے جوں ہی ہاتھ سے ہتھیار رکھ دیتے جان ومال سے امان پاتے تھے اور کسیکو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جاتا اطاعت کو نہ ماننے والے بصورت شکست اصول جنگ کے مطابق قید کئے جاتے اور ایسے مقابلہ کرنے والے مخالفوں کا مال واسباب لوٹنا ہر ایک فاتح قوم کا دستور رہا ہے جیسا کہ غدر ۵۷ء میں دھلی کا حال ہوا تھا ؎

سلطان محمودؒ کے حملات

حملہ اول

سلطان محمود جس کی حدود سلطنت مشرق میں راجہ جیپال سے ملحق ہو گئی تھی اور راجہ چند بار کی عہد شکنی کے باعث قابل اعتبار نہیں رہا تھا اور راجہ جیپال کی مخالفانہ حرکات سے اندیشہ تھا چونکہ سابقہ لڑائیوں میں اسلامی اور ہندو فوج کی مہارت جنگی کا سلطان محمود کو تجربہ ہو چکا تھا اور سلطان ان جنگی رکاوٹوں کو دور کرنا چاہتا تھا جو واعظین اسلام کو شمالی ہند میں قدم رکھنے سے روکتی تھیں گو سندھ میں بذریعہ مجاہدین عرب اور دکن میں بوسیلہ مسلمان تاجرین اسلام پہنچ چکا تھا۔ لیکن شمالی ہند میں قرآن کی منادی نہیں ہو سکی تھی اور اس منادی کے برخلاف راجہ

جیپال اور اُس کے مددگار راجپوت راجاؤں نے ایکا کر رکھا تھا۔جہاد جس کی فلاسفی ہم خالدین ولید اور تذکرۂ بہادران اسلام میں مفصل کئی موقعوں پر لکھ چکے ہیں وہی ضرورت ہندوستان میں دکھائی دیتی تھی۔ اشاعت توحید میں سخت رکاوٹ تھی جس رکاوٹ کے دور کرنے کیواسطے سلطان کو انفروخفافا وثقالا وجاھدو باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون سورہ توبہ پارہ ۱۰ کی ندا دینی شروع کی مجاہدین شایق غزا ہر طرف سے آآکر جمع ہونے لگے اور اس جاں فروش لشکر کو لیکر ۳۹۲ھ میں جیپال کے دفعیہ کے لئے پنجاب کو چلا۔ راجہ جیپال پہلے ہی کیل کانٹے سے درست مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ہندوؤں کی منتخب فوجیں لیکر اسلامی طاقت کے مٹانے کے لئے تیار تھا۔ اور پشاور کے نواح میں لاکھوں ہندو سورمے سابقہ شکستوں کا داغ مٹانے اور ملک بچانے کے لئے محمود کی آمد کا بہادرانہ جوش سے انتظار کر رہے تھے۔ ہندوؤں کی کثرت فوج سے عام مسلمانوں پر ضرور اثر پڑتا مگر بہادر سلطان اپنی مہارت جنگی اور تجربہ کاری اور اُس کے افسر غازیانہ حرکات سے دل بڑھاتے تھے۔ لڑائی شروع ہونے پر سلطان پندرہ[۱۵] ہزار جانباز سوار لے کر الگ کھڑا ہو گیا اور دیگر مسلمان سرداروں نے لڑائی شروع کر دی۔ ہندوؤں نے نہایت شدت سے حملے کئے اور صبح سے لیکر دوپہر تک جان توڑ مقابلہ کیا اور قومی جنگ کا بخوبی حق ادا کیا۔ مگر مجاہدین اسلام کو میدان سے نہ ہٹا سکے۔ جوں ہی ہندو متواتر ۶ گھنٹے کی لڑائی سے کچھ تکان زدہ معلوم ہوئے بہادر سلطان فوج خاصہ کے ساتھ حملہ آور ہوا جس تند سیلاب کو ہندو فوج نہ روک سکی اور بھاگ نکلی۔ بہادر راجہ معہ معزز ہندو سرداروں کے قید ہو گیا اور ہندوؤں پر مسلمانوں کا اسقدر رعب چھا گیا کہ چند ہزار مسلمانوں نے ۵ لاکھ ہندوؤں کو قید کر لیا۔ راجہ کے گلے میں ایک مالا ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ کی تھی اور اسی طرح دیگر سردار جواہرات کی مالائیں اور مرصع جواہرات پہنے ہوئے تھے جو اسوقت کے عام جنگی دستور کے مطابق فریق غالب کا حق تھا اس کے علاوہ راجہ کا کروڑوں کا مال و اسباب اور خزانہ فاتح سلطان کے ہاتھ لگا۔ قیدیوں میں سے جو زر فدیہ دے سکے بموجب حکم شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام معہ راجہ جیپال آزاد کئے گئے اور اس بات کا مطلق خیال نہ کیا گیا کہ یہ وہی جیپال ہے جو سلطان اور اُس کے باپ کے عہد میں چند بار عہد شکنی کر کے کئی کئی لاکھ کی جمعیت سے خاندان غزنویہ کی تباہی پر کمر باندھ چکا تھا۔ صرف معمولی خراج پر بدستور تاج بخشی کی گئی نہ اُس کا ملک چھینا گیا اور نہ کوئی پولیٹکل اڑنگا لگایا گیا۔ اور نہ ہندوؤں کی جنگی طاقت سلب

کرنے کا جال پھیلایا گیا۔ اگر سلطان محمود درحقیقت واقعی بانکے مغرور راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنے کا شوق رکھتا تو راجہ جیپال اور اس کے معزز سرداروں سے بڑھ کر اور کون مغرور بہادر بانکا جوان تھا۔ جن کی موت وحیات کا فیصلہ سلطان محمود کے ہاتھ میں تھا سلطان کو بانکے اور مغرور راجپوتوں کو مسلمان کرنے کا اس سے بہتر اور کونسا موقعہ مل سکتا تھا یا اسلام لاتے یا قتل کئے جاتے یا قید ہو کر جلاوطن کئے جاتے اور کوئی جدید راجہ اپنے مذہب کا مقرر کیا جاتا۔ مگر یہ سب باتیں مذہب اسلام کے برخلاف تھیں۔ ایسے قدیمی دشمن کے ساتھ اسقدر فیاضی کی مثال ہوتے سلطان محمود کو ظالم۔ بیرحم۔ لالچی وخود غرض کہنا سخت بے انصافی ہے راجہ جیپال جو مکرر سکرر پرجوش معرکہ آرائیوں میں بہادران اسلام سے ہر دفعہ شکست پاچکا تھا اور اپنے آپ کو اس اسلامی سیلاب کے روکنے کے ناقابل سمجھ چکا تھا اس ذلت کو برداشت نہ کرسکا اور چِتا میں جل کر مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا انند پال گدی نشین ہوا ؛

اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام

سلطان محمود کے حملات بارہ ہوں یا سترہ سب کا نتیجہ یکساں فتح ونصرت تھا پشاور سے لیکر قنوج اور کالنجر تک اور دوسری طرف ہندوستان کی انتہائی آبادی سومنات تک کا تمام درمیانی علاقہ جو اسوقت بہادر راجپوتوں کا مسکن اور پیارا وطن تھا اور جس میں لاکھوں سورمے بھارت ماتا (ہندوستان) کے نام پر جانیں قربان کرنا فرض مذہبی جانتے تھے اور شمشیر ہندی کی تیز دھار کے سامنے دنیا کی تمام طاقتوں کو ہیچ مانتے تھے تیغ محمودی کے سامنے سب سرنگوں ہوگئے اور تمام شمالی ہندوستان سلطان کے زیر رسوخ آگیا کروڑوں ہندو بدستور سابق آزادی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں میں آباد رہے۔ جزیہ (خراج) جو زمانہ حال کے بیشمار ٹیکسوں کی نسبت بہت قلیل اور مستثنیٰ اشخاص کو نکال کر قابل ادائیگی اشخاص پر زمانہ حال کے مقابلہ میں بھاری نہ تھا۔ دیتے اگر سلطان واقعی بزور شمشیر مسلمان کرنے کی آرزو رکھتا تو غیر فوجی اشخاص عام رعایا برایا کے زبردستی مسلمان کرنے میں کون مانع تھا جن راجاؤں نے عام لوگوں کی مدد کرنی تھی وہ اجتماعاً وانفراداً محمودی افواج سے مقہور ومکسور ہوچکے تھے مشہور قلعے جن کی حصانت ورزانت کی نسبت ہندوؤں میں حیرت افزا افسانے مشہور ہوچکے تھے بہادران اسلام نے فتح کرلئے تھے پس عام رعایا کے مذہب کو بچانے والا سوائے

اسلام کے جسکا پابند سلطان محمود تھا اور کوئی نہیں رہا تھا۔ مگر سلطان نے عام ہندو رعایا کو نستایا اور نہ اسلام لانے پر مجبور کیا ہاں سلطان کا فاتحانہ رعب جمنے کے ساتھ واعظین اسلام مفتوحہ ممالک میں بلا روک ٹوک منادی اسلام کرنے لگے اور حضرات صوفیائے عظام جو حقیقت میں اسلامی مشنری تھی اشاعت اسلام اور اعلان توحید فرمانے لگے ضرور سلطان محمود اور مسلمان سرداروں نے ایسے مشنریوں کی امداد کی ہوگی مگر ایسے مذہبی گروہ کی مدد کون نہیں کرتا مہذب یورپ کا متفقہ حملہ چین ۱۹۰۰ء عیسائی مشنریوں کی امداد اور انتقام عیسائی مذہب کی اشاعت کی رکاوٹوں کے دور کرنے کے لئے ہوا تھا۔ پس یہی غرض سلطان محمود کے حملات کی تھی۔ جو راجگان ہند کے شکستوں سے حاصل ہوگئی اور صوفی درویشوں کو اسلام کے پاکیزہ نمونہ دکھانے اور ہندوؤں کو اسلامی عقائد کے موازنہ کرنے کا موقعہ مل گیا۔ ہندوستان کرامات اور خرق عادات کا گرویدہ سب ملکوں سے زیادہ ہے درویشانہ بے لوث زندگی اور تارک الدنیا لوگوں کا زیادہ قدر کرتا ہے سلطان محمود کے زمانہ میں بھی ایسے اشخاص ہی سب سے زیادہ مقدس اور موقر مانے جاتے تھے بتوں کی عظمت بھی اسی قسم کی کراماتی روایتوں سے وابستہ تھی جوگی اور سنیاسی وغیرہ ہندو فقیرانہ گروہ محنت اور ریاضت شاقہ سے ہندوؤں کے دلوں کو تسخیر کرتے تھے اور یہی افعال عامیانہ تقدس کی معیار اور استدراجی کمال کی نردبان تصور ہوتے تھے۔ مسلمان درویش ان عملی اوصاف اور تجرید و تفرید کے علاوہ جن میں اُن کو کمال تھا اور ہندو جوگیوں کے مقابلہ میں ان باکمال صوفیوں کو ہمیشہ روحانی تفوق ہی رہا۔ نور توحید سے منور تھے ہندو فقیر بت پرستی میں پیدا ہوتا اور بت پرستی میں ہی نشو و نما پاتا اور اسی بت پرستی کو تاویلاً توحید سے منسوب کرتا مگر مسلمان درویش ابتدا ہی سے ان خیالات سے آزاد ہوتا اسلئے اسلامی توحید کا درجہ عقلاً و نقلاً بڑھا رہتا۔ ہندوؤں میں ویدانتی خدا پرستوں کا ایک گروہ موجود تھا جن کے عقیدہ (ہر میں ہر ہے) کے فلسفہ پر اس وقت کے ہندوؤں کو کمال موحدانہ فخر تھا۔ مگر اس میدان میں بھی مسلمان متصوفین موحدین کئی درجہ بڑھے ہوئے تھے (ہر میں ہر) ظرف و مظروف یا حلول و سریان کو ثابت کرتا ہے جس سے دوئی وغیرہ بدستور قایم رہتی ہے اور ذات مطلق کے مقابلہ میں غیر حقیقی کی ہستی موجود رہتی ہے اور موحد بننے نہیں دیتی یا ویدانتی تمام تعینات عالم کو وہمی اور فرضی جانتے تھے جس سے تمام انتظام ظاہری کو جواب دینا پڑتا ہے مگر مسلمان صوفی وحدت وجود کے قایل تھے جس کی فلسفی ایک ہستی اور ایک وجود مانتی ہے مگر ہندو فلسفہ کے نقصوں سے پاک ہے اُس میں نہ حلول و سریان کا دورہ پایا

جاتا ہے اور نہ انتظام عالم سے انکار کرنا پڑتا ہے خالق و مخلوق معبود و عابد کے احکام کو اپنے اپنے درجہ میں سمجھا جاتا ہے۔ حفظ مراتب کے ہوتے صوفیوں کی روحانی نگاہ میں ہر وقت شعر

بہر جا بنگرم بالا و گر پست ÷ نہ بینم در دو عالم جز یکے ہست

کا مضمون رہتا ہے اور صلح کل اور نفع خلایق کا زبردست ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ عقائد اور اوصاف اعمال و افعال ہندو ویدانتیوں۔ جوگیوں سناسیوں ہندو مقتداؤں کو مسلمان صوفیوں پر ترجیح نہ دے سکتے تھے اس وجہ سے عام ہندوؤں اور ہندو فقرا کو مسلمان صوفیوں سے نفرت نہ رہی۔ اور صوفیوں کے روحانی اور عملی کمال نے ہندوؤں پر اسلامی کشش ڈالنی شروع کی جس میں ان کو اپنی مرنج و مرنجاں پالیسی اور تصرفات روحانی کی پر زور طاقت کے سبب اشاعت اسلام میں کامیابی حاصل ہوئی اور صوفیوں نے ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں علم الہیات کے مدارس کھول دئے جن کو خانقاہیں کہا جاتا تھا۔ مذہب اسلام کی کشش کے سامان ان مدارس میں کافی موجود ہوتے تھے جن کی مدد اکثر عام مسلمان یا سلاطین اسلام کرتے تھے جو قابل اعتراض نہیں تھا مگر ان روحانی مدارس (خانقاہوں) میں مباحثہ و مجادلہ غیر مذاہب کی توہین و تضحیک کا مطلق ذکر نہ ہوتا تھا۔ بلکہ انسانی کمال اور روحانی جلال کے حصول و عروج کے باقاعدہ اصول کی تعلیم علمی و عملی دیجاتی پس ہندوؤں کو ایسے روحانی معلموں کے افعال و اعمال سے کوئی نفرت نہ تھی بلکہ کرامات اور خرق عادات ہندوؤں پر زیادہ اثر ڈالتی تھیں اور ارادت و عقیدت کا باعث ہوتیں یہی ارادت آخر اسلام لانے کا ذریعہ ہوتی۔ اور نو مسلم لوگوں میں سے بھی بعض صوفیائے کرام کے یمن صحبت سے طریقت کی کڑی منزلوں کو طے کر کے پاکباز عارف اور محقق کامل اور عاشق صادق بنجاتے اور دیگر ہندوؤں کو مسلمان ہونے کا شوق دلاتے۔ یہ اسلامی مشنری (صوفی) باعتبار عمل ظاہری سالک مست۔ رند۔ قلندر وغیرہ کہلاتے مگر سب کے سب مظہر عرفان و خدا شناسی اور کمال روحانی اور ان جملہ طبقات کی حالات اور واردات ہندوؤں کی نظروں میں اسلامی عظمت کو ثابت اور اسلام کے قریب لاتے۔ یہ طریقہ تعلیم اس قسم کا موثر تھا کہ بلا جبر و اکراہ ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے جن کی تعداد آج ہندوستان میں کروڑوں تک پہنچ گئی ہے اس طرز اشاعت مذہب میں جبر و تعدی کو ہرگز دخل نہ تھا) یورپ کی قوموں نے بھی اسی اسلامی طرز اشاعت کو اختیار کیا۔ مگر مسلمان صوفیوں کی طرح توکل و قناعت زہد و ریاضت کے عامل مشنری نہ بھیج سکا اسی وجہ سے عیسائی مذہب کو باوجود تین سو سال ہیں (؟) دو صد ہزار (؟) ... [illegible]

جو اسلام کو غزنوی سلطنت میں ہی حاصل ہو گئی تھی اور جس کی تکمیل مغلوں کے پرامن و امان عہد میں ہوئی۔ مسلمان درویشوں کو نہ روپیہ کے ضرورت تھی نہ بنگلہ کوٹھی اور بگھی گھوڑے کی وہ آبادی و جنگل کوہ و صحرا میں ہر ایک جگہ اپنی سادہ طرز معاشرت اور زاہدانہ عادات کے سبب گذارہ کر سکتے تھے اور اپنی غیر پولیٹیکل اور خالص مذہبی زندگی کے سبب ہندو اُن کو ملک و قوم کے لئے چنداں خطرناک تصور نہ کرتے تھے، اسلئے اس گروہ کو ہندوؤں میں اشاعت اسلام کا کافی اور عمدہ موقعہ ملتا رہا۔ بعض جگہ متعصب ہندوؤں کے ہاتھ سے ان بزرگوں کو تکلیفیں بھی برداشت کرنی پڑیں مگر تحمل و بردباری کی دوامی عادت اور اسلام کی سچی محبت نے جو حقیقی صوفیوں کا شعار تھا اُن کو اپنے مشن سے باز نہ رکھا۔ غرضیکہ ہندوستان اشاعت اسلام کے لئے اور مسلمان درویش ہندوؤں میں کام کرنے کے لئے ہر طرح موزوں تھے اسی نکتہ کو سمجھ کر عیسائی مشنریوں نے ہمارے ہیئت کی فوج قائم کی ہو جو گیا ندیاں پہن کر ہندو سادھو کہلانے لگی مگر صفات درویشی کی عدم موجودگی کے سبب مسلمان درویشوں کی طرح کامیاب نہیں ہو سکے جن برہمنوں پیروانہ کی طرح گرویدہ تھے اور اب بھی جہاں ہندو وہ پارلیمانی فیلنگ اور تعصب نہیں ہندو مسلمان درویشوں کی عزت و محبت ہندو سادھوؤں سے کم نہیں کرتے۔ جن صوفیائے کرام نے وقتاً فوقتاً ہندوستان میں اسلامی خدمات کی ہیں اُن کے حالات لکھنے کے لئے اس کتاب میں گنجائش نہیں اور نہ موزوں ہے اگر خدا نے توفیق دی اور صحت و فراغت شامل حال فقیر رہی تو انشاء اللہ تعالےٰ علیحدہ کتاب لکھی جاوے گی۔ اس کتاب میں خاص خاص مشہور مشائخ کا اسم مبارک کہیں کہیں ذکر کیا جائیگا۔ کتاب ہذا میں جو اس مضمون پر بحث کی گئی ہے محض ناظرین کو یہ جتانے کے لئے کہ ہندوستان میں اسلام بذریعہ صوفیائے عظام پھیلا ہے مسلمان فاتحین اور سلاطین کے جبر و زور سے نہیں پھیلا نہ کوئی مذہب جبر سے پھیل سکتا ہے۔ سلطان محمود پر محض بہتان ہے کہ وہ ہندو راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا سلطان محمود کے عہد میں ہی کئی ایک بزرگ صاحب کمال سلطانی فوج کے ساتھ داخل ہند ہوئے تھے۔ چنانچہ شیخ المشائخ سید محمد شاہ صاحب قادری فاضلی بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تسخیر لاہور میں بہادران اسلام کو یہ وقت پیش آئی تھی کہ ایک ہندو جوگی جو مشہور جادوگر تھا قلعہ والوں کی ہمت بڑھاتا اور ایسے شعبدے دکھاتا کہ ہندو فوج کا مدافعانہ حوصلہ کم نہ ہوتا اور سلطانی فوج کی متواتر یورشیں ناکام رہتیں سلطانی فوج کے افسروں نے سلطان محمود کو اصل واقعہ سے اطلاع دی خدا پرست سلطان جوہر ایک

مشکل میں خدا سے ہی رجوع کرتا تھا خدا کے حضور میں سربسجود ہوا۔ اور خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیراہن مبارک کو جو خواجہ محمد روح الصفات کا تبرکا عطیہ تھا اُس کی حرمت سے اللہ تعالے سے دعائے فتح قلعہ لاہور مانگی۔ رات کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم رویائی میں سلطان کو بشارت فتح دی اور اُسی رات حضرت شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کو مجاہدین اسلام کی مدد کا حکم دیا گیا۔ جو غزنی کے محلہ یا مضافاتی گاؤں میں گمنامی کی حالت میں رہتے اور اپنی ولایت کو چھپائے رکھتے ظاہر میں لڑکوں کو قرآن مجید پڑھاتے صبح کو جب کمکی فوج روانہ پنجاب ہوئی تو شیخ علی ہجویری صاحب بھی ساتھ ہو لئے اور سپاہیوں کے لڑکوں کو تعلیم قرآن دیتے رہتے۔ لاہور پہنچکر ہندو جادوگر اپنے شعبدوں سے ہندوؤں کے حوصلہ بڑھانے اور مسلمانوں کی ہمت گھٹانے لگا۔ جسکو شیخ ہجویری صاحب نے اپنے کمالات صادقہ دکھاکر ایسا رام و مطیع کیا کہ اسلام لاکر قدموں میں گرا۔ اور اُس کے ساتھ سینکڑوں ہندو اسلام لائے۔ اور قلعہ فتح ہو گیا۔ روضہ منورہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ کے موجودہ مجاور اُس ہندو جادوگر کی اولاد مشہور ہیں یہ روحانی مقابلہ تھا جس میں حضرت داتا گنج بخش صاحب غالب رہے اور پنجاب کے دارالصدر میں اسلام کے پاؤں جمائے مگر اس قسم کی اشاعت اسلام میں سلطانی یا فوجی دباؤ کا مطلق دخل نہ تھا اور جبر کا نام تک نہ تھا ہندوؤں میں معیار کمال تصرف روحانی تھا جس میں حضرت داتا گنج بخش صاحب کا پلہ بھاری رہا اور ہندوؤں کا پیشوا خود حضرت کے کمالات دیکھ کر مسلمان ہوا جسکی تقلید میں اکثر ہندو اسلام لائے۔ اور اسلام کی حقانیت سے انکار نہ کر سکے یہی حال بعد میں اکثر ہوتا رہا۔ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ بزرگوار خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کے واقعات بھی اسی قسم کے ہیں جو ساکر دیو اور اجیپال جوگی سے اجمیر میں پیش آئے تھے پس جس طرح آج کل تقریری مذہبی مباحثے ہوتے ہیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اُس وقت ہر دو فریق کے بزرگوں کے روحانی مقابلہ ہوتے تھے جس میں مسلمان درویش غالب رہتے اور فریق ثانی کو مذہب اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا کیونکہ اُسوقت کے ہندو شیفتہ کمال تھے اور اسلام کے روحانی کمال حاصل کرنے کے لئے ہی مسلمان ہوتے جو ہندو مذہب میں نظر نہیں آتا تھا۔ پس ہندوؤں کے مسلمان ہونے میں سلطان محمود یا کسی اور سلطان کی جبر و تعدی کو دخل نہ تھا یورپین مورخوں کا یہ الزام بدنامی سلاطین اسلام اور ہندو مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کے لئے ہے جس سے ہندوستان کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔

دوسرا حملہ

لیتھبرج صاحب دوسرا حملہ بھیرہ پر لکھتا ہے جو اب ضلع شاہ پور پنجاب میں دریائے چناب اور جہلم کے مابین واقع ہے۔ لیکن جب راجہ جیپال کو والی پنجاب تسلیم کیا جاتا ہے تو بھیرہ الگ راجدھانی قرار نہیں دی جاسکتی جس پر کہ سلطان کو کوئی جدید مہم روانہ کرنے اور نئے سر سے حملہ آور ہونے کی ضرورت پڑتی۔ راجہ جیپال کی الوالعزمی اور فوجی طاقت پر غور کرنے سے ماننا پڑتا ہے کہ پنجاب کے علاقہ کا وہی واحد حکمران تھا۔ بھیرہ کو ایک علیحدہ سلطنت ماننے سے جیپال کا ماتحت علاقہ نہایت مختصر رہ جاتا ہے۔ پس اگر واقعی سلطان محمود کا حملہ بھیرہ پر ہوا تو چونکہ بھیرہ اسوقت پنجاب میں ایک بارونق شہر اور جیپال کا یا اس کے کسی باجگذار رئیس کا مشہور جنگی اسٹیشن تھا اس لئے سلطان نے راجہ جیپال کو حملہ اول میں شکست دینے کے بعد بھیرہ کی فوجی چھاؤنی کو برباد کرنا چاہا اور بزور شمشیر فتح کیا۔ جدید فوج لیکر غزنی سے بھیرہ پر حملہ نہیں ہوا اور نہ مذکورہ بالا حالات میں جدید فوج کشی کی ضرورت تھی۔ مگر عربی تاریخ فتوحات اسلامیہ اور یمینی میں دوسرا حملہ ویہند پر لکھا ہے جسکو بھیرہ خیال کیا گیا ہے۔ اور یہ خیال بھیرہ کی قدامت کے سبب سے پیدا ہوا ہے۔ ویہند کا محل وقوع آج کل دریائے اٹک سے پار ضلع پشاور خیال کیا جاتا۔ جس کے کھنڈرات اور پرانے سکوں کی برآمدگی نے محققین یورپ کو ویہند کے کھنڈرات کا تصور جما دیا ہے ممکن ہے کہ ویہند کا محل وقوع اسی جگہ ہو اور راجہ جیپال کے شمالی علاقہ میں ایک زبردست اور مضبوط سرحدی شہر ہو اور سلطان نے راجہ جیپال کو شکست دے کر اس سرحدی قلعہ پر حملہ کیا ہو۔ لیکن راجہ جیپال کا دارالسلطنت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ تاریخ یمینی میں لفظ شط الویہند لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویہند کنارہ دریا اور دریا کے پار خاص پنجاب میں واقع تھا اور وہ دریا غالباً اٹک تھا۔ لاہور پنجاب میں سب سے قدیم شہر اور وسط پنجاب میں ہونے کے سبب ایک ہندو راجہ کی دارالحکومت ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ابتدائی حملوں میں سلطان کا لاہور کو مستثنیٰ رکھنا اور دیگر امصار و بلاد کو تسخیر کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ مدبر سلطان نے جیپال۔ انندپال اور اس کے بیٹے کو بشرط ادائے خراج اُن کے صدر مقام لاہور میں بدستور راجہ رہنے دیا۔ یا لاہور کے استحکام و حصانت اور وہاں کے راجاؤں کی ظاہری اطاعت کے سبب لاہور پر حملہ نہ کیا اور سلطنت لاہور کے بازو کاٹتا رہا۔ اور دیگر شہر اور قلعہ فتح کرتا رہا بہرحال لاہور پنجاب کا دارالسلطنت اور جیپال اور اس کے

جانشینوں کا صدر مقام تھا۔ ویہند اگر دریائے اٹک سے پار تھا یا وار تو راجہ جیپال کا دارالحکومت نہ تھا۔ سرحدی قلعہ تھا۔ جسپر دوسرا حملہ کیا گیا اور بعد محاصرہ کے بزور شمشیر فتح کیا گیا۔ اسی جگہ سلطان کو خبر پہنچی تھی کہ ہندو بہ تعداد کثیر حملہ کے لئے پہاڑوں میں جمع ہو رہے ہیں جن کو اسلامی فوج بھیج کر تہ تیغ کیا گیا۔ اگر ویہند دریائے اٹک کے پار ہے تو ہندوؤں کا یہ اجتماع خیر آباد یا حضرو اٹک یا مارگلہ واقع راولپنڈی کے نواح میں ہوا ہوگا۔ مگر بقول مؤلف سیر المتاخرین سلطان محمود راجہ جیپال کو شکست دیکر اکثر شہروں کو فتح کرتا ہوا بٹھنڈا تک پہنچ گیا جو شمالی ہند میں ایک قدیمی مضبوط قلعہ تھا۔ جو اپنی تاریخی روایات اور جنگی شہرت کے سبب راجہ جیپال کا دارالسلطنت اور پنجاب کا صدر مقام بقول بداؤنی ہو سکتا ہے سلطان پنجاب کے شمالی اضلاع کو فتح کرتا ہوا بٹھنڈا پہنچا محصورین نے دیر تک بہادرانہ مقابلہ کیا اگر یہ حملہ بٹھنڈا پر تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اور کوئی حملہ سلطان محمود کا بٹھنڈا پر ثابت نہیں ہوتا اور یہ ناممکن ہے کہ بٹھنڈا جیسا مضبوط جنگی قلعہ فتح کئے بغیر ہندوستان کے دور دراز صوبجات پر حملہ آور ہو سکتا اور اس بغلی گھونسہ سے تکلیف اٹھاتا۔ پس میرے خیال میں جیپال کو شکست دینے کے بعد سلطان ہندوستان کیطرف بڑھا اور نستان فتح اوڑاتا ہوا بٹھنڈا پہنچا اور بعد فتح چند روز بٹھنڈا میں مقیم رہا مسجدیں تعمیر کیں اور موذن و واعظ تبلیغ اسلام کے لئے مقرر کئے ویہند بٹھنڈا سے مراد ہے۔ جو ویہند مشہور ہو گیا۔ جسکو فارسی تاریخوں میں تبرہندہ لکھا ہے +

تیسرا حملہ

تیسرا حملہ ۳۹۵ھ میں براہ ملتان بھٹنیر پر ہوا جو ایک زبردست سلطنت اور بھاٹی راجپوتوں کی راجدھانی تھی وہاں کا راجہ بجی رائے فوج کی عدت اور ہاتھیوں کی کثرت اور عمدہ سامان جنگ کے سبب تمام ہندوستان میں مشہور تھا۔ بھٹنیر کا قلعہ بلند مضبوط ناقابل التسخیر تھا۔ قلعہ کے گرد گہری خندق پانی سے لبریز تھی۔ بھٹنیر کی فوجیں راجہ جیپال کی مدد میں سلطانی فوج کے منہ پر تلواریں مار چکی تھیں۔ اور وجہ خصومت پیدا کر چکی تھیں اس لئے یہ حملہ انتقامی تھا۔ راجہ بھٹنیر نے قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا اور تین دن تک لڑکر قومی جنگ کا حق ادا کیا مگر آخر بہادران اسلام سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ اور چوتھے روز مجبوراً قلعہ کو واپس ہوا مگر بہادر مسلمان بھی ساتھ ہی قلعہ میں گھس گئے اور قلعہ کے اندر ہر دو فریقین نے خوب دل کھولکر مقابلہ

گیا۔ مگر سلطان قلعہ سے باہر نہ نکل سکے راجہ یہ حالت دیکھکر چند ہمراہیوں سمیت سندھ کو بھاگ گیا۔ مگر ترکتازان اسلام نے راستہ ہی میں جالیا اور گرفتار ہونے سے پہلے راجہ نے خنجر سے خودکشی کرلی اور سلطان سالماً غانماً واپس غزنی ہوا مال غنیمت میں صرف ہاتھی دوسو اسی تھی جس سے راجہ بھٹنر کی طاقت اور شوکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے ؛

چوتھا حملہ

غزنی سے جدید فوج لیکر ملتان پر حملہ نہیں کیا گیا بلکہ بھٹنر سے واپسی کیوقت ملتان پر ہوا۔ ملتان کا حاکم اسوقت داؤد بن نصیر بن شیخ حمید لودھی تھا۔ جسکو مسلمان مورخ ملحد اور بعض قرامط لکھتے ہیں۔ ملحد اور قرامط اگرچہ عام مسلمانوں میں ایک معنے رکھتے ہیں مگر دراصل دونوں میں فرق ہے۔ ملحد حسن بن صباح کے پیرو کہلاتے ہیں جن کا سلطان محمود کیوقت میں وجود نہ تھا قرامط کا زور ٹوٹ چکا تھا اور عام مسلمانوں کے ہاتھ سے حالت گمنامی کو پہنچ چکے تھے ہاں اسماعیلیہ مذہب کا سلطان کیوقت میں رواج ہو رہا تھا سلطان محمود کے وقت میں اسماعیلیہ سلطان الحاکم بامراللہ تھا جس کے ماتحت مصر اور بربر۔ نوبہ افریقی علاقہ کے علاوہ شام اور عرب کا مغربی جنوبی وسطی علاقہ بھی تھا۔ یمن اور بحیرہ عرب کے سواحل پر اسماعیلیہ حکومت اور حکومت کے ذریعہ مذہب اسماعیلیہ پھیل چکا تھا۔ الحاکم بامراللہ سب سے زیادہ سرگرم اشاعت مذہب اسماعیلیہ تھا اور ترمیم و تنسیخ عقائد میں نہایت دلیر تھا جس کی تفصیل تذکرہ بہادران اسلام میں کی گئی ہے اور اسی سبب سے اُس کو بھی الحاد و زندقہ کے مذہب میں شمار کیا گیا ہے۔ پس تمام حالات پر قیاس کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ملتان کا حاکم داؤد جسکو رئیس ملاحدہ لکھا ہے اسماعیلیہ مذہب کا پیرو تھا اور مصر کے سلاطین اسماعیلیہ کی پولٹیکل کوششوں کی وجہ سے سندھ اور ملتان میں اسماعیلیہ مذہب رواج پاچکا تھا۔ مسلمانان سندھ کو چونکہ کمزور خلیفہ بغداد سے کسی دنیوی فلاح کی امید نہ تھی اور اسماعیلیہ سلاطین کا اُسوقت عروج تھا اور اشاعت مذہب اسماعیلیہ کے لئے ہر ایک ممکن کوشش کرتے تمام اسلامی بلاد میں داعی و منادی روانہ کرتے اس لئے سندھ میں اسماعیلیہ مذہب کا پھیلنا اور داؤد حاکم ملتان کا اسماعیلیہ مذہب ہونا قرین قیاس ہے ؛

بہرحال داؤد اور اس کی قوم قرامط تھی یا اسماعیلیہ سلطان محمود کے پولٹیکل دشمن تھے

چونکہ سلطان محمود خلفائے بغداد کا نام لیوا تھا۔ اس لئے جسقدر مخالفانہ رقابت خلفائے بغداد اور مصر میں تھی اسی قدر سلطان محمود اور داؤد میں یقین کی جاسکتی ہے پس ہندوستان اور غزنی کے راستہ میں سے اس پولیٹیکل رقیب کا زور توڑنا ضروری تھا سلطان نے اس خیال سے کہ والی ملتان کو خبر نہ ہو۔ راجہ انند پال ولد جیپال کے علاقہ سے گذرنے کا قصد کیا مگر راجہ انند پال جو داؤد سے درپردہ سازش رکھتا تھا اور ملکی ضرورت کے سبب سے ریاست اسماعیلیہ ملتان کی کمزوری نہ چاہتا تھا باوجود خراج گذاری سلطان مزاحم ہوا۔ سلطان کو مجبوراً جنگ کرنی پڑی انندپال شکست پاکر کوہستان کو بھاگ گیا اور اس کا ملک جس کے بل پر وہ مقابلہ پر آیا تھا اور دو دفعہ پہلے امان پاچکا تھا اب کی دفعہ پامال کیا گیا۔ چونکہ اس حملہ کی اصل غرض حاکم ملتان کی سزادہی تھی اس لئے انندپال کے تعاقب سے ہاتھ اوٹھایا گیا +

تسخیر ملتان

علاقہ انندپال سے گذر کر ملتان کا محاصرہ کیا گیا سات روز کی لڑائی اور محاصرہ کے بعد داؤد حاکم ملتان نے عقیدۂ ملاحدہ سے توبہ کی اور اپنے علاقہ میں احکام وحدود شرعیہ کے اجراء کا وعدہ کیا اور ہر سال بیس ہزار درہم بطور خراج دینے کا اقرار کیا۔ سلطان کی غرض داؤد کی درستی اعتقاد تھی جو حاصل ہوگئی اور موسم گرما شروع ہوگیا۔ ملتان کی گرمی کی برداشت فوج غزنی نہ کرسکتی تھی واپس غزنی ہوا +

عربی تاریخ فتوحات اسلامیہ میں لکھا ہے کہ والی ملتان انندپال کی شکست سنکر اور اپنے آپ کو بے یار و مددگار پاکر مال واسباب لے کر سراندیپ کو چلا گیا۔ لیکن ابوالفتح داؤد بن نصر بن شیخ حمید لودہی اس حملہ میں بشرائط بالا بدستور حاکم ملتان رہا +

سلطان محمود

اور

ایلک خان شاہ ترکستان کا معرکہ عظیم

سلطان ابھی ملتان میں ہی تھا کہ ارسلان جاذب گورنر ہرات نے اطلاع دی کہ ایلک خاں شاہ ترکستان نے علاقہ سلطان پر حملہ کر دیا ہے۔ اس لئے سکھ پال ہندو راجہ کو جو سبکتگین کے

عہد میں سلطان ہوا تھا بھٹنڈا وغیرہ کی حکومت دے کر فوراً واپس چلا گیا۔ ایلک خاں ترکوں کا زبردست سردار اور بخارا کے سامانی خاندان کی تباہی پر بخارا وغیرہ امصار تاتار کا مالک بن گیا تھا سلطان محمود نے اپنی شرقی فتوحات کے خیال سے ایلک خان سے رشتہ اتحاد قایم کر لیا تھا اور ایلک خان کی بیٹی سے شادی کر کے ایلک خاں کیطرف سے خاطر جمع کر لی تھی۔ مگر ایلک خاں جس کے شمال کیطرف سائبیریا کے دشت و بیابان اور مشرق میں ملک چین کی زبردست سلطنت تھی اپنی سلطنت کو جنوب اور مغرب میں بڑھا سکتا تھا جہاں سلطان محمود کا علاقہ تھا اس لئے رشتہ داری پر طمع غالب آگئی اور جبکہ سلطان محاصرہ ملتان میں مصروف تھا اپنے سپہ سالار سیاوش تگین کو فوج جرار دے کر خراسان کو روانہ کیا اور جعفر تگین کو بلخ پر مقرر کیا سلطانی گورنر ارسلان جاذب ہرات دار الصدر خراسان سے غزنی چلا آیا تھا کہ دار السلطنۃ کو بچا سکے۔ اور خراسان پر سپہ سالار ایلک خاں کا قبضہ ہو گیا۔ سلطان محمود بھی ملتان سے ایلغار کرتا ہوا غزنی پہنچ گیا۔ خود سلطان بلخ کو گیا اور جعفر تگین جنرل ایلک خاں بلخ سے بھاگ گیا۔ ارسلان جاذب کو ہرات کو روانہ کیا جس کی آمد کی خبر سن کر سیاوش تگین ہرات سے نکل گیا۔ ایلک خاں نے اپنی فوج کے علاوہ قدر خاں شاہ چین کو مدد کے لئے بلایا۔ بلخ سے چار فرسنگ کے فاصلہ پر دونوں فوجیں فروکش ہوئیں۔ سلطان محمود جو اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر تجربہ کار جرنیل تھا بذات خود ترتیب صفوف میں مصروف ہوا سب سے آگے پانچسو جنگی ہاتھی کھڑے کئے اس کے بعد فوج سوارہ تھی قلب میں اپنے چھوٹے بھائی امیر نصر اور عبد اللہ طائی کو معہ ہندو فوج یمینی صفحہ ۲۱۱ اور میمنہ میں التونتاش اور میسرہ میں ارسلان جاذب کو مقرر کیا اور خود جانباز بہادروں کا دستہ لے کر الگ کھڑا ہوا۔ تاکہ وقت پر ہر طرف مدد دے سکے اور بہادرانہ شجاعت دکھا سکے۔ دوسری طرف ایلک خاں قلب میں کھڑا ہوا۔ قدر خاں میمنہ پر اور جعفر تگین میسرہ پر مقرر ہوا۔ اسی ترتیب جنگ سے سلطان محمود اور ایلک خاں کے بہادرانہ تہوّر اور جنگی لیاقت کا پورا پتہ لگتا ہے۔ ایلک خاں بچاؤ کی صورت کرتا ہوا قلب میں کھڑا ہوا۔ جس کے حملہ سے انتظام صفوف کے بگڑنے کا احتمال تھا اور سلطان محمود نے تمام فوج کے بچاؤ کی جان ہار ڈیوٹی اپنے سر لی اور اسطرح کھڑا ہوا کہ اس کے حملہ سے مقررہ انتظام میں کوئی خلل نہ پڑ سکتا تھا۔ آخر لڑائی نہایت زور سے شروع ہوئی جس کی نسبت شاہ سخن فردوسی کہتا ہے:

ابیات

نہاں گشت خورشید گیتی فروز | تو گفتی نہ شب بود پیدا نہ روز
شد از سم اسپاں زمیں لالہ رنگ | زنیزہ ہوا شد چو پشت پلنگ

بہادران طرفین بڑھ بڑھ کر حملات کرتے اور ملکی جنگ کا حق ادا کرتے ہوئے جانیں نثار کرتے تھے بہادر دھڑا دھڑ گرتے تھے۔ نجات وخلاص کا دروازہ بند تھا ترکوں نے گو سخت حملات کئے مگر محمودی بہادروں نے شجاعانہ مدافعت کی اور ایک قدم نہ ہٹے یہ حالت دیکھ کر ایلک خاں سے رہا نہ گیا اور غلامانِ خاصہ کی بہادر فوج کے ساتھ قلب سے مست شیر کیطرح حملہ آور ہوا۔ سلطان محمود نے ابھی عام لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا۔ فوج کے پاؤں ڈگمگاتے دیکھکر فوراً گھوڑے سے کود پڑا اور خداوند تعالےٰ کے حضور میں سربسجود ہو کر نہایت تضرع وزاری سے فتح ونصرت کی دعا مانگی اور نذر وصدقات مانی اور فضل ربانی پر بھروسہ کر کے مست ہاتھی پر سوار ہوا۔ اور فوج خاصہ کو ہمراہ لے کر سب سے پہلے خود ایلک خاں پر جا پڑا۔ افضال الٰہی نے جس پر سلطان کو بھروسہ تھا اپنا اثر دکھایا اور سلطان کے ہاتھی نے ایلک خاں کے علم دار کو سونڈ میں لپیٹ کر دور پھینکدیا اور علم گر پڑا اور بہت سے ترکوں کو ہلاک کیا۔ بہادران محمودی نے جب دیکھا کہ سلطان خود موت کے سمندر میں تیر رہا ہے اور مہیب دشمن ایلک خاں کے گلے جا پڑا ہے ہر طرف سے جان نثاران فوج نے حملہ کر دیا جس مجموعی حملہ کی تاب ترک نہ لا سکے اور ایلک خاں اور قدر خاں جان بچا کر بھاگ گئے جب تک کہ اپنی حدود ملک میں پہنچ نہ گئے کہیں دم نہ لیا سلطان محمود تعاقب میں تھا اور ایلک خاں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ موسم سرما تھا برف باری شروع ہو گئی تھی فوج تکلیف اٹھا رہی تھی امرا تعاقب کے برخلاف تھے صرف غیور اولوالعزم سلطان تعاقب پر اصرار کرتا تھا تین دن رات تعاقب سے ہاتھ نہ اٹھایا تیسری رات کو شدت سے برف وسردی پڑی سلطان کے خیمہ میں کئی انگیٹھیاں جلائی گئیں اور اسقدر کمرہ گرم ہوا کہ حاضرین مجلس سرمائی لباس اوتارنے پر مجبور تھے اتنے میں ایک غلام باہر سے آیا محمود نے جو ایک خوش طبع سلطان تھا غلام سے کہا کہ جاؤ سردی کو کہدو کہ تو اسقدر جاں کنی کیوں کرتی ہے ہم تو مارے گرمی کے سرمائی لباس اوتارنے لگے ہیں۔ غلام باہر گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر عرض کی کہ سردی حضور کے پیغام کے جواب میں کہتی ہے کہ اگرچہ میرا ہاتھ سردست حضور تک نہیں پہنچ سکتا لیکن آج رات کو سائیسوں اور رتھا گردوں پیشہ اور دیگر ملازموں کی ایسی خدمت کروں گی کہ کل حضور اور حضور کے امرا گھوڑوں کی خدمت خود کرینگے

سلطان جو نہایت ذہین نکتہ فہم تھا اُس وقت تو خوش طبعی میں ٹال گیا مگر صبح کو واپسی کا حکم دیا۔ اور ایلک خاں ضرب محمودی سے بچ گیا*

(نوٹ)

ناظرین غور کرسکتے ہیں کہ جب ترکستان کی جنگجو اور قوی ہیکل قومیں اور ایلک خاں جیسے بہادر جنگی بادشاہ محمود غزنوی کی تاب نہیں لاسکتے تھے تو ہندوستان کی کمزور اور نحیف البدن فوجیں افواج محمودی کے مقابلہ میں کسطرح ٹھیر سکتی تھیں۔ محمود اپنے زمانہ میں بے نظیر جرنیل بہادر سپاہی فیاض سلطان فوج کا ہر دلعزیز سپہ سالار تھا۔ ہر ایک شکل میں خود حصہ لیتا تھا۔ فوج اور رعایا کے آرام کا ہر وقت خیال رکھتا تھا اس کی کامیابی اور عالمگیر فتوحات کا یہی راز تھا*

بغاوت سکھپال

جب سلطان محمود ایلک خاں کی لڑائی میں مصروف تھا راجہ سکھ پال جسکو بھٹنڈا وغیرہ کی حکومت دیکر سلطان خراسان کو گیا تھا سلطان کی مشکلات خراسان پر خیال کرکے باغی ہوگیا۔ اور ہندو رعایا کی اکسلانے اور ہندو راجگان کے بہکانے اور اُن کی امداد کے بھروسہ اور اپنی آبائی خود مختار حکومت قائم کرنے کے لالچ سے مرتد ہوگیا۔ سلطان کو یہ خبر ترکستان میں پہنچی فوراً ہندوستان کو روانہ ہوا۔ اور امرائے پنجاب کو باغی مذکور کی سزادہی کے لئے احکام بھیجدئے جنہوں نے سلطان کے پہنچنے سے پہلے ہی سکھ پال کو شکست دیکر قید کرلیا۔ اور قید ہی میں مرگیا*

حملہ پنجم
اور
(ہندوؤں کا قومی جوش و اتحاد)

بقول فرشتہ ۳۹۹ھ اور بقول یمینی ۳۹۸ھ میں انندپال یا برہمن پال پر ہوا وجہ اسکی یہ تھی۔ کہ راجہ انندپال نے اُن تمام سلطانی مراعات کو پس پشت ڈالدیا تھا جو اُس کے باپ جیپال اور خود انندپال سے تاج بخشی وغیرہ کے بارہ میں ہوئی تھیں۔ گذشتہ حملے میں والی ملتان کی امداد میں سلطان کا راستہ روک لیا تھا اگرچہ سلطان نے انندپال کو شکست دیکر کوہستان کشمیر کیطرف بھگا دیا تھا۔ مگر انندپال کی اس حرکت سے ثابت ہوگیا تھا کہ صرف اپنی ہی گردن سے اطاعت کا جوا اُتارنا نہیں چاہتا تھا

بلکہ ہندوؤں کے علاوہ باجگذار مسلمان رؤسا، کو بھی سلطان کی مخالفت اور بغاوت پر ابھارتا ہے۔ ابوالفتح داؤد بن نصر لودھی حاکم ملتان کا دادا شیخ حمید عہد سبکتگین سے باجگذار غزنی تھا ابتداء میں داؤد بھی خراج ادا کرتا رہا اور سلطانی عنایت سے سرفراز ہوتا رہا۔ انندپال کے ورغلانے سے باغی ہوا۔ گویا انندپال نے خود اسلامی علاقہ میں ریشہ دوانی شروع کر دی تھی ایسی حالت میں اگر سلطان محمود کی جگہ کوئی اور بادشاہ بھی ہوتا تو اس کو بھی انندپال کی عہد شکنی کا انتقام لینا پڑتا۔ اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے اس لئے یہ کہنا بیجا نہیں کہ اس جنگ کا بانی خود انندپال ہوا جس نے عہدنامہ کے خلاف عمل کیا۔ جو ایک اخلاقی کمزوری تھی۔ انندپال کی یہ جرأت ایک بڑی بھاری سازش کا نتیجہ تھا جو شمالی ہند کے تمام مشہور راجگان کی متفقہ رائے سے ہوئی تھی جنگ جیپال میں گو ہندوؤں نے مجموعی طاقت سے سلطان کا مقابلہ کیا تھا۔ مگر بعض راجگان جو اس معرکہ میں شامل نہیں ہوئے تھے اور شکست جیپال کی وجہ ہندو فوج کی کمزوری قرار نہیں دیتے تھے اور نہ انندپال کے مقابلہ کو کچھ وقعت دیتے تھے ہندوستان کے تمول اور کثرت آبادی کے سامنے سلطنت غزنی اور محدود آبادی کو خیال میں نہیں لاتے تھے اور دیکھ چکے تھے کہ سبکتگین اور خود سلطان محمود چند ہزار فوج سے زیادہ ہندوستان کے لاکھوں سورماؤں کے مقابلہ میں نہیں لاسکا۔ پس ان کو یقین تھا کہ اگر سورج بنسی اور چندربنسی خاندانوں کے پرجوش سورمے اتفاق سے کام لیں تو ایک ایک مسلمان کی تباہی کے لئے سو سو ہندو بہادر معرکہ کارزار میں جاسکتا ہے اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹا سکتا ہے ان جملہ اسباب نے انندپال کو عہد شکنی پر دلیر کیا تھا۔ سلطان اس دفعہ احسان فراموش انندپال کو قرار واقعی سزا دینے کے لئے تیار ہوا تھا۔ ادھر انندپال نے سلطان کی چڑھائی کی خبر سن کر راجگان ہند کو خطوط لکھے اور مذہبی خطرہ دکھا کر مذہب وملت کے بچانے کے لئے ہندوؤں میں جنگی جوش بھر دیا۔ راجگان دہلی۔ کالنجر۔ گوالیار اجمیر۔ قنوج وغیرہ اپنی اپنی فوجیں لیکر پنجاب کو روانہ ہوئے۔ اور اس قومی جنگ کے لئے خزانے خالی کئے گئے۔ ہندو عورتوں نے زیورات اتار اتار کر چندہ میں دئے۔ اور اپنے عزیزوں کے جنگی اخراجات کی کفیل ہوئیں۔ بیوگان نے چرخہ کات کر اور مزدوری کر کے جنگی چندہ دیا۔ واعظین ہنود نے ہندوؤں کو سرفروش بنا دیا۔ جسقدر کہ مذہبی جنگ اور قومی لڑائی کے لئے تدابیر ہو سکتی تھیں سب عمل میں لائی گئیں۔ اور ہندوؤں نے پورا اتفاق کیا اور جملہ انتظامی پرجوش ذرائع سے کام لیا گیا۔

یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان کو ہندوؤں کے نفاق یا طوائف الملوکی کے باعث فتح کیا اس سے بڑھ کر اور کیا اتفاق ہو سکتا ہے۔ شمالی ہند کے تمام بہادر میدان پشاور میں جمع ہو گئے۔ عورتوں تک مسلمانوں کے برخلاف جوش میں بھر گئی تھیں بہادران راجپوت کا علاقہ یہی شمالی ہند تھا۔ اور یہی قوم اُس وقت ہندوستان میں بہادر ہند و شمار ہوتی تھی۔ طوائف الملوکی ضرور تھی مگر یورپ کیطرح غیر اقوام کے مقابلہ میں سب کی آواز ایک تھی۔ اور ضرورت کے وقت کسی ایک راجہ کے زیر علم لڑنے مرنے کو عار نہ جانتے تھے پس اس قسم کی طوائف الملوکی ہندو طاقت کے لئے نقصان رسان نہ تھے بلکہ یہ تمام راجگان مختلف جرنیل تھے جو اپنی اپنی فوجوں کا خود انتظام کرتے اور ہر قسم کے اخراجات کے خود کفیل ہوتے خاندانی روائتوں اور بزرگوں کی بہادرانہ ماموری کے برقرار رکھنے کے لئے اس جنگی امتحان مقابلہ میں بڑھ بڑھ کر کوششیں کرتے پھر یہ طوائف الملوکی باعث افتراق نہ تھی اور نہ اس سے سلطان محمود کو کچھ فائدہ پہنچا +

راجہ انند پال جسکو مؤلف تاریخ یمنی و فتوحات اسلامیہ میں راجہ ابرسن پال لکھا ہے راجگان کالنجر۔ گوالیار۔ قنوج۔ اوجین۔ دہلی وغیرہ کی فوجیں لیکر صحرائے پشاور میں مقابل ہوا مگر تاریخ یمنی صفحہ ۲۲۴ میں میدان جنگ شط الویہند لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ویہند سندھ سے مراد ہے یا سندھ کے کنارہ ویہند مشہور شہر اور قلعہ تھا جسکے نام سے دریا کو ویہند لکھا ہے جسطرح کہ آجکل قلعہ اٹک کے سبب سے دریائے سندھ کا نام اٹک ہی مشہور رہے۔ اور شہر جہلم کے سبب سے دریائے بہت دریائے جہلم کہتے ہیں +

تاریخ یمنی کی روایت کے مطابق سلطان محمود کنارہ ویہند پر پہنچ چکا تھا کہ انند پال سے مقابلہ ہوا۔ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو چونکہ شکست کے بعد سلطانی فوج نے جسکا عنان ریز تعاقب کیا اور کسی مورخ نے ہندو فوج کا دریائے سندھ میں ڈوبنا اور نقصان ہونا نہیں لکھا اس سے پایا جاتا ہے کہ اگر سلطان دریائے سندھ پر پہنچ چکا تھا تو ضرور دریائے سندھ سے اُتر کر علاقہ چھچھ و کیمبل پور کے میدان سطح میں یہ معرکہ ہوا تھا۔ جہاں سے آگے دریائے جہلم تک مفرورین کے لئے جان بچانے اور بھاگنے کے لئے کافی میدان تھا۔ اگر یہاں لڑائی نہیں ہوئی تو شط الویہند سے مراد اس دریائے سے ہے جسکو آجکل دریائے لنڈہ (کابل)

کہا جاتا ہے اور علاقہ ضلع پشاور کے حدود سے گذر کر دریائے سندھ میں گرتا ہے اُس کے کنارہ پر ہی ویہند آباد ہوگا جسپر سلطان نے دوسرا حملہ کیا اسی پشاور کے نواح میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جسکا صحیح صحیح تو مقام جنگ یقین نہیں ہوسکتا نوشہرہ سے آگے جہاں کا صاف میدان قابل جنگ ہے یہ معرکہ ہوگا۔ اور ہندو فوج جس کے پاس عبور دریا کے سامان موجود تھے بلانقصان دریا سے پار ہوگئی یا کوہستانی علاقہ ہزارہ۔ کوہاٹ وغیرہ میں منتشر ہوگئی جہاں ہندوؤں کے تعلقات قدیمی موجود تھے۔

میدان جنگ

جسقدر لڑائیاں ہندو مسلمانوں کی ہوئیں ان میں یہ معرکہ جو سوا جنگ دویم ترا وڑی سب پر فوقیت رکھتا ہے کیا باعتبار قومی جوش مذہبی حمیت کے اور کیا باعتبار کثرت فوج۔ سلطان محمود نے ہندو فوج کی کثرت کے خیال سے خلاف عادت حملہ کرنے میں توقف کیا اور راجہ انندپال خود دانستہ التوا کرتا رہا۔ تاکہ ہندو فوج سب جمع ہوسکے۔ چالیس روز تک روزمرہ ہندو فوج آآکر تعداد بڑھاتی رہی۔ سلطان نے کیمپ کے گرداگرد دو طرفہ جدھر سے حملہ کا احتمال تھا گڑھے خندق کھدوائے۔ تاکہ پرجوش ہندو بہادر حملہ نہ کرسکیں۔ اس تدبیر کو خوف و جبن پر دلالت نہیں کرسکتے۔ ہر ایک مدبر و مآل اندیش جرنیل کا فرض ہوتا ہے کہ ہر ایک ممکن الوقوع حادثہ کے انسداد کی تدبیر عمل میں لائے۔ سلطان سے یہ ضرور تساہل ہوا کہ فوراً جنگ شروع نہ کی مگر اس کی وجہ صرف خوف و دہشت نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ پھر بھی حملہ سلطان کیطرف سے شروع ہوا۔ اگر سلطان خوف زدہ ہوتا تو کبھی خود حملہ نہ کرتا خندق کا کھودنا اور کئی روز تک لڑائی شروع نہ کرنا سلطان کی جنگی مہارت کا نتیجہ تھا چنانچہ وہ اسی سے کامیاب ہوا۔ جبکہ خندق و مورچے تیار ہوچکے۔ اور اطراف لشکر کو ہندوؤں کے عام حملہ سے محفوظ کرلیا تو ایک ایک ہزار تیرانداز جوانوں کی پلٹنوں کو ہندو فوج کے مقابلہ کے لئے بھیجنا شروع کیا جو سپاہیانہ کرتب دکھاتے دشمن کو اسلامی مورچوں کی زد میں لئے آتے تھے۔ اور ہزاروں تیر اولوں کی طرح پڑتے اور ہندو حملہ آور ان کو ہلاک کرتے اور سلطان کی تدبیر خندق و مورچے سے نقصان اُٹھاتے لیکن باوجود اس احتیاطی جنگی تدبیر کے بقول فرشتہ تیس ہزار کفار سر و پا برہنہ خندق سے عبور کرآئے یہ لوگ کھوکھر تھے جنہوں نے شمشیر و خنجر سے تین چار ہزار مسلمانوں کا صفایا کردیا۔ اس پرجوش حملہ سے ہندوؤں کا مطلب یہ تھا کہ

یا سلطان مارا جائیگا یا بھاگ جائے گا۔ مگر بہادر سلطان ذرا نہ گھبرایا اور بہادران اسلام نے حملہ آوروں کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ لیکن حملہ آور ہندوؤں کا جوش دمبدم بڑھ رہا تھا اور قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو کہ شیر دل سلطان غلامانِ خاصہ کی فوج کے ساتھ شیر غراں کیطرح حملہ آور ہوا اور کھوکھروں کو مورچوں سے مار کر نکال دیا۔

بہادر راجہ انند پال اس حملہ میں شریک تھا کیونکہ مورخ کھوکھروں کے حملہ کے ساتھ ہی انند پال کے ہاتھی کے بھاگنے کا قصہ لکھتے ہیں کہ اتفاقاً تیر کے لگنے سے انند پال کا ہاتھی بھاگ گیا اور شکست ہنود کا باعث ہوا۔ اگرچہ راجہ انند پال کھوکھروں کے حملہ میں شریک نہ تھا اور اسلامی لشکر کھوکھروں کو خندق سے نکالنے کے بعد ہندوؤں کی عام فوج سے شمشیر بکف ہوا۔ اور بروایت تاریخ یمینی صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی اس سے بھی پایا جاتا ہے کہ لڑائی ضرور اسلامی مورچوں سے باہر دیر تک رہی ورنہ صبح سے شام تک سلطانی مورچوں کے اندر لڑائی رہتی تو چار ہزار کیا طرفین کے چار چند جوان مارے جاتے اور مسلمان ضرور شکست کھاتے صبح سے شام تک دست بدست لڑائی کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ پس صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ کھوکھروں نے معہ دیگر ہندوؤں کے حملہ کیا اور خندق عبور کر کے تین چار ہزار مسلمانوں کو قتل کیا اور خاص سلطانی حملہ سے پس پا کئے گئے۔ خندق سے باہر فریقین نے خوب داد مردانگی دی اور شام تک کسی فریق نے میدان نہ چھوڑا۔ اسلامی بہادروں نے مجموعی حملہ کیا اور اس میں راجہ انند پال کا ہاتھی بھاگ گیا ہنود اسوجہ سے اور نیز مسلمانوں کے سخت ثبات و استقلال اور مجموعی حملہ کی شدت سے بھاگ نکلے سلطان نے عبد اللہ طائی کو پانچہزار عربوں اور ارسلان جاذب کو دو ہزار ترکوں کے ساتھ تعاقب میں روانہ کیا جو بقول فرشتہ دو رات دن کے تعاقب میں ۸ ہزار ہندو مار کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعاقب ہندوؤں کو محض میدان جنگ سے منتشر کرنیکے لئے تھا ورنہ لاکھوں ہندوؤں کے تعاقب میں سات ہزار فوج کا روانہ کرنا اور صرف آٹھ ہزار کا مقتول ہونا اور ہندوؤں کا زیادہ قید کرنا باور نہیں کیا جا سکتا۔ سلطان نے جو کچھ کیا ایسی عظیم الشان فتح کے موقعہ پر یہی مناسب تھا۔

جبکہ میدان جنگ میں دشمن کا نام و نشان نہ رہا اور ہندو فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ تو سلطان راجہ انند پال کے تعاقب میں سوار ہوا۔ اور راجہ انند پال کے اثر و سراغ پر بھیم نگر (نگر کوٹ) پہنچا۔ گویا سلطان کے نگر کوٹ پہنچنے کا باعث خود راجہ انند پال ہوا نگر کوٹ

پہاڑ پر نہایت مضبوط قلعہ تھا۔ اور اپنی حصانت و استحکام اور دشوار گذار پہاڑی راستہ کے سبب ناقابل فتح شمار ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے انند پال نے نگر کوٹ کا ارادہ کیا تھا۔ علاوہ استحکام قلعہ کے مذہبی مکان تھا۔ اپنے عقیدہ کے مطابق نگر کوٹ کے بت سے استمداد کا خیال بھی ہوگا۔ مگر اولوالعزم سلطان نے پیچھا نہ چھوڑا اور انند پال کو نگر کوٹ امن نہ دے سکا۔ اور ہمالیہ کی دور دست علاقوں میں بھاگ گیا۔ مگر نگر کوٹ کی تباہی کا سامان مہیا کر گیا۔ قلعہ کی کوہستانی اونچائی سے اگرچہ تسخیر قلعہ ناممکن دکھائی دیتی تھی مگر جب بہادران اسلام کے حملات شروع ہوئے تو قلعہ والوں کے حوصلے ٹوٹ گئے اور امان لیکر قلعہ حوالہ سلطان کیا۔ سلطان چند معزز سرداروں سمیت قلعہ میں داخل ہوا۔ نہ کسی ہندو کو جان سے مارا اور نہ کسی کا مذہب بگاڑا اور نہ کوئی قید کیا گیا۔ البتہ حسب عادت بت توڑ دئے گئے اور مندر کا خزانہ جو کئی راجگان کا جمع کیا ہوا تھا اور جن پر سیہ۔ ان جنگ میں فتح پا چکا تھا اور بے حد و حساب تھا۔ اپنے تصرف میں کیا + ایک مکان تین گز لمبا اور پندرہ گز چوڑا صرف چاندی سے بھرا ہوا تھا اور بیس من جواہرات تھے باقی کروڑوں کا قیمتی اور نفیس مال و متاع اور سونے چاندی کے برتن اس کے علاوہ تھے۔ سلطان قلعہ نگر کوٹ معتبروں کے حوالہ کر کے غزنی چلا گیا +

لوٹ

نگر کوٹ کی لوٹ سے یہ افسوس ضرور ہوتا ہے کہ اسقدر دولت ہندوستان سے باہر چلی گئی۔ لیکن جب غور کیجاتی ہے کہ یہ دولت عظیم نہ غریبوں اور یتیموں کو ملتی تھی اور نہ کسی قومی کام میں آتی تھی۔ اور جبکہ خود اسی حملہ میں جبکہ تمام ہندو قوم جان و مال سے محمودی حملہ کے روکنے اور بھارت ماتا کو بچانے کے لئے کوشش کر رہی تھی۔ اور مزدوری پیشہ اور رانڈ عورتوں نے چرخہ کات کر اس قومی جنگ میں چندہ دیکر حب الوطنی کا ثبوت دیا تھا اسوقت بھی نگر کوٹ کے لالچی پجاریوں نے اپنے ثاروں نی خزانہ سے ایک کوڑی تک نہ دی اگر مندر کے خزانہ سے اخراجات جنگ ادا کئے جاتے تو غریب عورتوں تک سے چندہ لینے کی ضرورت نہ پڑتی اور خود مندر کا خزانہ ہی لڑائیوں کا کفیل ہو سکتا۔ مگر افسوس کہ ایسی مشترکہ قومی غرض کے کام بھی نہ آیا تو پھر ایسے خزانہ کو ہرگز ملکی یا قومی سرمایہ نہیں کہہ سکتے۔ صرف چند پجاریوں کی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کا ذریعہ تھا جب خود ہندو قوم ہندو مذہب کے کام نہ آسکا تو ایسے روپیہ ... باہر

چلے جانے پر کچھ افسوس نہیں ؎ زبہر نہادن چہ سنگ وچہ زر ۔ ان مندروں کی حالت
اسوقت کے مذہبی ہندو لیڈروں کے کیریکٹر پر روشنی ڈالتی ہے۔

قوم گھگڑ اور کھوکھر کی نسبت یورپین مورخوں کی غلطی

تاریخ ہند مروجہ مدارس پنجاب مصنفہ لیتھبرج صاحب معرکہ مذکورہ بالا میں سلطان محمود کی فوج پر حملہ کرنے والی قوم گھگڑ لکھتے ہیں جو درست نہیں۔ طبقات ناصری جو ایک قدیم تاریخ ہے اور حروف ٹائپ میں چھپی ہے۔ اس میں صاف لفظ کھوکھر لکھا ہے جو تاریخیں حروف ٹائپ میں نہیں لکھے گئے ان میں لفظ کھوکھر کو گھکر بغیر واؤ لکھا ہے۔ اسی سے انگریز مورخ نے کہکر کو گھگڑ تصور کر لیا ہے اور اس تصور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انگریزی عہد میں دریائے جہلم سے پار پہاڑ کے ساتھ ساتھ ضلع جہلم اور ہزارہ میں اکثر قوم گھگڑ آباد ہے اور انہیں موقعوں پر سلطان محمود اور محمد غوری کے مقابلہ ہوتے رہے ہے۔ اس سے انگریزی مورخوں کو قوم گھگڑ لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ مگر بے سند ہے۔ سلطنت غزنی کے بعد محمد غوری اور دیگر شاہان دہلی کا مقابلہ کھوکھروں سے ہوتا رہا اور بعض دفعہ لاہور پر بھی قابض ہی ہوتے رہے جسکا ذکر ہم آئندہ موقعہ موقعہ پر کریں گے

بہلول لودہی کیوقت میں راجہ جسرتھ اور شیخا کہوکھر مشہور سردار رہے۔ جنکا صدر مقام دریائے چناب کے کنارہ پر واقع تھا اور جو غالباً کری بہلول پور کے نام سے ضلع گجرات میں ایک بہت اونچا قدیمی کھنڈر دکھائی دیتا ہے۔ اور اب بھی یہ قوم کھوکھر چناب اور جہلم کے کنارہ کہیں کہیں ضلع جھنگ تک آباد خود مؤلف نے دیکھی ہے۔ علاوہ اس کے خود گھگڑ بھی سلطان محمود کے مقابلہ سے انکار کرتے ہیں۔ مجھ سے راجہ جہاں داد خاں مرحوم چیف آف گھگڑ نے بیان بالا کی تائید میں کہا تھا کہ گھگڑ لفظ کے کہر (کیانی نسل) سے بگڑا ہوا ہے اور قوم گھگڑ سلطان محمود کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے ہیں۔ بہرحال میرے نزدیک سلطان محمود کا مقابلہ کرنے والی کھوکھر قوم تھی نہ کہ گھگڑ اس قوم کی مفصل بحث تاریخ اصلیت اقوام ضلع گجرات میں کی ہے جو جناب کپتان ایلبٹ صاحب بہادر سابق ڈپٹی کمشنر گجرات کو دی تھی۔ جبکہ صاحب ممدوح تاریخ ضلع گجرات لکھ رہے تھے۔

دربار

سلطان نے غزنی واپس جاکر دربار عام کیا۔ چونکہ ایبک خاں شاہ ترکستان کا ایلچی

غزنی آیا ہوا تھا اُس کے دکھانے اور سلطنت غزنی کا رعب جمانے کے لئے جیسا کہ ہر ایک گورنمنٹ کیا کرتی ہے۔ بہت بڑا جشن کیا۔ فوج اور سامان جنگ کے علاوہ تمام شاہی خزانہ جمیں قلعہ نگرکوٹ کی غنیمت کا زیادہ مال تھا غزنی سے باہر میدان میں رکھا گیا۔ اور مستحقین غربا و مساکین امرا و کارکن عہدہ داروں کو خیرات۔ انعام۔ اکرام سے مالا مال کر دیا۔ اور اس نمایش شوکت و دولت سے ایلچی کو مرعوب کر دیا۔ اور اپنے جود وسخا شاہانہ کو خوب ظاہر کیا۔ شاہی عمارات کی تعمیر شروع ہوئی جس کی تقلید میں دیگر امرائے وغیرہ نے بھی قیمتی اور خوبصورت عمارتوں سے غزنی کو عروس ممالک بنا دیا اس سے سلطان محمود کی قدردانی اور شوق صنعت وحرفت اور شاہانہ الوالعزمی کا ثبوت ملتا ہے۔ کنجوسی کا الزام فضول ہے جس کی بحث ہم آگے کریں گے *

فتح غور

سنہ ۴۰۱ھ میں غور پر حملہ آور ہوا۔ غوریوں کو تاریخ یمینی اور فتوحات اسلامیہ عربی تاریخوں میں کافر لکھا ہے۔ اور بقول منہاج سراج غوری عہد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں ایمان لاچکے تھے اور ہارون رشید کے عہد میں غوری سردار شنسبٔ نامی مع ایک اور حریف کے بغداد دربار خلیفہ میں حاضر ہوا اور ہارون رشید کیطرف سے غور کا جائز حاکم مقرر ہوا۔ اسی شنسبٔ کی نسبت سے غوریوں کا خاندان شنسبی کہتے ہیں۔ سلطان محمود کے مدمقابل کا نام بھی محمد بن سوری لکھا ہے جو ایک اسلامی نام ہے۔ معلوم ہوتا ہے حکام غور کے خاندان میں اسلام رواج پاچکا تھا۔ لیکن غور کی عام رعایا بدستور کفر وشرک میں مبتلا تھی۔ چونکہ پہاڑی جنگجو قوم تھی اسلئے حکام غوری شنسبی گو مسلمان تھے۔ لیکن عام غوریوں پر اپنے مذہب کا اثر نہ ڈال سکے۔ ملکی اور قومی ضرورت کے باعث مسلمان حکام او مشرک رعایا میں اتحاد رہا۔ محمد بن سوری کی فوج میں زیادہ تر کفار غور تھے اور آس پاس کے اہل اسلام کے ستانے اور اسلامی قافلوں کے لوٹنے میں سب متفق رہے اسوجہ سے غوریوں کو کافر لکھا ہے۔ محمد بن سوری نے دس ہزار بہادروں سے صبح سے دوپہر تک سخت مقابلہ کیا۔ اور پہاڑی مورچوں کے سبب فوج غزنی کو سخت نقصان پہنچایا مگر آخر مدبر سلطان شکست کا نقشہ دکھا کر غوریوں کو مورچوں سے باہر نکال لایا اور پھر ایسا سخت حملہ کیا کہ بے شمار غوری مقتول ہوئے اور محمد بن سوری ماسور ہو گیا جو سیراجہ کے مر گیا۔ اور اس کے بیٹے کو حکومت غور دی گئی جسکا ذکر غوریوں کے حالات میں کیا جائیگا *

ملتان کا علاقہ غزنی میں شامل ہونا

ملتان کے ملحد حاکم ابو الفتح لودہی کو ۳۹۵ھ یا ۳۹۶ھ میں اجرائے احکام شرعیہ کا وعدہ لیکر بدستور حکومت ملتان پر قایم رکھا تھا مگر ابو الفتح اور اس کے متعلقین عقیدہ الحاد سے باز نہ آئے چونکہ ان لوگوں سے اور مسلمانوں کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ تھا اس لئے ۴۰۱ھ کے اخیر میں ملتان پہنچا اور ابو الفتح کو قید کر کے قلعہ غور میں محبوس کیا جو وہیں مرگیا۔ باقی ملحدوں کو تہ تیغ کر کے ملک کو پاک کر دیا۔ جسقدر سلطان نے ملحدین ملتان کو سخت دردناک سزائیں دیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے کسی ہندو مفتوح کو اختلاف مذہب کی وجہ سے نہیں دی گئیں +

فتح تھانیسر

فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان نے سُنا کہ تھانیسر ہندوؤں کی نزدیک ویسا ہی محترم و معظم ہے جیسا کہ اہل اسلام میں مکہ معظمہ۔ وہاں کے بت جگ سوم کو صفات اللہ سے موصوف یعنے خالق و رازق جانتے ہیں۔ اور آغاز عالم کے ساتھ ہی بت مذکور کا وجود مانتے ہیں اور اسی سے بت پرستی کو بنی آدم کا ابتدائی مذہب گردانتے ہیں۔ یہ عقیدہ کفر و شرک کے علاوہ بت پرستی کو جملہ مذاہب عالم پر ترجیح قدامت دیتا اور آدم صفی اللہ جیسے پیغمبر برگزیدہ کو بھی بت پرست بناتا ایسے عقیدہ باطل اور ضعیف الاعتقادی کا دفعیہ ہر ایک خدا پرست موحد کا فرض ہوتا ہے۔ زبان سے ہو سکے یا ہاتھ سے سلطان محمود کی خاموشی اسلام کی موحدانہ تعلیم کے نزدیک ہرگز مقبول نہ تھی۔ اسلئے ۴۰۲ھ میں روانہ ہندوستان ہوا۔ چونکہ راستہ میں لاہور کا علاقہ تھا جو راجہ انند پال کی ماتحت تھا اور انند پال سے سلطان کی صلح تھی اس لئے بقول فرشتہ راجہ انند پال کو بپاس عہد نامہ لکھا کہ فوج اسلام بت خانہ تھانیسر کے توڑنے کے لئے جاتی ہے تمھارا علاقہ راستہ میں ہے اپنے معتبر ساتھ کر دو تاکہ وہ تمھارے علاقہ کا نشان بتاتے رہیں۔ اور فوج سلطانی سے تمھاری رعیت کو کسی قسم کا آسیب نہ پہنچے۔ انند پال نے بقالوں اور تاجروں کو حکم دیا کہ ہر ایک پڑاؤ پر سامان رسد جمع رکھیں تاکہ فوج سلطانی کو تکلیف نہ ہو اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کی سرکردگی میں مہم تھانیسر میں شریک ہونے کے لئے سلطان کی خدمت

یں روانہ کی اور درخواست کی +

درخواست انندپال بخدمت سلطان محمود

میں آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں۔ وفور اخلاص و نیاز سے عرض پرداز ہوں کہ تھانیسر کا بت خانہ اس ملک کے باشندوں کا معبد ہے اگرچہ حضور کے مذہب میں بتوں کا توڑنا حصول حسنات اور رفع درجات کا باعث ہے۔ مگر یہ ثواب نگرکوٹ کی بت شکنی سے حاصل ہوچکا ہے اب التماس خاکسار ہے کہ رعایائے تھانیسر کو خراج گذار بنا کر واپس تشریف لیجاویں اس کے شکرانہ میں نیازمند خود پچاس ہاتھی ہر سال معہ تحف و ہدایہ حضور کی خدمت میں ارسال کیا کرے گا +

جواب سلطان محمود

مسلمانوں کے مذہب میں جسقدر وحدانیت کو رواج اور بت خانوں کو مسمار کیا جائے اسیقدر قیامت کے روز زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔ اور ہمارا دلی منشا یہ ہے کہ رسم بت پرستی ہندوستان سے زائل و دور کیجائے جو بتوں کے توڑنے کے سوا حاصل نہیں ہوتی اسی ارادہ سے ہم نے تھانیسر پر چڑھائی کی ہے۔ جس الٰہی کام سے ہم ہرگز باز نہیں رہ سکتے +

(نوٹ)

فرشتہ نے انندپال اور دیگر نے راجہ کا نام سروجیپال لکھا ہے کہ جس نے جگ سوم کے نہ توڑنے کے عوض میں پچاس ہاتھی دینے وغیرہ کا لالچ دیا لیکن شکست پشاور اور فتح نگرکوٹ میں انندپال کی قید یا موت کا کہیں ذکر نہیں آیا اور لاہور بھی ابتک فتح نہیں ہوا تھا غالب قیاس یہ ہے کہ انندپال نے اطاعت قبول کی اور سلطان نے بہ تقلید شریعت منظور کی تھانیسر کا راستہ لاہور کے علاقہ میں سے گذرتا تھا سلطان نے امداد رسد رسانی کیلئے انندپال کو لکھا جو شرایط عہدنامہ میں درج ہوگا۔ انندپال نے انتظام رسد رسانی کردیا اور دو ہزار سوار جو آجکل کے کنٹنجنٹ نوج ردسار کے مطابق تھی سلطان کے ساتھ کی اور جگ سوم کا توڑنا بھی نہیں چاہتا ہوگا اور سلطان کو لکھا بھی ہو۔ مگر تھانیسر کی نسبت وعدہ ادائے خراج

کسطرح کرسکتا تھا جبکہ تھانیسر اُس کے ماتحت ہی نہ تھا بلکہ بقول فرشتہ راجہ دہلی کے ماتحت تھا۔ پس سروجیپال جو دہلی یا تھانیسر کا راجہ تھا اُس نے خود بت خانہ تھانیسر کے نہ توڑنے کے عوض میں پچاس ہاتھی اور خراج دینا منظور کیا۔ اور خدا پرست سلطان نے بت فروشی کو منظور نہ کیا +

اس واقعہ سے ہماری اُس رائے کی تائید ہوتی ہے جو بت شکنی کی وجوہات میں لکھی ہے کہ سلطان بتوں کو توڑ کر بت پرستوں کے دلوں سے بتوں کی خدائی عظمت دور کرنی چاہتا تھا اور بتوں کیطرف سے بت پرستوں کے دل ہٹا کر اُن کو معبود حقیقی کی تلاش کی رغبت دلاتا تھا +

بت جگ سوم

بقول فرشتہ راجہ دہلی نے سلطان کے مقابلہ اور جگ سوم کو بچانے کے لئے ہندوؤں کو جوش دلایا۔ مگر قبل اس کے کہ ہندو کچھ ہاتھ پاؤں ہلا سکیں۔ سلطان محمود تھانیسر پہنچ گیا۔ جگ سوم کے سوا اور سینکڑوں بتوں کو توڑ کر بتخانہ تھانیسر کو مسمار کر دیا۔ جگ سوم کو غزنی لیجاکر پے سپر خلایق کیا۔ تھانیسر کی غنیمت مندر سے ایک یاقوت سرخ وزنی چار سو پچاس مثقال ملا تھا جو چمک دمک میں بے نظیر تھا۔ اور وزن وقیمت میں ثانی نہ رکھتا تھا۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان دہلی کی فتح کا ارادہ رکھتا تھا مگر امراء نے کہا کہ جب تک پنجاب پر کامل تسلط نہ ہو اور انند پال سے دلجمعی نہ ہو دہلی کی فتح مشکل ہے ضرور سلطان اس دفعہ واپس غزنی چلا گیا مگر آیندہ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رائے پر عمل نہیں کیا گیا اور لاہور کی فتح و تصرف سے پہلے قنوج۔ مہاون۔ متھرا وغیرہ کئی ایک شہر اور سلطنت فتح کی گئیں۔ اگر واقعی انندپال کا خیال ہوتا تو تھانیسر پر حملہ نہ کرتا۔ اور اُس کی درخواست منظور کیجاتی۔ سلطان جس ارادہ پر اسدفعہ آیا تھا وہ پورا ہو گیا اور گرمی کا موسم بھی شروع ہو گیا۔ غزنی کی فوج کو حسب عادت موسم گرما غزنی کے سرد علاقوں میں بسر کرنے اور تازہ دم ہونے کے لئے واپس لے گیا +

سلطان محمود اور خلیفہ کا بگاڑ اور صفائی

واپس جاکر سلطان نے ابونصر حاکم شاہ سار کو قید کیا جسکا قصہ اس کتاب کی غرض تالیف سے خارج ہے۔ ہاں خلیفہ بغداد کا معاملہ جو اسی سال ہوا اخلاقی قصہ کے خیال سے لکھا

جاتا ہے۔ بغداد کا عباسی خلیفہ القادر باللہ تھا خاندانی عظمت کی رو سے اور اس عقیدہ وخیال سے کہ خلیفۃ المسلمین صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اسلامی دنیا میں خلیفہ بغداد کو ہی یہ منصب حاصل تھا۔ گو آج کل کے گدی نشین پیرزادوں سے مشابہت رکھتا تھا مگر پھر بھی بعض ممالک خصوصاً ایشیاء میں اسی کی سند سے حکومت کا جواز تصور ہوتا تھا۔ بغداد سے باہر ہر ایک صوبہ میں جدا جدا حاکم مقرر تھا۔ خود القادر باللہ بہار الدولہ دیلمی کی مدد سے تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔ جس نے الطائع للہ کو خلافت سے معزول کیا تھا۔ مگر باوجود اسقدر کمزوری کے سکہ وخطبہ خلیفہ بغداد کا بغداد اور مشرقی ممالک میں جاری تھا۔ زبردست طاقتیں کمزوروں کو مغلوب کر کے قابض ملک ہو جاتیں اور پھر خلیفہ بغداد سے سند طلب کرتیں یا وہ خود لمبے چوڑے خطاب کے ساتھ بھیجدیتا۔ یہی حال القادر باللہ کا تھا۔ سلطان محمود کو جو اپنے باپ کا جائز جانشین ہوا تھا اور قوت بازو سے فتوحات ہندوستان کا دروازہ کھولا تھا۔ امین الملۃ ویمین الدولہ کا خطاب دیا۔ اور مشرقی ممالک کا سلطان تسلیم کیا۔ گو سلطان محمود کو ان باتوں کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر اس زمانہ کی مصلحت ملکی کے خیال سے ان عنایات کا سلطان محمود کیطرف سے شکریہ کے ساتھ خیر مقدم ہوتا رہا۔ خراسان کا کچھ علاقہ تو سلطان محمود نے خاندان بنی لیث سے چھین لیا تھا اور کچھ امرائے دیلمی کے قبضہ میں تھا جو خلیفہ بغداد کے جان ومال پر اختیار رکھتے تھے۔ سلطان محمود نے خلیفہ القادر باللہ سے باقی حصہ خراسان طلب کیا جو دیدیا گیا اب جو سمرقند کی سند حکومت طلب کی تو القادر باللہ نے انکار کیا اور لکھا کہ اگر سلطان بغیر ہماری اجازت کے سمرقند پر قبضہ کرے گا تو میں تمام اسلامی دنیا کو سلطان پر چڑھا لاؤنگا۔ سلطان محمود جو خلیفہ کی حیثیت وطاقت سے بخوبی واقف تھا بھڑک گیا اور خلیفہ کو لکھا کہ تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو۔ میں ایک ہزار ہاتھی لا کر بغداد کی خاک تک اٹھا کر غزنی لے آؤنگا خلیفہ نے اسکا جواب سربمہر دیا جب سلطان محمود نے کھولا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد صرف ا ل م لکھا تھا اور بعد میں الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علے رسولہ محمد وآلہ اجمعین درج تھا اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ سلطان اور تمام درباری حیران تھے مطلب سمجھ میں نہ آتا تھا آخر ابوبکر قہستانی نے عرض کی ا ل م سے اشارہ الم ترکیف فعل ربك باصحاب الفيل کیطرف ہے کہ اگر سلطان دار السلام بغداد کے لئے آتا ہے تو اس کا انجام وہی ہوگا جو ابرہہ اصحاب الفیل شاہ یمن دشمن مکہ کا ہوا تھا۔ سلطان یہ آیت سنتے ہی بیہوش ہوگیا اور جب ہوش میں آیا تو بغداد کے ایلچی سے معذرت کی اور قیمتی تحفے دیکر خلیفہ کی خدمت میں روانہ

کیا اور ابوبکر قہستانی کو قیمتی خلعت دے کر منصب امارت عطا کر کے قدر دانی علوم کا ثبوت دیا۔

نتیجہ

اس قصہ سے سلطان محمود کی قرانی عزت و عظمت کا ثبوت ملتا ہے کہ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ خلیفہ بغداد اس کا جنگی مقابلہ نہیں کر سکتا جو اس جوابی آیت کے مفہوم سے بھی ظاہر ہے۔ لیکن اصحاب فیل کی شاہت نے اس کے خدا پرست دل کو ایسا ہلا دیا کہ اس قہار و جبار کی سیاست نے جو عموماً مغروروں متکبروں کو اپنی حقیر مخلوق سے ہلاک کرا سکتی ہے۔ محمود جیسے صف شکن شیر شکار کو بیہوش کر دیا۔ اور ہوش آنے پر اپنی زبردست فوجی طاقت کے غرور و تکبر سے تائب ہوا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان خدا سے بہت ڈرنے والا اور انقلاب دوران کو مدنظر رکھنے والا قرآن مجید اور اس کی پاکیزہ تعلیم کے سامنے گردن جھکانے والا اور دل سے ماننے والا تھا ایسا پابند شرع سلطان کبھی ہندوؤں کو جبراً مسلمان نہ کر سکتا تھا۔ جبکہ اسلام باآواز دہل کہہ رہا ہے کہ "لا اکراہ فی الدین" یعنے اسلام میں جبر جائز نہیں تو پھر جبراً مسلمان کرنے سے عذاب عقبیٰ کو سلطان محمود جیسا فدائی اسلام کب خرید سکتا تھا۔

فتح قلعہ نندنہ

کوہ بالناتھ واقع ضلع جہلم جسکو آج کل ٹلہ کہتے ہیں وہاں اُن دنوں ایک مضبوط قلعہ تھا انند پال مر چکا تھا اس کا بیٹا سروجیپال یا ابرسمن پال باپ کی جگہ فرمانروائے تھا قلعہ مذکور جو غزنی کے راستہ میں تھا اس سے جنگی خطرات دن بدن بڑھ رہے تھے۔ انندپال بیٹے جو باپ سے کم جنگجو نہ تھا۔ قلعہ مذکور کے استحکام کے درپے تھا اس لئے سلطان نے قلعہ مذکور پر ۴۰۴ھ میں حملہ کیا۔ راجہ قلعہ معتبر بہادروں کے حوالہ کر کے آپ کوہستان کشمیر میں جو اُس کے قریب تھا چلا گیا۔ سلطان نے قلعہ بزور شمشیر فتح کیا اور پھر راجہ کے تعاقب میں کوہستان میں گھس گیا۔ راجہ کو ہاتھ نہ آیا جو دشوار گذار دروں میں بھاگ گیا۔ مگر باشندگان کشمیر اکثر مسلمان ہوئے۔

(نوٹ)

تمام تاریخ میں یہ ایک واقعہ ہے کہ مفتوحہ علاقہ کی رعایا کو سلطان نے مسلمان کیا۔

اور اسی کو جبریہ اسلام کہہ سکتے ہیں مگر غور و انصاف کا مقام ہے کہ کشمیر اور پنجاب وغیرہ حصہ بجات ہندوستان کی بود و باش اخلاق و اطوار جرات و حوصلہ پر غور کیجائے تو اس اسلام لانے کی اسباب معلوم ہو سکتے ہیں۔ پنجاب وغیرہ میں وہ ہندو قومیں آباد تھیں جو اخلاقی جرأت اور مذہبی سپرٹ رکھتی تھیں۔ وہ مذہب کو جان و مال سے عزیز جانتی تھیں جب سلطان محمود یا دیگر مسلمان حملہ وران نے حملہ کیا اور حسب اصول اسلام قبل از جنگ۔ اسلام۔ جزیہ۔ تلوار کا پیغام دیا گیا تو اگر ہندوؤں نے لڑائی کا موقعہ مناسب نہ دیکھا۔ یا ہندو طاقت کو کمزور پایا تو اطاعت قبول کی اور جزیہ دے کر پیچھا چھوڑایا اور ہندو مذہب کو نہ چھوڑا اور روپیہ مقررہ دیدیا۔ بعد فتح بھی ہندو قیدی قاعدہ ادائے فدیہ سے فائدہ اٹھاتے رہے حتّٰی کہ جیپال نے سلطان محمود سے اسی اسلام کے رحیمانہ قانون کی بدولت رہائی پائی تھی۔ مگر باشندگان کشمیر پنجاب وغیرہ کے ہندوؤں کی نسبت زیادہ زرپرست تھے۔ جب اُن کو دعوت اسلام دی گئی تو چونکہ نہ جزیہ کا روپیہ دینا چاہتے تھے اور نہ راجپوتوں وغیرہ ہندوؤں کی طرح لڑکر میدان میں جان دینا پسند کرتے تھے اس لئے اسلام کو قبول کیا گیا اور حسب روایت مورخین دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس میں سلطان محمود کے جبر و اکراہ کو کچھ دخل نہیں ہے عقلمند باشندگان کشمیر نے قواعد اسلام سے فائدہ اٹھایا۔ یہ اعتراض کہ جزیہ اور لڑائی کا خوف نہ ہوتا تو شاید اسلام نہ لاتے یہ بحث مذہب اسلام کے اصول کی فلسفی کی بابت ہے۔ جسپر ہم سوانح عمری خالد بن ولید میں بحث کر چکے ہیں جسکو شوق ہو اسکو پڑھے۔ یہ واقعہ اسلام باشندگان کوہستان کشمیر تمام مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کسی نے اخفا نہیں کیا اگر کسے اور حملہ میں بھی سلطان کے ہاتھ سے ہندو جبراً مسلمان ہوتے تو مسلمان مورخ ضرور بیان کرتے مگر سلطان محمود کی تاریخ جو عربی و فارسی میں بیسیوں مورخوں نے لکھی ہے کسی نے بھی ہندوؤں کا مسلمان ہونا سوائے کوہستان کشمیر کے اور کسی جگہ نہیں لکھا اس لئے یہ محض بہتان ہے کہ سلطان محمود بالکل راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا۔

کشمیر پر حملہ

سنہ ۴۰۶ھ میں کشمیر پر حملہ کیا۔ بعض مورخوں نے اسکو دوسرا حملہ کشمیر لکھا ہے۔ لیکن پہلا حملہ کشمیر پر نہیں ہوا تھا۔ راجہ سروجیپال کے تعاقب میں کوہستان کشمیر میں جانا پڑا۔ اور نہ راجہ

ہاتھ آیا۔ اور نہ کشمیر کے کوہستانی قلعہ قبضہ میں آسکے۔ چونکہ راجہ انندپال اور اُس کے بیٹے
کو کشمیر کے مستحکم اور دشوار گزار پہاڑی مقامات اور قلعوں نے ہی بچایا تھا اسلئے سلطان نے
قلعجات کشمیر پر مستقل قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ قلعہ لوہ کوٹ جو رفعت و حصانت میں نہایت
مشہور تھا محاصرہ کیا مگر کوہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں اور گہری اور عمیق غاروں نے سلطان کی کوئی
تدبیر کارگر نہ ہونے دی۔ چند ماہ کے محاصرہ کے بعد برف باری شروع ہوگئی اور کشمیر کی شدت
سرما نے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور سلطان واپسی پر مجبور ہوا۔ راستہ بھول کر ایسی جگہ جا پڑا کہ
پانی سے راستہ مسدود تھا۔ فوج کے بہت سے لوگ غرقاب اور ہلاک ہوئے۔ اور یہ پہلا
صدمہ تھا جو حملات ہندوستان میں فوج سلطانی کو برداشت کرنا پڑا۔

حملہ قنوج

فتح متھرا حملہ قنوج کے وقت ہوئی بعض فتح قنوج سے پہلے اور بعض فتح قنوج سے
پیچھے لکھتے ہیں مگر واقعات اور نتائج یکساں ہیں اس لئے ہم اس تقدم و تاخر کی فضول بحث
کو چھوڑ کر اصل واقعہ کو لکھتے ہیں۔ میرے خیال میں جب سلطان محمود نے فتح قنوج کے لئے اسقدر
سامان کثیر جمع کیا اور کمال حزم و احتیاط سے ایسا راستہ اختیار کیا کہ جس میں اخفائے فوج کشی کا
زیادہ احتمال تھا اور فوجی موانع بھی کم تھے اور یہ تمام احتیاطیں تدابیر قنوج کے مشہور عظیم الشان
صدر مقام کے قومی اور جنگی عظمت کے لحاظ سے کی گئی تھیں ایسی حالت میں سلطان کا قبل
از فتح قنوج یا کسی اور مہم میں ہاتھ ڈالنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ تسخیر قنوج کے بعد متھرا
کی غارت در فتح جو قنوج کے راستہ سے ایک طرف تھا ممکنات سے ہے۔ ہاں خواہ وہ براہ
انبالہ گیا یا اُس سے اوپر بجنور کو نکل گیا ہر صورت میں (برن) مراد آباد کے راجہ سے مقابلہ ممکن
ہے۔ پنجاب کے مشہور مقامات قلعہ جات فتح ہوچکے تھے۔ بت و بتخانہ ٹوٹ چکے تھے۔ اب قنوج
اپنی قدامت و عظمت کے روایات کے لحاظ سے سلطان محمود کی ٹکر کا شمالی ہند میں رہ گیا تھا۔
راجہ قنوج عموماً ہندوستان میں مہاراجہ ادھراج (شاہنشاہ) تسلیم کیا جاچکا تھا۔ شمالی ہند میں راٹھور
راجپوتوں کا دارالسلطنت اور دولت و شوکت میں ہندوستان بھر میں مشہور تھا۔ باعتبار علم و فضل
ہندو مذہب کا مرکز تھا۔ سلطان محمود جیسے کشورکشا کی نگاہ قنوج پر تھی۔ ایک لاکھ بیس ہزار
رجن میں مجاہدین [illegible] بیس ہزار سوار تھے یہ لوگ علاقہ ماوراءالنہر کے رہنے والے

محض حصول ثواب کے لئے شامل جہاد ہوئے تھے۔ سلطان نے خیال کیا کہ اگر پنجاب کے متعارف راستوں سے چلوں تو ممکن ہے کہ ہندو جوش قنوج کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑا ہو اور پنجاب کے دریاؤں سے عبور کرنے میں زیادہ وقت لگے اور زیادہ دقت پیدا ہو اور قیام ہندوستان کا موسم ایام سرما قنوج پہنچنے سے پہلے ہی گذر جائے اور اسلامی فوج ناکامی کا داغ لے کر واپس جائے۔ اس لئے مدبر اولوالعزم سلطان نے فوج کو پنجاب کے دریاؤں کے ایسے مقامات سے عبور کرایا کہ جہاں دریا کا پاٹ بہت کم چوڑا تھا اور وہاں پل کا باندھنا یا بذریعہ کشتی عبور کرنا زیادہ آسان تھا اور کسی مخالف کے روکنے کا اندیشہ نہ تھا۔ عام مورخین نے موقعہ عبور دریاؤں کا منبع لکھا ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتا پنجاب کے جملہ دریاؤں کا منبع کوہستان ہمالہ ہے وہاں جانا اور عبور کرنا محال اور بعض جگہ پہنچنا بھی مشکل تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علاقہ کشمیر و جموں و چمبہ کے پہاڑی مقامات میں سے جہاں سے پنجاب کے دریا پہاڑ سے میدان پنجاب میں گرتے ہیں اور وہاں عرض بھی کم ہے سلطان نے عبور کیا ہوگا اور اسی جگہ کو منبع قرار دیا گیا ہے۔ اس راستہ کا راہبر راجہ کشمیر تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ علاقہ راجہ کشمیر یا اُن پہاڑی راجاؤں کا تھا جو راجہ کشمیر کے متعلق یا کم سے کم راجہ پنجاب وغیرہ سے علیحدہ تھے۔ بہر حال سلطان اس دفعہ خاص پنجاب میں سے نہیں گذرا۔ کوہستان ہمالیہ یا اُس کے دامن کوہ وردن سے اسقدر فوج کثیر کا معہ ساز و سامان گذرنا اور اُن پہاڑی مقامات میں رسد رسانی کا انتظام کرنا سلطان محمود کی کمال جنگی لیاقت کو ثابت کرتا ہے۔ سہارنپور سے گزر کر آگے میروت راجہ برن (مراد آباد) کا علاقہ تھا۔ اُس کو قنوج کی فتح سے پہلے یا پیچھے فتح کیا اور یہاں کا راجہ خود سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بطوع و رغبت معہ فوج اسلام لایا۔ اور بقول فرشتہ بھاگ گیا اور باشندوں نے دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ نقد اور تیس زنجیر فیل پیش کش دیکر امان حاصل کی +

راجہ گل چند کا معرکہ

برن سے چلکر قلعہ مہابن پہنچا یہاں کا راجہ گل چند بہادر اور فوج جرار رکھتا تھا۔ ایک گھنے جنگل میں فوج لے کر گھس گیا۔ مگر سلطان نے پیچھا نہ چھوڑا جنگل میں فریقین میں کئی لڑائیاں ہوئیں جب میں ہندوؤں کو شکست ہوئی آخر راجہ نے مایوس ہو کر خود کشی سے جان کھو دی اور قلعہ پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ اس لڑائی میں پچاس ہزار ہندو ہلاک ہوئے۔ بیشمار مال غنیمت ہاتھ

لگا۔ برن اور مہابن کا واقعہ قنوج سے واپسی کے وقت زیادہ قرین قیاس ہے جیسا کہ فرشتہ نے لکھا ہے ؏

قنوج

بقول مورخین قنوج کی فصیل پندرہ کوس تھی۔ تیس ہزار تنبولیوں کی دکانیں تھیں راجہ کے پاس پانچ لاکھ پیادہ تیس ہزار سوار تھے اسی ہزار زرہ پوش تھی۔ قنوج کی قدامت سلطنت پر خیال کرنے سے یہ تعداد کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ راجپوت عموماً سپاہی تھے اور سلطنت کے حصہ دار وہ بھی اس تعداد کے لگ بھگ ہونگے قدیم دستور کے موافق راجپوتوں کے علاوہ عام ہندو جنگی مذاق ہی نہ رکھتے تھے بلکہ مسلح شمشیر زن ملک و قوم کے بچانے والے تھے۔ پس ہر طرح اسقدر فوج قنوج کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ راجہ قنوج جسکا نام کورہ یا کنور تھا سلطان کے مقابلہ کی کافی طاقت رکھتا تھا مگر مسلمانوں کی تین سو سال کی مظفرانہ دھاک اور خود سلطان محمود کی شجاعانہ فتوحات خصوصاً فتح جنگ پشاور نے جہیں ہند و ؤں نے مجموعی طاقت اور کمال مذہبی جوش و اتفاق سے مقابلہ کیا تھا ہندوؤں کے دلوں میں محمودی رعب جما دیا تھا اسی رعب میں راجہ قنوج آگیا۔ قنوج کے سات حفاظتی قلعہ جب سلطان نے بزور شمشیر فتح کر لئے اور قنوج پہنچ گیا تو راجہ کورہ نے مآل کار پر خیال کر کے معہ اہل و عیال قلعہ سے نکل کر سلطان کی تدبیری حاصل کی راجہ نے قتل نفوس سے کنارہ کیا اور اطاعت مان لی سلطان نے خوش ہو کر قنوج کو کوئی نقصان نہ پہنچایا اور راجہ کو بدستور سابق گدی پر بٹھا کر واپس ہوا تین روز قنوج رہا اور قنوج کو کوئی صدمہ نہ پہنچا

رفع اختلاف رائے

راجہ قنوج کا خود بخود مطیع ہونا اور جنگ و جدل نہ کرنا اور صلح کا ہونا سب مورخ تسلیم کرتے ہیں۔ اطاعت کی صورت میں کوئی گورنمنٹ مفتوحہ شہر کو نقصان نہیں پہنچاتی۔ سلطان محمود جو پابند اسلام تھا ہمیشہ بہ تعمیل احکام شریعت اسلام۔ اطاعت تلوار کے پیغام دیتا تھا۔ اطاعت کی صورت میں قتل و غارت حرام ہے۔ سلطان محمود اور راجہ قنوج کا اتحادی تعلق تھا وہاں غارتگری کا بالکل نہ امکان نہ تھا لیکن پروفیسر دہلوی اپنی تاریخ جلد اول صفحہ ۱۱۶

سطر ۲۱ میں لکھتا ہے "بیشمار قیدی اور غنیمت سلطان کے ہاتھ لگی"
صلح و اطاعت کی حالت میں قید و غارت مذموم خلاف شرع الزام ہیں۔ ہاں سات حفاظتی قلعوں کی تاراج ممکن ہے۔ اس صورت میں بھی خاص شہر قنوج کا تاخت و تاراج سے محفوظ رہنا سلطان محمود کی سیر چشمی کی دلیل ہے اگر وہ طامع و حریص ہوتا اور بقول معترضین اُس کے حملات ہند کی غرض دولت سمیٹنا ہی ہوتی تو قنوج سے بہتر اسکو اور کوئی موقعہ نہ مل سکتا تھا۔ شمالی ہندوستان کے اس دولتمند شہر کو لوٹ کر وہ اپنی آتش حرص کچھ بجھا سکتا تھا۔ جس کے لئے وہ اس خاص اہتمام و انتظام سے راستہ کی کٹھن مشکلات اوٹھاتا اور تمام احتیاطی تدابیر کرتا ہوا پہنچا تھا۔ مگر قنوج کو نہ لوٹنا اور راجہ سے مہربانی سے پیش آنا اور تاج بخشی کرنا اور آئندہ وعدہ امداد دینا سلطان کی جبلی لطف و کرم رحم و حلم جود و سخاوت اور نیک دلی کو ثابت کرتا ہے۔ غاصب و ظالم لالچی ایسے کام نہیں کرتے۔ سلطان محمود نے جو سلوک راجہ قنوج سے کیا اُس سے وہ اولو العزم نیک دل سلطان ثابت ہوتا ہے

فتح قلعہ منج دسے و آسی

قنوج سے سلطان قلعہ منج دسے (مجھاؤں) متصلہ کانپور گیا وہاں سے قنوجی برہمنوں کی طاقت زائل کرتا ہوا آسی یا اسونی کو گیا یہاں کا راجہ چنڈیل مشہور بہادر تھا۔ قلعہ کے گرد گھنا جنگل تھا اور جنگل میں سانپ بکثرت تھے۔ قلعہ کے گرد گہری خندق تھی مگر سلطان ان تمام مشکلات پر غالب آگیا۔ راجہ بھاگ گیا۔ سلطان نے قلعہ سرنگیں لگا کر اڑا دیا۔ اور قلعہ کے باشندے وہیں دب کر رہ گئے۔

راجہ چندر رائے

قلعہ آسی یا اسونی سے چل کر قلعہ شروا میں پہنچا۔ یہاں کا راجہ چندر رائے مقابلہ پر آمادہ تھا مگر ایک اور راجہ کے مشورہ سے جنگل میں گھس گیا۔ سلطانی فوج نے تعاقب کیا اور جنگلی اور پہاڑی کانٹوں سے تکلیف اُٹھائی یہ موقعہ غالباً بندھیل کھنڈ کے پہاڑوں میں تھا۔ راجہ گرفتار ہوا اور بیشمار مال و دولت ہاتھ لگی۔ اس راجہ کے پاس ایک ہاتھی تھا جس کی سلطان بہت

بڑی قیمت دیتا تھا وہ لڑائی سے پہلے خودبخود سلطان کے پاس چلا آیا۔ اُسکا نام خداداد رکھا اِس واقعہ کو فرشتہ وغیرہ نے فتح متھرا کے بعد لکھا ہے اصل بات یہ ہے کہ واقعات کے تقدم وتاخر کی صحت و غلطی عموماً تاریخوں میں پائی جاتی ہے۔ اِس غلطی سے بچنا ممکن نہیں ہے +

متھرا

متھرا سری کرشن کا مولد ہونے کے سبب ہندوؤں میں مقدس اور متبرک خیال کیا جاتا تھا اور کئی ہزار سال سے ہندوؤں کا معبد تھا جسقدر کہ سری کرشن کو دیگر اوتاروں میں عظمت حاصل ہے اُسیقدر متھرا کو عزت حاصل تھی۔ ہندو راجاؤں کے گو باہم جنگ ہوتی رہے مگر متھرا کی شوکت بڑھتی رہی۔ سلطان محمود متھرا کی خوبصورت اور عالیشان عمارتوں کو دیکھ کر دنگ رہ گیا شہر کی فصیل پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ اُس کے جو دروازہ جمنا کی طرف بنے ہوئے تھے وہ اسقدر مضبوط تھے کہ اُن کو جمنا سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکتا تھا۔ دونوں طرف شہر کے ہزار قصر تھے یہ عمارتیں گچ کی بنی ہوئی تھیں جن میں بُت رکھے تھے سب سے عظیم الشان مندر شہر کے بیچ میں تھا۔ سونے کے پانچ بت ہوا میں لٹک رہے تھے ایک کی آنکھوں میں یاقوت جڑے تھے ہر ایک یاقوت کی قیمت پچاس ہزار دینار سے کم نہ تھی ایک بُت کی آنکھیں صاف چمکدار یاقوت ازرق کی تھیں اُس کا وزن ساڑھے چار سو مثقال کا تھا ایک بُت کے دو پاؤں سونے کے وزنی چار ہزار چار سو مثقال سے تھے۔ اِن بتوں میں کل سونا وزن میں اٹھانوے ہزار تین سو مثقال تھا چاندی کے بُت تعدادی دو سو تھے۔ جن کی چاندی سو اونٹ کا بوجھ تھی۔ بقول بعض سلطان نے اِن بتوں کو آگ لگادی جس کے ساتھ ہی مندر بھی جل گئے۔ بتوں کا توڑنا اور جلانا عام نگاہوں میں یکساں ہے۔ لیکن سلطان نے اس دفعہ عقیدۂ اسلام کے مطابق کہ "بُت آگ میں ڈالے جائیں گے" ثابت کر کے ہندوؤں کی نظروں میں اُن کے معبودوں کی بیکسی دکھلادی بتوں سے جو سلوک سلطان نے کیا عموماً اِس خیال سے کیا کہ ہندو معبود حقیقی کیطرف توجہ کریں اور شرک بُت پرستی سے ہٹیں +

سلطان نے متھرا کی مندر کی تعمیر کا اندازہ ایک لاکھ دینار لگایا تھا۔ متھرا کے نواح میں سات قلعے تھے جو بقول فرشتہ راجہ دہلی کے تابع تھے اُن کو مفتوح کیا گیا۔ مگر نہ تو راجہ دہلی کہیں میدان

میں نکلا ورنہ سلطان نے دہلی کو فتح کیا اس سے پایا جاتا ہے کہ اگر دہلی اسوقت عظیم الشان یا کم سے کم دولت مند سلطنت ہوتی تو محمودی فتوحات کی فہرست سے خارج نہ رہتی۔ اسی حملہ یا کسی بعد کے حملہ میں تسخیر کیجاتی۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ دہلی سلطان محمود کے عہد میں کوئی قابل توجہ راجدھانی نہ تھی اس حملہ کا مال غنیمت ایک لاکھ دینار کروڑوں درم پچاس ہزار قیدی ساڑھے تین سو ہاتھی اور دیگر نفائس تھیں۔ یہ قیدی اسیران جنگ تھے۔ جو برن۔ مہابن۔ علاقہ قنوج منجھ آسی۔ شروا۔ قلعجات نواح متھرا سے سلح فوجی اشخاص گرفتار ہوئے تھے۔ ایسے سپاہیوں کی گرفتاری جنگی قانون کے موافق درست تھی اور اسقدر طویل سفر اور اسقدر امصار و قلاع کی افواج پر خیال کرنے سے قیدیوں کی یہ تعداد زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ عام ہندو۔ زراعت۔ صنعت تجارت پیشہ بھی اگر قید کئے جاتے تو کروڑوں تک نوبت پہنچتی۔ جن کی گرفتاری میں کوئی مشکل نہ تھی مگر عام رعایا کو ہرگز نہیں ستایا گیا۔ صرف وہ لوگ جو لڑائی سے پیش آئے اور اخیر دم تک لڑتے رہے اور اطاعت پذیر نہ ہوئے وہی لوگ قید کئے گئے۔ جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے لکھا ہے

جامع مسجد غزنی اور اسلامی کالج

متھرا کی عمارتوں نے سلطان کے دل پر شوق عمارت کا نقش کر دیا اور سلطانی یادگار کیلئے ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جس میں سنگ مرمر اور سنگ رخام کے مثمن۔ مسدس۔ مدور۔ مربع طرز کے پتھر کاٹ کر لگائے گئے تھے۔ نقش و نگار اور راستواری و نقاشی کو دیکھنے والے محو حیرت ہوتے تھے۔ فرش فروش قندیل و شمع دیگر سامان زیبائش و آرایش اعلےٰ پیمانہ پر مہیا کیا گیا تھا۔ یہ جامع مسجد ایشیا میں بے نظیر تھی۔ دمشق کی جامع مسجد بنا کردہ خلیفہ ولید اور بغداد کی جامع عباسیہ پر بھی اگرچہ رقم کثیر لگی تھی۔ لیکن مسجد محمودی سب سے بڑھ گئی۔ اور سیاحوں نے اُس کا نام عروس الفلاک رکھا۔

مسجد کے پاس ہی ایک اعلےٰ درجہ کا مدرسہ تعمیر کیا علوم معقول و منقول کی اعلےٰ تعلیم ہوتی تھی چیدہ اور مشہور مدرس درس دیتے تھے اور بیش بہا تنخواہیں پاتے تھے۔ طالب علم مفت بلا فیس تعلیم پاتے تھے اور مسافر طلبہ کو خوراک اور سامان کتب دیا جاتا تعلیمی شوق بڑھایا جاتا۔ اس کالج کے متعلق ایک بڑا کتب خانہ (لائبریری) تھی جس میں نفیس و نادر و کمیاب کتابیں دور دراز سے بصرف کثیر منگوا کر رکھی گئیں۔ طلبہ اور دیگر شائقین علوم کے لئے سہولتیں

پیدا کی گئیں۔ سلطان کی توجہ علمی کو دیکھ کر شاہزادوں۔ امیروں نے بھی مذہبی علمی عمارات اور سنگین
مکانات رفیع الشان بنا کر غزنی کو عروس ممالک بنا دیا۔ سلطان نے کالج کے مصارف کے لئے بہت بڑا
علاقہ بطور معافی دوامی کالج کے نام وقف کر دیا۔ جس سے اخراجات مدرسہ آسانی سے
چلتے تھے ۔

اسلامی اوقاف

ہندوستان میں جسقدر معافیات مساجد و خوانق وغیرہ کے نام ہیں اور جن پر متولی و
مجاورین قبضہ دوامی کے رو سے واحد مالک بن کر رہن بیع کرتے اور اپنی جائداد تصور کرتے
ہیں وہ تمام معافیات موہوبہ شاہان ہندوستان بغرض تعلیم علوم ظاہری و باطنی و آبادی مسجد و
خانقاہ بصیغہ وقف دی گئی تھیں مگر افسوس کہ یہ کروڑوں کی جائداد اب ابتدائی متولیوں یا علماء
ومشائخ کے ناخلف جانشینوں کی ملکیت قرار دی گئی یہ غلطی غیر ملک کے حکام وقت کی ناواقفیت
رسم ملک و مذہب کے رو سے واقع ہوئی ہے وہ قیمتی جائداد جو شریعت و طریقت کی اشاعت اور علوم و
فنون کی حمایت کے لئے وقف کی گئی تھی اب مفتخواری و زناکاری میں برباد ہو کر مخالفان اسلام
کے ہاتھ چلی گئی۔ مسلمانوں کی غفلت اور حکام کی غلطی سے اُن لوگوں کے نام ملکیت لکھی گئی اور
جس غرض کے لئے سلاطین و امرا نے وقف و ہبہ کیا تھا وہ غرض ہرگز پوری نہیں ہوتی گورنمنٹ
انگریزی جو نہایت ہی محتاط ہے اسکو مذہبی دست اندازی خیال کر کے ایسی اوقاف کیجانب توجہ
نہیں فرماتے۔ حالانکہ سلاطین اسلام کا جانشین ہونے کی حیثیت سے عطیہ سلاطین میں اگر وہ
جائز طور سے خرچ نہیں کیجاتی دست اندازی کرنے کی مجاز ہے جبکہ چند سال سے خود تعلیم یافتہ
مسلمان اس ضرورت کو محسوس کر کے ان اسلامی اوقاف کے انتظام مصارف جائزہ کے لئے
گورنمنٹ کو توجہ دلا رہے ہیں۔ اندراج کاغذات مال یا قبضہ کے شرائط عہد انگریزی سے شروع
ہوتی ہیں۔ ابتدائی شاہی کاغذات جن کے ذریعہ سے معافی دی گئی ملاحظہ کئے جاویں اور اُن
شرائط مندرجہ معافیات کا پابند کرایا جاوے۔ جب انگریزی گورنمنٹ قدیمی شاہی عمارات کی سرپرستی
کرتی ہے تو اُن شاہان و شاہی امرا کی علمی عطیات کی نگرانی بھی اسکا فرض ہے۔ وہ زمانہ گیا جب
ایسی تحریکوں کو مذہبی دست اندازی خیال کیا جاتا تھا اب مسلمانوں کو علمی ضرورتوں نے مجبور کیا
ہے اور ایسے غاصب لوگوں کے ساتھ اُن کو کوئی ہمدردی نہیں۔ بلکہ اگر گورنمنٹ عالیہ ان

اسلامی اوقاف کو ابتدائی وقف کنندہ کی منشائے کے مطابق خرچ کرانے کا انتظام کرائے تو اسلامی تاریخ میں انگریزی گورنمنٹ کا نام ہمیشہ سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا اور مورخین اسلام اس جائز انتظام کو خاص عطیہ گورنمنٹ انگریزی لکھا کریں گے۔ اور مسلمانوں کو اس جائز رعایت سے گروید احسان بنالیا جائے گا+

عجیب تحفہ اور ہندوستانی صنعت

قنوج سے واپس ہو کر خلیفہ بغداد کو فتحنامہ معہ تحائف قیمتی روانہ کیا گیا اور بغداد میں اِس فتح کی خوشی میں ایک بھاری جشن منعقد ہوا۔ تحائف میں ایک جانور قمری کی شکل کا تھا اُس کا خاصہ تھا کہ جس وقت طعام زہر آلود اُس کے سامنے مجلس سلطانی میں لایا جاتا وہ مرغ بیقرار ہو جاتا اور اُس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہوتے۔ یہ جانور غالباً ہندوستان کے کاریگروں کی ذکاوت وصنعت کا نتیجہ تھا۔ خواص ادویہ کی کمال مہارت سے یہ لیاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ ہندو طبیبوں نے ایسی اشیاء معلوم کیں کہ جو زہر کے سامنے پانی کی طرح بہنے لگتی وہ شئے از قسم نباتات تھی یا معدنیات۔ اُس جانور کی آنکھوں میں لگادی گئی اور یہ بھی کسی چیز کا خاصہ تھا کہ زہر کے سامنے جانور میں حرکت پیدا ہو جاتی اور مضطرب دکھائی دیتا۔ وہ چیز جانور میں مناسب جگہ رکھی گئی ہو گی ایسی اشیاء کی دریافت اور اُن کے خواص سے کام لینا اور ایک ایسا آلہ تیار کرنا ہندوں کے اعلےٰ درجہ کی طبی اور سائینٹفیکٹ اور صناعی لیاقت کو ثابت کرتا ہے۔ دوسرا تحفہ ایک پتھر تھا جس کو گھس کر لگانے سے ہر ایک قسم کا زخم اچھا ہو جاتا تھا۔ یہ ایک قدرتی چیز تھی جو کسی جگہ کو مل گئی جس سے پایا جاتا ہے۔ کہ ہندوستان میں نادر اشیاء موجود تھیں۔ اگر واقعی ہر ایک قسم کے زخم کو فائدہ بخش تھا تو بھی ہندوستان کو اس قدرتی تحفہ پر کمال فخر ہو سکتا ہے +

اعتراف فتوحات

چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی فتوحات کے بعد اشی پیمانہ اور طریق کی اسلامی فتوحات صرف سلطان محمود غازی نے ہندوستان میں کیں اور محض رضاء الٰہی وحصول خوشنودی رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کفر وشرک کے مٹانے کے لئے عموماً ہر سال ہندوستان پر حملات کرتا رہا اور شعائر اسلام کو رواج دیتا رہا۔ مساجد وخانقاہوں کی تعمیر اور علماء ومشائخ

نے منظور نہ کیا اور حاجیوں پر حملہ کیا۔ حاجیوں میں عموماً وہ لوگ تھے جن کی شمشیر بُرّاں کئی معرکوں میں مخالفین اسلام کے سر کاٹ چکی تھی۔ سلطانی تیر انداز جو بطور محافظ تھے وہ علاوہ تھے ایسے بہادر لڑائی سے کب گھبراتے تھے لڑائی شروع ہوئی اور سلطان کے ایک ترک غلام نے جو مشہور نشانہ باز تھا ڈاکوؤں کے سردار کو ایک ایسا تیر جوڑ کر لگایا کہ زین اسپ سے نیچے گرا باقی ڈاکو بھاگ گئے اور یہ قافلہ بخیریت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پہنچکر مناسک حج بجالایا اور سلطانی رکب عرب میں جاکر واپس ہوا ✦

حملہ کالنجر

راجہ قنوج نے سلطان کی اطاعت منظور کی تھی۔ اور عام مورخین لکھتے ہیں کہ اس وجہ سے نندا راجہ کالنجر نے بمعیت دیگر راجگان راجہ قنوج سے لڑائی کر کے اسکو قتل کیا اور سلطان بغرض انتقام کالنجر پر حملہ آور ہوا۔ راجہ کالنجر اور قنوج کی وجہ عداوت صرف اطاعت سلطان قرار نہیں دیجا سکتی۔ اطاعت بلا جنگ کئی راجاؤں نے کی اور بعض خود بخود اسلام بھی لاے تھے مگر صرف اطاعت کے جرم میں ہندوؤں میں معتوب نہیں ہوئے اور نہ کوئی راجہ قنوج کیطرح مارا گیا۔ اس لئے قنوج اور کالنجر کے راجاؤں کی عداوت کیوجہ شاید یہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود اور راجہ قنوج کے عہدنامہ میں کوئی ایسی شرط تحریری یا تقریری تھی۔ کہ سلطان محمود نے وسط ہندوستان میں قنوج کے راجہ کی طاقت کو بڑھانے اور اس کے ذریعہ دیگر راجگان نواحی کو دبانا مقصود تھا۔ راجہ کالنجر وغیرہ نے سلطان محمود اور راجہ قنوج کے باہمی اتحاد اور سلطانی سلوک سے جو ایک ممتاز صورت میں کیا گیا تھا۔ یہ سمجھ لیا تھا کہ سلطان محمود راجہ قنوج کی طاقت بڑھا کر ہندوستان کے مرکز میں ایک ایسی خیر خواہ سلطنت قائم رکھنی چاہتا ہے جو اُس کی فتوحات آیندہ میں رسد رسانی وغیرہ میں آسانی پیدا کر سکے یا کم از کم ایک آرام بخش اسٹیشن بن سکے۔ راجہ قنوج کے مطیعانہ برتاؤ اور سلطان محمود کے فیاضانہ سلوک اور سلطان کے اس وعدہ نے کہ میں تمہارے ہر ایک دشمن کے لئے سپر ہونگا۔ راجہ کالنجر کو متوہم کر دیا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ راجہ قنوج اور کالنجر میں کوئی ذاتی عداوت بھی ہو۔ اور راجہ قنوج اب سلطان کی امداد سے کبھی کالنجر کے لئے وجہ تکلیف ہو سکتا ہو۔ راجہ کالنجر نے علاج واقعہ پیش از وقوع پر عمل کر کے راجہ قنوج کا کام تمام کر دیا۔ اگر ایسی کوئی وجہ نہ ہو تو پھر محض سلطان کی اطاعت کے جرم میں راجہ قنوج کا مارا جانا [illegible]

قیاس ہے ہاں اگر راجہ قنوج اسلام لاتا یا قنوج کے ہندوؤں کو سلطان سے نقصان پہنچا تا تو راجہ کالنجر کے اشتعال طبع کی وجہ ہو سکتی تھی۔ مگر جملہ مورخین متفق ہیں کہ خاص قنوج تاخت و تاراج سے محفوظ رہا کسی ہندو کو راجہ قنوج کی اطاعت کے بعد تکلیف نہیں دی گئی اور نہ راجہ قنوج یا اُسکا کوئی عزیز و رشتہ دار مسلمان ہوا۔ اطاعت سے راجہ نے اپنی ذات اور رعایا کی جان و مال کو بچایا تو یہ امر راجہ کالنجر وغیرہ کی ناراضگی کا باعث نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرحال میرے نزدیک راجہ کالنجر کی قنوج پر چڑھائی پولٹیکل اغراض کے لئے تھی جس کا اثر آئندہ خود ریاست کالنجر پر پڑنے کا احتمال تھا۔

ہندوؤں کا دریا جمنا پر مقابلہ

سلطان محمود یہ سُن کر کہ اُس کے دوست راجہ قنوج پر راجہ کالنجر نے چڑھائی کی ہے ۱۲ ۴ھ میں فوج جرار لے کر روانہ ہوا۔ دریائے جمنا پر سروجیپال بنیرہ راجہ جیپال جو چند مرتبہ لشکر اسلام سے شکست پاکر بھاگا تھا اور ملتجی عفو ہوا تھا۔ راجہ نندا کی مدد پر مانع عبور دریا ہوا دریا چڑھا ہوا تھا۔ کشتیاں ہندوؤں کے قبضہ میں تھیں۔ دوسرے کنارہ ہندو فوج مستعد قتال کھڑی تھی۔ کوئی صورت عبور نظر نہ آتی تھی۔ آٹھ جاں باز سرداروں نے گھوڑے دریا میں ڈالدئے اور چند بہادروں کے ساتھ دریا پار ہو گئے۔ اس بیباکی اور سابقہ بہادرانہ رعب سے ہندو فوج پر ہراس چھا گیا۔ غازیوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ نکلے۔ اور سلطان معہ فوج بھی دریائے پار ہو گیا۔ سروجیپال کے متعلقہ شہر اور اُس کے بتوں کو تاراج و منہدم کیا گیا۔

راجہ کالنجر کا مقابلہ اور وجوہات شکست

سلطان محمود کے مقابلہ کے لئے راجہ کالنجر تیار تھا چھتیس ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیادہ چھ سو چھیالیس ہاتھی راجہ کے ساتھ تھے۔ سلطان نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر ہندو فوج کو دیکھا اسقدر فوج دیکھکر بقول مورخین چڑھائی سے پشیمان ہوا۔ خدا کی درگاہ میں حسب عادت گڑگڑایا۔ دعا مانگی جو مقبول ہوئی اور رات کو یکایک راجہ کالنجر تمام سامان جنگ وہیں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ صبح کو سلطان نے حزم و احتیاط سے کمین گاہوں کی دیکھ بھال کرا کر راجہ کا کیمپ لوٹ لیا پانچسو اسی ہاتھی ہاتھ آئے

ہاتھ لگے۔ اسی سے دیگر مال غنیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب ہمراہیان راجہ ہاتھیوں کو بھی ساتھ نہ لیجا سکے تو دیگر مال منقولہ تو ضرور وہیں میدان جنگ میں رہا ہوگا۔ بقول فرشتہ چونکہ سلطان کو پنجاب کیطرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس لئے اسی قدر فتح کو غنیمت جان کر واپس ہوا۔ واقعہ تو اسی قدر ہے جو لکھا گیا۔ لیکن چند باتیں اس میں ایسی ہیں جو تاریکی میں ہیں +

(۱) اول تو سلطان محمود کا چڑھائی سے پچھتانا باور نہیں کیا جا سکتا۔ اس معرکہ کی ہندو فوج جنگ پشاور سے زیادہ نہ تھی اور نہ ہندوؤں میں اسقدر اتحادی جوش تھا برخلاف اس کے سلطان کی فوج تعداد میں بھی زیادہ اور متواتر فتحیابیوں سے ہندو فوج کو خیال میں نہ لاتی تھی۔ اس لئے سلطان کا پچھتانا یا خوف کرنا خلاف قیاس ہے۔ اگر کچھ اندیشہ بھی کیا ہو۔ تو اسی قسم کا ہوگا جو ایک محتاط اور مدبر جرنیل کر سکتا ہے +

(۲) دوسری بات راجہ کا بلا جنگ رات کو بدحواسی کے عالم میں بھاگ جانا زیادہ حیرتناک ہے جو راجہ اسقدر دلیر اور غیور ہو کہ راجہ قنوج کو سلطان کی اطاعت کے جرم میں ہلاک کرے۔ اور زور شور سے تیاری جنگ کرے اور مقابلہ پر بھی ڈٹے پھر اسطرح بھاگ جائے۔ عام مسلمان مورخ اسکو سلطان کی اجابت دعا کا نتیجہ سمجھنے میں غلطی پر نہیں خیال کئے جا سکتے لیکن ایک محقق اس سے تسلی خاطر نہیں کر سکتا میرے خیال میں راجہ کالنجر کو یہ یقین نہ تھا کہ سلطان راجہ قنوج کے انتقام کے لئے اسقدر دور دراز سفر کے مصائب اٹھا کر جلدی ہی آ پہنچیگا۔ سلطان کے آنے پر راجہ کالنجر مقابلہ پر آیا۔ لیکن اسکو دیگر راجگان سے اسقدر مدد نہ مل سکی جو سلطان کے مقابلہ کے لئے کافی ہوتی۔ مقابلہ پر اسکو سلطانی فوج کی حقیقت معلوم ہوئی۔ سلطان کی ظفر جنگی کی دھاک نے راجہ کالنجر کی فوج کے دلوں کو پژمردہ کر دیا۔ راجہ کو کامیابی کی امید تو ہرگز تھی ہی نہیں۔ اور شکست یقینی تھی۔ بصورت شکست راجہ قنوج کے انتقام میں ریاست کی بربادی کے علاوہ اپنی ہلاکت اہل وعیال کی قید وجلا وطنی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتا تھا۔ ان خیالات نے راجہ کالنجر کو میدان جنگ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ رات کو نہ بھاگتا تو صبح کو ذلیل موت سے مرتا۔ راجہ اور اس کی فوج گو بہادر تھی مگر قنوج یا کسی ہندو ریاست کے مقابلہ میں غازیان اسلام کے سامنے ان کی پائداری محال تھی جس شمشیر محمودی نے کئی ایک معرکوں میں مخالفوں کے سر گاجر مولی کیطرح اڑا دئے تھے اس سے راجہ کالنجر کب نجات پا سکتا تھا۔ پس راجہ کالنجر کا بغیر لڑائی بھڑائی رات کو بھاگنا اس خوف وہراس کا نتیجہ تھا جو بہادران اسلام نے اپنے مجاہدانہ

تھوڑے سے ہندو قوم کے دلوں پر بٹھا دیا تھا۔ ایسے واقعات ہر ایک اقبال مند قوم کو پیش آیا کرتے ہیں۔ انگریزی قوم نے قلیل قلیل فوج کے ساتھ ہندوستان کی فوج کثیر کو شکست دی ہے جسکی تاریخ ہند میں بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ اس کو ہندوستانیوں کی عام جبلی کمزوری پر محمول کریں یا تحمل شدائد کے ناقابل خیال کریں۔ لیکن بات یہ ہے کہ جس قوم کی ظفرمندی اور شجاعت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے عموماً اسکا مظفرانہ اقبال ہی اپنا اثر دکھا جاتا ہے +

مسلمانوں کا زمانہ اقبال

اُس عہد کے مسلمان صرف ہندوستان ہی میں نشان فتح نہ اُڑا رہے تھے۔ بلکہ سپین واقعہ یورپ میں بہادر منصور نے جو عیسائی بہادروں کے خون کی ندیاں بہائی تھیں ابھی خشک ہوئی تھیں۔ اور سینٹ یاگو واقعہ ساحل خلیج بسکی سے لے کر دیوار چین تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی موحدانہ گونج دشت وجبل سے آ رہی تھی۔ جان دینا اور بہشت مول لینا اُس وقت کے مسلمانوں کی عام تجارت تھی اور اسی قیمتی تجارت نے اُن کو یورپ۔ ایشیا۔ افریقہ اور جزائر کا شاہنشاہ بنا دیا تھا۔ دنیا کی کوئی قوم اُن کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ ایسے واقعات کے ہوتے راجہ کالنجر کا بغیر جنگ بھاگ جانا کوئی حیرت انگیز نہیں۔ بلکہ اُس کی عقلمندی پر دلالت کرتا ہے جس میں کہ اہل ہند عموماً مشہور رہیں۔ سلطان کا بلا فیصلہ واپس جانا موسم گرما کی آمد کے سبب سے تھا۔ وہ بہار کے آتے ہی واپس غزنی چلا جایا کرتا تھا کیونکہ سلطان اور اُس کی فوج ہندوستان کی گرمی کی برداشت نہ کرسکتی تھی +

فتح قیرات و نار دین

قیرات بقول مولف طبقات ناصری و فرشتہ ایک سرد سیر ملک تھا۔ وہاں میوے بہت پیدا ہوتے تھے اور ہندوستان و ترکستان کے درمیان واقعہ تھا وہاں کے باشندے شیر پرست تھے۔ شیر ہندوؤں میں ایک اوتار ہے غالباً اُس فرقہ کے بُت پرست ہونگے یا بقول بعض بدھ سلطان نے کئی ہزار لوہار و سنگتراش ساتھ لیئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیرات علاقہ کوہستانی تھا۔ اُس کی سرد سیری و سرسبزی و شادابی اور سرحد ہندوستان پر واقعہ ہونے سے علاقہ باجوریا کچھ حصہ کافرستان یا سوات معلوم ہوتا ہے۔ باقی حصہ کوہستان سلیمان خٹک پہاڑ

ہے۔ ہاں کوہستان ہزارہ واقعہ صوبہ سرحدی جسکا منتخب مقام آج کل ایبٹ آباد اپنی فضا سین کے روسے کشمیر سے دوئم نمبر دکھائی دیتا ہے۔ اس علاقہ کا کبھی قیرات نام ہوگا۔ اسکا صدر مقام پہاڑی ناقابل گذر ہوگا۔ یہاں کے باشندے بت پرست یا بدھ تھے۔ بغاوت کے مرتکب ہوئے اور سلطان کی چڑھائی سن کر وہاں کا حاکم بطوع و رغبت مع رعایا اسلام لایا وہاں سلطان اپنا کوتوال مقرر کر کے نار دین کو گیا۔ جس کی نسبت بھی وہی مشکل ہے تعیین مقام نہیں کیا جا سکتا۔ غالباً یہ بھی سرحدی جگہ تھی۔ اس جگہ ایک جرنیل روانہ کیا گیا۔ دعوت اسلام دی گئی باشندے مسلمان ہو گئے۔ یہاں پر ایک نہایت قدیم بت خانہ مسمار کیا گیا۔ یہاں سے ایک پتھر کا کتبہ ملا جس کو ہنود چالیس ہزار سال کا لکھا ہوا بتلاتے تھے غالباً یہ کتبہ مذہبی احکام کا ہوگا۔ جسکو ہنود اسقدر عظمت سے یاد رکھتے تھے اور فرشتہ جیسے مورخ نے بھی اس کو قلمبند کیا ہے۔ ورنہ عمارت کا کتبہ ہندوؤں میں جو تاریخ سے کچھ شوق نہ رکھتے تھے اسقدر عزت کے قابل نہیں ہو سکتا افسوس کہ مورخین اسلام نے اس کتبہ کی حقیقت بیان نہیں کی۔ غالباً شائق علوم سلطان محمود نے یہ کتبہ کسی سنسکرت کے فاضل سے پڑھوایا ہوگا۔ اور بصورت مذہبی ہونے کے کسی ہندو کو دیدیا ہوگا+

لاہور میں اسلامی لشکر کی مستقل چھاونی

قیراط و نار دین سے لوہ کوٹ واقعہ کشمیر گیا اس دفعہ بھی ناکام رہا۔ کشمیر سے لاہور کو روانہ ہوا۔ لاہور اب تک راجہ جیپال اول کے پوتے سر وجیپال ولد انند پال کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ سوائے شمالی سرحدی علاقہ کے پنجاب کا باقی حصہ بدستور سابق سر وجیپال کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ راجہ خراج گذار تھا۔ مگر باپ دادے کیطرح بارہا عہد شکنی کر کے مخالفان سلطان سے سازش کرتا رہا حملہ کالنجر میں مانع عبور دریائے جمنا ہوا۔ یہ ایسا جرم تھا کہ سلطان کیا کوئی گورنمنٹ بھی درگذر نہ کر سکتی تھی۔ بقول فرشتہ سلطان پنجاب کی شورش کے خیال سے راجہ کالنجر کو کافی سزا نہ دے سکا۔ اور بغیر فیصلہ کن جنگ کے عادت کے خلاف واپس چلا آیا تھا اس سے پایا جاتا ہے کہ راجہ لاہور سلطان محمود کے ارادوں میں کسقدر خلل انداز تھا گو تاج بخشی کی گئی مگر یہ خاندان کبھی بھی ممنون احسان نہ ہوا۔ سلطان کے سامنے ابھی کالنجر کی ادھوری مہم پڑی تھی اور عقب میں سر وجیپال جیسے مخالف کو اپنے حال پر

چھوڑ جانا خلاف عقل تھا اس ضرورت ملکی نے سلطان محمود کو مجبور کیا کہ لاہور پر دوامی قبضہ کرکے اس
کانٹے کو بیچ میں سے نکال دے۔ راجہ کے مقابلہ کا حال کسی مورخ نے نہیں لکھا۔ مگر سلطان
کی تاخت وتاراج اور غنیمت کثیر سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ سروجیپال کے متعلقین نے خفیف
لڑائیاں لڑیں جس کی پاداش میں سلطان کو غنیمت کا موقعہ ملا۔ لاہور کے گدام خانہ اور خزینہ تو فاتح
سلطان کے لینے ہی تھے۔ جو کروڑوں کی تعداد میں تھے۔ راجہ سروجیپال اجمیر کو بھاگ گیا سلطان
نے اپنا ایک امیر لاہور میں حاکم مقرر کیا۔ اسلامی چھاؤنی اخیر سنہ ۴۱۲ھ میں ڈالی گئی۔ پنجاب غزنی
کا صوبہ قرار دیا خطبہ وسکہ سلطان کے نام جاری کیا گیا۔ فتوحات ہند کا فوجی ہیڈ کوارٹر آئندہ
لاہور مقرر ہوا۔ سلطان بہار کے آنے پر حسب عادت واپس غزنی چلا گیا +

گوالیار اور کالنجر

پہلی دفعہ موسم گرما کی آمد یا راجہ سروجیپال والی پنجاب کی مخالفت کے سبب راجہ کالنجر
کو کافی سزا نہ دے سکا تھا۔ صرف اُسکے میدان جنگ سے بھاگنے پر ہی اکتفا کرکے اور مال
غنیمت لیکر واپس چلا گیا تھا اب سنہ ۴۱۳ھ مطابق سنہ ۱۰۲۴ء میں براہ لاہور کالنجر پر چڑھائی کی راستہ
میں قلعہ گوالیار آیا۔ محاصرہ کیا گیا۔ چار روز کے بعد راجہ گوالیار نے پینتیس ہاتھی پیشکش دے کر
اطاعت کی۔ راجہ نے انجام پر خیال کیا اور سلطان نے طول محاصرہ کے سبب مہم کالنجر
میں توقف پڑنے کے اندیشہ سے صلح منظور کرلی۔ گوالیار سے چلکر کالنجر پہنچا یہ قلعہ ہندوستان
میں نہایت مضبوط اور محکم قلعہ تھا۔ اور شاید محاصرہ کی صورت میں مدت تک مقابلہ کرسکتا مگر اولوالعزم
سلطان اسدفعہ بغیر فتح ٹلنے والا نہ تھا۔ راجہ نندا اسدفعہ بھی مقابلہ پر نہ نکلا۔ تین سو ہاتھی نذرانہ دیکر
طالب صلح ہوا اور ہاتھی قلعہ کے دروازہ سے باہر ہانک دیئے گئے۔ سلطان نے ترکوں کو حکم
دیا وہ فوراً کود کر ہاتھیوں کی پیٹھ پر سوار ہوگئے اس نظارہ نے راجہ نندا کو اور مرعوب کردیا کہ
مسلمان سپاہی قوی ہیکل ہاتھیوں کی کچھ حقیقت نہیں جانتے اور بہ تعمیل حکم سلطانی جانوں سے
ہاتھ دھو کر مست جنگی ہاتھیوں پر شیرانہ صولت سے سوار ہوگئے ہیں۔ راجہ نندا نے جو زبان
سنسکرت کا شاعر تھا قصیدہ سلطان کی تعریف میں بنا کر بھیجا۔ سلطان نے سنسکرت جاننے والے
پنڈتوں کو بلاکر مضمون پوچھا۔ اشعار اعلےٰ درجہ کے معلوم ہوئے قدردان سلطان نے قصیدہ
کے صلہ میں پندرہ قلعہ اور راجہ نندا کو عطا کئے اور راجہ نے بھی بہت سے زر وجواہر اسباب

نذر دیا اور سلطان واپس غزنی ہوا *

سلطان کی تاج بخشی

سلطان نے عموماً بعد فتوحات تاج بخشیاں کیں۔ اور راجگان ہند اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ ان میں سے قنوج جس کی فتح کے لئے سلطان سینکڑوں کوس سے چلکر ہر ایک قسم کی احتیاط کرتا ہوا پہنچا تھا مگر عین کامیابی کے وقت تمام فوائد سے ہاتھ اٹھا کر راجہ قنوج کو صرف تاج بخشی ہی نہ کی بلکہ اس کی سلطنت کی حفاظت کا ذمہ لیا اور حقیقی دوستوں کی طرح رابطہ اتحاد قائم کیا اور جو وعدہ کیا تھا اس کے ایفا کے لئے دو دفعہ راجہ کالنجر پر چڑھکر آیا۔ تکالیف ذاتی اور نقصان فوجی کو برداشت کیا۔ دوسری نظیر کالنجر کی ہے۔ اس پر راجہ قنوج سے بھی زیادہ لطف و احسان کیا گیا۔ راجہ کالنجر نے سلطان کے دوست راجہ قنوج کی ہلاکت سے سلطان کی کمال درجہ کی تحقیر کی تھی۔ ایسے شخص کو جو کچھ سزا دیجاتی کم تھی پہلی بار راجہ قابو نہ آیا اور سلطان موسمی مشکلات یا کسی اور سبب سے راجہ کا کافی تدارک نہ کرسکا۔ مگر دوسری دفعہ تو راجہ کو محصور کر لیا تھا۔ قلعہ شکن آلات سلطان کے پاس وافر اور عمدہ تھے فوج بہادر اور جانباز اور سلطان کے اشارے پر جان دینے والی تھی راجہ کالنجر کا پہلی بار میدان جنگ میں تمام ساز و سامان چھوڑکر بدحواسی سے بھاگنا سلطان کو یاد تھا اور اب کی بار محاصرہ میں آنا ضعف پر دلالت کرتا تھا۔ باہر کا علاقہ سلطان سے ڈرتا تھا ہر ایک قسم کا سامان رسد علاقہ سے چلا آتا تھا اگر محاصرہ طول بھی پکڑتا تو بھی محصورین کو بہ نسبت محاصرین زیادہ تکلیف ہوتی اور سلطان کا پلہ بھاری رہتا ان تمام مفید اور کامیاب صورتوں کی موجودگی میں سلطان کا راجہ کالنجر جیسے خونخوار دشمن کو صرف تین سو ہاتھی لے کر امان دینا ان لوگوں کے اعتراض کی تردید کرتا ہے جو سلطان کی مہمات ہندوستان کو کشید زر اور لوٹ مار کرنے کے لئے قرار دیتے ہیں اگر سلطان واقعی زر دوست لالچی ہوتا تو نہ قابل رحم قنوج کی صدیوں کی دولت بچ سکتی اور نہ کالنجر کے قیمتی ذخیرہ اور بیش بہا خزانے تاراج سلطانی سے سلامت رہتے۔ دونوں جنگوں کی لوٹ سے اس کو اسقدر دولت ملتی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ملی تھی ہاتھی کوئی نایاب شئی نہ تھی اس وقت ہندوستان خصوصاً پنجاب کے لکھی جنگل واقعہ ضلع حصار میں ہاتھیوں کی کافی تعداد پائی جاتی تھی دیگر حصص ہندوستان میں تو ان کی ہرگز کمی نہ تھی۔ پس تین ہاتھی لے کر ایسے کینہ ور دشمن

کو امان دینا بلکہ علاقہ کالنجر کے علاوہ اور پندرہ قلعہ عطا کرے سے اس نذرانہ کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ پس جہاں تک قیاس کیا جاتا ہے ان رعائتوں کی وجہ شاہانہ فیاضی کے علاوہ تعمیل احکام قرآن تھی۔ خدا تعالےٰ صاف فرماتا ہے ؎ فَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ الخ

اسلام خواہ کیسا ہی دشمن ہو جب ہتھیار رکھدے تو پھر لڑائی کی اجازت نہیں دیتا صلح کا رد کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ راجہ کالنجر نے اس حکم قرانی سے فائدہ اُٹھایا اور سلطان کو حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم کرنا اور راجہ کالنجر کی گستاخی مخالفانہ کو معاف کرنا پڑا مال غنیمت کے طمع ہوتی اور واقعی لالچی ہوتا تو ہرگز کم قیمت نذرانہ پر صلح نہ کرتا بلکہ اپنی شاہانہ فیاضی راجہ کالنجر کے تحسین کے صلہ میں دکھاکر اور پندرہ قلعہ راجہ کو دیدیئے اور اُس کی ملکی اور فوجی طاقت کو بڑھا دیا۔ یورپین مورخ جو سلطان کو لوٹیرا اور ظالم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یورپ کی ترقی گذشتہ صدی میں کوئی ایک بھی ایسی نظیر دکھائیں کہ راجہ کالنجر جیسے دشمن کے ساتھ اس قسم کی فیاضانہ صلح کسی یورپین سلطنت نے کی ہے اور بغیر کسی قومی یا ملکی فائدہ اُٹھانے اور بغیر کسی قسم کی پولٹیکل شرائط کے سلطان محمود کیطرح دشمن نوازی کی گئی ہو۔ اسلئے ان واقعات کے دیکھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلطان جسقدر کہ شجاعت اور فیروز جنگی میں بڑھا ہوا تھا اُسیقدر لطف وکرم اور سیر چشمی میں بے نظیر تھا۔ اس کی مہمات بہ تقلید صحابہ کرام شعائر اسلام کے قیام اور راہ توحید کے موانعات کے دور کرنے اور اعلام اسلام بلند کرنے کیلئے تھیں۔ ہر ایک موقعہ پر اصول اسلام کی پیروی کرتا رہا اور اسی اسلامی فیاضی سے راجہ قنوج و کالنجر وغیرہ ہندو راجگان تاج و تخت حاصل کرتے رہے۔ آج کل اسکو ملکی پالیسی کہا جا سکتا ہے اُس حالت میں بھی سلطان محمود اعلیٰ درجہ کا مدبر ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اُس کی فتوحات کسی پولٹیکل چال کا نتیجہ نہ تھیں۔ بہ تقلید اسلام ہندوؤں کو اسلام۔ جزیہ۔ تلوار کا صاف صاف پیغام دیا جاتا رہا راجگان ہند نے عموماً تلوار پر ہاتھ رکھا۔ جس میں سلطان محمود کا ہاتھ ہر ایک معرکہ میں زبردست رہا۔ ایسے شمشیر زن کشور کشا کو کسی پالیسی سے کام نکالنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور راجہ کالنجر وغیرہ کی طاقت بڑھانے اور استحکام سلطنت سے آیندہ خطرات کا سامنا تھا ملک پر قبضہ نہ بھی کیا جاتا تاہم قنوج و کالنجر کی لوٹ کچھ کم نہ تھی بصورت لالچ کبھی ایسے موقعہ کو ترک نہ کیا جاتا۔ پس یہ

ف۱ اگر دشمن صلح کیطرف جھکیں تو تو بھی صلح کیطرف جھک اور خدا پر بھروسہ کر ۱۲ سورہ انفال پ ۹

تمام تاج بخشیاں اسلامی فیاضی کا نتیجہ تھیں ٭

روانگی بلخ

علی تگین حاکم بلخ کی ظالمانہ شکایت سُن کر سلطان بلخ کیطرف گیا۔ اسوقت خاص دار الخلافہ میں چون ہزار سوار اور تین سو ہاتھی موجود تھے باقی قلعوں چھاونیوں اور دیگر ولایتوں میں متعینہ فوج اِس کے علاوہ تھی۔ اس سے سلطان محمود کی جنگی طاقت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ علی تگین تو سلطان کی آمد کی خبر سُن کر بھاگ گیا اور یوسف خاں شاہ ترکستان مدارات سے پیش آیا دوستانہ ملاقاتیں اور تحفہ تحائف سے رشتہ اتحاد بڑھایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ علی تگین کی سرکشی کا باعث یوسف خان تھا جو سلطان محمود کی بہادرانہ اولوالعزمی سے ڈر کر علی تگین کا ساتھ چھوڑ گیا اور علی تگین گرفتار ہو کر ہندوستان میں قید کیا گیا۔ اور علاقہ بلخ کی رعیت کے جملہ شکایات دور کر کے غزنی کو واپس ہوا ٭

وجہ حملہ سومنات

سومنات سمندر کے کنارہ ہندوستان کے مغربی صوبہ جزیرہ نمائے گجرات میں ایک مشہور معبد ہنود تھا۔ حملہ آوران اسلام کے راستہ سے دور ہونے کے سبب ابتک ہر ایک صدمہ ترکتازی سے بچا رہا تھا۔ ضعیف الاعتقاد ہندوؤں نے اسکو سومنات کی کرامات پر حمل کر لیا یہ اعتقاد تو پہلے ہی تھا کہ جملہ ارواح اجسام سے جدا ہوئے کے بعد بت سومنات کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور سومنات ہی بطریق تناسخ آیندہ ارواح کو ہر ایک جیئے ان کے بدن میں داخل کرتا ہے۔ سمندر کا مد وجزر سومنات کی عبادت کے لئے ہوتا ہے سومنات کو جملہ بتوں کا بادشاہ خیال کیا جاتا تھا اور اب برہمنوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ چونکہ سومنات ان بتوں سے ناراض تھا اسلئے محمود غلبہ پاتا رہا ورنہ سومنات ایک چشم زدن میں محمود وغیرہ جسکو چاہے ہلاک کر سکتا ہے۔ ایک دن یہ حالات مخبروں کے ذریعہ سلطان کے گوش گذار ہوئے۔ خدا پرست سلطان ان مشرکانہ عقائد کو سُن کر متاثر ہوا۔ کہ بت پرست اب تک ایک بے جس و حرکت مجسمہ کو اُن صفات عالیہ الٰہیہ ربوبیہ سے متصف جانتے ہیں۔ جو خاصہ ایزد تعالےٰ ہیں۔ اُس نے خیال کیا کہ ہندوستان میں بت شکنی سے میری جو غرض تھی اب تک پوری

نہیں ہوئی ایسے معبد منبع شرک وکفر کے ہوتے میرا دعوے بت شکنی غلط ہے اگرچہ سومنات کے راستہ کی مشکلات بیشمار تھیں۔ اور سومنات پہنچنا ناممکن تصور ہوتا تھا۔ لیکن خدا پرست سلطان نے جو اعلان توحید کا بیڑا اوٹھا چکا تھا اور اپنی جان ومال کو اس راہ خدا میں وقف کرچکا تھا انفروا خفافا وثقالا وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون[۱] کا اعلان کردیا ملازم فوج کے علاوہ تیس ہزار مجاہدین ترکستان خراسان افغانستان سے ساتھ ہوئے۔ ۴۱۵ھ مطابق ۱۰۲۴ء میں براہ ڈیرہ اسماعیل خاں ملتان پہنچا۔ یہاں سے آگے راستہ بالکل جنگل ہی جنگل تھا نہ راہ میں آدمی ملتا تھا نہ کھانا پینا لق ودق دشت وبیابان تھا۔ پنجاب ودہلی کا راستہ آبادی بخوف مقابلہ ہنود ترک کیا گیا۔ سومنات کی عظمت سے یہ خیال کیا گیا کہ عام ہندوؤں تک اس معبود سومنات کے بچانے کے لئے جان لڑائیں گے اگرچہ سب کا نتیجہ فتح ہوگا مگر ان خفیف خفیف لڑائیوں میں وقت خرچ ہوگا اور سومنات پہنچنے سے پہلے ایام سرما جو فوج غزنی کے قیام ہندوستان کا موسم ہے گذر جائے گا۔ ان مواقعات سے بچنے کے لئے جفاکش مدبر بہادر سلطان نے ملتان سے بہاول پور اور بیکانیر کے بیابانوں کا راستہ اختیار کیا۔ آب ودانہ کی قلت کا یہ انتظام کیا کہ تمام فوج کو حکم دیدیا کہ ہر ایک سپاہی چند یوم کے لئے پانی وگھاس آذوقہ وغیرہ اپنے ساتھ اُٹھا لے علاوہ اس کے بیس یا تیس ہزار اونٹ سرکاری پانی وغیرہ سے لاد لئے اور اونٹوں کو چند یوم پیاسہ رکھ کر پانی پلایا گیا۔ پہلی منزلوں میں فوج کا اپنا اپنا آب وعلف کام آیا اور پھر ہر ایک منزل پر چند اونٹ حسب ضرورت ذبح کئے جاتے اونٹوں کا گوشت انسان کھاتے اور جو پانی اُن کے پیٹ سے نکلتا صاف کرکے گھوڑوں وغیرہ کو پلایا جاتا اور جو پانی اونٹوں پر لدا ہوتا وہ فوج کے پینے کے کام آتا اس تدبیر سے وہ بے آب وگیاہ کئے سو میل لمبا بیابان طے کرکے اجمیر میں جا نکلا اور راجہ اس برق آسمانی کو دیکھ کر بھاگ گیا۔ شہر تاخت وتاراج کیا گیا۔ قلعہ تارا گڈھ جو پہاڑ پر تھا سلطان اس کا مزاحم نہ ہوا۔ اسی طرح اور راستہ کے قلعوں کو بلا جنگ چھوڑتا ہوا آگے بڑھا سلطان تو تضیع اوقات اور توقف فتح سومنات کے خیال سے ان راستہ کے قلعوں پر متصرف نہ ہوا مگر یہ تمام قلعہ اگرچہ بہادران جنگی سے بھرپور تھے مگر بلند اقبال

---

[۱] ترجمہ: نکلو تم خواہ تم ہلکے (بے ہتھیار) خواہ بوجھل (ہتھیار بند) ہو خدا کی راہ میں لڑنے کیلئے نکلو اور اپنی مال [illegible]

سلطان کو تحفہ و نذرانہ دے کر اظہار اطاعت کرتے اور اپنا پیچھا چھوڑاتے رہے پس یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ سلطان محمود نے راجپوتانہ کو پے سپر کرتے ہوئے سب کو حلقہ بگوش بنا لیا تھا شاہی اثر خواہ کسی قسم کا ہو نشان اطاعت ہوتا ہے:-

سلطان کا مدعا چونکہ سومنات تھا اس لئے وہ راجپوتانہ کے عین وسط سے بزور شمشیر گذر کر انہلواڑہ پائے تخت گجرات پہنچ گیا۔ راجہ بھاگ گیا اور انہلوارہ لٹ گیا۔ راجہ کے بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ سلطان بے اطلاع یکایک سر پر پہنچ گیا۔ اکیلا راجہ انہلوارہ مقابلہ نہ کر سکتا تھا باقی راجگان دور تھے۔ عام مذہبی جوش کو تحریک نہ دی گئی تھی۔ سلطان یہ فتح پا کر سومنات کیطرف روانہ ہوا۔ سومنات کی حفاظتی چوکیوں کو فتح کر کے سومنات پہنچا:-

برہمنوں کا سلطان کو ڈرانا

پجاریوں نے جب فوج سلطانی کو دیکھا تو فصیل قلعہ پر چڑھ کر پکار کر کہنے لگے کہ تم اپنے لشکر کے گھمنڈ پر ہم کو لوٹنے آئے ہو مگر یہاں ہمارے سومنات نے تم کو بلایا ہے تاکہ جو مندر۔ شوالے۔ بت تم نے ہندوستان میں توڑے ہیں اس کی سزا تم کو دی جائے اور تمہاری تمام فوج کو اس جگہ ہلاک کرے۔ خیر چاہتے ہو تو الٹے پاؤں واپس چلے جاؤ۔ ورنہ ایک مسلمان بھی زندہ بچ کر واپس نہ جائے گا۔ اور ہمارا سومنات تم سب کو اسی زمین میں پیوست کر دے گا۔ سومنات جملہ اصنام کا بادشاہ بتوں کا افسر معبود و نکابزرگ ارواح کو ابدان میں ڈالنے والا ہے اس کی بے ادبی کرنے والا کب اس کے قہر و غضب سے نجات پا سکتا ہے اور مخالفانہ ارادے سے آنیوالا کب جان بچا سکتا ہے:-

جنگ سومنات

سلطان محمود نے برہمنوں کے یہ کلمات سن کر تیر اندازی کا حکم دیا۔ اولوں کی طرح پجاریوں پر تیر پڑنے لگے اور سر دیوار سے بھاگ کر سومنات کے پاؤں جا پڑے۔ بہادران اسلام فوراً کمندیں ڈال کر فصیل قلعہ پر چڑھ گئے۔ جب ہندوؤں نے یہ حالت دیکھی تو ایسا ہلہ کیا کہ جس قدر مسلمان فصیل پر چڑھے تھے ان کو فوراً مار کر گرا دیا۔ اور مسلمانوں کا حملہ اکارت کر دیا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی حملہ آور نقصان کثیر اٹھا کر پس پا کئے جاتے رہے معلوم

ہوتا ہے کہ سومنات پر سلطان نے قلعہ شکنی کے آلات سے کام نہیں لیا۔ یا تو قلعہ سومنات اس قابل نہ تھا کہ اس کی تسخیر کے لئے کوئی اور جنگی تدبیر کیجاتی یا مجاہدین اسلام اسقدر جوش غزا میں بھرے ہوئے تھے کہ وہ برہمنوں کے معبود (خدا) کی بیکسی کمزوری جتلانے کے لئے عام بلہ سے بزور شمشیر تناہ سومنات فتح کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ سلطان محمود جیسا ماہر جنگ اور قابل جرنیل ایسے ناکام حملوں سے فوج نہ کٹواتا:۔

ہندو راجگان کا سلطان محمود سے جنگ

جسقدر راجگان پہنچ سکتے تھے سومنات کے بچانے کے لئے اپنی اپنی فوجیں لے کر پہنچ گئے۔ سلطان جو سومنات پر ایک عام سلطانی حملہ کرنا چاہتا تھا یہ سُن کر کہ ہندو فوج آ رہی ہے تھوڑی سی فوج کو محاصرہ سومنات پر چھوڑ کر نئے دشمن کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ دونوں فوجیں مذہب کیلئے جانیں لڑا رہی تھیں۔ سلمان اگر سومنات کو شریک صفات باری تعالےٰ جان کر توڑنے کے درپے تھے تو ہندو اسکو معبود اور متصرف فی الموجودات سمجھ کر اس کے بچانے کے لئے قربان ہو رہے تھے۔ فریقین پورے جوش کے ساتھ برابر تول کی لڑائی لڑ رہے تھے اور سورمے قومی جنگ کی داد دے رہے تھے کہ اتنے میں ایک طرف سے گرد اُٹھی معلوم ہوا کہ راجہ انہلوارہ فوج عظیم لیکر آ رہا ہے۔ اب سلطان کو دوطرفہ مقابلہ کرنا پڑا۔ ایسے موقعہ پر اگر کوئی اور ہوتا تو ضرور ہمت ہار چکتا مگر حسب عادت کیا تو یہ کیا کہ جھٹ گھوڑے سے اُتر کر شیخ المشائخ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا خرقہ جو شیخ موصوف سے ایسے ہی مشکل وقتوں کے لئے عطا ہوا تھا پہنکر بدرگاہ قاضی الحاجات سربسجود ہوا اور خشوع قلب سے دعا مانگی۔ اس دعا و نیاز کو خواص باخشگی کہو یا صداقت ایمانی خوف کہو یا نیاز مسلمانی بہرحال قبول ہوئی اور اول راجہ انہلوارہ پر شہباز کیطرح جا پڑا۔ اور ہزاروں ہندوؤں کو تلوار کے گھاٹ اوتار دیا۔ اور راجہ انہلوارہ کو بھگا کر اپنی باقی فوج کی مدد پر پہنچ گیا جو دیگر راجاؤں کے مقابلہ میں لڑ رہی تھی۔ اب ہندو کب ٹھہر سکتے تھے۔ میدان سے بھاگ نکلے اور ہزاروں کشتہ اور لاکھوں کا مال چھوڑ کر بھاگ گئے اور سلطان فتح پاکر سومنات کے محاصرہ میں مشغول ہوا۔ اب سومنات کو کوئی بچانے والا نہ رہا جسقدر لڑنے والے تھے دست بشمشیر مقابل ہوئے مگر بہادران اسلام فصیل پر سیڑیاں لگا کر چڑھ گئے اور مارتے کاٹتے سومنات تک پہنچ گئے چار ہزار ہندو کشتیوں پر سوار ہو کر براہ دریا بھاگ نکلے۔ سلطان نے اُن کے

تعاقب میں کشتیاں روانہ کر کے اکثر کو گرفتار اور غرق آب کر دیا۔ اور سومنات فتح ہو گیا:۔

بُت سومنات

سومنات مہادیو کا مندر تھا۔ گرہن کے دن لاکھوں جاتری دور دور سے زیارت کو آتے تھے۔ مندر سومنات میں جواہر والماس اسقدر درو دیوار میں جڑے تھے کہ اُن کی ہی جگمگاہٹ سے مندر اندھیری راتوں میں بھی روز روشن کی طرح نظر آتا اور چراغ شمعدان وغیرہ کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ چھپن ۵۶ ستون مرصع جواہرات وہاں کھڑے تھے۔ طلائی زنجیر وزنی دو سو من وہاں لٹکتی تھی۔ جس میں پوجا کے لئے گھنٹہ اور گھڑیال بندھے تھے۔ دو ہزار بھنڈار پجاری پانچسو گانے والی عورتیں اور تین سو گانے والے مرد ملازم تھے۔ اور تین سو حجام جاتریوں کی حجامت کے لئے مقرر تھے۔ دو ہزار گانوں اخراجات مندر کے لئے معاف تھے۔ بُت سومنات پانچ گز لمبا تھا۔ دو گز زمین کے اندر اور تین گز زمین کے باہر تھا۔ گنگا جل ہر روز چھ سو کوس سے منگوایا جاتا اور اس سے بت سومنات کو غسل دیا جاتا۔

سلطان نے اپنے ہاتھ سے بت مذکور کی ناک اُڑا دی اور توڑنے کا حکم دیا۔ پجاری سلطان کے پاؤں پر گر پڑے اور عرض کی کہ بُت نہ توڑا جائے اور رقم کثیر ہم سے لیجائے۔ سلطان نے مشیروں سے پوچھا چونکہ وہ بت کو ایک سنگین خالی بُت سمجھتے تھے اور برہمنوں کا پیش کردہ نذرانہ کروڑوں کا تھا اُنہوں نے سلطان کو صلاح دی کہ بت کے عوض میں یہ بھاری نقدی لیجائے۔ جنگی اور مُلکی ضرورتوں کے کام آئے گی۔ مگر خدا پرست سلطان نے تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد کہا کہ قیامت کو بت فروش نام رکھوانا نہیں چاہتا۔ بُت شکن بننا چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر گرز اُٹھا کر بت پر ماری کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ سلطان کی خوش قسمتی سے بُت کے اندر سے اسقدر قیمتی جواہرات ہیرے موتی نکلے کہ پجاریوں کے نذرانہ سے قیمت میں کئی گُنا زیادہ تھے۔ اور اسی خزانے کے بچانے کے لئے برہمن گڑگڑاتے اور پاؤں پڑتے تھے اور پجاریوں کا دھوکہ نیک نیت سلطان سے نہ چلا۔ دس کروڑ کا تخمیناً مال غنیمت ملا۔ بُت کے دو ٹکڑے مدینہ منورہ میں اور دو ٹکڑے غزنی بھجوائے گئے ایک ٹکڑا جامع مسجد کی سیڑھیوں میں اور ایک ٹکڑا دیوان عام کے دروازہ پر ڈال کر پے سپر خلایق کیا گیا:۔

بُت کے ٹکڑے سومنات کے قیدی پجاری گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے جس سے

پجاریوں اور عام ہندوؤں کو یہ سمجھانا منظور تھا کہ جبکو تم معبود اور متصرف فی الارواح مانتے تھے
وہ بے کس و ناتواں ہے۔ اگر معبود (خدا) ہوتا تو اسقدر ذلیل نہ ہو سکتا۔ عبادت اور قدرت
مطلق خاصہ ذات باری تعالےٰ ہے۔ اس عملی تعلیم سے شرک و بت پرستی سے ہٹانا مقصود
تھا۔ نہ کہ دل دکھانا جس کے لئے قید و غارت ہی کافی تھی۔ جس علاقہ میں سے بت سومنات
کا یہ نظارہ گذرا ہوگا وہاں کے بت پرستوں کو بتوں کی حقیقت سوچنے کا موقعہ ملا ہوگا۔ اور اسلامی
وعظ کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا وہ اس سے ضرور نکلا ہوگا۔ پس سلطان کی یہ کارروائی بھی اشاعت
توحید اور اعلاے کلمۃ اللہ کے لئے تھی۔ جسکو کوئی خدا پرست معیوب خیال نہیں کر سکتا۔

بت سومنات کی صورت و شکل

تمام مورخ بت سومنات کا سلطان کے ہاتھ سے ٹوٹنا اور اس کے پیٹ میں سے
جواہرات بیش بہا کا نکلنا بیان کرتے آئے ہیں۔ لیکن پروفیسر دھلوی اس کو غیر محقق اور بیہودہ
خیال کرتا ہے اور دلیل صرف بیرونی کا بت مذکور کو بصورت لنگ لکھنا اور لنگ کا عموماً ٹھوس
ہونا بیان کرتا ہے۔ مگر یہ بیان بھی خالی از اعتراض نہیں ہے۔ یہ بت زمین کے اندر دو گز گڑا
تھا اور لنگ کی ہیئت کے خلاف تھا۔ علاوہ اسکے سلطان محمود کے حملے کے بعد پھر اسی موقعہ پہ
مندر بنایا گیا۔ اور بت سومنات کا نمونہ رکھا گیا۔ اسی بت کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے دیکھا تھا
کہ ایک برہمن کے زنجیر ہلانے سے ہاتھ اٹھاتا تھا اور ہندو اس امر کو بت کی کرامات مان کر نذر و
نیاز چڑھاتے تھے اسی برہمن کو فلاسفر سعدی نے قتل کیا اور بت سومنات کی حقیقت اور دریافت
حالات اصلی کے لئے ؎ بہ تقلید کافر شدم روز چند ٭ برہمن پجاری بنا رہا۔ اور معلوم کیا
؎ کہ ناچار چوں در کشد ریسماں ٭ برآرد صنم دست فریاد خواں

فلاسفر سعدی کی تحقیقات سے بت انسانی شکل کا تھا جو ہاتھ اٹھاتا تھا۔ چونکہ یہ مندر
مہادیو کا تھا اور مہادیو ہندوؤں کے اعتقاد میں پہلا انسان (آدم) ہے۔ اور ذریعہ تخلیق عالم
اور آلہ تخلیق لنگ عموماً ہوتا ہے۔ اسلئے یہاں مہادیو اور اس کے اعضا لنگ کی پرستش بھی ہوتی
ہوگی اور اس مندر کے احاطہ میں غالباً لنگ کی مورت علیحدہ بھی رکھی ہوگی۔ پیدایش اولاد کے
لئے عوام کالانعام زیادہ لنگ کی پرستش کرتے ہوں گے اور بیرونی نے شاید اسی قسم کے لنگ
کی مورت کی نسبت کچھ لکھا ہوگا ورنہ بت مذکور جسکو سلطان محمود نے توڑا ٹھوس نہ تھا۔ اور

جس امر کو جملہ مورخ بلا اختلاف لکھتے آئے ہیں اس کو غیر تحقیق اور بیہودگی سے منسوب کرنا انصاف سے بعید ہے*

بت شکنی سلطان تقلید پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ کی بابت خوب کہا ہے اور سلطان کی تقلید شریعت کا نہایت عمدگی سے خاکہ کھینچا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسوقت کے اہل اسلام سلطان کی بت شکنی کی نسبت کیا خیال رکھتے تھے*

نظم سنائی

کعبہ وسومنات چون افلاک ــ شد ز محمود و از محمد پاک

این ز کعبہ بتاں برون انداخت ــ وآن ز کیں سومنات را پرداخت

فتح گجرات

جن راجاؤں نے سومنات کی حمایت میں ہتھیار اُٹھائے تھے اُن میں سے ڈابشلیم اور پرم دیو زیادہ مشہور تھے۔ پرم دیو کا صدر مقام انہلواڑہ تھا۔ جو سلطان کے راستہ میں تھا۔ جاتی دفعہ بھی پرم دیو انہلوارہ خالی چھوڑ کر بھاگ گیا تھا اور جنگ سومنات میں عین موقعہ پر شامل ہوا تھا اور سلطانی لشکر صرف ایمانی طاقت سے میدان جیتا تھا اور پرم دیو ہاتھ نہ آیا اور معرکہ جنگ سے اول انہلوارہ کو بھاگا مگر سلطان کے خوف سے قلعہ کاٹھیاوار میں جو سومنات سے چالیس فرسنگ دور ایک ساحلی جزیرہ میں تھا بھاگ گیا۔ بہادر سلطان جب تک اس زبردست غنیم کو مجبور مقہور نہ کرتا اس کی فتح نامکمل رہتی۔ اور سلطان کی مظفرانہ شجاعت پر داغ رہتا۔ اسلئے غیور سلطان نے پرم دیو کا تعاقب کیا۔ قلعہ مذکور اور ساحل خشکی کے درمیان بحر مواج تھا۔ سلطانی غوطہ خوروں کو پانی کی تہ اور موقعہ عبور معلوم کرنے کے لئے حکم دیا گیا مگر سب ناکام رہے کاٹھیاوار کے غوطہ خوروں نے ایک موقعہ قابل عبور بتلایا اور ساتھ ہی بھی کہہ دیا کہ اگر بوقت عبور سمندر میں تموّج ہوا اور چڑھاؤ شروع ہوا تو تمام فوج گذر نے والی غرق ہو جائے گی۔ غالباً اُن کی مراد مد وجزر سے ہوگی یا سمندر کی موجیں ایک غیر معین وقت میں

اٹھتی ہونگی اور غوطہ خور اپنی بے علمی کے سبب اُس کی علمی حقیقت جانتے ہوں گے اور کوئی اصول مقرر نہ کر سکے ہونگے۔ بہرحال خدا پرست سلطان نے قرآن مجید سے استخارہ کیا۔ اور توکلاً علے اللہ گھوڑے دریا میں ڈال دئیے اور بسم اللہ مجریہا و مرسہا الخ پڑھتا ہوا صحیح وسلامت معہ فوج وسامان کنارہ پر پہنچ گیا اور پرم دیو حیرت طور سے جان بچا کر بھاگ گیا۔ قلعہ فتح ہوا۔

اسلامی شجاعت کا راز

اس جزیرہ کو جس طرح سے بہادران محمودی نے فتح کیا اور جہاں سے گذرنا بغیر کشتی محال تھا اور غوطہ خوروں کے بیان سے ہلاکت یقینی تھی اِن باتوں پر خیال کرنے سے سلطان ایک غیر محتاط جرنیل پایا جاتا ہے کہ اُس نے فوج کو موت کے مونہہ میں دھکیل دیا۔ لیکن جنکو نور ایمان حاصل ہے اور انوار روحانی سے بہرہ مند ہیں اور بزرگان روحانی کی محبت سے مستفیض ہوتے ہیں وہ دل سے "اذا جاء اجلہم لا یستقدمون ساعۃ ولا یستاخرون ولو کان فی بروج مشیدہ" پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ "شب گور در وہ محال است خفت" وہ جانتے ہیں کہ موت ٹل نہیں سکتی اور بغیر موت کوئی مر نہیں سکتا۔ بقول

اگر زندگانی نبشت است دیر ٭ نہ مارت گزائد نہ شمشیر و شیر

علاوہ اس اعتقاد کے ایسے اسلامی کاموں میں جان دینا نجات ابدی اور سرور سرمدی دخول بہشت کا موجب جانتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ تحریک تھی کہ سلطان محمود نے متعدد سخت موقعوں پر اپنی دعائے نیازمندانہ کی اجابت سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ "باخلاق پاکیزہ درویش باش" کا حقیقی نمونہ ہے اگرچہ یہ درجہ اُس کو حاصل نہ بھی تھا۔ تاہم مومن صادق تھا اور "اتقو من فراسۃ المومن" سے بہرہ تام رکھتا تھا۔ مومن پاکباز کی فراست وفہمید کشف وشہود کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ سلطان نے اسی نور روحانی یا فراست ایمانی سے اس موقعہ کے پانی کے اوتار چڑھاو کو اندازہ کر لیا ہوگا اور اُس کے مطابق صحیح وسلامت عبور کر کے عوام کو ششدر کر دیا٭

سلطان کی دوامی قیام گجرات پر بحث

یہ روایت تو درست معلوم نہیں ہوتی کہ سلطان غزنی کی جگہ گجرات کی دوامی رہایش کو پسند کرتا تھا اور انہلوارہ کو دار الصدر مقرر کرنا چاہتا تھا سلطان تمام شمالی ہند کو فتح کر چکا تھا

الحاق ممالک یا جبر یہ اسلام قرآن کے برخلاف تھا۔ راجاؤں کی اطاعت یا مناسب طریق سے اسلام کی اشاعت ہو رہی تھی مالی آمدنی خراج اور جزیہ کے ذریعہ ہوتی تھی۔ اسلئے اس سے زیادہ آرزو راجگان ہند کے استیصال اور صوبجات ہندوستان کے الحاق کی ہو سکتی تو گجرات میں دوامی قیام کا خیال پیدا ہو سکتا۔ مگر سلطان نے کبھی بھی ہندو راجگان کا بصورت اطاعت متاصل کرنا پسند نہیں کیا اور نہ ہند۔ ور یاستوں کے الحاق پر عمل کیا۔ پھر گجرات کو صدر مقام بنانا اور غزنی پر ترجیح دینا باور نہیں کیا جا سکتا۔ گجرات ہندوستان کے گوشہ مغربی پر واقع تھا۔ ہندوستان کا دارالصدر ہونے کی صلاحیت نرکھتا تھا۔ رہا آب وہوا سو غزنی کے موسم بہار سے ٹکر نہ کھا سکتی تھی۔ برفانی علاقہ کا رہنے والا سلطان اور اُس کی فوج کبھی ہندوستان کی سکونت کو گجرات ہو یا کوئی اور مقام کب پسند کر سکتی تھی۔ اسی سردی کا لطف اوڑانے کے لئے وہ ہندوستان میں موسم گرما میں نہیں ٹھیرتا تھا۔ علاوہ اس کے غزنی اور گجرات کے راستہ کے مشکلات دیکھ چکا تھا اُن کی موجودگی میں وہ غزنی سے اسقدر دور ہمیشہ کے لئے نہیں رہ سکتا تھا۔ گو سلطان محمود ایشیا کا بہت بڑا بلند اقبال سلطان گذرا ہے۔ ہمعصروں میں سے کوئی بادشاہ اُسکا مدمقابل نہ تھا مگر پھر بھی اُسکو جسقدر شمالی ترکوں اور ڈاکو سلجوقیوں سے خطرہ تھا اسقدر ہندوؤں سے نہ تھا کہ ہندوستان خصوصاً گجرات کو صدر مقام بنانا۔ لنکا اور پیگو کے جواہرات معدنیات کا طمع بھی کافی وجہ نہیں ہو سکتی سلطان کی فوج خشکی کے جنگوں میں مشاق اور مہارت رکھتی تھی۔ لیکن بحری لڑائیوں کا تجربہ نہ رکھتی تھی۔ لنکا و پیگو کی فتح بیڑہ جہازات بحری فوج کے سوا ناممکن تھی۔ اور بحری مہمات کے لئے کافی فوج اور جہازات کی بہم رسانی کے لئے کافی وقت درکار تھا اسلئے واقعی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اولوالعزم سلطان نے لنکا کی فتح کا ارادہ کیا۔ اور گجرات وغیرہ مغربی سواحل سمندر یا دیگر جہازران قوموں سے فوج بھرتی کرنی چاہی ہو۔ چونکہ اُس زمانہ میں مصر۔ شام۔ سپین کے مسلمان ملاح دور دور تک سمندروں میں گشت کرتے تھے اس لئے ایسی قوموں سے بحری فوج کا مرتب ہونا اور لنکا وغیرہ جزائر کا تسخیر ہونا قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ اور اس مطلب کے لئے سلطان کا غزنی کو خیرباد کہنا اور گجرات کو ہمیشہ کے لئے دارالصدر بنانا ضروری نہ تھا۔ پس میری رائے میں سلطان نے گجرات میں دوامی قیام کا ارادہ نہیں کیا۔ لنکا وغیرہ جزائر کی فتح کا ارادہ کیا تھا جو پورا نہ ہو سکا:۔

راجہ گجرات کو تاج بخشی

انہلوارہ کا راجہ بھاگ گیا اور مطیع نہ ہوا۔ سلطان نے گجرات کی حکومت ایک ایسے شخص کو عطا کی جو قدیم راجاؤں کے خاندان سے تھا اور اب خلوت نشین سادھو تھا۔ جنگی یا ملکی طاقت نہ رکھتا تھا یہ راجہ اسی دابشلیم کی نسل سے تھا۔ جسکا افسانہ انوار سہیلی (پنج تنتر) وغیرہ میں درج ہے اِس تقرری کو خواہ کسی مصلحت پر تصور کیا جاسے۔ لیکن ایک سادھو گوشہ نشین کو سابق راجہ انہلوارہ کے جیتے جاگتے راج تلک دینا سلطان کی کمال فیاضی اور زبردست فاتحانہ اقتدار کو ثابت کرتا ہے کہ ایک بے نام و نشان شخص کو گدائی سے درجہ شاہی تک پہنچا دیا اور شاہانہ بندہ نوازی کو دوست دشمن کے دل میں بٹھا دیا۔ اور سلطان کے تقرر کو تمام باشندگان گجرات نے تسلیم کر لیا۔ اور سابقہ راجہ انہلوارہ یا جدید رقیب دابشلیم کا معدوم اور قید ہونا سلطان کی کامل فتحیابی گجرات اور اُس سلطانی رعب کو ظاہر کرتا ہے جو ہندوؤں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا۔ گویا گجرات غزنی کا ایک جزو ہو گیا تھا کہ سلطان جس کو چاہے بخشدے حقیر ہو یا امیر سلطان کا دست شفقت جس کے سر پر رکھا جائے وہی گجرات کا راجہ بن سکتا ہے۔ سلطان کی اس تاج بخشی کا مقابلہ تاریخ میں نہیں پایا جاتا :۔

اس جدید راجہ نے اپنے ایک رقیب کو حوالہ سلطان کیا یا اپنے تخت کے نیچے ایک قیدخانہ تیار کیا۔ دشمن کو قیدخانہ میں ڈالنے سے پہلے ہی خود کسی اتفاقیہ سبب یا کسی عارضہ سے اندھا ہو گیا۔ اور دستور ملک کے مطابق اندھا راجہ نہیں ہو سکتا تھا اسلئے اُس قیدخانہ میں ہی قید کیا گیا اور "چاہ کن را چاہ درپیش" کا مصداق بنا۔ فرشتہ نے یہ قصہ مفصل لکھا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار :۔

غزنی کو واپسی اور مشکلات

سلطان جب گجرات کا انتظام کر چکا تو آسان اور آباد راستہ راجپوتانہ۔ دہلی۔ پنجاب کا تھا مگر راجہ اجمیر۔ انہلوارہ اور دیگر راجپوت راجگان کی جمعیت سے مقابلہ کا اندیشہ تھا۔ اگرچہ سلطان اُن پر فتح پا سکتا تھا لیکن فوج کو اِس دفعہ خلاف معمول دو سال اس مہم میں لگ گئے تھے اور موسم گرمی کا آگیا تھا راستہ میں لڑائی چھڑ جاتی جو بالکل ممکن تھی تو شاید ایام گرمی

یا زیادہ عرصہ لگ جاتا۔ اور ہندوستان کی گرمی کی فوج غزنی برداشت نہ کر سکتی۔ جاٹوں کے نقصان کے علاوہ سومنات کا مال غنیمت بھی معرض خطر میں تھا۔ ان خطرات کے مقابلہ میں مذکورہ بالا راجاؤں پر فتح پانے سے کچھ زیادہ فائدہ نہ تھا اجمیر اور انہلوارہ وغیرہ تمام راستہ کے مشہور امصار فتح چکے تھے راجپوتانہ سے آگے پشاور تک بڑے بڑے مشہور مقامات فتح ہو چکے اور عموماً باجگذار تھے اس علاقہ سے بھی کسی فائدہ کی امید نہ تھی۔ بہرحال نقصان یقینی تھا اسلئے سلطان نے یہ راستہ چھوڑ دیا اور سندھ کے راستہ مراجعت کی۔ ہندو راہبر سلطان کو معہ فوج ایک بے آب و گیاہ بیابان میں لے گئے اور لوگ شدت پیاس سے مرنے لگے۔ راہبر سومنات کے سیوک (مرید) تھے جنھوں نے دھوکہ دہی سے انتقام لیا۔

LIBRARY

سلطان کی اجابت دعا

سلطان نے جو عموماً ایسی مشکل کے وقت خدا تعالےٰ کے حضور میں دست بدعا ہوا کرتا تھا وضو کرکے دو نفل ادا کئے اور خشوع و خضوع سے پانی کے لئے دعا مانگی سلطان کے عجز و نیاز کی برکت سے دور سے روشنی نمودار ہوئی۔ اودھر کوچ کیا گیا۔ صبح کے وقت ایک چشمہ پر پہنچے اور ہلاکت سے نجات پائی مگر سندھ کے بیابانوں سے گذرنے میں سلطان کو سخت تکلیف ہوئی۔

جاٹوں کی سرکشی

سلطان جب واپس جارہا تھا اور مراجعت کیوقت کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرنی چاہتا تھا۔ جاٹوں نے چھیڑ چھاڑ راہزنی شروع کی اور سلطانی فوج کو ستایا۔ سلطان نے اس قوم کی سزا کو دوسرے وقت پر موقوف رکھا اور اسوقت صرف گذر جانا ہی مناسب تصور کیا اور معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت سندھ میں کوئی ایسی ہندو طاقت نہ تھی جو مزاحم ہوتی۔ سندھ کی ہندو سلطنت عربوں کے ہاتھ سے تباہ ہو چکی تھی اور عربی سلطنت بھی بگڑ چکی تھی۔ بجائے کسی طاقتور ریاست کے ہندو مسلمانوں کی کمزور دیہاتی ریاستیں ہونگی۔ جن کو کسی قسم کا دعوے سلطنت نہ تھا۔ اسیواسطے سلطان محمود کا مقابلہ سندھ میں کسی نے نہ کیا۔

: جاٹ محمد بن قاسم کے عہد میں تھے غالباً یہ قوم تھن کوٹ کے نواح یا اس سے

بھی کچھ نچلے علاقہ میں آباد ہوگئے۔ اس قوم نے سلطان کو کسی ملکی رقابت سے نہیں ستایا تھا بلکہ لوٹ کھسوٹ کی طمع دامنگیر ہوئی تھی۔ جو عموماً دیہاتیوں میں ہوا کرتی ہے۔ قرامطہ یا ملحد ملتان یا سندھ میں تھے تو ان کی خاموشی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سبکتگین شیخ حمید لودہی کو ملتان کی حکومت دے چکا تھا۔ اور سلطان محمود بھی فتح کرچکا تھا۔

خطاب خلیفہ بغداد

۴۱۷ھ میں سلطان اس دور دراز سفر کو دو سال کے بعد طے کرکے بخیریت غزنی پہنچا۔ کمال خوشی اور جشن کئے گئے۔ خلیفہ بغداد نے فتح سومنات کے بعد سلطان کو کہف الدولہ والاسلام اور اس کے بیٹوں میں سے مسعود کو شہاب الدولہ اور محمد کو جلال الدولہ اور بھائی یوسف کو عضد الدولہ لقب دیا اور خراسان۔ ہندوستان۔ نیمروز۔ خوارزم کا فرمان حکومت ارسال کیا۔ یہ فرمان آج ایک تمسخر معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود جو بزور شمشیر ان ممالک کو تصرف میں لاچکا تھا۔ اس کو بے اختیار خلیفہ بغداد کا یہ عطیہ کیا معنی رکھتا ہے:۔

اسلام کی مرکزی طاقت

لیکن یہ ایک اسلامی عقیدہ ہے کہ اسلامی دنیا میں خلیفہ ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اگرچہ اس عقیدہ کی مدت سے اہل غرض نے توڑ پھوڑ کردی ہے۔ لیکن سلطان محمود اس مفید عقیدہ کی فلاسفی کا قائل تھا۔ اتحاد قومی کے لئے کسی نہ کسی مرکزی طاقت کی ضرورت ہوا کرتی ہے آج اسلامی دنیا میں ایسی طاقت کے بحال کرنے کے لئے کہیں بصورت پان ازم صدا بلند ہوتی ہے۔ اور کہیں مصر میں دنیا کے اہل اسلام کو جمع کیا جاتا ہے گو یہ اجتماع پولٹیکل نہیں ہے مگر مخالفین اسلام اسکو بنظر وحشت دیکھتے ہیں۔ خلیفہ بغداد کی ہستی پولٹیکل ہستی تھی اس کا خطبہ ہر جگہ پڑھا جاتا تھا۔ اس کی موجودگی میں اور کوئی شخص خواہ کسقدر سلطان باوقار ہو امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین نہیں کہلا سکتا۔ مصر کے بنی فاطمیہ کے سوا جو مذہبًا امت محمدی کے جم غفیر سے علیحدگی رکھتے تھے اور بڑے بڑے مقتدر سلاطین۔ سامانی۔ غزنوی۔ سلجوقی۔ اتابکیہ۔ ایوبیہ۔ نے خلافت بغداد کی مقدس یادگار کو قائم رکھا اور اس کے عوض میں عام مسلمانوں کی مجاہدانہ نبرد آزمائی سے فائدہ اٹھایا۔ جنگ صلیبی میں گو کوئی خلیفہ شامل نہ

ہو سکا۔ لیکن بغداد کی عام ترغیب و تحریک غازیوں کو سرفروش بناتی رہی۔ اسلئے خلیفہ بغداد گو کمزور و ضعیف تھا لیکن اُس واحد طاقت خلافت سے سلطان محمود اور دیگر فاتحین اسلام کو فائدہ پہنچتا رہا۔ بغداد کی مرکزی طاقت سے کئی مدعی دب جاتے تھے۔ خراسان و نیمروز پر امرائے دیلم قابض تھے۔ سلطان گو اُن کو مغلوب کر سکتا تھا اور کسیقدر کر چکا بھی تھا لیکن خلیفہ بغداد جو حقیقی وارث تھا اُس کے فرمان نے آیندہ وراثت کا فیصلہ کر دیا اور مسلمانوں کی خونریزی بغیر محمودی علاقہ کی حدبست ہوگئی:۔

جاٹوں پر چڑھائی

سومنات سے واپسی کے وقت چونکہ جاٹوں نے تکلیف دی تھی اس لئے اب سلطان غزنی میں تمام سامان پہنچا کر چیدہ فوج لیکر جاٹوں پر چڑھ آیا جاٹ قزاق تھے سلطانی فوج کا مقابلہ میدان میں کب کر سکتے تھے۔ دریائے اٹک کے جزیروں میں بھاگ گئے یہ جزیرے غالباً مٹھن کوٹ سے نیچے ہونگے۔ جہاں پنجاب کے پانچوں دریا اٹک میں مل جاتے ہیں اور دریا کئی پاٹ ہو کر بہتا ہے۔ دوامی یا عارضی جزیرہ بن جاتے ہیں۔ اُن جزیروں میں جاٹوں نے اپنا اہل و عیال مال و منال بھیج دیا۔ سلطان نے چودہ سو کشتیاں بنوائیں ہر ایک کشتی پر لوہے کی تین سلاخیں نوکدار مضبوط کاٹنے والی لگائیں ایک سامنے اور دو پہلوؤں پر۔ ہر ایک کشتی میں بیس سپاہی تیر انداز بٹھا دئیے اور جاٹ بھی بقول فرشتہ چار ہزار یا آٹھ ہزار کشتیاں لے کر مقابل ہوئے جس تعداد پر الفنسٹن صاحب معقول اعتراض کرتا ہے۔ لڑائی شروع ہوئی سلطانی کشتی کے مقابل جاٹوں کی جو کشتی آئی تھی چور چور ہو کر غرق ہوتی تھی۔ اسطرح جاٹ مارے گئے اور اُن کے اہل و عیال قید کئے گئے۔ اور سلطان مظفر و منصور ہو کر واپس غزنی ہوا۔

مقناطیسی بُت

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے سفر سومنات میں ایک مندر میں ایک بت ہوا میں معلق دیکھا تھا اور جسکو بت پرست کرامت اور خرق عادت سمجھ کر نذر و نیاز چڑھایا کرتے تھے۔ سلطان حیران ہوا اور اپنے درباری حکمائے سائنس دان کو تحقیقات کا حکم دیا دریافت ہوا کہ مندر کی دیواریں سنگ مقناطیس کی بنی ہوئی ہیں۔ اور بُت لوہے کا ہے۔ اطراف و

جوانب سے مقناطیس کی قوت جاذبہ بت کو برابر کشش کرتی ہے اور ہوا میں معلق رکھتی ہے پجاریوں نے عوام کے پھسلانے اور روپیہ بٹورنے کے لئے یہ انوکھی تصویر بنا رکھی ہے سلطان نے جون ہی ایک دیوار گرائی بت مذکور زمین پر گر پڑا اور دھوکھا پجاریوں کا جال ٹوٹ گیا:۔

سلجوقیوں کی بغاوت

سلجوقیوں کا حال ہم تذکرہ بہادران اسلام میں لکھ چکے ہیں۔ یہ قوم اسلام لاکر اور کفار ترک سے لڑ بھڑ کر ممالک اسلام ماورالنہر میں بطور خانہ بدوش اقوام کے رہنے لگی۔ گھاس چارہ کی افراط وتفریط کے موقعوں کی تلاش کے سبب کہیں مستقل سکونت اختیار نہ کر سکی۔ لیکن جفاکشی عام سادگی کے سبب اُن کا تمول اور عدت جمعیت بڑھنے لگی۔ ماوراالنہر کے امن پسند اور آرام طلب باشندوں پر وقتاً فوقتاً دست درازی کرنے لگے۔ ابتدا میں کبھی سزا کبھی حاکمانہ برتاؤ ان سے کیا جاتا رہا۔ سلطانی عہد دار سلجوقیوں کو معمولی خانہ بدوش قزاق جان کر زیادہ سزا دہی پر کمر بستہ نہ ہوئے اور سلطان محمود بھی اُن کو بے حیثیت ہی جانتا رہا۔ اس تساہل نے سلجوقیوں کے حوصلہ بڑھا دئے اور سلطانی رعایا کی جان ومال کو خطرے میں ڈالدیا سلطان کی غیبت سومنات کے وقت سلجوقیوں نے زیادہ سرگرمی دکھائی اور سلطان نے ابو الحرب امیر طوس کو سلجوقیوں کی سزادہی پر مقرر کیا۔ امیر طوس نے ابتدا میں چند فتوحات حاصل کیں۔ لیکن آخر سلطان سے عرض کرنی پڑی کہ حضور کے آئے بغیر یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا اب سلطان کی آنکھیں کھلیں۔ فوج جرار لے کر چڑھا بھلا سلطان کے پرجوش حملہ کی کون تاب لا سکتا تھا۔ سلجوقی قوم نے ایک سخت مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور بہت سے مارے گئے۔ باقی خواہان امان ہوئے۔ چونکہ اسوقت یہ قوم کوئی مدعی سلطنت نہ تھی اسلئے سلطان نے اُن کو بدستور اپنے ملک میں رہنے دیا اور اُن کو خراسان کیجانب نکال دیا لیکن یہ سخت غلطی تھی۔ خراسانی زیادہ کمزور تھے سلجوقیوں کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے۔ سلطان نے غلطی کھائی۔ خیر یہ پہلا واقعہ بغاوت آل سلجوق ہے جسکو سلطان نے دبالیا اور اُن کا سردار میکائیل قید کرکے گوالیار بھیجا گیا:۔

فتح ایران

خاندان غزنی کے عروج سے پہلے بغداد پر آل بویہ غالب ہو چکی تھی اور خلیفہ

بغداد کٹھ پتلی کی طرح ان کے ہاتھ میں تھا لیکن سلطان محمود کے عہد میں آل بویہ (دیلمی) بھی ضعیف ہو چکی تھی۔ سلطان محمود کے ابتدائی عہد میں فخر الدولہ دیلمی ایران کے ایک حصہ پر قابض تھا سلطان نے اسوقت تو ایران کا خیال نہ کیا وجہ یہ تھی کہ ابتک خراسان کا ملک باضابطہ طور سے خلیفہ بغداد نے نہ دیا تھا۔ اب فتح سومنات کے بعد خراسان کا فرمان حاصل ہوا۔ اور حدود ملک ایران سے ملحق ہوئیں ہندوستان کی فتوحات بھی کنارہ سمندر تک مکمل ہو چکیں اور کوئی میدان جنگ نظر نہ آیا۔ اب (رے) واقعہ ایران کا خیال باندھا۔ چند سال پہلے بھی جب کہ فخر الدولہ مرا تھا اور اس کی صغر سن بیٹے مجد الدولہ کیطرف سے اسکی والدہ حکمران تھی پردہ میں بیٹھ کر دربار کرتی مناسب احکام دیتی۔ سلطان محمود نے اسکو لکھا تھا کہ خطبہ و سکہ محمودی جاری کرے یا جنگ کے لئے آمادہ ہو بیگم نے جواب دیا کہ جنگ دو حال سے خالی نہیں اگر سلطان کو فتح ہوگی تو ایک بیوہ عورت پر فتح ہوگی کوئی فخر کا مقام نہیں ہوگا اگر شکست ہوئی تو سلطان کی سخت بدنامی ہوگی ؎ چہ مردے بود کز زنے کم بود +

سلطان یہ جواب سن کر اسوقت تو خاموش ہو رہا مگر جب وہ مردانہ صفت بیگم مرگئی اور مجد الدولہ کو اختیار ملا۔ وہ ایک مطالعہ پسند طالبعلمانہ مزاج رکھتا تھا۔ کتابیں ہر فن کی جمع کر رکھی تھیں علم دوست تھا۔ لیکن شمشیر زن نہ تھا۔ اسلئے ملک میں ہرج واقع ہوا۔ سلطان جو ایسے موقع کی تاڑ میں تھا۔ جھٹ عراق پر چڑھ گیا۔ مازندراں میں شمس المعالی قابوس آملا۔ سلطان مجد الدولہ کی فوجی بے انتظامی سن کر (رے) کو روانہ ہوا۔ مجد الدولہ جو مرد میدان نہ تھا خود آملا اور قید کیا گیا۔ اور معہ بیٹے کے غزنی بھیجا گیا۔

مجد الدولہ کی پچاس عورتیں تھیں جن میں سے تینتیس کی اولاد تھی سلطان نے پوچھا کہ اسقدر بیویاں کس شرع کے موافق کیں ہیں مجد الدولہ نے جواب دیا کہ ہمارے بزرگوں کی یہی عادت تھی اور چند باطنی بھی اس کے ملازم تھے ان کو سولی چڑھایا گیا اور جسقدر (رے) میں معتزلہ تھے سب کو خراسان بھیجدیا۔ اس کے کتب خانہ میں سے معتزلہ اور ملحدین کی کتابیں جسقدر برآمد ہوئیں جلائی گئیں۔ باقی غزنی کے شاہی کتب خانہ میں لائی گئیں۔ ایران اور عراق کی حکومت اپنے بیٹے سلطان مسعود کو دے کر واپس غزنی ہوا۔

• اب سلطان محمود کی سلطنت سومنات سے لے کر دریائے دجلہ تک اور کوہ یورال سے لے کر کوہ ہمالہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ گویا ایشیا کا شاہنشاہ سلطان محمود تھا۔

سلطان محمود کی وفات

اب سلطان کو مرض سوء القنیہ یا سل لاحق ہوئی۔ شاہی ڈاکٹر اور طبیب جبقدر علاج کرتے رہے مرض بڑھتی گئی۔ مگر الوالعزم اور قوی دل سلطان بیماری کی حالت میں بھی بدستور کارسلطنت کرتا رہا اور اسی حالت بیماری میں بلخ کو گیا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمود اُن شاہانہ آرام طلبیوں اور عیاشیوں کی عادت نہ رکھتا تھا کہ مورخین یورپ مشرقی سلاطین کا خاصہ بیان کرتے ہیں۔ اسی سے سلطان کی عام جفاکشی محنت پسندی اور کاروبار سلطنت سے دلبستگی ثابت ہوتی ہے۔ جاڑے کا موسم سلطان نے بلخ میں بسر کیا اور بہار کے آنے پر غزنی کو واپس آیا اور بیماری بڑھ گئی اور کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ اور ۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۰۳۰ء کو ۶۱ یا ۶۳ سال کی عمر میں ۳۵ یا ۳۶ سالہ سلطنت کے بعد وہ شمشیر زن کشور کشا دنیا کا سب سے زبردست شاہنشاہ تیغ اجل سے جان بر نہ ہو سکا اور راہی فردوس بریں ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خلا سفر اور عالم محمود کا اپنا قطعہ صحیح ثابت ہوا۔

قطعہ

ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست — بسے مصاف شکستم بیک اشارت پائے

چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت — بقا بقائے خدا است ملک ملک خدائے

سلطان میانہ قد خوش اندام چیچک رو چست و چالاک محنتی جفاکش تھا۔ قصر فیروزہ میں دفن کیا گیا:۔

سلطان محمود کے پانچ بیٹے تھے۔ محمد اور مسعود جو توام ایک روز پیدا ہوئے اور یہی غیر فیصل تولید باعث مخالفت آئندہ کی ہوئی باقی تین بیٹے احمد۔ عبدالرحمن۔ عبدالرحیم تھے خزانہ بیشمار تھا صرف سات سو رطل جواہرات بیش بہا ہے پچیس سو ہاتھی جنگی اور چار ہزار غلام خاصہ تھے جن میں سے دو ہزار چار گوشہ کلاہ پہن کر اور سنہری گرز لے کر سلطان کی دائیں طرف کھڑے ہوتے اور دو ہزار غلام دو گوشہ کلاہ پہن کر اور چاندی کی گرز لے کر بائیں طرف کھڑے ہوتے اور اسی قسم کے اور سامان شوکت تھے جو پچھلی نسلوں میں شوکت محمودی کو ضرب المثل بناتے رہے:۔

خزانہ کا جائزہ قبل از مرگ پر نوٹ

سلطان نے قبل از مرگ تمام خزانے۔ ہاتھی گھوڑے سامان سلطنت کا معائنہ کیا۔ کثرت و بوقلمونی و خوشنمائی سے میدان وسیع چمنستان بن گیا۔ یہ ایک واقعہ ہے جس کی فلاسفی کسی مورخ نے بیان نہیں کی کہ کیوں مرض موت میں سلطان نے ایسا کیا۔ مگر فرشتہ جس کو یورپین مورخ مسلمان مورخوں سے مستند اور معتبر جانتے ہیں اور عموماً انگریزی تاریخیں اسی کتاب کی سند پر لکھی گئی ہیں۔ جیسا کہ الفنسٹن صاحب جیسا جلیل القدر مورخ بھی اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۱۵ کے حاشیہ تذکرہ سبکتگین میں لکھتا ہے۔ کہ "ہماری تاریخ کی سند خاص تاریخ فرشتہ ہوگی"

یہی فرشتہ لکھتا ہے کہ "سلطان محمود ان تمام خزانوں وغیرہ کو دیکھ کر زار زار روتا رہا" سلطان نے کروڑوں روپیہ تیغ و قلم کی قدردانی رعیت کی بہبودی پر خرچ کیا۔ محمودی شان و شکوہ ایشیا میں مدت تک ضرب المثل رہا جو خرچ کثیر اور فیاضانہ عادات کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پس اسقدر خرچ کرنے والے سلطان کو زر و دولت کی محبت نے نہیں رولایا تھا بلکہ دنیا کی بے ثباتی اور عدم بقا اور حصول دنیا کے لئے عام انسانی جدوجہد اور اُس کے فنا پذیر نتائج اور اپنی یقینی رحلت اور دنیا وما فیہا سے دوامی جدائی نے اُس کے دل میں رقت پیدا کی اور آنسو بھر لایا یا زار زار روتا رہا۔ اس واقعہ کی اصلیت کو وہ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے جو مہلک بیماریوں میں گرفتار رہ چکا ہو اور حالت بیماری کے خیالات انسانی کو یاد رکھتا ہو یا جس کے سامنے صاحبان مناصب و جاہ کی موت کے واقعات گذرے ہوں۔ خدا پرست انسان جو دار عقبیٰ کو مانتا ہے وہ ضرور مرض موت میں رقیق القلب بن جاتا ہے اُس کو موجودہ قوت و اقتدار اور آیندہ کی بیکسی و جوابدہی گھبراتی اور زار زار رُلاتی ہے سلطان کا رونا کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ یہ خیال کہ سلطان زر و دولت کی جدائی کی حسرت کرتا تھا درست نہیں سلطان ایک پکا مسلمان تھا اسلامی تعلیم نے "کل شیئٍ ھالك اِلّا وجہہٗ" کا مضمون اُس کے بخوبی ذہن نشین کر دیا تھا۔ مورخ بے مثال تھا۔ شاہنامہ کی داستانیں اور طبری کے واقعات سن چکا تھا۔ شاہان عجم و عرب کے اقبال و زوال کی حکائتیں اسکو یاد تھیں۔ دربار کے فضلا و شعراان مضامین کو مؤثر عبارتوں میں سلطان کے سامنے بیان کرتے رہے کیا ایسا سلطان دنیا

... استحقاق خود سلطان نے جو قطعہ کہا ہے اور اوپر لکھا گیا ہے۔ اُس کا مصرعہ "که بقا بقائے خدا ہست ملک ملک خداست" اور صاف ہماری رائے کی تائید کرتا ہے۔ پس سلطان کی رقت زر و جواہر کی محبت کیواسطے نہ تھی بلکہ دنیاوی فنا اور دار عقبیٰ کی بقا کے سبب سے تھی جسکا نمونہ ہم روزمرہ کی وعظوں میں دیکھتے ہیں کہ سامعین وعظ روتے اور چیختے ہیں اور یہ اسلامی تعلیم کا خاصہ ہے جس نے سلطان محمود جیسے بہادر کے دل کو موم کر دیا تھا:-

اور یہ اعتراض کہ سلطان نے کچھ نہ دیا غلط ہے الفنسٹن صاحب بھی تاریخ اردو صفحہ ۵۵۰ پر لکھتا ہے کہ "تھوڑا بہت اُن لوگوں پر تقسیم کیا جن سے وہ رخصت ہونیوالا تھا" علاوہ اس کے قدیم مورخ منہاج سراج بھی اس موقعہ پر سلطان کی داد و دہش کا ذکر کرتا ہے جو ایسے رقت آمیز موقعہ اور مرض موت کی حالت میں ملکی دستور کے مطابق بالکل قرین قیاس ہے۔ افسوس کہ متاخرین نے بلا تحقیق ایسے شہنشاہ اعظم پر ایسا رکیک الزام لگا دیا جس کی وجہ ہم تذکرہ فردوسی میں لکھیں گے:-

سلطان کا تمام مال و دولت کو خزانوں میں واپس بھیجنا قابل اعتراض نہیں ہو سکتا کوئی گورنمنٹ یا سلطان اپنے احتیاجی خزائن کو لُٹا نہیں سکتا حفظ ماتقدم کیلئے شاہی خزینے اب کے علاوہ رعیت کا روپیہ نوٹوں بنکوں کے ذریعہ اپنے قابو میں محفوظ رکھتی ہے۔ اور ہم نے کسی تاریخ میں نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ نے مرتے وقت تمام شاہی خزانوں کو تقسیم کر دیا ہو اس بے معنی اعتراض کو فارسی مورخوں خصوصاً ہندوستانی وقائع نگاروں نے نفرت دلانے والے لفظوں میں لکھ کر ناظرین کو سلطان کی طرف سے بدگمان کرنے کا موقعہ نکالا ہے جو اصول واقعہ نویسی کے خلاف ہے۔ سلطان محمود کے عہد میں دولت کا دریا بہتا تھا اسی دولت نے غزنی کو عروس ممالک بنا دیا تھا۔ فوجی اور سولین شاہی ملازمت سے علما فضلا انعام و اکرام جاگیر و معافی سے کاروباری لوگ تجارت و حرفت سے مساکین سلطانی لنگر شاہی صدقات اور امرا و وزرا کی عام جود و سخا سے نہال ہو رہے تھے اور جس قدر مستحق تھے اُن کو بقول منہاج سراج اور الفنسٹن صاحب دیا گیا۔ اب سلطان اور کسی کو دیتا اور کہاں دیتا۔ افسوس کہ یہ اعتراض غیر منصفانہ بلکہ ظالمانہ کیا گیا ہے:-

سلطان محمود کے عادات اور مورخین

سلطان کی عادات پر مورخین اسلام نے علیحدہ بحث نہیں کی جو نہایت ضروری تھی واقعات لکھ دیئے ہیں جن سے مطالعہ کرنے والا حسب لیاقت نتیجہ نکال سکتا ہے۔ یورپین مورخ جو اس فن میں مشاق ہیں ضرور لکھتے ہیں مگر تحریر ان نتائج میں اختلاف رکھتے ہیں ہم نامور مورخ الفنسٹن صاحب کی تحریر پیش کرتے ہیں اور اسی ضمن میں سلطان محمود کے عادات پر بحث کریں گے۔ الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ اردو صفحہ ۵۵۰ و ۵۵۱ پر لکھتا ہے کہ "سلطان محمود اپنے زمانہ کا بہت بڑا بادشاہ تھا اور مسلمانوں کے نزدیک ہر وقت ہیں بڑا بادشاہ ہے۔ اگرچہ بعض بعض اوصاف اس کے بہت مبالغہ سے بیان کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بہرحال اس شہرت کا مستحق تھا جو اُس نے حاصل کی تھی۔ ہوشیاری اور چستی چالاکی اور دلیرانہ کاموں کی جسارت حد سے زیادہ رکھتا تھا اور ایسی بات کے لحاظ سے کہ اُس نے اپنے ملک سے اکثر باہر رہنے کے زمانہ میں اپنی سلطنت کا انتظام و انتظام بخوبی قائم رکھا یہ امر صاف واضح ہے کہ وہ حکمرانی کی عمدہ لیاقت رکھتا تھا۔"

الفنسٹن صاحب کا اعتراف اور اعتراض

الفنسٹن صاحب نے سلطان محمود کی شاہانہ عظمت۔ فاتحانہ شہرت۔ شجاعانہ جسارت مدبرانہ لیاقت کو تسلیم کیا ہے۔ اور زمانہ حال کے ایک انگریزی گورنر کی قلم سے ایسے الفاظ کا نکلنا سلطان محمود کی وقعت کو اس سے بہت کچھ بڑھا دیتا ہے جس قدر کہ مسلمان مورخ لکھتے رہے ہیں ہماری رائے ہے کہ صفات مذکورہ سے بڑھ کر ایک بادشاہ خودمختار کے لئے اور کسی صفت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ان طبعی اور عقلی اوصاف سے ہی سلطنت کی کامیابی متصور ہے جو سلطان محمود میں تسلیم کی گئی ہیں۔ مگر الفنسٹن صاحب وسعت سلطنت اور فتوحات کا سبب آس پاس کے ملکوں میں خالی میدان ہونا بیان کرتا ہے جو ٹھیک نہیں ہے ضرور مسلمان سلطنتیں کمزور تھیں سامانی خاندان کا ابتدا میں وقار قائم رکھنا رہا۔ جب ٹڈی دل ترکوں نے سامانیوں پر حملات شروع کئے تو محمود کو تلوار نکالنی پڑی خونخوار ترکوں سے کئی معرکے ہوئے اور جب سلطان ہندوستان کی طرف متوجہ تھا تو ایلک خان شاہ ترکستان نے

خراسان تک غزنی کا علاقہ دبالیا۔ سلطان محمود نے ایلک خاں اور اُس کی کئی لاکھ خونخوار ترکوں کو جنگ عظیم کے بعد مستاصل کیا تھا۔ کیا ایسے خونی واقعات کے ہوتے فتوحات محمودی کے لئے خالی میدان کہا جاسکتا ہے۔ الفنسٹن صاحب یا کوئی اور مورخ زمانہ حال کی شاہان یورپ کی مثال ایسی پیش کرسکتا ہے۔ کہ ایسے خونخوار دشمن کی موجودگی میں کسی غیر ملک پر کامیاب حملہ کیا گیا یا اگر کسی سخت دشمن نے ملک پر قبضہ کرلیا ہو تو اس طرح پسپا کیا گیا۔ یورپ کی پالیسی کو قطع نظر کیا جائے تو ایسی بہادرانہ مثال ہرگز نہیں مل سکتی :۔

دوسری طرف ہندوستان بھی خالی میدان نہ تھا نتیجہ جنگ نے ہندوؤں کو کمزور ثابت کیا۔ ہندوؤں نے جس قومی اتحاد حب وطنی جوش مذہبی سے محمود کے مقابلے کئے اور جس کثرت وعدت کے ساتھ ہندو سورمے محمود کے سامنے آتے رہے اُس سے ہندوؤں کی شجاعت وبسالت تہور وجسارت جانبازان تھرموپلی (یونان) سے کم درجہ شمار نہیں ہوسکتی۔ نہ بہادروں کی کمی تھی نہ دولت کی۔ پہاڑی وحشی قوموں تک ملک وملت پر جانیں قربان کرتی رہیں اور محمود کو متعدد موقعوں پر مشکلات میں ڈالتی رہیں ہندوستان سرسبز وآباد تھا۔ رسد رسانی باربرداری کی قلت نہ تھی۔ غزنی کی نوخیز چھوٹی سی ریاست کے مقابلہ پر ایک بڑا اعظم تھا۔ اندرونی انتظام میں گو راجگان آزاد تھے۔ لیکن بیرونی مخالفین کے کاٹنے کے لئے یورپ کیطرح سب کی ایک آواز تھی اور یہ طوائف الملوکی کچھ ضرر رساں نہ تھی۔ اگر ایک سلطنت ہوتی تو ایکدو معرکوں کے بعد ہندوستان فتح ہوجاتا مگر اسی طوائف الملوکی کا نتیجہ تھا کہ سلطان محمود کو قریبًا ہر ایک سلطنت کی تسخیر کے لئے نئے سر سے حملہ کرنا پڑا اور سترہ دفعہ فتح ہندوستان کے لئے فوج کشی کا جدید انتظام کیا۔ اِس لئے ہندوستان جس کی تسخیر سے سلطان محمود کو شہرت اور عظمت حاصل ہوئی ایسا خالی میدان نہ تھا کہ ایک معرکہ بکسر ۱۷۶۴ء سے تمام اسلامی طاقت نے برٹش جھنڈے کے سامنے سر جھکا دیا اور ایک دہلی کے عارضی قبضہ ۱۸۰۳ء نے شاہان مغل کا قائم مقام بنا دیا۔ مرہٹہ اور سکھ دو آزاد طاقتیں تھیں وہی انگریزی سلطنت کی مانع ہوئیں اور سلطان محمود کو ایسی کئی خودمختار جنگجو طاقتوں سے اجتماعی اور انفرادی طور سے دست وگریبان ہونا پڑا۔ خود الفنسٹن صاحب اپنی تاریخ اردو صفحہ ۱۰۵ پر اس طوائف الملوکی کو اسلامی فتوحات کا مانع بیان کرتا ہے پھر کس طرح سلطان محمود کے وقت میدان خالی تھا :۔

الفنسٹن صاحب کا دوسرا اعتراض
اور
اسلامی قانون سے ناواقفیت

الفنسٹن صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ملکوں کے انتظاموں میں کوئی نئی بات اپنی طرف سے ایجاد نہیں کی اور نہ کوئی نیا قانون اور قاعدہ جاری کیا" ضرور جدت پسند یورپین اِس کو عیب خیال کرتے ہوں۔ لیکن یہ اُن کی اسلامی قانون (فقہ) سے ناواقفیت کا سبب ہے۔ اگر الفنسٹن صاحب قانون اسلام کا مطالعہ فرماتے تو اچھی طرح سمجھ سکتے کہ مجتہدین اسلام (واضعان قانون) نے انتظام ملکی و مالی۔ ملٹری۔ و سول۔ فاتح و مفتوح کے حقوق اور سلوک کی جس وضاحت سے تشریح کی ہے اور جس پر مسلمانوں کی تمام متمدن اور مہذب خلفائے راشدین رضی اللہ علیہم اور خلفائے بنی امیہ اور عباسیہ وغیرہ کا عمل رہا ہے اور اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ ابھی ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ ہمالیہ سے لے کر کوہ یورال اور دیوار چین سے لے کر کوہ پری نیز واقعہ جنوبی فرانس تک تمام قوموں نے فاتحین اسلام کے سامنے گردن جھکا دی اور یہ اثر محض تلوار کا نہیں تھا اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ اسقدر عالمگیر فتوحات اسلامی قوانین کی عمدگی سے حاصل ہوئی ہیں۔ جو ماتحت رعایا سے برتا جاتا تھا۔ سلطان محمود اُنہیں قوانین کا پابند تھا۔ جن کی پابندی کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں بن سکتا امیر ہو یا فقیر سلطان ہو یا وزیر۔ اسلامی قانون کا ماخذ قرآن ہے جس میں کمی بیشی تغیر و تبدل کا کسی کو اختیار نہیں۔ کیا ایسے مضبوط اور محفوظ اصول قانون کی موجودگی میں سلطان محمود کوئی نیا قانون یا قاعدہ جاری کر سکتا تھا یا کسی نئے قانون کے اجرائے کی ضرورت تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اگر سلطان محمود ایسا خبط کرتا تو آج وہ بھی اعتزال والحاد سے موسوم ہوتا۔ اور اسلامی قواعد کے قطع برید سے مخرب اسلام کہلاتا۔ اور جس دینی محبت اور اسلامی جوش سے مسلمان اُس کے جھنڈے تلے جان نثاری کے لئے جمع ہوتے رہے۔ اور اُس کو مظفر و منصور بناتے رہے کبھی اُس کی تائید نہ کرتے:۔

ہم یہ بات دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ کسی اسلامی گورنمنٹ کو یورپ کی طرح قانون سازی کی ضرورت نہیں بشرطیکہ شریعت محمدی پر بغیر کسی نفسانی غرض کے عمل کیا جائے

بیت المال کے روپیہ کا مصرف بہبودی رعایا ہے نہ کہ نمائشی کام ٹیکس و خراج کی مقدار
محدود و قلیل۔ نہ کہ غیر منتہی اور کثیر غیر قوموں سے سلوک عادلانہ اور ان کے اسباب وجہ
معیشت میں دست اندازی نہ کرنے کی سخت تاکید ہے۔ آزادی اسلام کا اصول ہے
ان تمام اصول کا سلطان محمود بہ تقلید شریعت پابند تھا۔ جو ملک فتح کرتا تھا وہ ہندو راجگان
کو بخشتا رہا۔ پنجاب کا مجبوراً الحاق کیا تو بھی ملکی انتظام زیادہ تر ہندوؤں کے ہاتھ رہا۔ فوج
میں ہندو مسلمانوں کی کوئی تمیز نہ تھی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں اور
کون سا جدید قانون و قاعدہ جاری کرتا۔ ضرور آج کل قانون بازی کا زمانہ ہے اور اسی
کو لیاقت و تدبیر تصور کیا جاتا ہے مگر اسلام ایسے زبانی جمع خرچ کو انصاف حقیقی سے کوسوں
دور جانتا ہے۔ پس سلطان محمود کو جو شریعت محمدی کا پابند تھا۔ جیسا کہ خود الفنسٹن صاحب
مانتا ہے دیکھو تاریخ اردو الفنسٹن صاحب صفحہ ۵۵ سطر ۱۳۔ انکو شریعت کے واضح اور
مفصل قوانین کی موجودگی میں نہ کسی جدید قانون و قاعدہ کی ضرورت تھی اور نہ سلطان محمود ایسا کرسکتا
تھا۔ اصول اسلام نہایت مضبوط اور جامع ہیں ان سے جزئی مسائل ہر زمانہ کی ضرورت کے موافق
ہیں۔ اسلام مخصوص نہیں جیسا کہ ایک انگریز نے لکھا ہے البتہ اس کے اصول غیر متغیر ہیں اور
جو مسلمان آج تبدیلی چاہتے ہیں ایک دن پچھتائیں گے :۔

ایک اور مورخ کی غلطی

پروفیسر صاحب دہلوی تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۳۱ سطر ۴ میں لکھتے
ہیں "اگرچہ محمود کی فوج میں کہیں یہ ذکر نہیں آیا کہ ہندوؤں کی فوج نے بھی کوئی کام اسکی
زندگی میں کیا" افسوس کہ فاضل پروفیسر نے تاریخ بیہقی میں جنگ ایلک خان کا ملاحظہ نہیں
کیا۔ جہاں ترتیب صفوف کے بیان میں ہندو فوج کا قلب میں کھڑا ہونا لکھا ہے۔ اور ہندوؤں
کی فوجی خدمات اور سلطانی الطاف و مرحمت کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اور آئندہ سلطان مسعود اور
بہرام کے بیان میں بھی کیا جائے گا۔ ہماری تحریر کو کوئی بطور اعتراض نہ سمجھے صرف اصلاح
منظور ہے وہ بھی اس خیال سے کہ ہم نے سلطان محمود کی ہندو فوج کے بارہ میں خاص
بحث کی ہے اور اسی سے لیتھبرج صاحب کے اعتراض جبریہ اسلام کی تردید نکلتی ہے
پروفیسر صاحب دہلوی کی تحریر کے مقابلہ میں ہماری تردید ناظرین کو متردد کرتی اور ہے

غلطی فاحش کی اصلاح کر دی ہے۔ شائقین مطالعہ تاریخ سے خود صحت و سقم کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

غلط اتہام

الفنسٹن صاحب تاریخ اردو صفحہ ۵۵۷ سطر ۵ پر لکھتے ہیں کہ "مسلمان مورخ محمود کو پکا مسلمان نہیں سمجھتے بلکہ دہریہ ہونے کا عیب لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاقبت کے معاملہ میں اس کو شک تھا"۔ ہم نے کوئی تاریخ نہیں دیکھی کہ جس میں سلطان محمود کو پکا مسلمان نہ لکھا ہو اگر کسی نے لکھا ہو تو محض تعصب ہے۔ تاریخی اسناد سے خالی۔ خود فرشتہ جس پر الفنسٹن صاحب کی تاریخ کا مدار ہے اس بارہ میں ایک لفظ نہیں لکھتا۔ ہاں جو قصہ اس نے العلماء ورثۃ الانبیاء کے ذیل میں لکھا ہے۔ جس کی صداقت میں شک ہے اس میں بھی صرف یہ لکھتا ہے کہ قیامت کے ہونے میں اس کو شک تھا۔ لیکن اگر کسی شخص کو ایسا شک ہو تو بھی دہریہ نہیں ہو سکتا۔ قیامت کے نہ ماننے سے عقائد اسلام کے مطابق معتزلہ۔ ملحد کہلا سکتا ہے۔ جن کا تمام عمر سلطان محمود دشمن رہا۔ ملتان اور سندھ کے قرامطی۔ ملحد سلطان کے ہاتھ سے اسی جرم الحاد سے تباہ و برباد ہوئے۔ خلیفہ مصر کے ایلچی کو جو ملحد مشہور تھا دربار میں آنے نہ دیا۔ مجد الدولہ دیلمی کو مشتبہ عقیدہ کے عوض قید کیا گیا۔ ایران کے معتزلہ۔ قرامطہ۔ ملحدین کو قتل کیا گیا۔ رے (اصفہان) کی لائبریری میں جس قدر عقیدہ اعتزال و الحاد کی کتابیں تھیں جلائی گئیں۔ ہر ایک مشکل کے وقت عاجز بندوں کی طرح خدا کو قاضی الحاجات جانتا اور اس کے حضور میں رو رو کر دعائیں مانگتا رہا۔ اور قیامت کے دن بت شکن کہلانے کی آرزو کرتا رہا۔ کیا دہریوں کے عقائد یہی ہوتے ہیں۔ اگر ایسا شخص پکا مسلمان نہیں ہو سکتا تو کون ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ الفنسٹن صاحب جیسا فاضل ایسا بے بنیاد اتہام لگاتا ہے۔ اور مشہور فرقہ دہریہ کے عقائد سے اپنی عدم واقفیت ثابت کرتا ہے۔

سلطان کی خواب اور یورپین مورخ

فرشتہ نے یہ قصہ بحوالہ طبقات ناصری لکھا ہے جس سے پروفیسر دہلوی کو انکار ہے اور مجھ کو بھی پروفیسر صاحب سے اتفاق ہے:۔

ایک دن سلطان کہیں جاتا تھا فراش شمعدان طلائی اور شمع آگے لئے ہوئے جاتا تھا سلطان نے دیکھا کہ ایک طالب علم اس سبب کہ چراغ جلانے کے لئے اوس کے پاس خرچ نہ تھا ایک بقال کی دوکان کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کرتا تھا سلطان کو اُس پر رحم آیا شمع و شمعدان اُس کو دیدیا۔ رات کو رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپنے فرمایا کہ "یا ابن امیر ناصر الدین سبکتگین اعزک اللہ فی الدارین کما اعززت وَرثتی" اِس سے سلطان کو حدیث العلماء و رثۃ الانبیاء اور قیامت کے ہونے پر جوش بھا جاتا رہا۔ اس خواب کو یورپین مورخ حسب عادت ایک فرضی من گھڑت ڈھکوسلا لکھتے ہیں اور سلطان کی چالاکی بتلاتے ہیں۔

قصہ مذکور کی اصلیت صحیح ہو یا غلط اور خواب کی فلاسفی خواہ کچھ قرار دیجائے لیکن اس میں ذرہ شک نہیں ہے کہ بعض واقعات جزاً یا کلاً انسان پر قبل از وقت بذریعہ خواب ظاہر ہو سکتے ہیں اور روحانی لوگوں پر غلبہ روحانیت کیوقت بیداری میں ہی القا و الہام۔ وحی کے ذریعہ آیندہ کے حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ حکمائے اسلام (متصوفین) نے عالم ظہور کے جو مرتبہ۔ ارواح۔ مثال جسم قرار دئے ہیں۔ اسی عالم مثال کے سیر کا نام کشف و شہود الہام۔ رویائے صادقہ۔ خواب ہے۔ مثال متصل و منفصل کی بحث کتب تصوف میں موجود ہے۔ جن کے لکھنے کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ منفصل کا نتیجہ رویائے صادقہ وغیرہ اور متصل کا پریشان خوابیں جو انسان کے روزمرہ خیالات تصورات اور دنیاوی کاروبار کا مختلط خاکہ ہوتا ہے۔ میری پچاس سال سے زیادہ عمر ہے اور اس عرصہ میں مجھکو چند ایسی خوابیں آئیں جن کا نتیجہ درست نکلا اور میرے دوستوں کو بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مشائیخ کبار کی زیارت ہوئی اور اُن میں کوئی بھی مدعی سلطنت یا اعزاز دینوی کا خواہان نہ تھا پس سلطان محمود کو اگر واقعی ایسی کوئی خواب آئی ہو اور جناب رسول کریم صلعم نے بشارت دی ہو تو اسلامی فلسفہ (تصوف) انکار نہیں کر سکتا۔ اور سلطان کی فرضی بناوٹ نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ آئیندہ کے نتایج اور سلطان کی اسلامی خدمات اور مذہبی شوق نے اسکو مسلمانوں کی نگاہ میں پکا سلطان اور معزز فی الدارین ثابت کر دیا۔

لہ اے سبکتگین کے بیٹے دونوں جہان میں اللہ عزت دے جسطرح تم نے میرے وارثوں (علماء) کی عزت وعدد کی ہے۔

سلطان کی درویشوں سے عقیدت

یہ ذکر ہم اس لئے لکھتے ہیں کہ آج کل کے نوجوانوں کو جو صحبت مشائخ سے نفرت اور تعلیم روحانی سے جو اصل الاصول اخلاق ہے۔ کراہت ہو دور ہو۔ اور ان کو معلوم ہو کہ سلاطین عالیشان اور نامور فاتحان اس پاکیزہ انفاس گروہ سے کسقدر عقیدت رکھتے آئے ہیں۔ زمانہ اقبال میں اس گروہ کی کسقدر عزت اور ضرورت تھی اور ان بزرگان دین کی راستبازی اور صداقت شعاری غرور سلطنت کو کس طرح دور کر کے اخلاقی تعلیم دیتی تھی۔ اس ستودہ صفات گروہ کے اسلامی خدمات پر پہلے ہم بعنوان "اشاعت اسلام بذریعہ صوفیائے کرام" کسی قدر لکھ چکے ہیں اور تذکرہ بہادران اسلام میں بھی فتوحات عظیمہ کے ضمن میں ان اولیاء اللہ کا ذکر ہو چکا ہے اور جسقدر مسلمانوں کو ان بزرگوں سے سرگرمی اور حوصلہ حاصل ہوتا رہا وہ لکھا گیا ہے ہندوستان میں مشائخ چشت۔ سہروردی۔ قادری۔ نقشبندی کو سلطنت دہلی سے تعلق رہا وہ آئندہ لکھا جائے گا۔ اکبر جیسا بانی مذہب بھی۔ اجمیر۔ پاک پٹن وغیرہ مزارات متبرکہ پر جبین نیاز رگڑتا رہا۔ اور شیخ سلیم و دانیال کی کنار عطوفت میں پیارے فرزندوں کو پرورش دلاتا رہا اسلئے یہ گروہ اسلام میں نہایت کار آمد ہے۔ ضرور ہے اے بسا ابلیس مردم روئے ہست کے نمونے بہت ہیں لیکن حقیقی درویشوں کی بھی کمی نہیں صرف سچی تلاش شرط ہے :-

سلطان محمود کا قصہ ذیل اس شاہنشاہ اعظم کی عقیدت راسخہ کو بخوبی ظاہر کرتا ہے جو اس کو اہل اللہ سے تھی اور ہر ایک مسلمان کو ایسی ہی محبت چاہیے

شیخ المشائخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ
اور
سلطان محمود کی ملاقات

فرشتہ بحوالہ تواریخ بنائے گیتی لکھتا ہے کہ جب سلطان محمود خراسان کی طرف گیا تو شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا ارادہ کیا لیکن اس خیال سے کہ میں خراسان کی ملکی انتظام کے لئے غزنی سے چلا ہوں۔ دنیاوی خواہشات کے ضمن میں دوستان خدا کی زیارت کرنی شرط ادب سے دور ہے۔ اس لئے اس سال خراسان سے ہندوستان گیا اور سفر

ہندوستان سے واپس آکر زیارت شیخ کا احرام باندھ کر خرقان پہنچا اور خرقان جاکر شیخ
ممدوح کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ سلطان غزنی سے خرقان آیا ہے اگر آپ اپنے مکان سے
اٹھ کر بارگاہ سلطانی تک آئیں تو اطیعو اللہ واطیعوالرسول واولی الامر منکم
کی فضیلت حاصل ہوگی۔ اس مرد خدا نے جواب دیا کہ میں اطیعو اللہ میں ایسا مستغرق
ہوں کہ اطیعوالرسول سے نادم ہو رہا ہوں۔ اولی الامر منکم کی جانب کس طرح
مشغول ہو سکتا ہوں۔ سلطان یہ پیغام حقانی سن کر رو پڑا مگر اطمینان قلب کے لئے امتحان
کرامت کرنا چاہا۔ اپنی پوشاک ایاز کو پہنائی اور دس کنیزوں کو غلاموں کا لباس پہنا کر خود ایاز
بن کر ساتھ چلا۔ دروازہ صومعہ پر پہنچکر السلام علیکم کہا شیخ نے جواب دیا لیکن تعظیم کے لیے
نہ اٹھا ایاز کی طرف جو شاہی لباس پہنے تھا متوجہ نہ ہوا۔ اور سلطان محمود جو حیثیت غلامان میں کھڑا
تھا اوپر توجہ مبذول رکھی سلطان محمود نے کہا کہ اے شیخ تو نے سلطان عصر کی تعظیم
کیوں نہیں کی شیخ صاحب نے کہا کہ یہ تمام جال ہے میں اس جال میں پھنسنے والا مرغ نہیں ہوں
سلطان نے کچھ ارشاد فرمانے کے لئے کہا شیخ صاحب نے فرمایا کہ نامحرم عورتوں کو باہر
نکال دو۔ سلطان نے لونڈیوں کو جو مردانہ لباس پہنے ہوئی تھیں باہر نکال دیا۔ سلطان
نے کہا کہ اقوال بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ میں سے کچھ سنائیے۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ حضرت
بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کہ جس نے مجھے دیکھا رقم شقاوت سے ایمن ہوا۔
سلطان نے اعتراض کیا کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا درجہ بایزید سے زیادہ تھا ابوجہل
اور ابوسفیان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مستفیض ہوئے تھے وہ کیوں نہ
دیدار کرتے ہی سعید ہو گئے۔ شیخ صاحب نے جھڑک کر کہا محمود ادب نگاہ رکھ تو دنیاوی
سلطنت کی باتیں سمجھ سکتا ہے یہ رمز معنوی ہے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو شان مصطفوی
میں کسی نے سوا چار یار اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے دیکھا چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرماتا ہے
وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ تب سلطان محمود اس دلیل
قرآنی کو سن کر بحث سے باز آیا اور مریدان باصفا کی طرح درخواست نصیحت کی شیخ صاحب
نے پرہیزگاری۔ نماز باجماعت۔ سخاوت۔ شفقت برخلق کی چار نصیحتیں کیں۔ اور انہیں
چاروں میں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور فرائض سلطنت آجاتے ہیں۔ سلطان نے درخواست
دعا کی شیخ نے کہا کہ میں نماز پنجگانہ میں اللھم اغفر للمومنین والمومنات ۔ کہتا ہوں

کی دعا مانگا کرتا ہوں سلطان نے کہا کہ یہ تو دعاے عام ہے خاص کیجیے۔ شیخ نے کہا عاقبت محمود ہو۔ سلطان نے مُہروں کی تھیلی پیش کی شیخ صاحب نے جو کی روٹی کھانے کو دی سلطان نے ایک لقمہ کھایا حلق میں اٹکا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ کیوں نہیں کھاتا سلطان نے کہا کہ گلے میں پھنستی ہے شیخ صاحب نے کہا کہ اسی طرح یہ تیرا بدرہ زر بھی گلے میں پھنستا ہے اس کو اٹھالے میں دولت دنیا کو طلاق دے چکا ہوں سلطان نے کوئی نشانی تبرکاً مانگی۔ شیخ نے اپنا پیراہن (خرقہ) عنایت کیا۔ سلطان جب رخصت ہوا تو شیخ صاحب تعظیماً کھڑے ہوئے سلطان نے دریافت کیا کہ جب میں آیا تو آپ نے تعظیم نہ کی اور اب جاتی دفعہ تعظیم کی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تو غرور شاہی اور امتحان درویشی کے لئے آیا تھا اس لئے تعظیم نہ کی گئی اور اب انکسار درویشی کے ساتھ جاتا ہے۔ اس لئے تعظیم دی گئی:۔

سلطان کو جب کبھی کوئی مشکل پڑتی خرقہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حرمت سے دعا مانگتا اور قبول ہوتی۔ حملہ سومنات کے وقت جب راجگان ہند کی کثرت اور دیگر جنگی مشکلات نے سلطان کو فتح سے مایوس کر دیا تھا تو بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہو کر دعا کی تھی کہ الٰہی اس صاحب پیراہن کی برکت سے مجھے مخالفوں پر فتح عطا کر دعا منظور ہوئی اور دفعتہً رعد و باران کی کثرت نے فوج مخالف میں ابتری ڈال دی۔ اور سلطان کو فتح حاصل ہوئی۔ اور نذر معینہ کے موافق مال غنیمت میں سے مال کثیر غربا و مساکین پر تقسیم کیا گیا:۔

اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان کورکورانہ اعتقاد رکھنے والا نہ تھا۔ بلکہ ہر ایک کو خوب ٹھونک ٹھانک لیا کرتا تھا۔ مثلاشی محقق تھا۔ دوئم صداقت کا تسلیم کرنے والا منکسر مزاج حلیم الطبع تھا۔ اطلاقی اور سچی تعلیم کو دل و جان سے مانتا تھا۔ اہل اللہ کی خدمت کرتا تھا۔ عطائے خرقہ سے اگر سلطان کو شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا خلیفہ معنوی کہا جائے تو زمانہ حال کے دستور کے موافق غلط نہیں اس سے یا جامع الحکایت کی اس روایت سے جو فرشتہ نے لکھی ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا۔ کہ لوگ حرمین شریفین سے احرام باندھ کر تیرے پاس آیا کریں گے۔ سلطان کی مذہبی حیثیت دیگر مسلمان سلاطین سے بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ خلفائے راشدین کے بعد ایک دو کے سوا اور کوئی سلطان درجات محمودی کو پہنچ نہیں سکتا اس کے غزوات خلافت راشدہ کے مشابہ ہیں اس کی فوج کا اسلامی

جوش قرن اولے سے کم پایا نہیں جاتا اُس کی غازیانہ ہمت تہوّر خالدی کو تازہ کرتی ہے اُسکا منصفانہ سلوک اور رحیمانہ برتاؤ امین الملۃ ابو عبیدہ کے سلوک کو یاد دلاتا ہے ۔ اُس کی عدالت فاروقی عدالت کو زندہ کرتی ہے ۔

سلطان محمود کی عدالت

سلطان محمود کی عدالت گستری کی جسقدر داستانیں مورخین نے لکھی ہیں اُن میں سے ہم ذیل کے ایک واقعہ پر کفایت کرتے ہیں جن کی نظیر بقول فرشتہ اور کسی شہنشاہ خود مختار میں پائی نہیں جاتی ۔ کہتے ہیں کہ ایک روز ایک شخص فریادی آیا ۔ اور عرض کی کہ مضمون استغاثہ سر دربار عرض نہیں کرسکتا ۔ شاہ عدالت پناہ علیحدہ خلوت میں لے گیا اُس نے عرض کی کہ بادشاہ کا بھانجا عادت سے میرے گھر آتا ہے اور مجکو کوڑے مار کر گھر سے باہر نکال دیتا ہے اور میری عورت کے ساتھ صبح تک ہم بستر رہتا ہے ۔ میں تمام حکام مجاز سے فریاد کرچکا ہوں مگر کسی کا حوصلہ نہیں پڑتا کہ خود میرا انصاف کرے یا حضور کی خدمت میں گذارش کرے اب میں سب طرف سے مایوس ہو کر حضور کی بارگاہ میں پہنچنے کا منتظر تھا آج موقعہ ملا ۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو بادشاہ بنایا ہے ۔ حقوق رعایاء کی جوابدہی بارگاہ الٰہی میں آپ کو کرنی پڑیگی ۔ اگر آج مجھ مظلوم کی دادرسی کریں گے ۔ تو بہتر ورنہ منتقم حقیقی انتقام لے گا ۔ خدا پرست سلطان جو یوم جزا پر پورا اعتقاد رکھتا تھا ۔ انتقام الٰہی اور جوابدہی قیامت سے ڈر کر زار زار رونے لگا ۔ سلطان نے نہایت پیار و دلاسا سے فرمایا کہ یہ حال کسی اور سے نہ کہنا اپنے گھر چلے جاؤ جب وہ ظالم حسب عادت آئے اور تمکو گھر سے نکال دے آکر مجھکو خبر کرو ۔ اُس مظلوم نے کہا کہ اے شاہ عدالت پناہ مدت سے میں موقعہ تاڑ تا رہا اور آج بہزار مشکل حضور کے اردلی دربانوں پاسبانوں سے نظر بچا کر حضور تک پہنچا ۔ ایسا موقعہ ہمیشہ نہیں مل سکتا میرے جیسے مسکین کو شاہی بارگاہ تک کون پہنچنے دیتا ہے ۔ سلطان نے دربانوں کو بلا کر کہا یہ شخص جس وقت آئے مانع نہ ہونا اور جہاں میں ہوں اُس جگہ میرے پاس پہنچا دینا اور اُس شخص کے کان میں کہا ۔ کہ اگر یہ دربان عذر کریں کہ سلطان خواب استراحت میں ہے ۔ تو تم نے فلاں مکان پر آکر آہستہ آواز دینا میں سن سکونگا ۔ اور تمکو بلالونگا شخص مذکور اپنے گھر واپس گیا ۔ ایک دو ناغہ کے بعد بادشاہ کا بھانجا آدھی رات کو اس کے گھر آیا اور

شخص مذکور کو گھر سے نکال دیا۔ وہ شخص گرتا پڑتا سلطانی محل پر پہنچا۔ پہرہ والوں نے کہا کہ اس وقت سلطان محلسرائے میں سوتا ہے وہاں ہم اطلاع نہیں کر سکتے۔ وہ مظلوم اُس مکان پر گیا جس کا پتہ سلطان نے دیا ہوا تھا۔ آواز دی سلطان فوراً شمشیر بدست باہر نکل آیا اور مسکین کے گھر پہنچکر سب سے پہلے شمع کو گل کر دیا جو ان بدکاروں کے سرہانے جل رہی تھی۔ اور تلوار کی وار سے بھانجے کا سر قلم کر دیا اور گھر والے سے پانی منگا کر پیا۔ مسکین نے سلطان سے شمع گل کرنے اور قتل کے بعد پانی منگا کر پینے کی وجہ پوچھی سلطان نے کہا کہ شمع اسواسطے گل کی تھی کہ بھانجے کی شکل دیکھکر صلہ رحمی کی محبت مانع نہ ہو۔ پانی اس لئے پیا کہ تین روز سے پیاسا تھا جب سے تم نے اپنا پر درد ماجرا سنایا میں نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک تمھاری دادرسی نہ کروں اور ظالم کو سزا نہ دوں کھانا پینا مجھپر حرام ہے اب جو تمھاری تکلیف و مصیبت دور ہو گئی اور میرا عہد پورا ہو گیا۔ پیاس سے بے تاب تھا اس لئے فوراً پانی پیا +

اس قصہ کو اکثر مؤرخوں نے لکھا ہے۔ انگریز مورخ ملکم صاحب نے بھی نقل کیا ہے اختلاف صرف اسقدر ہے کہ فرشتہ نے بھانجا لکھا ہے اور ملکم لکھتا ہے کہ قتل سے پہلے معلوم نہ تھا کہ ظالم کون ہے اور سلطان کو کسی شاہزادہ کے مرتکب ہونے کا گمان تھا دونوں میں نتیجہ بے نظیر عدالت پروری۔ رحم دلی۔ غریب نوازی ہے اسکا دروازہ مظلوموں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا وہ مظلوم مسکین کی سخت سے سخت بات بھی سُن لیتا تھا۔ اُس کی عادلانہ نگاہ میں خویش و بیگانہ کی کوئی تمیز نہ تھی۔ زنا وغیرہ جرائم کبیرہ کا سخت دشمن تھا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک مثال کے سوا اور کسی خلیفہ یا سلطان کے حالات میں ایسی حکایت نہیں ملتی اور سلطان محمود سے بڑھکر کوئی بادشاہ عادل و منصف ثابت نہیں ہوتا۔ نوشیروان جس کی نسل سے ہونے کا سلطان محمود کو دعوےٰ تھا محمودی عدالت کے سامنے بے وقعت ہو جاتا ہے۔ نوشیروان اگر رحم دل عادل تھا تو سلطان محمود کیطرح شمشیر زن کشور کشا نہ تھا جنگجو سپاہی کا رحیم و رقیق القلب اور اس درجہ کا عادل ہونا اور عادات متضادہ کا ایک واحد شخص میں پایا جانا مشکل ہوتا ہے۔ اکثر دادخواہ سخت سست کہتے جیسا کہ ایک بڑھیا نے انتظام سلطانی پر اعتراض کیا تھا اور خدا ترس سلطان کو بُرا نہ لگا بلکہ ڈاکوؤں کو سزا دے کر رستہ صاف کر دیا۔ اسقدر حسلم کی داستانیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا اور کسی میں پائی نہیں

جالی۔ اس کے انتظام ملکی۔ عدل گستری۔ مظلوم کی فریادرسی کی کافی حکایتیں ہیں۔

سلطان کی علمی سرپرستی

دو تین خلفائے عباسی اور ایک دو خلفائے سپین کے سوا اور کوئی سلطان اسقدر قدردان علوم نہیں ہوا جسقدر کہ سلطان محمود تھا۔ اُس کی عام فیاضی اور علمی سرپرستی کا شہرہ سُنکر روم اور مصر تک کے اہل کمال دربار غزنی میں جمع ہو گئے تھے۔ چونکہ متاخرین کا شاعرانہ مذاق زیادہ بڑھ گیا جو آخر مسلمانوں کے زوال کا موجب ہوا۔ اسلئے مورخین نے سلطان محمود کے دربار کے صرف شاعروں کے نام لکھے ہیں جو شاعر تھے اپنے عہد کے فاضل بھی تھے لیکن مسلمانوں کے غلط مذاق کے سبب شاعری کی طرف جھکے ہوں گے۔ اور اشخاص میں کامل سمجھے گئے ابوریحان منجم بیرونی جو نجوم وہیئت وغیرہ علوم عقلیہ کی اعلیٰ لیاقت کے علاوہ کئی زبانیں خصوصاً سنسکرت بھی جانتا تھا محمود کے علمی دربار کا رکن تھا۔ غزنی کا اسلامیہ کالج جو مشرق میں اپنے علمی شان وشوکت میں نرالا تھا۔ اُس میں مشہور فضلائے ایشیاء پروفیسر تھے اُن کو اور طلبہ کو شاہی خزانے سے تنخواہ وظیفہ اور تعلیمی سامان دیا جاتا۔ عام فقیہ مفسر۔ محدث سلطان کے ماتحت ملکوں میں ضروری مقامات پر درس علوم اور اشاعت اسلام کے کام کرتے اور شاہی امداد پاتے۔ صوفیوں کا متوکل گروہ گو کسی انسانی امداد کی پرواہ نہ کرتا تھا مگر سلطان کی عقیدت راسخہ کی تقلید میں جو اس روحانی اور پاکباز طایفہ سے رکھتا تھا۔ امراء دربار ان سلطان بقول الناس علی دین ملوکھم کے اِن لوگوں کی مدد کرتے اور یہ روحانی معلم کو خانقاہیں (ڈیوینیٹی کالج) نئے نئے علاقوں میں کھولتے اِن خالص دینی کالجوں کے اخراجات لنگر عموماً سلطانی اور دیگر امراء کے عطیات سے چلتے تھے۔ غزنی کی لائبریری ہر ایک علم فن کی کتابوں کی مخزن تھی۔ اور یہی علمی سرپرستی ہے جو آج یورپ کی زندہ دل قوم کر رہی ہے۔ مگر محمودی گورنمنٹ کے علمی اخراجات کا مقابلہ یورپ کی کوئی گورنمنٹ نہیں کرسکتی:۔

فردوسی

باوجود اسقدر علوم وفنون کی قدردانی کے پھر سلطان کو زر دوست اور لالچی کہا جاتا ہے اور بخل وحرص کی نسبت دیجاتی ہے وجہ اس کی فردوسی کا معاملہ ہے۔ اسلئے ہم اس قصہ پر

تنقید کرتے ہیں :-

فردوسی شاداب ضلع طوس میں پیدا ہوا۔ اصلی نام بقول مؤلف تالیف التذکرہ حسن بن اسحاق بن شرف یا باپ کا نام فخر الدین تھا جو حاکم طوس کا باغبان تھا اُس باغ کا نام فردوس کہتے تھے۔ اِسی مناسبت سے فردوسی تخلص رکھا اور معنی بھی اِس کے بہشتی (جنتی کے ہیں) وجہ تسمیہ کچھ ہو بہر حال فردوسی تخلص مبارک اور عمدہ ہوا۔ اور اُس کی کلام فردوس سے کم مرغوب نہیں ہے۔ شاہنامہ کے پھل پھول بیل بوٹوں کی مہک اہل علم کے دماغوں کو ویسے ہی معطر کرتی ہے جیسے کہ فردوس بریں کی ریاحین مومنین کو سرور دیتی ہے :-

فردوسی کی عام علمیّت کی بابت تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ لیکن اُس زمانہ کے دستور کے موافق ضرور مروجہ علوم کی ڈگری حاصل کی ہوگی۔ اُس کی کلام علمی فضیلت کی شاہد ہے۔ اُس کی شاعری اکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہے طبیعت کا زور خداداد ہے۔ نظم میں غضب کی آمد ہے آورد نہیں۔ قدرت نے اُس کو شاعری کے لئے ہی پیدا کیا تھا اور شاعروں کا سرتاج ہوا اگرچہ اُس کی اور کوئی تصنیف اعلےٰ پایہ کی نہیں ہے لیکن ایک شاہنامہ ہی فن شاعری میں ایسی جامع و مانع کتاب ہے جب تک کہ دنیا میں زبان فارسی کا چرچا ہے۔ فردوسی کا درجہ متقدم ایشیائی شاعروں میں وہی ہے جو ہومر یونانی کا یورپ میں آج قریباً نو سو سال گذر چکے لیکن فردوسی کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکا۔ جب زبان فارسی کے اقبال کے زمانہ میں کوئی فردوسی نہیں بن سکا تو آج ادبار و زوال کے وقت کب امید ہو سکتی ہے۔

فردوسی ابھی طوس ہی میں تھا کہ اس کی کلام مقبول ہو چکی تھی۔ اور اعلیٰ پایہ کے شعرا میں شمار ہونے لگی تھی۔ طوس کا حاکم ابو منصور محمد امیر فردوسی کا مربی تھا۔ سلطان محمود کی قدردانی علم و فضل کا ڈنکا بج چکا تھا۔ سلطان کی فیاضی ہر طرف سے ارباب ہنر و کمال کو غزنی میں کھینچ رہی تھی۔ اور چار سو شاعروں کی ایک پلٹن دربار محمودی میں گونج رہی تھی جن کے سرگروہ (جرنیل) حکیم عنصری۔ رشیدی طوسی۔ فرخی۔ عسجدی منوچہر بلخی۔ عصائری رازی وغیرہ تھے۔ فردوسی کے لئے دربار محمودی سے بڑھ کر اظہار لیاقت کا اور کون سا میدان ہو سکتا تھا۔ حاکم طوس نے فردوسی کو سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ اور غزنی میں گیا۔ عنصری کے ذریعہ دربار میں پہنچا۔ اور قصیدہ پیش کیا۔ جسکا ایک مشہور شعر یہ تھا

چو کودک لب از شیر مادر بشست ؎ بگہوارہ محمود گوید نخست ؎

قدردان سلطان نے تاڑ لیا کہ یہ شخص پاستان نامہ کو عمدہ نظم میں لکھ سکیگا۔

پاستان نامہ ماخذ شاہنامہ

یزدجرد شاہ ایران نے ایران کے تمام بادشاہوں کے حالات کیومرث کے زمانہ سے لے کر خسرو پرویز کی تخت نشینی تک جمع کرا کر ایک کتاب پاستان نامہ لکھوائی تھی۔ فتح ایران کے وقت یزدجرد کی لائبریری (کتب خانہ) سے مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ یعقوب بن لیث والی خراسان نے ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ معتمد الملک کو حکم دیا کہ خسرو پرویز سے لے کر یزدجرد اخیر شاہ ایران کے فوت ہونے تک حالات پاستان نامہ میں اضافہ کرے اس حکم کی تعمیل میں یہ کتاب ۳۶۰ھ میں مرتب ہوگئی اور مسلمانوں کی تاریخی دلچسپی کے سبب اس کی نقلیں خراسان۔ تاتار۔ عراق میں پھیل گئیں۔ بخارا کے قدردان آل سامان نے پارسیوں کی اس قومی تاریخ کو نظم کرنے کے لئے دقیقی شاعر کو حکم دیا جس نے ابھی ایک ہزار شعر لکھے تھے کہ غلام کے ہاتھ سے قتل ہوگیا۔ فردوسی اسی واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے۔

یکایک از و بخت برگشتہ شد ؎ بدست یکے بندہ بر کشتہ شد
زگشتاسپ ارجاسپ بیتے ہزار ؎ بگفت و سر آمد بر و روزگار ؎

یزدجرد کا کتاب خانہ معہ دیگر مال و اسباب بطور غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اور وہ عہد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا تھا۔ دقیقی شاعر تک قریباً تین صدی گذر چکی تھیں۔ اس وقت تک پاستان نامہ کا محفوظ رہنا اور یعقوب بن لیث کا چند باقی شاہان آل سامان کے حالات کا اضافہ کرا کر ایران کی مجوسی سلطنت کی تاریخ کو مکمل کرنا اور سلاطین آل سامان کا تاریخ مذکور کو پرجوش اور عام پسند نظم میں لکھنے کی بنیاد ڈالنا اس امر کی قوی شہادت ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ یورپ میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مسلمان علوم خصوصاً تاریخ کے کسقدر شائق و فریفتہ تھے اور تاریخ قدیم کی خواہ کسی قوم اور مذہب کی ہوکس سرگرمی اور بے تعصبی سے حفاظت اور قدر کرتے تھے اُن کے اولوالعزم دلوں میں یہ کمینہ خیال کبھی نہیں آیا تھا کہ مفتوحہ اقوام کی تاریخ اور زبان کا مٹانا استحکام سلطنت کے لئے ضروری ہے۔ اور نہ مفتوح اقوام کے

بہادروں کے روشن پہلو کو چھپانے اور تاریک پہلو کو دکھانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ غیر مذہب اور غیر قوم کے بہادروں کی تاریخ لکھنے والوں کی اس سے زیادہ قدر کرتے تھے جسقدر کہ اسلامی تاریخ کے لکھنے والوں کی۔ اور اس قدر دانی میں سلاطین اسلام کا مقابلہ مہذب یورپ کبھی نہیں کرسکا گو علمی مذاق میں یورپ بہت کچھ بڑھا ہوا ہے:۔

شاہنامہ جس کی بنیاد سامانیوں نے رکھی تھی سلطان محمود کی سرپرستی میں تصنیف ہوا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ایشیاء کے اسلامی لٹریچر میں رستم زابلی کی شجاعت اور نوشیرواں کی عدالت ضرب المثل ہوگئی اور شمشیر خالدی اور عدل فاروقی پر سبقت لے گئی نظم میں نثر میں جس بہادر یا سخی کو تشبیہ دیتے رستم و نوشیرواں کا ثانی بتلاتے۔ حالانکہ اسلام کے بہادران یکہ تاز کے متہورانہ کارنامے رستم سے بڑھے ہوئے ہیں اور رستم جیسے شہ زور بہادر زمانہ اقبال میں ہر ایک عہد کے اندر ہوتے رہے خود فردوسی رستم کا معمولی پہلوان ہونا تسلیم کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے

منش کردہ ام رستم پہلوان ٭ وگرنہ یلے بود در سیستان

خلفائے و سلاطین عادل کی دادگستری نوشیرواں سے کم نہیں۔ خود سلطان محمود کا واقعہ قتل زانی اسکا گواہ ہے مگر باوجود اس کے اسلامی لٹریچر میں صرف رستم و نوشیرواں کا نام ہی زندہ ہے جسکا باعث مسلمانوں کی بے تعصبی۔ عالی ہمتی۔ کریم النفسی ہے۔ اور محمود جسکو متعصب لالچی کہا جاتا ہے۔ اس صفت میں ممتاز ہے:۔

شاہنامہ کی تصنیف

اب یہاں سے اختلاف روایات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور سلطان محمود نشانہ ملامت بنتا ہے۔ لیکن سلطان محمود اور اس کی اولاد کے ہمعصر مورخوں نے سلطان محمود کے وعدہ خلافی اور ناقدردانی کا ذکر نہیں کیا اگر اسکو سلطان اور اس کی اولاد کا خوف و ہراس کہا جائے تو غزنویوں کے رقیب غوریوں کے نمک خوار منہاج سراج جرجانی مؤلف طبقات ناصری کو کسکا خوف یا لحاظ تھا جو اس قسم کا الزام سلطان محمود پر نہیں لگاتا۔ اور ایسے واقعہ کو جس کو متاخرین نے نہایت اہمیت دے رکھی ہے۔ اور سلطان محمود و فردوسی کے تذکرہ کی جزو اعظم بنا رکھی ہے۔ نہیں لکھتا۔

فاضل ضیاء برنی جو تاریخ نویسی میں فرد ہے اور کوئی بھلی بُری بات چھپا نہیں رکھتا۔ اپنی

تاریخ فیروز شاہی تذکرہ علاء الدین خلجی میں حضرت امیر خسرو دہلوی کے جہان کمالات اور سلطنت کی ناقدردانی کی شکایت کرتا ہے وہاں سلطان محمود غزنوی کی قدردانی و فیاضی جود و سخا کی مثال پیش کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ کاش امیر خسرو جیسا باکمال عہد محمودی میں ہوتا اور فیاض و قدردان سلطان انعام و اکرام و جاگیرات سے امیر خسرو کو مالا مال کرتا۔ گویا سلطان محمود علم و فضل کی قدردانی میں مورخین ہندوستان و خراسان میں ضرب المثل تھا۔ اس سے بھی پایا جاتا ہے کہ عہد تغلق تک یہ سلطان محمود مورد طعن مذکور نہ تھا۔ علاوہ اس کے شاہنامہ کی تصنیف و ناقدردانی میں روایات کا اختلاف ہے۔ جو غالباً متاخرین کا اختراع ہے :-

فردوسی کی شہرت اس کی شاعرانہ لیاقت ہے۔ عہد محمودی میں بھی یہ گروہ کثرت سے موجود اور درباروں میں کافی سے زیادہ تصرف رکھتا تھا۔ دہلی میں امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کئی ایک انقلابات میں شاعری کی ٹھاٹھ جمائے رکھی۔ عہد محمد تغلق میں بھی علوم عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ ساتھ شاعری کا رتبہ بھی قائم رہا۔ بعد ازآں طوائف الملوکی میں جبکہ دہلی۔ جونپور۔ گجرات۔ مالوہ۔ دکن کی چند ایک خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ دہلی میں شاعری کا بازار سرد رہا۔ مگر مغلوں کے پر امن عہد میں شاعری تمام علوم سے قدم بڑھانے لگی۔ اکبر کے عہد میں ایرانیوں کی آمد شروع ہوئی۔ اور ہوشیار ایرانیوں نے اہل زبان کی حیثیت میں مغلوں اور ہندوستانیوں افغانوں پر فوقیت جمانے کے لئے فارسی لٹریچر کو زیادہ آب و تاب سے دکھایا۔ عہد اکبر کے فارسی شعراکی فہرست آئین اکبری وغیرہ کتابوں میں موجود ہے ایرانی منشی و شاعروں کے لئے دہلی ہی قدر و عافیت کی جگہ تھی۔ جہانگیر کے عہد میں تو نور جہان بیگم کی طفیل سلطنت ہندوستان پر ایرانیوں کا ہی قبضہ تھا۔ شاہجہاں نے ان فارسی شاعروں کا اسقدر قدر کیا کہ ایک ایک شعر کے صلہ میں ان کو سونے چاندی سے تول کر انعام دیدیا۔ پس ان وجوہات سے مسلمانوں میں فن شاعری شریف پیشہ قرار دیا گیا امراء تک شاعری کیطرف جھک گئے۔ اور عام اہل علم نے شاعری کو وجہ معاش بنالیا حتےٰ کہ علوم مفیدہ کو چھوڑ چھاڑ کر ایک شاعری ہی مسلمانوں کے پاس رہ گئی۔ اور اخیر میں ان کی شاہسواری کا میدان ایک مشاعرہ بن گیا :-

ان تمام واقعات نے فردوسی کے قصہ کو خصوصیت دیدی اور اس خیال سے

کہ آیندہ امراء و روساء شعراء کی بے قدری نہ کریں اور انعام و اکرام کثیر مدد کیا کریں قصہ کی اصلیت کو الٹ پلٹ کر اس صورت پر لے آئے کہ سلطان انعام موعودہ کی رقم کثیر کو دیکھ کر اپنے وعدہ سے پچھتایا اور انعام موعودہ کا ½ حصہ دینا چاہا فردوسی نے انکار کیا اور سلطان کی ہجو لکھ کر شاہنامہ کے ساتھ لگا دی اس ہجو کا ورد عموماً شعرائے مابعد کی زبان پر رہتا تھا۔ اور اہل دول کو سنا کر ڈرایا جاتا اور اپنا الّو سیدھا کیا جاتا۔ ورنہ اصل معاملہ اتنی قدر معلوم ہوتا ہے۔ جو مولف تالیف التذکرہ نے لکھا ہے۔ یہ قلمی کتاب کتب خانہ میاں صاحب واقعہ حصار پنجاب میں موجود ہے جو نویں صدی ہجری میں لکھی گئی تھی:۔

فردوسی عنصری کے ذریعہ دربار محمودی میں پہنچا۔ اور سلطان نے باستان نامہ کو فارسی نظم میں لکھنے کی خدمت فردوسی کی سپرد کی جس خدمت سے عنصری دل چُراتا تھا۔ اول کچھ امتحاناً دیا گیا۔ فردوسی پورا نکلا۔ تالیف التذکرہ میں لکھا ہے کہ سلطان نے تنخواہ مقرر کی اور رہنے کے لئے شاہی باغ میں مکان دیا گیا۔ چار سال تک غزنی میں رہا۔ کبھی کبھی بادشاہ کو تالیف شدہ نظم سنا آتا اور انعام پاتا۔ چار سال بعد باجازت سلطان طوس چلا گیا چار سال طوس رہا۔ اب چوتھائی شاہنامہ بن چکا تھا سلطان کی خدمت میں پیش کیا نکتہ سنج عالم سلطان نے بہت پسند کیا اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی وزیر سلطان مزنی تھا اور ایاز مخالف یا ایاز سے موافقت اور وزیر سے مخالفت بہر حال کوئی نہ کوئی مشیر سلطانی فردوسی کا مخالف تھا۔ فردوسی پر قرمطی ہونے کی تہمت لگائی گئی جن کو سلطان عموماً قید و قتل کی سزا دیا کرتا تھا۔ فردوسی نے انکار کیا اور اشعار فی البدیہہ پڑھے:۔

اشعار

چو در ملک سلطان کہ چرخش ستود ... بسے ہست ترسا و گبر و یہود
گرفتند در ظل عدلش قرار ... شدہ ایمن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردوں شکوہ ... رہی را شمارد یکے زاں گروہ

سلطان کا غصہ فرو ہوا۔ مگر اس سے اور دشمن وزیر کی چغلخوری سے بادشاہ کو فردوسی سے وہ الفت نہ رہی۔ جو سابق میں تھی۔ مگر تنخواہ وظیفہ برابر جاری رہا۔ شاہنامہ جب ختم ہوا تو پیش کیا گیا۔ بقول مؤلف تالیف التذکرہ فردوسی کو امید تھی کہ شاہنامہ کے صلہ میں

سلطان کی ندیمی کا منصب اور بھاری جاگیر ملیگی سلطان نے شعر

بہ چشمم چو بکشود گنج گہر ٭ کنون پہلوانش دہم گنج و زر

واقعی پڑھا۔ اور ایک ہاتھی سونے کی مہروں سے لدا ہوا انعام دینے کا حکم دیا مگر اُس وزیر مخالف نے ساٹھ ہزار درم دئے اور فردوسی نے نہ لئے اور ہجو کہہ کر بھاگ گیا اور باوجود تلاش و جستجو کے نہ ملا۔ ہجو نارکو منوچہر بن قابوس ایک رئیس نے ایکسو ۱۸۰ اسی مثقال سونا دے کر شاہنامہ سے نکلوانے کی کوشش کی اور فردوسی نے منظور کی۔ فردوسی محمود کے خوف سے کہیں ٹھیر نہ سکتا تھا۔ آخر طوس میں آکر چھپ رہا:۔

سلطان محمود نے ایک سرکش گورنر کو بطور تنبیہ خط لکھا اور خواجہ احمد بن حسن کو کہا کہ اگر جواب حسب مراد نہ آیا تو پھر کیا کیا جاوے گا۔ وزیر نے شاہنامہ کا یہ شعر پڑھ دیا

شعر

اگر نہ بکام من آید جواب ٭ من و گرز و میدان و افراسیاب

سلطان کو رقت آگئی اور فردوسی کو عطئے انعام کے لئے یاد کیا۔ اور مہربان ہو گیا معلوم ہوا کہ طوس میں چھپا ہوا ہے۔ ساٹھ ہزار دینار روانہ طوس کیں مگر جس وقت انعام طوس پہنچا اُس وقت فردوسی کا جنازہ لئے آتے تھے:۔

نتیجہ

تالیف التذکرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی ملازم شاہی تھا تنخواہ پاتا تھا اور شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت اوس کے ذمہ تھی اثنائے تالیف میں جب سلطان کو شاہنامہ سُنایا انعام کثیر پایا۔ فردوسی صلہ تالیف میں جاگیر چاہتا تھا اور سلطان کی۔ ندیمی جس سے لاکھوں روپیہ کی آمدنی ہوتی تھی اور عزت علاوہ۔ سلطان نے کسی معتمد انعام کا وعدہ نہیں کیا تھا اگر ساٹھ ہزار دینار کا وعدہ ہوتا تو پھر جاگیر اور ندیمی کی خواہش نضول تھی

البتہ یہ روایت صحیح ہے کہ ایک ہزار دینار ہزار ابیات کے بعد خواجہ احمد بن حسن میمندی نے بحکم سلطان فردوسی کے پاس بھیجے تھے تو ممکن ہے کہ فردوسی کو اس سے فی شعر ایک دینار

کے صلہ کا خیال بندھ گیا ہوگا۔ یہ وعدہ نہیں ہو سکتا۔ اول تو تنخواہ دار ملازم جس کام کا ملازم ہو اُس کام کو سرانجام کرنے پر اگر انعام نہ دیا جائے تو بھی قابل اعتراض نہیں جیسا کہ آج کل ملازمان ٹکسٹ بک کمیٹی کتابیں بحکم گورنمنٹ انگریزی تصنیف کرتی ہے اگر گورنمنٹ انعام دیدے تو اسکا احسان و مروت ہو سکتا ہے کوئی استحقاق نہیں ہوتا۔ اسی طرح فردوسی کی ڈیوٹی شاہنامہ کی تالیف تھی ایام تالیف میں مقررہ تنخواہ کے علاوہ انعام بھی ملتے رہے اور اخیر میں ساٹھ ہزار درم بھی وزیر کی شرارت سے دیئے ورنہ بادشاہ دیناروں سے لدا ہوا ہاتھی عطا کرنا چاہتا تھا۔ اور اخیر میں ایک شعر سُن کر اسقدر خوش ہوا کہ معافی قصور کے علاوہ ساٹھ ہزار دینار روانہ کئے۔ ان تمام باتوں سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سلطان نے کوئی وعدہ نہ کیا تھا۔ فردوسی نے کسی تقریب سے ایسا سمجھ لیا یا جس صلہ کی امید رکھتا تھا اور عنصری کی طرح ندیم بننا چاہتا تھا وہ کسی کی شرارت سے جو عموماً نووولتوں کے برخلاف ہوا کرتی ہیں یا فردوسی کے قرمطی یا معتزلہ ہونے کی بدگمانی نے فردوسی کی امیدیں پوری ہونے نہ دیں ساٹھ ہزار روپیہ فردوسی کی امید سے کم ہوگا۔ اسس لئے قبول نہ کئے یا وہیں خدمتگاروں کو تقسیم کئے گئے :۔

فرشتہ بھی سلطان کی قدردانی علماء کو بیان کرتے ہوئے اس قصہ کی صلیت پر یقین نہیں کرتا اور ابوالفضل فردوسی کو لالچی سخن فروش کہنے پر کفایت کرتا ہے۔ اور حسب عادت کچھ فیصلہ نہیں کرتا :۔

یہ روایت بھی قابل وثوق نہیں کہ فردوسی نے جو نسخہ سلطان کو دیا تھا اُس کو واپس لیکر اُس میں ہجو اضافہ کر دی نہ تو تحویل دار ایسا نادان بچہ تھا اور نہ فردوسی سے ایسی دلیری کی امید ہو سکتی ہے ہاں جو نسخہ فردوسی کے پاس ہوگا اُس میں ہجو ایزاد کی گئی ہوگی بشرطیکہ ہجو مشہورہ فردوسی نے لکھی ہو۔ ایسی ہجو زبان سے نکالتے ہی مشہور ہو جاتی ہے منوچہر بن قابوس نے ۱۸۰ مثقال سونا دے کر اُس نسخہ سے نکلوا دی ہوگی جو فردوسی کے پاس ہوگا۔ مگر اس سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ ہجو لوگ سُن چکے تھے۔ اب نسخہ مذکور سے نکلوانا فضول تھا۔ البتہ منوچہر نے سلطان کی خیر خواہی کا بخوبی ثبوت دیا :۔

اب فیصلہ یہ ہوا کہ سلطان نے فردوسی سے مقررہ رقم کا وعدہ نہیں کیا تھا ہاں جو اخیر میں دیا گیا جس میں وزیر کی شرارت تھی یا کسی اور کی اس کو فردوسی نے قبول نہ کیا

اور نا قدر دانی خیال کر کے ناراض ہو گیا۔ جس پر ابوالفضل فردوسی کو لالچی سخن فروش لکھتا ہے اس صورت میں اگر صلہ کم دیا گیا تو کوئی وعدہ خلافی نہ تھی اور نہ بخل و لالچ سلطان کا ابتدائی خیال ہے کنوں پیوستش دہم گنج زر ہے کا اظہار اور اخیر میں شعر ہے

اگر نہ بکام من آید جواب ✽✽ من و گرز و میدان و افراسیاب

سُن کر رقت سے آنسو بھر لانا اور فوراً ساٹھ ہزار دینار روانہ کرنے سے فیاض وجواد سلطان محمود کا دامن الزام حرص و بخل سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور یہی رائے الفنسٹن صاحب کی تاریخ اردو صفحہ ۵۵۴ سے مفہوم ہوتی ہے:۔

فوج محمودی اور جہادی جوش

تاریخ اسلام سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتوح و مطیع اقوام کو اسلامی فوج میں بھرتی کرنا اور جنگی حقوق مسلمانوں کے برابر دینا ابتدائے اسلام سے ہی معمول رہا عہد صدیقی میں جب ایرانیوں سے لڑائی شروع ہوئی تو عرب۔ عیسائی۔ بنی نمر وغیرہ اسلامی لشکر میں شامل تھے۔ مصر۔ افریقہ۔ ترکستان۔ ہندوستان کی دیسی قومیں بنی امیہ کے جرنیلوں کے حسن سلوک اور منصفانہ برتاؤ سے فوجی ملازمت کرتی رہیں۔ سلطان محمود بھی اسلام کے اسی عالمگیر اور فیاض اصول کا پابند تھا اس کی فوج میں۔ عرب۔ ترک افغان۔ ہند و موجود تھے۔ عربی فوج کا سردار عبداللہ طائی اور ہندوؤں کے تلک ناتھ۔ سکھ پال جرنیل تھے۔ آزاد ترکوں کے علاوہ چار ہزار ترک غلام تھے۔ اور کئی ایک ترک جرنیل۔ خراسان اور ماوراالنہر کے سردار بھی اپنی اپنی قوموں کی کمان کرتے تھے۔ ہر ایک گروہ سے حسب موقعہ کام لیا جاتا تھا۔ فتح ہندوستان میں ہندو فوج عموماً راستوں کی حفاظت۔ رسد و باربرداری کی صیانت۔ پیغام رسانی و راہبری کا کام دیتی تھی اور ہندوؤں کو اطاعت کی طرف مائل کرتی تھی۔ فتح و ظفر ہندی کا مدار فوج کی برجستگی اور قومی جوش پر موقوف تھا۔ جہاد جسکو بھیانک شکل میں دکھلایا جاتا ہے فوج محمودی کا اصول تھا چونکہ اس جہادی جوش نے دنیا کی تمام قوموں کو پست کیا اس لئے اسلامی جوش معیوب قرار دیا گیا۔ ورنہ جہاد کا دوسرا نام قومی جنگ ہے جو مدافعانہ یا جارحانہ طور سے کیا جاتا ہے اس قسم کے جنگ گو جہاد سے نہ تعبیر کئے گئے ہوں۔ لیکن ہر ایک فاتح قوم اپنے اپنے اقبال

کے زمانہ میں کرتی رہی اور اُس کا نتیجہ بھی اسلامی جہاد کی طرح فتح ممالک ۔ قتل و اسیر تاخت و تاراج نکلتا رہا ۔ آریہ ۔ خالدی مصری ۔ یونانی ۔ ایرانی ۔ رومی ۔ قوموں کی لڑائیوں کے اسباب اور نتائج اسی قسم کے تھے اہل کتاب کے پیشوا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہندوؤں کے پیشوا رام چندر جی اور سری کرشن کے جنگی کارنامے مسلمانوں کی جہادی لڑائیوں سے کچھ کم نتیجہ خیز نہ تھے ۔ جنگی جوش بڑھانے اور فدائی بنانے کے لئے ہر ایک قسم کے امید و بیم کے وعدہ و وعید دئیے جاتے اور مخالفوں کو کافر ۔ راکھس ۔ ملیچھ کہا جاتا خونریزی میں لنکا کی تباہی اور آتشزدگی مشہور ہے ۔ پھر معلوم نہیں کہ ہر ایک قوم کے اسقدر بربادی بخش جنگوں کے ہوتے اسلامی جہاد کو مذموم کہا جاتا ہے ۔ حالانکہ مجاہدین اسلام نے مفتوحہ اقوام سے جسقدر احسان و مروت کیا ہے اُس کی نظیر آج یورپ پیش نہیں کر سکتا سلطان محمود نے مقابلہ کرنے والوں کو تکلیف دی لوٹا مارا ۔ لیکن تابعدار قوموں کے معاملات اندرونی میں دست اندازی نہیں کی ۔ مذہبی بلکہ جوڈیشل مقدمات کا فیصلہ قوم مفتوح کے ججوں کے ہاتھ تھا ۔ انتظام ملکی میں ہندوؤں کا زبردست ہاتھ رہا ۔ فوج میں مسلمانوں کے برابر حقوق رکھتے تھے ۔ ایک جزیہ تھا جس کی مقدار آج کی بیشمار ٹیکسوں کے مقابلہ میں ہیچ تھی عام شرح جزیہ چھ روپیہ اور تین روپیہ سالانہ تھے زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ بیس برس سے کم اور پچاس سال سے زیادہ عمر والے اور عورتیں مفلوج ۔ معطل العضو ۔ نابینا ۔ مجنون مفلس جس کے پاس دو سو درم سے کم ہو یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے کسی کے پاس کروڑوں روپیہ ہو اور لاکھوں کی آمدنی رکھتا ہو ۔ مقرر جزیہ (ٹیکس) بالا سے زیادہ نہ لیا جاتا تھا ۔ کیا ایسا ہلکا ٹیکس جس کی مقدار اسقدر قلیل تھی جسکے ادا کرنے سے فوجی پر خطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی جسکی بنیاد نوشیرواں عادل نے ڈالی تھی کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہے جیسے کہ اہل یورپ نے خیال کی یا ناگوار دکھلانے کی کوشش کی ۔ کیا دنیا میں ایک شخص نے بھی جزیہ سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہو گا ۔ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہو گا :-

---

سلطان محمود نے بقول الفنسٹن صاحب کسی ہندو کو مذہب کے لئے قتل نہیں کیا ۔ پھر سلطان کی جنگی کارروائی کا سوا کشور کشائی کے اور کوئی نتیجہ نہیں رہتا ہے اور کشور کشائی اگر الزام ہے تو اس سے یورپ ایشیاء کی کوئی قوم نہیں بچ سکتی اور ہندوؤں کے مقدس دیوتے بھی

ملزم قرار دئے جا سکتے ہیں۔

پس جہاد اور جزیہ کو اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو اس کے موجد اور مرتکب کوئی مسلمان ہی نہیں ہوئے صرف نام کی تبدیلی اور لفظی بحث ہے۔ جہاد ہر ایک زمانہ اور ہر ایک قوم میں کیا جاتا رہا اور جزیہ کے قلیل مقدار اور چند فوائد کے مقابلہ میں بیشمار ٹیکسوں اور غیر مستقل خراج کا سلسلہ جاری رہا۔ البتہ جس طرح جہاد سے مسلمانوں نے کام لیا وہ کوئی اور قوم نہیں لے سکی مگر یہ نتیجہ اس بات کا ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قواعد اسلام کی ترتیب و تعلیم ایسے آسان اور مفید طریقہ پر رکھی کہ جان و مال کا قربان کرنا مسلمانوں میں ایک معمولی کام ہو گیا اور اسلامی شرافت کا مدار جان نثاری پر رکھا گیا۔ جب کبھی کوئی دیندار سلطان یا لیڈر ہوا تو اس نے اسی مفید اصول سے بخوبی کام لیا اور مخالفوں کی صدیوں کی کوششوں کو توڑ تاڑ دیا۔ جن واقعات مجاہدانہ کی تفصیل ہم تذکرہ بہادران اسلام میں لکھ چکے ہیں اور جب کبھی حدیث شریف "ماترک قوم الجہاد الاعمہم العذاب" کی تعمیل نہ کی اور سلاطین اسلام عیاشی کاہلی کے شکار ہو گئے اور زنانہ خصائل بن گئے مسلمانوں پر ادبار کی گھٹا چھا گئی۔ اور عزت و عظمت جاتی رہی۔ سلطان محمود نے اسلام کے اس اصول سے کام لیا اور جہاد کا جوش پھیلایا مسلمان جو صدیوں سے جہاد کا نام بھولے ہوئے تھے اور کسی مجاہد فی سبیل اللہ کے ظہور کی انتظار کرتے تھے۔ سلطان محمود کی ندائے الجہاد الجہاد سن کر چاروں طرف سے امنڈ آئے اور بہادر و مدبر سلطان کی کامیابیوں نے اس کے ظفر جنگی نام کا ڈنکا بجا دیا۔ سلطان اور اس کی فوج مجاہد و غازی کہلانے لگی جس سے بڑھ کر اسلام میں اور کوئی خطاب نہیں ہو سکتا اسی جہادی جوش اور بہ جنگی قواعد والی فوج سے سلطان کو ہندوؤں کی کثیر فوج پر ہر میدان میں فتح حاصل ہوتی رہی۔ اسلامی فوج کا زیادہ حصہ سوار تھے اور ہندو فوج کا انحصار رتھوں اور ہاتھیوں پر تھا۔ مگر رتھ ایک بلند دمدمہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا نہ تو سواروں کی طرح دشمن پر حملہ کر سکتا ہے اور نہ سواروں کی طرح بھاگ سکتا ہے نہ دشمن کی زد سے بچا سکتا ہے لیکن پیادہ فوج میدان میں اس سے زیادہ کام دے سکتی ہے ہندوؤں کے جنگی ہاتھی بھی بہادران اسلام کو ڈرا نہ سکتے تھے ان ہاتھیوں کے بھگانے اور ہٹانے کے لئے مسلمان کئی مفید تجویزیں نکال لیتے۔ اور یہی ہاتھی عموماً ہندو فوج کی شکست اور بربادی کا باعث ہوتے لیکن مسلمانوں کی سواری میں عربی۔ عراقی۔ ترکی۔ بادرفتار

گھوڑے ہوتے جو سوار کے اشارے پر جدھر چاہتے شہباز کی طرح جا پڑتے اور اس حملہ سواروں کے تند سیلاب کو بیل ہاتھی کوئی چیز نہ روک سکتی ۔ پیادہ فوج تو شہسواروں کے ہلہ کی تاب کبھی لا سکتی نہ تھی ۔ جب مسلمان نیزوں کو تان کر جھپٹتے ۔ ہندو صفوں کی ترتیب و انتظام ٹوٹ جاتا اور شکست ہو جاتی ۔ پس یہ کہنا بیجا نہیں کہ سلطان محمود کو ہندوؤں کی بیشمار فوج پر ظفر مندی فوج سوارہ اور مسلمانوں کی تنومندی ۔ جفاکشی ۔ اسلامی جوش سے حاصل ہوئی ۔ ہندو بہادر ۔ غیور تھے ۔ لیکن ایک تو سوار کم رکھتے تھے اور جو تھے وہ شہسواران اسلام جیسے نہ تھے دوئم قوی ہیکل مسلمانوں کی طرح دیر تک جنگی صعوبت برداشت نہ کر سکتے تھے ہتھیار بھی مسلمانوں کے عمدہ تھے ۔ ہندوؤں کے ہتھیار پرانی وضع کے تھے اور پھر مسلمانوں کی طرح ورزش نہ رکھتے تھے ۔ مسلمانوں کے تیر با قاعدہ یک لخت اولوں کی طرح پڑتے اور دشمن کا صفایا کرتے بہادران اسلام شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں شہرۂ آفاق تھے ان وجوہات سے سلطان محمود اور دیگر مسلمان حملہ آوروں کو ہندو فوج پر فتح حاصل ہوتی رہی :۔

سلطان محمود کی مذہبی خدمات

ہم لکھ چکے ہیں کہ سلطان محمود نے کبھی ہندو کو جبراً مسلمان نہیں کیا ۔ لیکن جائز طریقوں سے جسقدر ممکن تھا ترقی اسلام میں کوشش کی اول تو اصول اسلام کے مطابق ہندوؤں کو اسلام ۔ جزیہ ۔ تلوار کا پیغام دیا جاتا ۔ کشمیر کے سوا اور جگہ ہندوؤں نے بہت کم اس پیغام سے فایدہ اٹھا کر اسلام قبول کیا ۔ کہیں کہیں خال خال ہندو اس طرح اسلام لائے ۔ ہاں جو اس طرح اسلام لائے اُن کی تالیف قلوب کی گئی جو ہر نیک قوم کرتی ہے ۔ اور اب بھی کر رہی ہے ۔ اس تالیف قلوب نے جو شروع اسلام سے جاری تھی ہندوؤں پر ضرور اثر ڈالا ہو گا ۔ اور تالیف قلوب کی غرض بھی یہی ہوتی ہے اس کو مذہبی کہو یا پولیٹیکل بہرحال ایک مفید اور پرامن تجویز ہے :۔

ممالک مفتوحہ میں سلطان نے مسجدیں تعمیر کرائیں اور نو مسلموں کی استقامت اور تعلیم دین کے لئے موذن ۔ واعظ ۔ معلم مقرر کئے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی صوفیائے کرام نے روحانی مدارس ۔ خانقاہیں جاری کر دیں جن کو اگرچہ سلطانی مدد کی ضرورت نہ تھی ۔

لیکن سلطانی اقبال راہبری کا کام دیتا تھا اور مسلمان درویشوں کی تلقین و تعلیم میں ہندو مزاحم نہ ہوسکتے تھے۔ اور درویش اپنے اعمال صالحہ کا اثر ڈالتے اور اسلام کی طرف کھینچتے۔ پس سلطان محمود کے عہد میں اگرچہ کچھ زیادہ ہندو مسلمان نہیں ہوئے لیکن ابتدائی عہد کا خیال کریں تو خواہ کسقدر تعداد کم تھی مگر کافی تھی بنیاد رکھنے والا سلطان محمود ہے جس بنیاد پر آج اسقدر وسیع عمارت اسلام تعمیر ہو رہی ہے کہ نو کروڑ متنفس ہندوستان میں اسلام کے نام لیوے ہیں۔ پس اسقدر آبادی اسلام کا بانی سلطان محمود ہے:۔

فارسی زبان کا رواج

سلطان محمود کے عہد تک اسلامی گورنمنٹ کے دفتر کی زبان عربی تھی۔ گو ایشیاء میں خاندان سامانی خلیفہ بغداد سے جو عربی زبان کا حقیقی سرپرست تھا آزاد تھا اور ماتحتی برائے نام تھی لیکن اُس خاندان کا اقتدار محمود سے کم رہا اور خلافت بغداد کے اثر کے سبب دفتر کی زبان عربی رہی۔ علاوہ اس کے سامانی تاتاری تھے اُن کی آبائی زبان ترکی تھی ایک تو خود ترکی زبان اُسوقت فارسی کیطرح مشترک زبان نہ تھی اور دوم فارسی زبان کیطرح عربی کی جگہ لینے کی صلاحیت نہ رکھتی تھی۔ سوئم خود ترک و تاتاری سپاہی پیشہ جنگی لوگ تھے۔ لیکن ایرانی ایشیاء کی کل قوموں میں سے زیادہ ہوشیار۔ چالاک زمانہ شناس۔ معاملہ فہم تھے۔ علمی میدان میں بھی ترکوں و افغانوں بلکہ اُس عہد کے عربوں سے بڑھے ہوئے تھے۔ سیاق و سباق میں ایرانی دیگر اقوام میں ممتاز تھے۔ اور دفاتر شاہی میں ایرانیوں ہی کا بالعموم قبض و دخل تھا۔ مسلمانوں سے پہلے صدیوں تک فارسی زبان شاہان ساسانی و کیانی کے عہد میں نصف ایشیاء کی زبان دفتر رہ چکی تھی۔ سلطان محمود کے عہد تک ہوشیار ایرانی اکثر سرکاری ملازمت کے لئے عربی زبان سیکھتے رہے اور عربی کے مشہور ادیب ہوئے۔ لیکن غیر زبان کا ہر ایک ایرانی کو سیکھنا آسان نہ تھا اور اہل زبان عربوں کا مقابلہ مشکل تھا۔ اِس لئے ایرانی عربی کی جگہ فارسی کو رواج دینے کے خواہشمند تھے۔ سلطان محمود جس کے دربار میں زیادہ تر علماء اور شعراء ایرانی و خراسانی تھے۔ اور اُن کی تصانیف کا ذریعہ زبان فارسی تھی۔ خود سلطان محمود بھی فارسی کا ہی نکتہ سنج تھا۔ اور غالباً نوشیروانی نسل ہونے کے سبب فارسی کے زندہ کرنے کا خیال بھی گذرا ہو۔ ان تمام بواعث نے

ایرانیوں کو فارسی زبان کے فوقیت دلانے کا حوصلہ دے دیا:۔

سلطان محمود کا اول وزیر ابو العباس فضل بن احمد اسفرائنی تھا یہ شخص امیر فایق ملازم سلاطین سامانی کا منشی تھا۔ فائق کے زوال پر سبکتگین کا وزیر ہوا۔ اور سبکتگین کے بعد سلطان محمود کا دس سال وزیر رہا۔ ابو العباس انتظام ملکداری اور سرانجام مہام سپاہ و رعیت میں کمال رکھتا تھا۔ لیکن عربی زبان میں ایسا عالم متبحر نہ تھا کہ سلطان کے احکام عربی زبان میں لکھ سکتا اسلیئے عربی کی جگہ فارسی میں احکام سلطانی لکھنے شروع ہوئے اور فارسی زبان شاہی دفتر کی زبان قرار دی گئی۔ ابو العباس کے عہد وزارت دہ سالہ میں فارسی زبان کی طرف میلان ہو گیا۔ اور ترک و افغان وغیرہ اس سلیس اور آسان شیریں زبان کے مخالف نہ ہوئے۔ اور عام ایرانیوں نے جو عموماً اہل قلم تھے اس تبدیلی کا خیر مقدم کیا۔ عربوں کا فخر و مباہات جو عجمیوں پر تھا جاتا رہا۔ عربی زبان جو مذہبی حیثیت سے ہر ایک مسلمان کے لیئے ضروری تھی اور حصول ملازمت اور عزت و عظمت کے لیئے مسلمان عربی میں اعلیٰ لیاقت حاصل کرتے تھے اب وہ خیال جاتا رہا۔ ایرانیوں نے عربی کو تا ڑنے اور فارسی کو ابھارنے کے لیئے یہاں تک کوشش کی کہ فارسی ادب کی عمدگی اس میں خیال کی گئی کہ عربی الفاظ سے خالی ہو چنانچہ شاہنامہ کی نسبت یہی روایت مشہور ہے عربی الفاظ بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ غرضیکہ اس موقعہ سے جسقدر ایرانی فارسی زبان کو فائدہ پہنچا سکتے پہنچے اُسقدر پہنچایا گیا۔ ابو العباس کی معزولی پر خواجہ احمد بن حسن میمندی وزیر ہوا۔ جو سلطان کا برادر رضاعی اور ہم سبق تھا اسکا باپ حسن میمندی عہد سبکتگین میں قصبہ بست کا حاکم تھا بوجہ خیانت صلیب پر چڑھایا گیا وہ کبھی وزیر نہیں ہوا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی جو عربی زبان کا فاضل تھا اُس نے مکرر فارسی کی جگہ عربی میں احکام سلطان لکھنے شروع کئے اس کی وجہ تو صحیح صحیح معلوم نہیں ہو سکتی کہ سلطان محمود نے خود بخود ایسا حکم دیا اور کیوں دیا یا وزیر احمد نے ابو العباس معزول شدہ وزیر کی کم لیاقتی اور اپنی اعلیٰ لیاقت کے اظہار کے لیئے ایسا کیا کیونکہ دونوں وزیر ایرانی تھے اور نسل کے اعتبار سے دونوں فارسی کے مربی تھے۔ بہر حال گو عربی کو دوسری دفعہ دفتروں میں دخل ملا لیکن یہ دخل عارضی تھا۔ فارسی عربی کی نسبت اہل عجم کے لیئے آسان تھی۔ سو لین حکام عموماً ایرانی تھے۔ دفتر عموماً ایرانیوں کے ہاتھ میں تھے۔ غزنی میں تصانیف اکثر فارسی میں ہوتی تھیں اس سبب لیئے فارسی مضبوط جڑ پکڑ چکی تھی۔ اور عربی کی اگر عام مخالفت نہ تھی تو صرف مذہبی زبان کی وجہ سے

نہ تھی ۔ ورنہ آرام طلب اور دولت مند باشندگان غزنی عربی زبان کے ادیب بننے سے دل چرانے لگے تھے ۔ سلطان محمود نے اگرچہ خواجہ احمد بن حسن میمندی کے عہد وزارت میں پھر عربی کی سرپرستی شروع کی لیکن ایک دفعہ کے انقلاب نے فارسی زبان کو عربی کا حریف بنا دیا جو سلطان محمود کے بعد عربی کو دفاتر سرکاری سے نکالنے میں کامیاب ہو گئی :۔

سلطان محمود نے جہاں ترقی اسلام کے کارہائے نمایاں کئے وہاں اسلام کی مقدس زبان کی کمزوری کی بنیاد بھی رکھی جسکا نتیجہ بعد میں یہ نکلا کہ صرف فارسی انشاپردازی ہی مسلمانوں کا خزینہ ادب رہ گیا ۔ اور عربی کا حصول دوئم نمبر پر رکھا گیا اور گھٹتے گھٹتے آج یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ عربی نظم علم ادب مدت سے مسلمانوں سے رخصت ہو چکا ہے اب اسلام کی مقدس کتاب قرآن حمید کا بالفہید معانی پڑھنا بھی بہت کم دیکھنے میں آتا ہے ۔ اور اس تبدیلی نے جو سلطان محمود کے عہد میں شروع ہوئی اسلام کو بہت نقصان پہنچایا اور آج مسلمان عربی سے ناواقف ہونے کے سبب احکام اسلام سے نابلد دکھائی دیتے ہیں نہ کوئی پاکی وناپاکی کو جانتا ہے اور نہ حلت وحرمت کو پہچانتا ہے ۔ ہزاروں مسلمان ہیں جن کو بمشکل کلمہ شہادت آتا ہو یہ تمام نادانی عربی زبان کے نہ جاننے کے سبب سے پیدا ہوئی ہے ۔ جسکا رواج دینا زمانہ حال میں بہت مشکل ہے جبکہ مسلمانوں کو اپنی ہستی قائم رکھنے کے لئے ایک اور غیر زبان انگریزی میں کمال پیدا کرنا اور دیگر اقوام سے مقابلہ کرنا ضروری اور لازمی ہے ۔ تو پھر عربی کی دوبارہ زندگی ہندوستان کے مسلمانوں میں کس طرح ہو سکتی ہے :۔

اب ہم سلطان محمود غازی رحمتہ اللہ علیہ کے حال کو ذیل کے قصیدہ عبرت انگیز پر ختم کرتے ہیں

قصیدہ عبرتناک

اے دل چو خضر آب بقا را چشیدہ گیر ۔ در بر و بحر ہمچو سکندر رسیدہ گیر

گر آرزوئے ساقی وحی درست بود ۔ از دست حور بادہ کوثر چشیدہ گیر

آوازہ بزرگی وجاہ وجلال خویش ۔ تا کوہ قاف رفتہ شمار وشنیدہ گیر

گر فی المثل بہ تخت سلیمان نشستۂ — روزے چو مور در بن غارے خزیدہ گیر

روزے سہ چار تار ہوس عنکبوت وار — در گوشۂ خرابۂ عالم تنیدہ گیر

خوابیست ایں جہان بہ مثل نزد عاقلاں — ایں خواب را تو عاقبت الامر دیدہ گیر

گنجِ نہاں کہ ہست رسیدن بآں محال — آں را بدست خویش تو ہم آوریدہ گیر

سیر فلک کہ نیست میسر بہر کسے — در عالم مثال ہمہ را دویدہ گیر

عمر تو قادری چو فسون و فسانہ ہست — افسانہ را شنیدہ و افسوں دمیدہ گیر

دستِ اجل چو جیبِ بقائے تو می درد — دستے بر آر و دامن یارے گزیدہ گیر

فقط
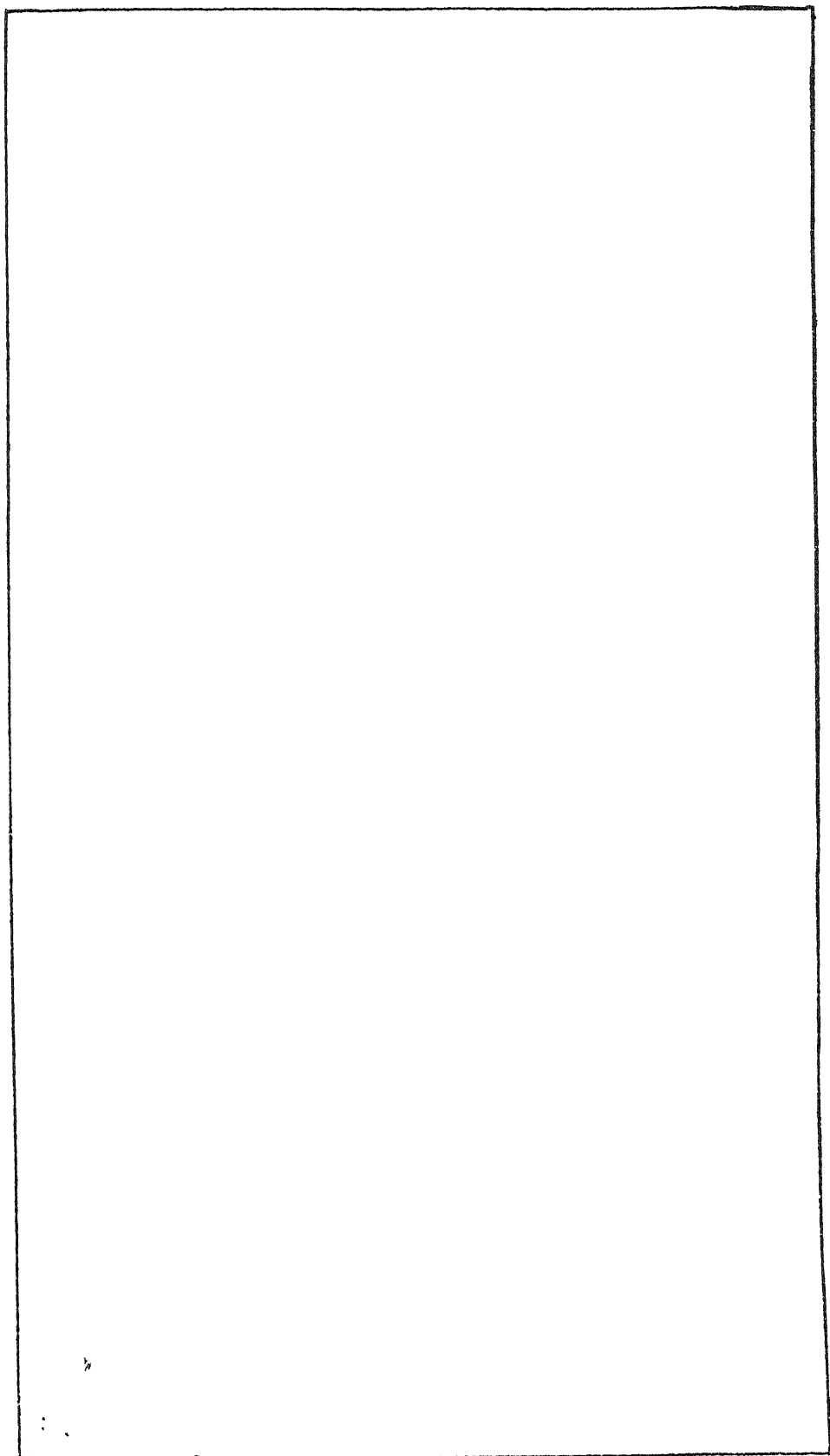
سلطان محمود کے جانشین اور زوال سلطنت

محمد بن محمود

بقول منہاج سراج سلطان محمود کے سات بیٹے محمد۔ مسعود۔ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ عبدالرشید
نصر۔ محمود تھے۔ محمد اور مسعود سب سے بڑے اور ایک دن کی پیدایش دونوں اعلےٰ تعلیم یافتہ اور
اخلاق حسنہ سے مزین تھے۔ مگر شجاعت پہلوانی اور عام سخاوت اور رعب و سیاست شاہانہ
میں مسعود کُل ہمعصروں سے بڑھا ہوا تھا۔ بقول بعض خود سلطان محمود بھی مسعود کے ان اوصاف
پر رشک کھاتا تھا۔ مسعود کے زور و طاقت کا اُس زمانہ میں کوئی نظیر نہ تھا۔ اُس کی گرز کو کوئی
پہلوان ایک ہاتھ سے اُٹھا نہ سکتا تھا جکو خود مسعود نہایت آسانی سے اُٹھاتا تھا۔ آہنی چادر (توا)
خواہ کسقدر موٹا ہوتا اُس شہ زور کا تیر پار نکل جاتا۔ سخاوت میں حاتم ثانی مشہور تھا۔ ایام شاہزادگی
میں قزوین۔ رے۔ ہمدان۔ طارم کو فتح کیا۔ ملوک دیلمی کو مقہور کیا۔ سلطان محمود جانتا
تھا کہ میرے بعد مسعود سلطان ہوگا۔ مگر محمد کی نرم مزاجی اور اخیر کی ناکامی پر خیال کر کے ہر ایک
موقعہ پر محمد کی عزت افزائی کرتا اور چاہتا کہ اُس کے عہد میں چند روز عزت و آرام سے گزارہ
کر لے ان وجوہات اور چند ساعت کی بزرگی عمر کے خیال سے سلطان محمود کی وفات کے بعد جبکہ
مسعود ہرات میں تھا تخت محمودی پر جلوس کیا اور انعام و اکرام جود و سخا میں کوتاہی نہ کی مگر ایک
آئین اور پابند ضابطہ فوج کے لئے یہ فعل ضرر رساں تھا۔ مسعود کی عظمت خاص و عام کے
دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مسعود نے تخت حاصل کرنے کے لئے کوشش شروع کی۔ اور محمد بھی
مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ بروایت طبقات اکبری خواجہ ایاز اور جرنیل علی معہ غلامان خاصہ کے
مسعود کے پاس ہرات کو چل نکلے۔ محمد نے ہندو جرنیل سوندیرائے کو معہ ہندو فوج کے
تعاقب میں روانہ کیا۔ فریقین میں سخت جنگ ہوا۔ ہندو جرنیل ہندو بہادروں سمیت مارا گیا۔
اور خواجہ ایاز معہ جنرل علی کے بخیریت نیشاپور پہنچ گیا۔ اس مقام پر یہ امر قابل غور ہے کہ سلطان
کو ہندوؤں پر کامل اعتماد تھا اور ہندوؤں کو سلطان محمود کی فیاضی اور دادگستری پر اطمینان دربار
غزنی میں ہندو اسقدر طاقت و اعتبار رکھتے تھے کہ خواجہ ایاز جیسے شمشیر سلطانی اور علی خویشاوند
جیسے بہادر سپہ سالار کے تعاقب میں ہندو جرنیل اور ہندو فوج روانہ کی گئی۔ اگر سلطان محمود
متعصب ہوتا اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنے والا ہوتا اور ہندوؤں سے عداوت و نفرت

رکھتا تو کبھی اس کے دربار خصوصاً فوجی عنصر میں ہندو اسقدر رسوخ اور عزت نہ پا سکتے اور نہ ہی ہندو ایک ظالم ہندو دھرم کو بگاڑنے والے سلطان کے جانباز ملازم بن سکتے ۔

مسعود نے بھائی کی تخت نشینی کی خبر سُن کر محمد کو لکھا کہ تخت غزنی مبارک ہو مجھکو اپنی مفتوحہ صوبجات بلاد جبال ۔عراق ۔طبرستان ہی کافی ہیں صرف خطبہ میں میرا نام شامل اور مقدم کرے محمد نے انکار کیا اور جواب سخت لکھا اور مقابلہ کو تیار ہو گیا اور یکم ماہ رمضان ۴۲۱ھ میں موضع تگینہ آباد کے قریب پہنچا ۔تمام ماہ رمضان وہیں پڑا رہا اس تساہل اور سلطان مسعود کی عام شاہانہ لیاقت نے امرا کو محمد سے دل برداشتہ کر دیا اور شوال کی تیسری شب کو محمد کے چچا امیر یوسف اور علی خویشاوند اور امیر حسن میکائیل نے محمد کو گرفتار کر کے خلیج میں قید کر دیا ۔اور تمام امرائے معہ فوج ہرات سلطان مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔سلطان محمد نابینا کیا گیا اور پانچ ماہ بعد معزول ہوا ۔نمک حرام امرا علی اور حسین مارے گئے اور امیر یوسف سبکتگین قید میں مر گیا ۔ مسعود کی یہ پہلی غلطی تھی ۔

ہندو جرنیل اور ہندو فوج

جب سلطان مسعود بلخ کیطرف مصروف تھا ۔احمد نیالتگین خزانچی سلطان محمود جسکو بجرم خیانت سلطان مسعود نے جرمانہ کر کے قید کیا تھا اور پھر معافی دے کر کچھ حصہ پنجاب کا حاکم بنا دیا تھا ۔انتقام کہنہ کے لئے باغی ہو گیا سلطان مسعود نے ایک ہندو جرنیل کو جسکا نام فارسی تاریخوں میں ناتھ لکھا ہے اور دراصل ناتھ معلوم ہوتا ہے معہ ہندو فوج کے احمد کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا ۔ناتھ معہ ہندو فوج کے حق نمک ادا کرتا ہوا میدان جنگ میں معہ ہندو فوج کے مارا گیا ۔سلطان نے ہندو سپہ سالار تونک کو جو غالباً لفظ تلک سے مراد ہے ۔ہندو فوج دے کر پنجاب کو روانہ کیا ۔احمد جس کے پاس تمام وہ لوگ جمع ہو گئے تھے جو سلطان مسعود سے ناراض تھے فوج کثیر سے مقابلہ کیا ۔مگر تونک جس کی مدد پر مسلمان سردار بھی پہنچ گئے تھے کئی لڑائیاں لڑ کر غالب رہا ۔باغی فوج کچھ ماری گئی ۔اور باقی قید کی گئی ۔خود احمد دریائے سندھ میں بوقت عبور غرق ہو گیا ۔

نوٹ قابل غور نسبت سلطان محمود

ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ جب سوندیرائے ۔ناتھ ۔تلک جیسے معتبر جرنیل اور ہندو دُن

کی کثیر فوج سلطان محمود کی تربیت یافتہ اور قابل اعتبار جزو فوج محمودی تھے تو پھر یہ الزام کہ سلطان ظالم اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنیوالا تھا درست نہیں رہتا۔ لیتھبرج صاحب اور دیگر یورپین مورخوں نے معلوم نہیں کس تاریخی واقعہ سے سلطان محمود نہیں بلکہ خود اسلام کو بدنام کرنیوالا فقرہ لکھدیا ہے کہ سلطان محمود بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا۔ غالباً یورپین مورخوں نے سلطان محمود کی ہندو فوج کے خدمات کو مطالعہ نہیں کیا اگر کیا ہے تو غور نہیں کیا۔ اپنی عادت کے مطابق مورخان کانشنس کے خلاف ایسے زبردست اور پابند اسلام ملکی مدبر اور نصف ایشیا کے خودمختار بہادر سلطان پر ناحق الزام لگادیا ہے جو تاریخ سے صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ ہندو سلطان کو فاتح ہندوستان سمجھ کر اور لڑائی کے نتیجہ قتل واسر اور نہب و غارت کے سبب اچھا خیال نہیں کرسکتے۔ لیکن اولوالعزم سلاطین میں سے ایک بھی اس جرم سے پاک نہیں۔ خود ہندوستان کے راجگان قدیم۔ راجہ رام چندرجی۔ جودہشٹر۔ ارجن۔ سالباہن۔ رام دیو راٹھور۔ مال چند بانی مالوہ۔ بنگل راجہ بنگالہ نور مخالف راجہ دہلو بانی دہلی وغیرہ کی لڑائیوں کے نتائج بھی قتل و غارت ہی تھے۔

سلطان مسعود کی فتوحات اور سلجوقی حادثات

محمدؒ کی معزولی اور چند مقتدر امرائے محمودی کی تباہی اراکین غزنی میں نفاق کا باعث تھی جو لوگ قتل و ہلاک ہوئے اُن کے متعلقین سلطان مسعود کو دل سے پسند نہیں کرتے تھے اگرچہ مسعود کے خوف سے کوئی ناجائز حرکت نہیں کرتے تھے لیکن وہ شوق جہاد اور جان فروشی جو سلطان محمود کے عہد میں ظاہر کیجاتی تھی کم ہوگئی۔ سلطان مسعود نے باپ سے بڑھ کر یہ کیا کہ حکام کیچ مکران بھی اُس کی ماتحتی میں آگئے اور ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل ہوئیں۔ لیکن سلجوقی ترکمانوں کے روزافزوں فساد نے اسکو ہندوستان میں کوئی بڑی مہم نہ کرنے دی۔ سلجوقی ترکمان ترکستان کی ایک خانہ بدوش قوم تھی۔ جنگلی معاشرت اور خونخوار عادات کے سبب سلطان محمود کی ترکستانی رعایا کو ہمیشہ تکلیف دیتی تھی۔ حکام انتظام سے عاجز تھے اسلیئے سلطان محمود نے سلجوقیوں کو خراسان کیطرف جلاوطن کردیا اور اُن کے ایک سردار کو قلعہ کالنجر میں قید کیا۔ اُسیوقت مدبرین نے اس جلاوطنی کو سلطان محمود کی پولیٹکل غلطی خیال کیا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ باشندگان خراسان جو ترکمن کی نسبت زیادہ مہذب اور کاروباری اشخاص تھے۔ وہ خود ان سلجوقیوں کا مقابلہ نہ کرسکتے تھے۔ سلطانی افواج سے ہربار مدد لیتے۔ شاہی فوجیں ان قزاقوں کو اگرچہ مار کر نکالتی رہیں۔

لیکن ان لڑائیوں سے سلجوقیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور سلطانی فوج کو خیال میں نہ لانے لگے۔ اور سلطان مسعود اپنی شاہی جاہ وجلال اور وسیع اور زبردست سلطنت کے بھروسہ آوار گرد اور بے خانماں سلجوقیوں کے فساد وسرکشی کو ایک معمولی بات تصور کرنے لگا اور (سرچشمہ شاید گرفتن بمیل) پر عمل نکیا اپنے فرزند کلاں مودود کو بلخ کیطرف اور خود ہندوستان کو چلا آیا ⁂

فتوحات سرہند۔ ہانسی۔ سونی پت وغیرہ

اول قلعہ سرستی (سرہند) کو بزور شمشیر فتح کیا۔ جس میں مسلمان تاجروں کو لوٹ کر قید کیا گیا تھا۔ فتح پاکر تاجروں کو تمام مال غنیمت دیدیا۔ اور پھر قلعہ ہانسی کو جسکو ابتک کسی سلطان فاتح نے تسخیر نہ کیا تھا اور جسکو ہندو ناممکن الفتح خیال کرتے تھے ۶ روز کے لگاتار خونخوار جنگ سے فتح کیا اثنائے محاصرہ میں ہندو بہادر قلعہ سے نکلکر بھی دھاوا کرتے تھے ایک دفعہ عین ادائے نماز کیوقت ایک حصہ فوج کو تہ تیغ کر گئے مگر آخر بہادران اسلام نے جانوں پر کھیل کر فصیل قلعہ کو لے لیا۔ محصورین اخیر دم تک لڑتے رہے اور جنہوں نے ہتھیار رکھدئے بچ گئے۔ یہاں سے سلطان مسعود سونی پت کے قلعہ پر حملہ آور ہوا۔ جو ابتک بہادران اسلام کے ہاتھ سے بچا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمود اور مسعود کے عہد میں دہلی کوئی زبردست سلطنت نہ تھی اس نواح میں راجہ سونی پت نہایت طاقتور تھا۔ کیونکہ مسعود کا دہلی کو چھوڑ کر سونی پت کی فتح میں ہمہ تن مصروف ہونا سونی پت کی عظمت کو ثابت کرتا ہے اور سلطان محمود نے بھی دہلی پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ راجہ سونی پت دنیپال ہر نام تھا۔ مقابلہ سے عاجز ہوکر جنگلوں میں بھاگ گیا۔ اور اس کی ہمراہی فوج قتل واسیر ہوگی۔ سونی پت کے بت توڑ دئے گئے یہاں سے فارغ ہوکر سلطان کوہستان ہمالیہ کے رام راجہ پر حملہ آور ہوا۔ جس نے مال کثیر دے کر اطاعت اختیار کی۔ اب موسم گرما آگیا اور ترکمانوں کے فساد کی خبریں بھی آنے لگیں اسلئے سلطان اپنے دوسرے بیٹے ابو المجدود کو بہ اتالیقی خواجہ ایاز حکومت لاہور دے کر غزنی کو واپس چلا گیا۔

سلجوقی ترکمانوں سے معرکہ آرائی اور شکست

سلطان جب ہندوستان میں آیا ہوا تھا سلجوقیوں نے ماورا النہر اور خراسان میں لوٹ مار

مچا رکھی تھی۔ اسلیئے ۴۲۸ھ یا ۴۲۹ھ میں غزنی سے بلخ کو روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں قدرخاں شاہ ترکستان کے فوت ہونے اور اُس کے ملک میں خلل و فساد کی خبر ملی۔ سلطان نے چاہا کہ اس موقعہ پر قدرخان کے ملک کو فتح کر کے سلطنت کو وسیع کریں ہر چند امرائے دربار عرض کرتے تھے کہ سلجوقی ترکمان دو سال سے ملک کو تاخت و تاراج کر رہے ہیں لوگ شاہی امداد سے مایوس ہو کر سلجوقیوں کی اطاعت اختیار کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں سب سے مقدم باغی سلجوقیوں کو قرار واقعی سزا دے کر ممالک محروسہ کا انتظام کرنا چاہیئے۔ بعد ازآں غیر ملک پر چڑھائی اور جدید علاقہ کی فتح کا خیال کریں سلطان مسعود نے اپنی ذاتی شجاعت و طاقت اور غرور سلطنت سے اس مفید مشورہ پر عمل نہ کیا اور دریائے جیحون پر پل باندھ کر ماوراالنہر پر حملہ آور ہوا۔ کوئی بھاری مقابلہ نہ ہوا۔ تمام سرداروں نے اطاعت قبول کی۔ مگر ترکمان اس فرصت کو غنیمت جان کر پوری طرح سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے۔ بلخ کے سلطانی گورنر نے اطلاع دی کہ جعفر بیگ داؤد جمعیت کثیر جمع کر کے سلطانی رعایا کو تاخت و تاراج کر رہا ہے سلطان مسعود فوراً بلخ کو روانہ ہوا۔ مگر جعفر بیگ داؤد مرو کو چلا گیا۔ اور طغرل بیگ نے غزنی پہنچ کر سلطانی اصطبل کو لوٹ لیا اور سلطنت غزنی کی آبرو کو خاک میں ملا دیا۔ سلطان مسعود داؤد کے تعاقب میں مرو کو چلا جعفر بیگ داؤد جو ایک دستہ فوج سلطانی کو کچھ عرصہ پہلے شکست دے چکا تھا اسوقت دفع الوقتی کے لیئے بشرط عطائے چراگاہ طالب صلح ہوا۔ سلطان جو ترکمانوں کو غرور سلطانی سے کچھ زیادہ طاقتور نہ جانتا تھا معافی دے کر سند تقرری حدود چراگاہ مقرر کر دی اور دلجمعی سے ہرات کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ترکمانوں کی فوج نے سلطانی فوج پر حملہ کر کے نقصان پہنچایا مگر سلطان نے سب کو معہ زن و فرزند قتل کر کے اُن کے سر گدھوں پر لاد کر بیغو سردار ترکمانوں کے پاس بھیجدیے بیغو نے لاعلمی ظاہر کی۔ سلطان ہرات سے نیشاپور اور نیشاپور سے طوس کو گیا جہاں پر ترکمانوں سے مقابلہ ہوا اور شکست دے کر سب کو قتل کیا۔ بعد ازآں قلعوں کو جو ترکمانوں کے مطیع ہو گئے تھے فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو ترکمانوں کی اطاعت قبول کرنے کے جرم میں سخت سزائیں دیں۔ طغرل بیگ جسنے خاص دارالخلافہ پر جا ہاتھ مارا تھا اُس کی سزادہی کے لئے ادہر اُدہر دوڑتا پھرا وہ مقابلہ پر نہ آیا کہ اتنے میں موسم سرما آگیا برف شروع ہو گئی غزنی وغیرہ کے راستہ بند ہو گئے۔ جسقدر فوج خاص سلطان کے ہمراہ تھی اُسکو کسی طرف سے مدد نہ مل سکتی تھی یہ حال دیکھ کر ترکمان چاروں طرف سے امنڈ آئے اور راہ آمد و رفت بند کر دیا۔ تا دلن اُدمعرو

سلطان جسنے ایک خیرخواہ شاعر کے شعر

مخالفان تو بودند مور و مار شدند — برآر از سر موران مارگشتہ دمار

عدوے را مدہ ہرگز امان ازیں بیش — کہ اژدہا شود ار روزگار یابد مار

پر عمل نہ کیا تھا اب جنگ صف پر آمادہ ہوا اور سمجھ لیا کہ جو کچھ خیر اندیش کہتے تھے درست تھا اور ترکمان عجز و الحاح دفع الوقتی کے لئے کرتے تھے۔ اب تدبیر کا وقت نکل چکا تھا لڑائی زور شور سے شروع ہوئی تین دن تک خونخوار لڑائی ہوتی رہی تیسرے روز چند امراے غزنی بقول فرشتہ ترکمانوں سے جا ملے۔ یہ لوگ غالباً وہی تھے جو مسعود کے ہاتھ سے ضرر رسیدہ تھے یا وہ ابن الوقت جو ترکمانوں کی فتح و غلبہ کے آثار دیکھ کر جدید انقلاب میں اپنا ذاتی فائدہ خیال کرتے تھے۔ بہرحال کوئی وجہ ہو ان بیوفا امرا کی علیحدگی باقی فوج کی دل شکستگی کا باعث ہوئی اکثر میدان جنگ میں مارے گئے۔ سلطان نے یہ حالت دیکھ کر بہ نفس نفیس حملہ کر دیا اور ترکمانوں کے کئی بہادروں کو گرز و سنان شمشیر وغیرہ سے مار کر ہلاک کیا۔ اور اسقدر تہور و شجاعت دکھائی کہ رستم و اسفندیار کے افسانے بھلا دئے۔ ایسے خونخوار معرکہ میں جو بہادر سلطان کے ساتھ تھے افسوس کہ ان کے حوصلے پست ہوگئے اور اس بہادر سلطان کو تن تنہا میدان جنگ میں چھوڑ گئے سلطان یہ حالت دیکھ کر فوج دشمن سے باہر نکلنے لگا۔ جدھر منہ کرتا تھا۔ دشمن خود بخود اسکو رستہ دیدیتے اور مقابلہ سے ہٹ جاتے کسی سلجوقی بہادر کا حوصلہ نہ ہوا کہ اس شیر مرد کو روک سکے سلطان صحیح و سلامت قلعہ مرو میں پہنچا جہاں چند شکست یافتہ سپاہی بھی آملے۔ دشمن سلطان مسعود کی ذاتی شجاعت کے خوف سے تعاقب نہ کرسکا۔ اور سلطان غزنی میں بخیریت پہنچ گیا۔ اور شکست یافتہ سرداران فوج کو ہندوستان کے قلعوں میں قید کیا۔ یہ شکست طالقان ایسی سخت ہوئی کہ آل محمودی کا رعب داب ترکستان و خراسان عراق و ایران وغیرہ سے اٹھ گیا اور سلجوقی ترکمان دہقان سے سلطان بن گئے۔ اور اسی ایک حادثہ سے خاندان غزنی کا زوال بلکہ استیصال ہوگیا +

سلطان مسعود کی شہادت

جب سلطان مسعود ترکمانوں کو شکست نہ دیسکا اور امرائے غزنی کے نفاق اور فوج و سامان کی کمی کے سبب مقابلہ نہ کرسکا تو امیر مودود فرزند کلان کو حکومت بلخ اور امیر ایزدیار کو کوہستان غزنی

اور شاہزادہ مجدود کو ملتان کی حکومت پر مقرر کیا اور خود تمام خزانہ و اسباب لیکر ہندوستان کو روانہ ہوا تاکہ ہندوستان سے تازہ دم فوج لیکر ترکمانوں سے انتقام لے مگر یہ ایک علانیہ کمزوری کی علامت تھی جب غزنی میں رہ کر غزنی کی تمام فوجوں سے فائدہ نہ ہوا تو اب ہندوستان کے مسلمان امرا اور چند ہندو ماتحت راجگان پرجوش ترکمانوں کے مقابلہ میں کس کام آسکتے تھے مگر بقول "الغریق یتشبث بالحشیش" مسعود نے ہندوستان کو امید گاہ خیال کیا۔ جو غلط ثابت ہوا۔ جب بروایت طبقات ناصری مارگلہ واقع ضلع راول پنڈی سے گذر ہوا۔ غلاموں نے جن میں زیادہ تر ہندو غلام تھے شاہی خزانہ کو جو اونٹوں پر لدا ہوا تھا لوٹنا شروع کر دیا اور چونکہ وفادار اور مخلص جانبازوں کی کمی تھی وہ تمام زر و جواہر جو کبھی ہندوستان سے غزنی گیا تھا ہندوستان کی زمین ہی میں ہندو اور ترک غلاموں نے تاراج کر لیا۔ اور خوف سیاست سے اندھے محمد کو جسکو سلطان مسعود بخیال دور اندیشی ساتھ لایا تھا بادشاہ بنا لیا اور ہجوم کثیر سے سلطان مسعود کے ڈیرہ پر جا پڑے سلطان سرائے مارگلہ میں قلعہ بند ہوا۔ چونکہ فوج عموماً سلطان مسعود سے ناراض تھی۔ اس لئے اکثر مخالف ہو گئی۔ اور مسعود قید ہو کر سلطان محمد کے روبرو لایا گیا اور ایک قلعہ میں قید کا حکم دیا گیا جہاں سلطان محمدؒ کے خبطی فرزند احمد اور سلیمان بن یوسف سبکتگین اور علی خویشاوند کے بیٹے نے جن کے باپ سلطان مسعود کے ہاتھ سے قید و قتل ہوئے تھے بغیر اطلاع سلطان محمدؒ قلعہ میں جا کر سلطان مسعود کو ۴۳۳ھ میں شہید کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۴۵ سال کی عمر میں قتل ہوا مسعود کے فرزند حسب ذیل تھے۔ مودود۔ مجدود۔ محمدؒ۔ ابراہیمؒ۔ ایزدیارؒ۔ فرخ زاد شجاعؒ۔ مرادؒ۔ علیؒ +

سلطان مسعود کی یادگاریں

بروایت فرشتہ و منہاج سراج یہ بادشاہ کریم النفس بہادر شجاع تھا۔ سخاوت بافراط کرتا تھا۔ خود عالم اور علما و فضلا کا قدردان تھا۔ ابو ریحان خوارزمی منجم نے نجوم و ریاضی میں کتاب قانون مسعودی اور علم ریاضی سلطان کے نام گرامی پر معنون کی اور ایک فیل نقرہ انعام پایا۔ قاضی ابو محمد ناصحی نے کتاب فقہ مسعودی اس شاہ فضیلت پناہ کے نام پر تالیف کی مسعود کے اوائل عہد میں جبکہ حوادث کا ظہور نہیں ہوا تھا تمام ممالک محروسہ۔ ہندوستان۔ افغانستان۔ ترکستان خراسان وغیرہ میں اسقدر مدارس اور مساجد تعمیر ہوئیں کہ شمار نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ سلطان

کے علاوہ امرائے سلطنت نے بھی علمی ترقی میں خوب مدد کی یہ بادشاہ اسقدر سخی و کریم تھا کہ ایک ایک دن میں لاکھ لاکھ درم غربا و مساکین کو تقسیم کرتا تھا +

ناظرین حیران ہوں گے کہ باوجود اسقدر صفات حمیدہ اسُ کو کیوں کامیابی نہ ہوئی جسکو ہم مکرر بطور نتیجہ دوہراتے ہیں تاکہ سلطنت محمودی کے زوال کے اسباب معلوم ہو سکیں +

مسعود کی شکست اور زوال سلطنت کا آغاز

مسعود کی سلمان مؤرخ بہت تعریف لکھتے ہیں لیکن بعض عیب بھی رکھتا تھا جن کو مؤرخین اسلام نے نظرانداز کر دیا ہے اگرچہ وہ عیوب اخلاقی اور مذہبی نہ تھے مگر انتظامی نکتہ خیال سے سلطنت کے لئے ضرر رساں تھے +

(۱) سلطان مسعود سخت سزائیں دیتا تھا۔ اور بعض موقعہ پر خلاف مصلحت ملکی عمل کرتا تھا۔ سلطان محمدؐ کو جن امرا نے سلطان مسعود کی خیرخواہی میں معزول کیا باریابی پر علی خویشاوند کو قتل اور اپنے چچا یوسف بن سبکتگین کو قید کیا اور شاہی خاندان اور مقتدر امرا کو بدظن کر لیا۔ اگرچہ امرائے مذکور کا فعل نسبت سلطان محمد بیوفائی پر دلالت کرتا تھا۔ اور مسعود آیندہ اس قسم کی بیوفائی کا دروازہ بند کرنا چاہتا تھا مگر اسُ نے عام فطرت انسانی اور تاریخی تجربات پر غور نہ کی۔ دنیا میں اس قسم کے بیسیوں نظائر واقع ہو چکی تھیں کہ ایک نے دوسرے مخالف کے ملازموں سے فائدہ اٹھایا۔ نظامی نے سکندر سے الزام قتل دارا بیت کہ خرگوش ہر مرزرا بے شگفت + سگِ آں ولایت تو اند گرفت + کی ضرب المثل سے دور کیا ہے اور نہیں تو سلطان محمود اور اسماعیل کی لڑائی کے نتیجہ کو دیکھتا کہ مدبر و مآل اندیش سلطان محمود اسماعیل کے ہمراہیوں سے کسطرح پیش آیا۔ غرض اس غلطی سے امرائے غزنی کو مسعود کی ناقدردانی اور انتظامی امور سے بے پرواہی اور ناعاقبت اندیشی ثابت ہو گئی اگر اٹھارھویں صدی عیسوی میں مسعود ہوتا تو یورپ کی ترقی دولت کی پالیسی دیکھ کر اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا جس پالیسی سے تمام ایشیا زیر و زبر کیا گیا ہے۔ تدبیر و شمشیر ہر ایک کا اپنا اپنا موقعہ ہوتا ہے۔

(۲) سلطان مسعود خودرائے تھا مشورت و شورے جس کی اسلام میں سخت تاکید ہے اور جسکی پابندی اسکا مدبر باپ سلطان محمود کرتا رہا اور ہر ایک طرف کامیاب رہا۔ اسُ سے سلطان مسعود بےپرواہ تھا۔ سلجوقی ترکمانوں کی متمردانہ دست و برد کو ابتدا میں معمولی تصور کیا اور اس اغماض سے سلجوقیوں کا حوصلہ بڑھتا رہا اور شاہی رعب گھٹتا رہا۔ تاریخ میں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں

کہ گورنمنٹ کی سہل انگاری سے وہ قومیں جو جنگی مذاق سے بالکل بے بہرہ تسلیم کیجاتی تھیں چند روزہ کامیاب شرارت اور مفسدانہ
حرکات سے اُس عہد کے گورنمنٹ کی مشکلات کا باعث ہوئیں اور بعض دفعہ تخت وتاج کی وارث بن گئیں۔ اسی وجہ سے ہر ایک
مدبر اور مآل اندیش گورنمنٹ رعایا کے خیالات کی نگراں رہتی ہے۔ اور بغاوت (سڈیشن) کے مواد کو ملک میں پھیلنے نہیں
دیتی اور حتی المقدور اُن لوگوں کے قلع وقمع میں ساعی رہتی ہے۔ جنکو وہ سڈیشن (بغاوت) پھیلانے والا خیال کرتی ہے
جو شخص ایسی گورنمنٹ کو بُرا کہے وہ انصاف ودانش سے بہرہ نہیں رکھتا۔ پس سلطان مسعود نے مشیران دربار کی رائے پر توجہ نہ کی اور سلجوقی
فساد کے دفعیہ کا انتظام نہ کیا سلجوقی ترکمان بھیڑ بکری رکھنے والے شاہ سوار اور سلطانی علاقہ کی تاخت وتاراج سے دولت مند
بن گئے اور عوام کے دلوں پر اُن کی شجاعت کا سکہ بیٹھ گیا اور فوج سلطانی کو انتقام سے قاصر سمجھ لیا۔ اور انجو آے ؎
ہر آن جو کہ باز بود وہم عیار + بنرخ زر آرندش اندر شمار + سلطان کے مقابل خیال کئے گئے۔ شروع شروع میں
جسطرح کہ انقلاب پسند بدباطن فرقوں کا قاعدہ ہوتا ہے سلطان مسعود کو اطاعت کا دھوکہ دیتے رہے اور تیاری کیلئے وقت
نکالتے رہے۔ سلطان مسعود جسکی سلطنت کوہ یورال سے لیکر شہر بابل اور چین سے لیکر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی مغرور گورنمنٹ
کیطرح منافق سلجوقیوں کے زبانی دم جھانسے میں آتا رہا اور برباد ہوا۔

(۲) دوسری وجہ یہ تھی کہ محمودی فتوحات سے امرائے غزنی فارغ البال دولتمند بن گئے تھے اور زر ودولت کا مشہور خاصہ
آرام طلبی اور عیاشی ہے۔ جسکے اثر سے ارکان سلطنت غزنی بھی نہ بچ سکے اور اُس جاں فروشی اور ایثار نفس کی ضرورت نہ ہوئی
جو بہادر اور عزیز قوم سلطان کے سامنے کرتی تھی۔ مقابل پر وہ قوم سلجوق تھی جو بادیہ نشین بدویانہ تمدن سے ناواقف نو دولت تھی
دونوں کی باہمی کوششیں بقول ؎ گرسنہ چو باسیر ماند کباب * بفربہ ترین لقمہ آرد شتاب * کے مطابق تھیں
اس لئے سلجوقی ترکمان بازی جیت گئے۔ اور غزنی کی فوجیں سلجوقی تلوار کا مقابلہ نہ کرسکیں اور اس قسم کی تاریخی نظائر بیشمار ہیں

(۳) جہانتک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اور طغرل بیگ وغیرہ سلاطین سلجوقیہ کے حالات مطالعہ سے گذرے ہیں جن کا حال تذکرہ
بہادران اسلام مؤلفہ فقیر میں درج ہے یہ قوم ابتدائی عہد کے مسلمانوں کیطرح پرجوش جانباز پابند اسلام تھی اور اسی
پابندی اسلام کے سبب اُنہوں نے بجائے اس کے کہ دار الخلافہ غزنی کو فتح کر کے آل محمودی کا نشان مٹاتے رومی عیسائیوں کے
مقابلہ کیلئے کھڑے ہو گئے اور اسلامی فتوحات کی قسطنطنیہ تک دھاک باندھ دی۔ عام مسلمان ہر عہد میں ایسے پرجوش اور کار آمد
اسلام سلاطین کا خیر مقدم کہتے رہے ہیں۔ سلطان محمود رح اسی صفت محمودہ کے سبب مظفر ومنصور اور عزیز ملت محمدی تھا
مگر سلطان مسعود کی نادانی اور ارکین سلطنت کی بزدلانہ حرص وطمع سے فوج غزنی کی وہ شہرت نہیں رہی تھی اس لئے
اُسکی جگہ سلجوقیوں نے لی۔ غرضیکہ سلجوقی حوادث نے سلطنت غزنی کو زوال پہنچایا گو اسکے بعد بھی آل محمودی میں کئی
سال تک تخت وتاج رہا اور ابراہیم وبہرام نامور سلاطین گذرے لیکن سلطان محمود رح کی نسبت اُنکے پاس تہائی ملک
تھا اگر ہندوستان کو نکال دیا جائے تو خالص علاقہ غزنی وغیرہ کوئی بیسواں حصہ رہ جاتا ہے۔ سلجوقی اس علاقہ کو بھی نہ چھوڑتے

لیکن انکی توجہ رومی عیسائیوں کیطرف ہوگئی اور بعد میں رشتہ داری نے اتحاد پیدا کر دیا اور بعض سلاطین غزنی شاہان
سلجوقی کے دست گرفتہ بن گئے اور غیروں کی امداد کے محتاج ہو گئے +

مودود بن مسعود

سلطان مسعود کے واقعہ جانکاہ کی خبر سُن کر اُسکا بیٹا مودود غزنی پہنچکر تخت نشین ہوا اور فوج کثیر لے کر
سلطان محمد کا مقابلہ کیا دو روز کی سخت لڑائی کے بعد سلطان محمد مع اپنے بیٹے احمد وغیرہ اور معزز سرداران لشکر
کے قید ہوا۔ محمد اور تمام خاندان مسعود اور اولاد محمد سوائے عبدالرحیم کے قتل کیے گئے۔ عبدالرحیم بن محمد کی رہائی کا یہ سبب تھا
کہ جب سلطان مسعود قید ہوا تو عبدالرحیم اور عبدالرحمن دونوں بھائی سلطان مسعود کو دیکھنے گئے۔ عبدالرحمن نے شرارت سے بے
ادبانہ سے سلطان مسعود کے سر سے کلاہ اتار لی اور تمسخر شروع کیا مگر عبدالرحیم نے بھائی کو ملامت کی اور نہایت ادب کیساتھ
کلاہ سلطان مسعود کے سر پر رکھدی۔ مودود نے اس حسن سلوک کا صلہ ادا کیا اور عبدالرحیم سے متعرض نہ ہوا۔ اور "من عمل صالحاً
فلنفسہ ومن اساء فعلیہا" کا صحیح اور اٹل نتیجہ ظاہر ہوا۔ اس کے بعد جو علاقہ پنجاب پشاور وغیرہ سلطان محمد کے
بیٹے کے پاس تھا اُسکو فتح کیا۔ مگر متلون مزاج اور سخت گیر تھا۔ وزیر اعظم ابو نصر احمد جیسے فاضل خیر خواہ کو معزول
اور بعض اور امراء کو بھی معتوب و مقتول کیا۔ طغرل نمکحرام کا عروج اسی عہد میں ہوا۔ فوج غزنی کا سپہ سالار تھا ترکمانوں
کو چند شکستیں دیں مگر آخر باغی ہوا اور شکست پاکر سلجوقیوں سے جاملا۔ اگرچہ جعفر بیگ سلجوقی کی لڑکی کا سلطان مودود سے
نکاح ہوا مگر سلجوقی ترکمانوں کی تاخت و تاراج سے علاقہ غزنی محفوظ نہ رہا۔ سلطان مودود کی ذاتی شجاعت اور مستعدی
اور عام لیاقت نے بقیہ علاقہ غزنی کو بچایا مگر یہ تمام معرکے مدافعانہ تھے اور ترکمانوں کے جارحانہ۔ اسی سے سلطنت غزنی اور
سلجوقی کے طاقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں اُسکا بھائی مجدود ملتان و سندھ ہانسی و تھانیسر کا حکمران تھا
مگر دونوں بھائیوں میں اختلاف تھا۔ مجدود بن مسعود جسکا وزیر خواجہ ایاز تھا۔ قلعہ ہانسی میں مقیم اور دہلی پر چڑھائی کرنے کی تیاری
کر رہا تھا جو آجتک شاہان غزنی کے مطیع رہا اور اب خراج بند کرکے ہندو طاقت کو بڑھا رہا تھا۔ مودود نے لشکر جرار مجدود
کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا مجدود بھی فوراً ہانسی سے لاہور پہنچ گیا جسکے خوف سے لشکر مودود بھاگنے کو تیار تھا۔ اور امرائے
غزنی جو عموماً انقلاب پسند اور مودود کی سختیوں سے ناراض تھے۔ مجدود کی اطاعت کرنیکو تیار تھے کہ ناگاہ عید الضحی کی صبح کو
مجدود اپنے خیمہ میں مردہ پایا گیا اور کیفیت ظاہر نہ ہوئی غالباً مودود کی خفیہ سازش کا شکار ہوا ہوگا۔ اُس کے بعد خواجہ ایاز
بھی لاہور میں مرگیا اور قلعہ لاہور پر مودود کی فوج کا قبضہ ہوگیا۔ اور دہلی تک کا تمام علاقہ مودود کے تصرف میں آگیا اور
اور ترقی اقبال کی صورت پیدا ہوئی اور امید تھی کہ سلطان مودود ہندوستان میں فتوحات کا دروازہ کھولیگا۔ مگر سلجوقی ترکمانوں کے
خوف سے غزنی سے زیادہ عرصہ کیلئے جدا نہ ہوسکتا تھا۔ اور ہندوستان میں اعلیٰ پیمانہ پر کوئی مہم روانہ نہ
کرسکتا تھا:۔

ہندو راجگان کی اپنی طاقت بڑھانا اور ہانسی و تھانیسر نگرکوٹ کا مسلمانوں سے چھیننا

مودود اور اُسکے تجربہ کار وزیر خواجہ ایاز کی موجودگی اور مستعدی سے ہندو راجگان سر نہ اُٹھا سکتے تھے اور کم و بیش خراج ادا کرتے اور اظہار وفاداری سے جو محض دفع الوقتی تھی سلاطین غزنی کو دم جھانسا دیتے تھے۔ جوں ہی مودود اور خواجہ ایاز فوت ہوا اور مودود ترکمانوں کے فساد روکنے میں مصروف ہوا۔ علاقہ پنجاب وغیرہ صرف امرائے اسلام کے سپرد رہا جو سلطان غزنی کی متزلزل حالت سے مطمئن نہ تھے ایسے وقت میں ہندوؤں نے پر پُرزے نکالنے شروع کئے ۴۳۵ھ میں راجہ دہلی نے راجا اُن کے اتفاق سے قلعہ ہانسی تھانیسر امرائے اسلام سے چھین لئے اور لاہور تک تمام علاقہ فتح کر لیا۔ نگرکوٹ کو چار ماہ کے محاصرہ کے بعد خاص اہتمام اور تدبیر سے فتح کیا جسکا ذکر ہم آگے چل کر یں گے۔ مودود کی فوجیں پنجاب میں علی کوتوال کے ساتھ بھیجی گئیں مگر سندھ اور پنجاب سے آگے نہ بڑھ سکیں صرف پنجاب کے سرکشوں کو ہی سزا دیتی رہیں +

ہندو جرنیل فوج غزنویہ

علی کوتوال پنجاب نے بیجرائے ہندو کو جو سلطان محمود کے عہد میں ایک ممتاز سپہ سالار تھا اور سلطان محمود کے سامنے عمدہ خدمات ادا کر چکا۔ مودود کے عہد میں ناراض ہو کر غزنی سے بھاگ آیا اور کوہستان کشمیر میں سرکشانہ طور سے رہتا تھا۔ علی کوتوال نے اُسکو وعدہ وعید کر کے اپنے پاس بلا لیا اور غزنی بھیجا جہاں سلطان مودود نے بیجرائے کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا اور بیجرائے خدمات سلطانی میں بدستور عہد محمودی مصروف ہوا +

نوٹ

بیجرائے ہندو جرنیل کا سلطان محمود کے عہد میں جانفشانی سے خدمات ادا کرنا اور مودود کے عہد میں جدا ہونا اور پھر سلطنت غزنی کا ملازم ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اسوقت کے ہندو سلطان محمود کے سلوک سے ناراض نہ تھے +

ہندوؤں کی پولٹیکل لیاقت اور ہندو سلطنت کی بحالی

ذیل کا واقعہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے جو آج سے چار صدی پیشتر کی تصنیف ہے جبکہ مسلمان مورخوں کو آج کل کیطرح کسی معترض و مخالف کا خوف و خطر نہ تھا اور نہ اُن کو زمانہ حال کیطرح بیشمار پالیسیوں کو نگاہ میں رکھنے کی ضرورت تھی اسلئے اُن کی روایت میں خانہ ساز افسانہ گوئی اور دروغ افترا کو زمانہ حال کیطرح امکان کی گنجائش نہیں تھی۔ میں اس واقعہ کو محض اس خیال سے قلمبند کرتا ہوں کہ اسوقت کے ہندوؤں کے پولٹیکل دماغوں اور زمانہ اور وقت کی ضرورتوں کے مطابق تجویز سوچنے اور ہندوستان کے عام رحجان عقائد کا علم ناظرین کو ہو سکے۔ ہندو ناظرین مجکو معاف فرماویں گے یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عقیدہ اور مذہب کو لوگوں کے دلوں پر کسقدر دخل ہے اور جو کام کسیطرح سے نہ نکل سکے اُسکا انجام مذہبی روایات سے آسان ہے ہندوستان میں خواہ کتنی ہی زبردست پولٹیکل مشکلات کی دیوار کھڑی کیجائے مذہبی روائیت اُسکو توڑ سکتی ہیں اور یہ طاقت

ہندوؤں میں جبتک کہ وہ خالص ہندو رہینگے موجود رہیگی اور ہندوؤں کو اس قوت کا فخر کرنا بجا ہے ہر ایک زمانہ کے نامور ہندو قوم میں ایسی تجاویز سے کام لینے والے نکلتے رہے ہیں اور قوم کے مردہ جوش کو تازہ اور زندہ کرتے رہے ہیں۔ یہ واقعہ اسی قسم کی مثال ہے۔ فرشتہ

کہ جب سلطنت غزنی میں ضعف پیدا ہوا۔ اور الوالعزم سلطان محمود جیسا کوئی فاتح نہ نکلا اور آل محمودی میں تلوار چلنے لگی۔ تو زمانہ شناس ہندوؤں نے کروٹ بدلی اور اٹھنے کا جو اُتار کر اپنی سابقہ عظمت اور سلطنت کے بحال کرنے کے درپے ہوئے۔ انکا سرغنہ راجہ دہلی تھا کیونکہ پنجاب سے آگے پہلے دہلی ہی تھی جسکو سب سے پہلے اسلامی سیلاب کا صدمہ برداشت کرنا پڑتا تھا اس مدبر اور دور اندیش راجہ نے ہندو راجاؤں کو مسلمانوں کے برخلاف متفق کر لیا مگر عوام کے دلوں پر جو بہادران اسلام اور سلاطین غزنی کا رعب و ہراس بیٹھا ہوا تھا وہ راجہ دہلی کی تجویز کو کامیاب ہونے نہ دیتا تھا اور عام ہندو مسلمانوں کے مقابلہ سے دل چراتے تھے اور عقلمند راجہ دہلی کی مدد پر آمادگی ظاہر نہ کرتے تھے۔ میدانی علاقہ کا دوبارہ فتح کرنا تو آسان تھا مگر نگر کوٹ کا کوہستانی اور ناممکن الفتح دشوار گذار قلعہ کا قبضہ تصرف میں لانا خوف زدہ ہندوؤں کی مدد سے مشکل تھا راجہ دہلی نے بمشورہ ایک برہمن مشہور کیا کہ خواب میں مجکو بت نگر کوٹ (جو الامکھی) نے فرمایا ہے کہ میں چند سال غزنی میں اسواسطے مقیم رہا (اس بت کو سلطان محمود نے حسب عادت غزنی لیجا کر بے سپر کیا تھا) کہ سلطنت غزنی کو زوال پہنچاؤں اور محمود کی اولاد میں اختلاف اور ضعف پیدا کروں جو غزنی رہ کر بخوبی کر چکا ہوں۔ اب میں اپنے معتقد ہندوؤں کی مدد کے لئے ہندوستان واپس آنیوالا ہوں تم ہندوؤں کو کہدو کہ ہندو علاقہ جو مسلمانوں نے فتح کیا ہے واپس لیں اور نگر کوٹ کو فتح کریں میں بھی تمھاری مدد کے لئے اپنے اصلی مرکز نگر کوٹ میں آتا ہوں۔ راجہ جسکو پر میشر کا روپ کہا جاتا ہے اُس کی بناوٹی خواب کو عام ہندوؤں نے صحیح تسلیم کیا اور بت نگر کوٹ کی واپسی اور امداد کو یقینی تصور کر لیا اور خاندان غزنی کے اختلال کو وجہ بُت مذکور کو قرار دیا اور اس غیبی تائید کی امید پر مسلمانوں کا رعب و ہراس عام ہندوؤں کے دلوں سے اُٹھایا گیا۔ ہوشیار راجہ نے خفیہ طور سے ایک بُت اُسی قسم کا بنوا لیا اور نگر کوٹ کے مسلمان قلعہ دار نے چار ماہ تک مقابلہ کیا۔ آخر راجہ نے وہ خود ساختہ بت ایک رات کو ایک باغ میں رکھوا دیا۔ باغبان نے بُت مذکور کو دیکھا ہوا تھا۔ فوراً راجہ کے پاس دوڑ گئے۔ اور خوشی کا عام شور مچ گیا۔ راجہ معہ سرداران پنڈتان وغیرہ برہنہ پا معہ نذور و صدقات بُت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بُت کے پاؤں پر سر رکھ کر شکریہ قدوم بجا لایا اور یہ کہ کر چونکہ مہاراج ایک رات میں غزنی سے یہاں پہنچے ہیں۔ آج آرام کریں کل یہاں درشنی دربار عام ہوگا۔ دوسرے روز راجہ اور دیگر معززین ہندو اسقدر گراں بہا نذریں لیکر حاضر ہوئے کہ حملہ محمودی سے جسقدر پہلے نگر کوٹ میں دولت تھی اسیقدر مال و دولت جمع ہو گیا۔ وہی برہمن مشیر بت کے پاس کھڑا تھا حاضرین کو کہا کہ مہاراج بت کا حکم ہے کہ جلدی میری اصلی جگہ واقعہ قلعہ نگر کوٹ کو تسخیر کرو۔ ہندو اس حکم کو سُنکر اس جوش و خروش سے قلعہ پر حملہ آور ہوئے کہ مسلمان حاکم قلعہ جو چار ماہ سے لڑ رہا تھا لاہور کی طرف سے کسی امداد کے نہ پہنچنے کے سبب طالب امان ہوا اور محض جان لیکر لاہور کو روانہ ہو گیا

قلعہ پر ہندوؤں کا قبضہ ہوگیا۔ اس واقعہ سے نگرکوٹ کے بت کی کرامات کا دور دور تک شہرہ ہوگیا اور بت پرستی کا رواج بدستور پڑ گیا۔ ہندو جاتری پہلے سے زیادہ نگرکوٹ جانے لگے۔ اور چڑھاوے چڑھانے لگے ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ گو مذہبی نگاہ سے یہ واقعہ کیسا ہی شرمناک ہو مگر پولیٹیکل نگاہ سے معیوب نہیں اس تجویز سے قوم کے جنگی جوش کو تازہ کیا گیا مسلمانوں کا خوف ہندوؤں کے دلوں سے اٹھایا گیا اور اس تجویز سے ہندوؤں کو سرفروش بنایا گیا راجہ دہلی کی یہ ایک پولیٹیکل تجویز تھی جس سے کامیابی حاصل کی گئی۔ اور ع آن دربند آورد دست کز ان خصم خود را شکست آورد کی مصداق تھی۔ بعد میں بھی کسی نہ کسی مذہبی تحریکات زور سے ہندو قوم کو ابھارا گیا جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں فہمیدہ ناظرین جو زمانہ کے حالات سے واقف ہیں تھوڑی سی غور سے میری اس ناچیز رائے کی تصدیق کر سکتے ہیں ؀

ہندوؤں کا لاہور پر حملہ اور ناکامیابی

نگرکوٹ کی فتح کے بعد ہندو طاقت بہت بڑھ گئی اور بت نگرکوٹ کی واپسی اور مصنوعی حکایات سے ہندوستانی اسلامی سلطنت کے استیصال اور ہندو سلطنت کے استحکام کا یقین واثق کر لیا گیا۔ نگرکوٹ۔ ہانسی۔ تھانیسر کو فتح کر کے ہندو فوج نے لاہور پر حملہ کیا۔ لاہور میں اسوقت تین مسلمان سردار تھے اور تینوں ذاتی اغراض کے سبب باہم چھری کٹاری ہو رہے تھے اور ہندو راجگان کو اسی وجہ سے زیادہ حوصلہ ہوا تھا۔ غزنی کیطرف سے کسی مدد کے پہنچنے کی امید نہ تھی مگر ان مسلمان سرداروں نے جب دیکھا کہ اب پنجاب سے جلا وطن ہوا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی اسلام کا ہندوستان میں خاتمہ ہے حمیت اسلامی جوش انگیز ہوئی اور ذاتی مخالفتوں کو چھوڑ کر ہندو فوج کے مقابلہ کیلئے متفق ہو گئے اور دس ہزار شائقین جہاد کی سرباز فوج لیکر ہندو راجاؤں کے مقابلہ کو نکلے۔ گویا اسوقت دس ہزار مجاہدین نے بغیر کسی سلطان کے ہندوستان کے مقابلہ پر مستعدی دکھائی۔ ہندو فوج مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی مگر اس قلیل اور جانباز فوج کو کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة پر پورا ایمان تھا وہ دشمن کو پشت دکھانا گناہ کبیرہ جانتے تھے جان دینا اور ملک و ملت پر فدا ہونا اُن کا مذہبی شعار تھا۔ جن ہندوؤں کو وہ بھگاتے اور گاجر مولی کیطرح میدان جنگ میں کاٹتے رہے آج اُن کے آگے سے بھاگنا موت سے بدتر تھا۔ اس لئے تختہ یا تابوت کا خیال ٹھان کر مقابلہ کو نکلے تھے۔ اس پرجوش تیاری کے حالات سن کر راجہ دہلی وغیرہ بغیر جنگ واپس ہٹ گئے۔ اور مسلمانوں کی بہادرانہ اولوالعزمی نے ہندو فوج کو مرعوب کر دیا ان واقعات کے بعد سلطان مودود کی فوجیں بھی پنجاب میں آتی رہیں مگر صرف پنجاب کے سرکشوں کو ہی سزا دیتی رہیں۔ ہندو طاقت کو زوال نہ پہنچا لیکن مودود کے عہد میں عموماً داخلی اور خارجی فساد رہے اور اس کی تمام توجہ اور طاقت ترکمانوں کی روک دھام میں مصروف رہی۔ اور دارالخلافہ غزنی کو بچاتا رہا۔ طغرل نمکحرام کی ماتحتی میں ایک دفعہ ترکمانوں کو شکست بھی ہوئی مگر ہاتھ سے گیا ہوا علاقہ پھر نہ مل سکا۔ اور خراسان پر ترکمانوں کا شاہانہ تسلط قایم رہا سلطان نو سال کی حکومت کے بعد ۴۴۱ھ ۲۹ سال کی عمر میں فوت ہوا اس کے بیٹے حسب ذیل تھے۔ منصور۔ محمد۔ سلیمان۔ محمود تھے:۔

علی بن مسعود۔ محمد بن مودود۔ عبد الرشید بن محمود

مودود کے مرنے کے بعد ترک امراء و غلاموں کے ہاتھ سے سلطنت غزنی کا وہی حشر ہوا جو خلافت بغداد کا ہوا تھا
بروایت منہاج سراج علی بن مسعود اور محمد بن مودود دو سال مشترک طور سے سلطان بنائے گئے جو بالکل نرالی تجویز تھی
مگر اختیار ایک کا بھی نہ تھا تمام اختیار امراء جو اسی غرض کیلئے مقرر کئے تھے کہ دو ملاں میں مرغی حرام کی مثال سے
کوئی سلطان نافذ الحکم نہ بن سکے اور بیچارا الو سیدھا رہے۔ مگر اس سخت بے انتظامی ہوئی تو دو ماہ بعد دونوں کو
معزول کر کے قلعہ میں قید کر دیا اور عبد الرشید بن سلطان محمود تخت نشین کیا گیا۔

عبد الرشید بن سلطان محمود اور طغرل نمک حرام اور فتح نگرکوٹ

عبد الرشید بروایت طبقات ناصری فاضل محدث تھا مگر بہادر اولوالعزم نہ تھا۔ غزنی کی متواتر عزل و نصب اور کمزوری
سے سلجوقیوں نے غزنی لینے کا ارادہ کیا داؤد سلجوقی حاکم خراسان معہ اپنے بیٹے الپ ارسلان کے دو طرف سے حملہ آور ہوا۔ عبد الرشید نے جو
خود مرد میدان نہ تھا۔ طغرل غلام سلطان محمود کو سلجوقیوں کے مقابلہ پر فوج جرار دے کر روانہ کیا
الپ ارسلان کو خونریز معرکہ کے بعد شکست ہوئی اور پھر طغرل آگے بڑھا داؤد سلجوقی بغیر جنگ
بھاگ گیا۔ ان فتوحات پر مغرور ہو کر عبد الرشید کو قتل کر کے خود تخت نشین ہوا۔ عبد الرشید اڑھائی
سال کی حکومت اور تیس سال کی عمر میں مارا گیا۔ طغرل سلطان محمود کا زر خرید ترک غلام تھا بیباک
بہادر اور مشہور شجاع تھا۔ سلطان مودود کی طرف سے خراسان میں جرنیل تھا گستاخ اور منچلی طبیعت
کے سبب باغی ہوا اور شکست کھا کر سلجوقیوں سے جا ملا۔ اُن کے طریقہ جنگ اور عادات و اطوار
اور تمام حالات سے واقف ہو گیا۔ چند سال بعد واپس چلا آیا۔ عبد الرشید نے اسکو سپہ سالار کر دیا
اور فتح پا کر خود اپنے مربی و آقا عبد الرشید کو قتل کر کے تخت نشین ہوا۔ اور ملعون و نمک حرام
کے لقب سے مشہور ہوا۔ نو کس شہزادگان محمودی کو قتل کیا۔ اور دختر سلطان مسعود کو جبراً نکاح میں لایا
چالیس روز کے بعد نوشتگین ترک نے بہمراہی ایک غلام سلطانی کے طغرل کو جبکہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا
قتل کیا اسکا سر کاٹ کر شارع عام میں لٹکا دیا اور لاش کی تشہیر کی گئی۔ طغرل اپنی نمک حرامی کی
سزا کو پہنچا۔ نمکخواران خاندان محمودی کا یہ بہادرانہ فعل آئندہ نسلوں کے لئے وفاداری کی قابل تقلید
مثال ہے۔ عبد الرشید نے نوشتگین صاحب کرخی کو ہندوستان بھیجا تھا۔ ہندو طاقت کو جو
گذشتہ سالوں میں بڑھ گئی تھی توڑنا شروع کیا اور نگرکوٹ کو ۳ روز کے محاصرہ سے فتح کیا حالانکہ
ہندو راجگان نے چار ماہ تک محاصرہ کیا تھا۔ صاحب کرخی آگے دہلی کیطرف بڑھنا چاہتا تھا کہ
طغرل نمک حرام کے فساد بغاوت کے دور کرنے کے لئے عبد الرشید نے اسکو واپس بلا لیا

ابھی پشاور پہنچا تھا کہ عبد الرشید قتل ہو گیا۔ مگر اس وفادار نے باغی کی اطاعت نہ کی اور اسی کی تحریک سے طغرل قتل ہوا تھا +

فرخ زاد اور ابراہیم

طغرل نمک حرام نے شاہزادگان محمودی کو استقلال سلطنت کے خیال سے تہ تیغ کر دیا تھا۔ بروایت طبقات ناصری دو شاہزادہ فرخ زاد اور ابراہیم پسران مسعود قلعہ برغند میں قید تھے ان دونوں بھائیوں کے قتل کرنے کے لئے بھی جلاد روانہ کئے گئے۔ قلعہ دار نے کہا کہ آج ٹھیرو کل شاہی حکم کی تعمیل میں قلعہ کے اندر آنا اسلئے اس رات وہ جلاد قلعہ میں داخل نہ ہو سکے۔ صبح کو جب جلاد قلعہ میں داخل ہو گئے اور شاہزادوں کو قتل کے لئے تیار تھے کہ غزنی سے سوار گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا پہنچ گیا۔ اور طغرل نمکحرام کے قتل اور شاہزادوں کی رہائی کا پیغام دیا۔ ابراہیم بسبب کمزوری و علالت جو ایام قید میں اسکو لاحق ہوئی تھی۔ بادشاہ نہ ہو سکا۔ فرخ زاد کو ۴۴۴ھ میں بادشاہ بنایا گیا۔ حلیم و عادل تھا۔ علاقہ کابل جو وبا کے سبب سے برباد ہو گیا تھا اسکا خراج معاف کیا۔ تمام مظالم کو دور کیا۔ داؤد سلجوقی نے غزنی پر حملہ کیا اسکو شکست دی پھر خراسان میں سلجوقی فوج کو تہ تیغ کیا تیسری لڑائی میں اسپ ارسلان سے شکست کھائی اور صلح قرار پائی۔ ۴۵۱ھ میں ۷ سال کی حکومت کے بعد بعمر ۳۴ سال فوت ہوا۔ اور باتفاق جملہ امرا ابراہیم تخت نشین ہوا۔ ابراہیم عالم و عادل منتظم بارعب علم دوست سلطان تھا۔ اس کی قابلیت کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ داؤد ترکمان جو سلطنت غزنی کے لئے خوفناک دشمن تھا صلح پر آمادہ ہوا اور کچھ عرصہ بعد مر گیا۔ ابراہیم نے ملک کی آبادی اور رعیت کی خوشحالی پر توجہ کی کئی قلعہ اور قصبہ تعمیر کئے۔ طبقات ناصری میں خیر آباد اور ایمن آباد اس کے تعمیر شدہ قصبے لکھے ہیں۔ خیر آباد دریائے اٹک کے کنارہ پر اسوقت ایک ریلوے اسٹیشن ضلع پشاور میں واقع ہے۔ اور ایمن آباد غالباً وہی قصبہ ہے جو ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں ایک بارونق قصبہ ہے اس بادشاہ نے ملک کو سرکشوں سے صاف کر دیا اور قواعد و آئین محمودی کو از سر نو تازہ کر کے ملک کو امن و امان دیا۔ ملک شاہ سلجوقی نے غزنی پر حملہ کرنا چاہا اور بقول فرشتہ سلطان ابراہیم نے چند خطوط امرائے ملک شاہ کے نام اس مضمون کے لکھے کہ جس سے ثابت ہو کہ سلطان ابراہیم اور امرائے ملک شاہ میں خفیہ سمجھوتا ہو گیا ہے۔ اور یہ

خطوط اس طرح روانہ کئے کہ ملک شاہ جب اکیلا بغیر امراے مذکور شکار گاہ میں تھا۔ قاصد ابراہیم پکڑا گیا اور خطوط ملک شاہ پڑھ کر امرائے سے بدظن ہوا۔ اور حملہ غزنی کا ارادہ ترک کیا اور سلطان ابراہیم کے بیٹے مسعود کو اپنی لڑکی بیاہ دی اور خاندان غزنی اور سلجوقی میں صلح ہو گئی۔ لیکن یہ قصہ غالباً ملک شاہ کے خوشامدیوں کا ساختہ معلوم ہوتا ہے۔ ملک شاہ ایک عالیشان الوالعزم اور ترکستان۔ خراسان۔ ایران۔ ترکی (روم) عرب کا سلطان اور نائب و محافظ خلیفہ بغداد تھا نظام الملک جیسے مشہور فلاسفر اُس کے وزیر و مشیر تھے اس قسم کے خطوط سے دہوکہ کھانا اور اپنے اراکین دولت سے بغیر تحقیقات بدگمان ہونا بعید از قیاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ملک شاہ کا باپ دادا باوجود کئی خونخوار معرکوں کے غزنی کو قبضہ تصرف میں نہیں لاسکے تھے اور طرفین سے ہر ایک جنگ میں ہزاروں مسلمان تہ تیغ ہوئے تھے۔ ملک شاہ ایک پابند شرع سلطان تھا۔ اُس کو مسلمانوں کی باہمی کشت و خون سے نفرت ہو گی۔ علاوہ اس کے سلطان ابراہیم اپنے ماقبل سلاطین غزنی سے جو سلطان محمود کے بعد تخت نشین ہوئے زیادہ قابل شرع منتظم ہر دلعزیز رعایا تھا۔ اُس کی عبادت و عدالت کے عالمگیر شہرت نے ملک شاہ پر ضرور اثر ڈالا ہو گا۔ اس کے علاوہ حسن بن صباح کا داخلی فساد اور رومی عیسایوں کے خارجی حملات کا تدارک سب سے ضروری تھا ان جملہ وجوہات نے اسکو سلطان ابراہیم سے صلح پر مائل کیا۔ اور اپنی دختر سلطان ابراہیم کے فرزند مسعود سے بیاہ کر رشتہ اتحاد مضبوط کیا +

سلطان ابراہیم کی فتوحات ہندوستان

جب سلطان ابراہیم کو سلجوقیوں کیطرف سے اطمینان ہوا تو ہندوستان کیطرف توجہ کی گذشتہ فترات میں باجگذار ہندو راجہ سرکش ہو گئے تھے اور خاص سلطانی علاقہ واقعہ پنجاب پر وقتاً فوقتاً یورشیں کرتے اور مسلمانوں کو تاخت و تاراج قتل و قید سے ستاتے رہے تھے سلطان ابراہیم نے چند امرائے کو باغی راجگان کی گوشمالی کے لئے روانہ کیا جنہوں نے وہ تمام امصار و قلعجات جو ہندوؤں نے حکام غزنی سے چھینے تھے۔ مکرر فتح کر لئے اور کئی ایک جدید شہر اور قلعہ بھی تسخیر کئے گئے۔ ۴۷۲ھ میں خود سلطان ابراہیم فتح ہندوستان پر آمادہ ہوا۔ اول اجودہن (پاک پٹن) واقعہ پنجاب کو فتح کیا اور پھر قلعہ روپال کیطرف بڑھا اس قلعہ کا صحیح صحیح موقع تو نہیں بتایا جاسکتا۔ لیکن فرشتہ نے قلعہ روپال کے خواص وصفات اس طرح بیان کئی ہیں +

(۱) قلعہ روپال پہاڑ کی چوٹی پر واقعہ تھا۔ قلعہ کی ایک طرف نیچے دریا بہتا تھا اور دوسری طرف خاردار جنگل گھنا موجود تھا انسان کا گذرنا تو کجا شعاع آفتاب تک درختوں کی انبوہی سے وہاں نہ پہنچ سکتی تھی۔ اکثر درختوں پر زہریلے سانپ ہوتے تھے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر واقعی بعض درختوں پر زہریلے سانپ تھے تو وہ علاقہ گرم آب و ہوا یا زمین کے اجزا میں شورہ زار کا حصہ تھا۔ کیونکہ سرد ملکوں میں سانپ زہردار کم پایا جاتا ہے۔ ہمالہ کے پہاڑ عموماً سردسیر ہیں اس لئے یہ پہاڑی قلعہ تھا تو منطقہ حارہ میں تھا اور بندھیاچل کے جنوب میں ممالک متوسط چھوٹا ناگپور وغیرہ میں کسی پہاڑی مقام پر واقع تھا اور ہمارے اس قیاس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ سلطان ابراہیم نے ہندوستان کے اسقدر دور دراز شہروں کو فتح کیا کہ سلاطین اسلام میں سے کوئی وہاں تک نہ پہنچا تھا۔ سورت بھروچ تک جنید سپہ سالار اور سومنات دور کالنجر واقعہ بندھیل کھنڈ اور قنوج تک سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ فتح کا ڈنکا بجا چکا تھا۔ ان سے آگے بڑھنا اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ سلطان ابراہیم بندھیل کھنڈ سے جنوب اور قنوج سے مشرق کیطرف یا احاطہ بمبئی کے جنوبی حصہ میں فتوحات ابراہیمی کو تسلیم کیا جائے۔ بمبئی کیطرف ابراہیم کی پیش قدمی کئی وجوہات سے تسلیم نہیں ہو سکتی بہر حال روپال علاقہ متوسط یا چھوٹا ناگپور کے علاقہ فنگا سے دور تھا۔ سلطان ابراہیم نے جو عزم شاہانہ میں اپنے بہادر دادا سلطان محمود کا نمونہ تھا۔ اس قلعہ کو بزور شمشیر فتح کرلیا۔ اور قلعہ کی ہندو فوج قتل و قید اور باقیماندہ بھاگ گئی +

اس کے بعد سلطان ابراہیم آگے بڑھا اور ایک حصن حصین جسکا نام فرشتہ نے درہ لکھا ہے اس کی فتح پر متوجہ ہوا یہ قلعہ خراسانی قوم کے قبضہ میں تھا۔ جنکو کبھی افراسیاب نے جلاوطن کیا تھا۔ یہ قوم عادات و تمدن میں ہندوؤں سے الگ تھی اور اپنی ذاتی شجاعت کے سبب راجگان ہند کی اطاعت سے آزاد تھی۔ بلکہ اصلی ہندوؤں کو ستاتی اور دباتی رہتی تھی + + اس مقام کا محل وقوع بھی ٹھیک ٹھیک نہیں بتایا جا سکتا لیکن اگر سلطان ابراہیم کی اس مہم کو بندھیل کھنڈ سے آگے ممالک متوسط پر تسلیم کیا جائے تو برار کا ریلوے اسٹیشن دُرڈا لفظ درہ کا بگڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یا چھوٹا ناگپور یا بہار کا کوئی شہر ہو گا جہان کی برسات نے تین ماہ تک سلطان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور بیکار بیٹھا رہا اور یہ تکلیف دہ خاصہ صرف بہار و بنگال اوڑیسہ کی برسات کا ہے شہر مذکور ایک بہت بڑے گھنے جنگل سے محفوظ تھا اسی وجہ سے کوئی ہندو راجہ شہر مذکور کو

فتح نہ کرسکا۔ قلعہ میں ایک ایسا تالاب (جھیل) تھی جسکا قطر نصف فرسنگ اور گہرائی نامعلوم تھی پانی کبھی خشک نہ ہوتا تھا۔ شہر والوں کو اس بات سے بہت سہارا تھا۔ سلطان ابراہیم نے فوج بیلداران (سفرمینا) کو جنگل کاٹنے اور راستہ کشادہ کرنے کا حکم دیا۔ تھوڑے عرصہ میں لشکر اسلام کے حملات کرنے کے لئے کافی راستہ تیار ہوگیا اور سلطان نے شہر پر حملے کرنے شروع کردیئے کہ اتنے میں موسم برسات آگیا اور سلطان کو تین ماہ تک بیکار رہنا پڑا۔ جوں ہی برسات کا موسم گذرا شہر کے قریب پہنچکر مورچال تقسیم کئے اول شہر والوں کو بہ تقلید اصول اسلام۔ دعوت اسلام دی گئی جسکا جواب تیر و سنان سے دیا گیا بہادران اسلام کے دھاوے شروع ہوگئے جن کی تاب خراسانی الاصل ہندو نہ لاسکے اور چند روز کی خونخوار لڑائی کے بعد قلعہ فتح ہوگیا قلعہ میں اسقدر آبادی تھی کہ ایک لاکھ قیدی کئے گئے جن میں فوجی اشخاص زیادہ تھے سلطان یہ فتح پاکر واپس غزنی ہوا +

نوٹ

جو تاریخیں مدارس ہندوستان میں آجکل پڑھائی جاتی ہیں اُن میں اُن قیدیوں کی ایک لاکھ تعداد کو ظاہر کرکے سلطان ابراہیم کو ہندوؤں کی نگاہ میں ایک ظالم سلطان جتلایا گیا ہے۔ اور سلطان ابراہیم کے عدل و انصاف زہد و ورع کو جسکا ذکر ہم آگے کریں گے چھپایا گیا ہے لیکن تھوڑی سی غور سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سلطان کا کوہ سلیمان سے چلکر وسط ہندوستان یا بنگال تک جانا اور صرف ایک لاکھ قیدی لیجانا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ درمیانی ممالک و امصار کی ہندوؤں سے تعرض نہیں کیا گیا اگر کیا جاتا تو کروڑوں تک نوبت پہنچتی۔ یہ ایک لاکھ قیدی صرف اُن قلعجات مفتوحہ کے فوجی اشخاص تھے جنہوں نے اخیر دم تک سلطان کا مقابلہ کیا اور مخالفانہ مقابلہ کے سبب مراحم سلطانی کا موقعہ کھودیا۔ اجودہن روپال۔ درہ تین مشہور اور زبردست قلعوں کے اسیران سلطانی ایک لاکھ تھے اور اس تعداد میں سپاہیوں کے متعلقین بھی جو اسوقت کے جنگی قانون کے مطابق قید کئے جایا کرتے تھے اسی عہد میں ایشیاء کوچک میں عیسائی مسلمان دست و گریبان تھے اور عیسائی مسلمان زن و مرد کو قید کرتے تھے۔ پس بہرحال سلطان ابراہیم کے اس سفر طویل پر نگاہ کرنے سے ایک لاکھ قیدیوں کی تعداد مفتوحہ قلعجات کے اسیران جنگ کی تعداد محدود رہتی ہے اس مہم کا یہ نتیجہ نکلا کہ راجگان ہند

بدستور عہد سلطان محمود تخت غزنی کے باجگذار بن گئے اور ملک میں عام امن و امان پھیل گیا۔ کسی ہندو راجہ یا رئیس کو امارت سے معزول نہ کیا اور نہ کوئی تکلیف دی بلکہ ناجائز غیر شرعی محصول جو حکام نے لگا رکھے تھے سب موقوف کئے گئے۔ شباب جوانی کے عوارض میں کبھی مبتلا نہ ہوا۔ زاہد و پرہیزگار تھا۔ سال بھر میں تین ماہ رجب۔ شعبان۔ رمضان روزہ رکھتا مجلس وعظ منعقد کراتا اور دلی توجہ سے سنتا۔ علمائے باعمل کی قدر کرتا امام یوسف سجاوندی جو عیب پاتے بے دھڑک سلطان کے منہ پر کہہ دیتے اور یہ راستی پسند سلطان نہایت تحمل سے ملامت سنتا۔ ہمیشہ قرآن اپنے ہاتھ سے لکھتا ایک سال مکہ معظمہ میں اور دوسرے سال مدینہ منورہ میں ہدیتہً بھیجتا خیرات و مبرات میں بہت سعی کرتا۔ اپنی ذات کے لئے شاہی خزانہ پر بار نہ ڈالتا۔ مگر ملک کی آبادی اور رعیت کی بہبودی میں خرچ کرنے میں دریغ نہ کرتا۔ گو وسعت ممالک میں سلطان محمود کا ہم پلہ نہ ہوا مگر رعایا پروری اور آبادی ملک میں اپنے جد بزرگوار محمود کے برابر اور زہد و تقوے میں اس سے بڑھا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلجوقیوں جیسے خونخوار دشمن بھی صلح پر مائل ہوئے۔ عام مسلمانوں نے اس کی جنگی مہمات میں بدستور عہد محمودی جان و مال سے اعزاز اسلام میں کوشش شروع کی اور ہندوستان میں دور تک محمودی فتوحات سے بڑھ کر اعلائے کلمۃ اللہ کا اعلان کیا۔ اور ہمارے دعوے ترقی اسلام بہ تقلید صحابہ کرام کو صحیح ثابت کیا۔ جب تک کہ خود سلطان وقت پابند شرع نہ ہو ماتحت مسلمانوں میں ایثار و مروت بہادرانہ شرافت کب پیدا ہو سکتی ہے اور یہی ایک نسخہ ہے کہ جس کے استعمال سے مسلمان سابقہ عظمت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ شریعت میں اُن تمام قواعد و اخلاق کی تعمیل کا حکم ہے کہ جس سے قومیں بنتی اور سنورتی ہیں۔ سلاطین و امرا کے چال چلن کا اثر عام لوگوں پر پڑتا ہے اس کی مثالیں اس کتاب میں اخیر عہد مغلیہ میں بہت ملیں گی خانقاہیں اور مدارس جو معنوی اور صوری علوم کی تعلیم گاہیں ہیں اسی عہد میں ہندوستان میں جاری ہوئیں جسکا اثر ہندو تمدن اخلاق مذہب پر پڑا۔ یہ سلطان ۴۹۲ھ بعمر ۶۰ یا ۶۸ سال بیالیس سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا اس کے ۳۶ بیٹے اور ۴۰ بیٹیاں تھیں جو تمام علمار کرام و سادات عظام کے نکاح میں دی گئیں تھیں۔ بیٹیوں سے ایک شاہزادی منہاج سراج مصنف طبقات ناصری کی پردادی تھی۔ بیٹوں میں سے مسعود۔ قابل تخت و تاج ہوا مشہور شاعر ابوالفرج سیتانی اسی عہد میں ہوا۔ جسکا مشہور قطعہ حکیمانہ ہدیہ ناظرین ہے +

قطعہ

عنقائے مغرب است دریں دور خرمی | خاص از برائے محنت و غم زاد آدمی
ہر چند گرد عالم صورت برآمدم | غمخوار آدم آمد و بیچارہ آدمی
ہر کس بقدر خویش گرفتار محنت است | کس را نداده اند برات مسلمی

مسعود بن ابراہیم و ارسلان بن مسعود

یہ بادشاہ نیک نہاد عادل و کریم النفس تھا۔ اس کے عہد میں جور و جفا کی بنیاد اکھڑ گئی حکام کی سخت گیری کا قلع قمع کیا گیا سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی اس کے نکاح میں تھی دونوں میں اتحاد و رفاقت رہی۔ اس کے عہد میں حاجب طغا تگین گورنر لاہور نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ یہ سپہ سالار سلطان محمود کے مفتوحہ ممالک تک گیا۔ جو غالبًا قنوج و کالنجر سے مراد ہے۔ جہاں سے آگے سلطان محمود نہیں بڑھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہم کسی خاص شہر و صوبہ پر نہیں کی گئی بلکہ صرف اسلئے کہ چونکہ ہندو راجگان فوج غزنی کے تساہل سے سلطنت کی کمزوری خیال کرتے تھے اس لئے محض رعب سلطنت جمانے اور فوجی شوکت دکھانے کے لئے کی گئی۔ جنہوں نے خراج ندیا اُن کو سزا بھی دی گئی۔ بہر حال رعب سلطانی بٹھایا گیا۔ ۱۷ سالہ حکومت کے بعد ۵۰۸ھ میں یہ عادل فوت ہوا اس کے ۱۹ بیٹے تھے جن میں سے ارسلان و بہرام نوبت بنوبت تخت نشین ہوئے +

ارسلان کا ظلم اور سلطنت غزنی کی ذلت

ارسلان بیباک بہادر اور شجاع مبارز تھا اور خود رائے ظالم تخت پر بیٹھتے ہی اپنے تمام بھائیوں کو قتل اور قید کیا صرف ایک بھائی بہرام بھاگ کر اپنے ماموں سلطان سنجر ترکمان کے پاس چلا گیا اور سنجر کی بہن ملکہ مہد عراق کی بھی (سلطان کی ماں تھی) ہتک کی۔ سنجر نے ہر چند بہرام کی سفارش کی مگر مغرور ارسلان نے اپنے زور و طاقت پر بھروسہ کر کے کوئی بات نہ سنی اور

منہ تکیہ بر زور بازوئے خویش + کہ ہر تخت را تختہ ہست پیش

پر خیال نہ کیا سلطان سنجر بہرام کی مدد کے لئے غزنی پر چڑھ آیا ارسلان نے تیس ہزار سواروں اور بیشمار پیادوں اور ڈیڑھ سو جنگی ہاتھیوں سے مقابلہ کیا اور اگرچہ شجاعت و استقامت میں کوتاہی نہ

کی لیکن بقول "جو کہ ظالم ہیں وہ ہرگز پھولتے پھلتے نہیں" شکست یاب ہوا۔ بہرام تخت غزنی پر بٹھایا گیا۔ مگر سنجر کی واپسی پر ارسلان نے بہرام کو غزنی سے نکال دیا۔ اس لئے سنجر مکرر حملہ آور ہوا۔ ارسلان کو شکست ہوئی اور قید ہو کر اڑہائی سال کی حکومت اور بعمر ۲۵ سال ۵۱۱ھ ہجری میں مارا گیا۔

بہرام شاہ خسرو شاہ خسرو ملک

بہرام کی مورخین اسلام نے بہت کچھ تعریف لکھی ہے۔ علمی سرپرستی میں مشہور تھا۔ مشہور کتاب کلیلہ دمنہ غزنی سے فارسی میں ترجمہ ہوئی اور مخزن اسرار مؤلفہ نظامی اسی کی قدردانی کا نتیجہ ہے۔ علماء و فضلا کا بہت قدردان تھا۔ یہ زمانہ علمی ترقی میں مشہور رہا ہے۔ مدارس و خانقاہیں ہندوستان میں تعمیر ہوئیں مگر سلطان سنجر کی امداد سے تخت نشین ہونے سے سلطنت غزنی کا تمام وقار جاتا رہا۔ سلجوقیوں نے خود تو علاقہ غزنی میں قطع برید نہ کی۔ لیکن بہرام کو تخت غزنی دلا کر سرداران ملک کی نظر سے گرا دیا اور ملوک غوری نے جو سلاطین غزنی کے باجگذار تھے آخر میں غزنی کو چھین لیا۔ جسکا ذکر سلاطین غور کے ذیل میں کیا جاویگا۔ مگر یہ حادثہ عظیم اخیر عہد بہرام میں ہوا۔ اس حادثہ سے پہلے جسقدر ملک اس کی ماتحت واقعہ ہندوستان تھا۔ اس کی آبادی اور انتظام میں سب طرح سے کوشش کی ——— ارسلان کیطرف سے محمد باہلم گورنر لاہور تھا۔ بہرام کی اطاعت نہ کی اس لئے بہرام نے بعد شکست گرفتار کر کے قید کیا اور پھر معافی دیکر بدستور سابق سپہ سالار ہندوستان مقرر کیا اور خود غزنی کو واپس چلا گیا۔ محمد باہلم نے ہندوستان میں پیش قدمی شروع کی اور قلعہ ناگور کو فتح کر کے دیگر علاقہ کو بھی تسخیر کیا اور بجائے لاہور کے اپنا صدر مقام ناگور میں بنا کر اور اہل و عیال اور مال و اسباب کو قلعہ ناگور میں پہنچا کر جو غزنی سے دور تھا باغی ہو گیا۔ اور ہندوستان میں ایک علیحدہ خود مختار سلطنت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ بہرام یہ خبر سنکر فوج جرار لیکر ہندوستان آیا۔ محمد باہلم نے نواح ملتان میں سخت مقابلہ کیا ہزاروں مسلمان کھیت رہے ہندوستان میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ ہندوؤں نے ایک مسلمان باغی کا سلطان اسلام سے مقابلہ دیکھا اور بعضوں نے ساتھ دیکر اس کے باغیانہ خیالات کو بھڑکایا۔ گو باغی گورنر کا پلہ بھاری تھا مگر نمک حرامی اثر دکھا گئی ہر دو محمد باہلم شکست پا کر معہ دونوں فرزندوں کے ایک دلدل میں پھنسکر غرقاب ہوا بہرام نے حسین بن ابراہیم کو سپہ سالار ہندوستان مقرر کیا اور تمام ہندو سرکشوں کو مطیع کر کے

واپس غزنی ہوا۔ جہاں وہ ملوک غور کے فساد میں مبتلا ہوا +

غوریوں کا فساد

سلطنت غزنی کا وقار افغانستان سے اسی دن اُٹھ گیا تھا جبکہ ارسلان کے عہد میں افواج غزنویہ نے سلطان سنجر سے متواتر شکستیں کھائیں اور سلطان سنجر چالیس روز دارالخلافہ محمودی میں فاتح ومنصور ہو کر مقیم رہا اور بہرام کو تاج بخشی کر کے واپس ہوا تھا۔ عام طور پر سلطان غزنی سلجوقی سلطان سنجر کا دست گرفتہ اور پروردہ مشہور ہو گیا۔ اور لوگوں پر ثابت ہو گیا کہ آل محمودی کا تخت غزنی پر متمکن ہونا غیروں کی امداد بغیر مشکل ہے اس خیال کا نتیجہ تمرد تھا محمد باہلم گورنر ہندوستان کی بغاوت اور عرب وعجم۔ افغان وخلج کا گورنر غور سے اتفاق کرنا اس بات کی دلیل تھی کہ مسلمان سرداران انقلاب سلطنت کے خواہاں ہیں اور سلاطین غزنی کو خیال میں نہیں لاتے ملوک غوریہ جن کی عظمت وشوکت منہاج سراج بہت کچھ بیان کرتا ہے اور ہم بھی بہادران غوریہ کی ذیل میں حسب ضرورت لکھیں گے +

یہ ملوک شاہان غزنی کے الطاف اور تربیت سے افغانستان میں اعلےٰ طاقت رکھتے تھے قطب الدین غوری کو بہرام نے اپنی لڑکی بیاہ دی تھی اور قطب الدین کی دربار غزنی میں بہت عزت ہوتی تھی۔ قطب الدین نے روش شاہانہ اختیار کی کہ جس سے بہرام کو بدگمانی پیدا ہوئی اور اسی بدگمانی کی وجہ سے قطب الدین قتل کیا گیا۔ جسکا بھائی سیف الدین انتقام کے لئے غزنی پر چڑھ آیا بہرام شکست پاکر موجودہ یاغستان کو بھاگ گیا۔ سیف الدین غزنی کے تخت وتاج کا مالک ہو گیا۔ امرائے غزنی دل سے خوش نہ تھے۔ اس لئے بہرام کو موقع پاکر بلا لیا۔ جس نے غزنی پہنچکر بعد تشہیر قتل کیا۔ علاءالدین جہان سوز نے اپنے بھائی سیف الدین کا انتقام لیا اور تین دفعہ بہرام شکست پاکر ہندوستان کو بھاگا اور ۳۵ سال حکومت کر کے ۵۴۷ھ میں یہیں فوت ہوا +

بہرام کے فوت ہونے پر اسکا بیٹا خسرو شاہ پنجاب چلا آیا اور لاہور میں رہ کر جسقدر علاقہ ہندوستان اس کے باپ کی ماتحت تھا اس پر قابض ہوا۔ علاءالدین جہان سوز غزنی کے قتل عام اور سلاطین غزنی کی سر بفلک یادگاروں کو جلا کر غور کو واپس چلا گیا اور خسرو شاہ پنجاب ہندوستان کی فوج لیکر لاہور سے روانہ غزنی ہوا۔ چونکہ علاءالدین کے جانے کے بعد ترکان غزان غزنی پر مسلط ہو گئے تھے اس لئے خسرو شاہ شکست پاکر واپس پنجاب ہوا۔ اور موروثی سلطنت غزنی

کو واپس نہ لے سکا۔ سات سال کی حکومت پنجاب ۵۵۵ھ میں فوت ہوا اور اُسکا بیٹا خسرو ملک تخت لاہور پر بیٹھا تمام اُن صوبجات ہندوستان کو جو اُس کے دادا ابراہیم کے ماتحت تھے قبضہ تصرف میں لایا۔ عدل و داد سے ہندوستان کا عمدہ انتظام کیا۔ مگر سلطان محمد غوری جو ایک اولوالعزم سلطان تھا غزنی وغیرہ میں سکہ بیٹھا کر ہندوستان کیطرف بڑھا اور پشاور ملتان سندھ کو مطیع کر لیا۔ چند بار لاہور پر حملہ کیا اور خسرو ملک قلعہ بند یا کبھی فوج غوری سے مقابلہ کرتا رہا آخر قید ہو کر غور پہنچایا گیا جہاں وہ قتل کیا گیا اور خاندان محمودی کا خاتمہ ہو گیا +

بہادران غوریہ

خاندان غوری اور غلامان کے حالات کا اقتباس ہم تاریخ طبقات ناصری سے کریں گے جسکا فاضل مورخ منہاج سراج سلطان محمد غوری کے عہد سے لیکر عہد بلبن تک اکثر واقعات کا خود دیکھنے والا۔ منہاج سراج کا باپ عہد محمد غوری میں قاضی لاہور تھا اور خود منہاج سراج عہد التمش میں ہندوستان آیا اور عہد بلبن تک ہر ایک عہد میں معزز عہدہ دار رہا۔ بعض سلاطین کے عہد میں قاضی القضات اور اسکا بیٹا ایک معزز درباری تھا خود منہاج سراج نے لکھنوتی واقعہ بنگالہ تک سفر کیا اس لئے اکثر واقعات عہد غلامان اس کے چشمدید یا دیکھنے والوں سے شنیدہ تھے اس سے بڑھ کر اس عہد کی اور کوئی تاریخ معتبر نہیں ہو سکتی۔ طبقات ناصری سلطان ناصرالدین محمود بن التمش کے عہد میں اور اُس نیک نہاد سلطان کے نام سے معنون (ڈیڈی کیٹ) کی گئی۔ طبقات ناصری میں خاندان غوری کے ابتدائی حالات وضاحت سے لکھے ہیں۔ جن کا تعلق ہندوستان سے نہیں ہے اور اس کتاب کے بیفائدہ حجم بڑھنے کا بھی اندیشہ ہے اسلئے میں اُن حالات کو قلم انداز کرتا ہوں۔ اور مختصر طور سے سلطان محمد غوری کے آبا و اجداد کا ذکر کروں گا +

طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ ضحاک تازی جس نے ایکہزار سال سلطنت کی اور ظلم و مردم آزاری کے سبب بغاوت عامہ میں فریدوں کے ہاتھ قید ہو کر کوئیں میں ڈالا گیا اور کیفر کردار کو پہنچا۔ اُس کی اولاد میں سے بسطام نامی گورنر ہندوستان تھا فریدوں نے چڑھائی کی تو ہندوستان کے شمالی پہاڑوں میں ٹکراتا ہوا کوہستان غور میں مقیم ہوا۔ فریدوں نے پھر فوج متعین کی کہ اسی اثنا میں اُس کے بیٹوں سلم اور تور نے ایرج تیسرے بھائی کو قتل کر کے فریدوں

کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ اس جاں کاہ حادثہ نے بسطام کو بچا دیا اور فریدون کو غموں نے
پژمردہ کر دیا بسطام نے فریدون کی اطاعت مان لی اور فریدون نے جو ایرج کے قتل سے رقیق القلب
ہوگیا تھا۔ بسطام کو معافی دیدی اس تاریخ سے بسطام کوہستان غور میں امن وامان سے رہنے لگا
ضحاک تازی کے دیگر عرب متعلقین بھی ادھر ادھر سے کوہ غور میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اسیطرح
ایک کافی تعداد عربوں کی جمع ہوگئی۔ اور کوہستانی دشوار گذار رستہ کے سبب ملوک اطراف کے
صدمات سے محفوظ رہے۔ عربی جلادت اور کوہستانی سکونت اور متمدن اقوام سے علیحدگی کے
سبب آزادی اور خودداری اور متہورانہ عادات کے خوگیر ہوگئے۔ شاہان ایران کے عموماً برائے نام
تابع رہے۔ شنسب نامی عہد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ میں اسلام لایا اور مطابق فرمان امیر علیہ السلام
علاقہ غور کا رئیس رہا۔ اور اسیوجہ سے غوری خوانین عہد بنی امیہ میں اسلامی خدمات میں ممتاز
نہ ہوئے۔ جب ابو مسلم صاحب الدعوۃ نے خراسان میں آل عباس کی تائید میں علم بغاوت بلند
کیا تو فولاد غوری امیر معہ اپنے قبیلہ کے ابو مسلم کی فوج میں شامل کیا گیا اس خدمت کیوجہ سے
عہد عباسیہ میں امرائے غور علاقہ غور پر مسلط رہے عہد ہارون الرشید میں دو غوری امیروں میں
ریاست کی بابت تنازعہ ہوا ہارون رشید نے بنجی بن نہاران کو مالی اور دوسرے کو فوجی خدمت
دے کر واپس غور کیا۔ عباسیوں کے ضعف کے وقت کوہستان غور آزاد رہا امرائے بنی لیث
بھی اسکو فتح نہ کر سکے۔ سامانی طاقت کی اطاعت برائے نام تھی۔ چونکہ تمام غوریوں نے ابھی تک
اسلام قبول نہ کیا تھا اس لئے غور کے مسلمانوں اور کفار میں ہمیشہ جنگ وجدل رہتی تھی۔ اور
نواح میں کسی زبردست سلطان اسلام کے نہ ہونے کے سبب وہ عموماً خود ہی کشت وخون سے
فیصلہ کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ محمد بن سور رئیس غور ہوا۔ اور اس نے تمام مخالفوں کو زیر وزبر
کر کے علاقہ غور پر پورا تسلط کر لیا۔ سبکتگین نے غور پر چڑھائی کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ ادھر محمد بن
سور کا (جو بقول یمینی سردار کفار تھا) حوصلہ بڑھ گیا۔ سلطان محمود جو تمام کانٹے نکال چکا تھا محمد بن سور
کی روز افزوں طاقت اور تمرد وسرکشی کی کب برداشت کر سکتا تھا۔ اول پند ونصیحت سے کام
لیا جب فائدہ نہ ہوا تو فوج جرار لیکر غور پر چڑھ گیا ہر چند غوریوں نے سخت مقابلہ کیا مگر بہادران
محمودی سے ہر ایک موقعہ پر نقصان اٹھایا۔ وہ پہاڑی مستحکم دشوار گذار قلعے جو ناممکن الفتح خیال
کئے گئے تھے یکے بعد دیگرے فتح کئے گئے ادھر محمد بن سوری ایک قلعہ میں محصور ہوگیا جب موت
کو یقینی دیکھ لیا تو سلطان کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور معہ چھوٹے بیٹے کے اسیر سلطانی ہوا اور

طبعی موت یا زہر کھا کر فوت ہوا سلطان نے اُس کے قیدی بیٹے کو چھوڑ دیا اور بڑے بیٹے ابو علی کو رئیس غور مقرر کیا۔ اسی حملہ محمودی میں کفار غور جو ابتک اسلام نہیں لائے تھے دایرہ اسلام میں آئے۔ ابو علی ایک عادل خدا ترس رعایا پرور رئیس تھا۔ مدت العمر سلطان غزنی کا باجگذار رئیس رہا۔ سلطان مسعود بن محمود کے عہد میں جب سلجوقی حوادث نے سلطان غزنی کا وقار کھو دیا۔ اور ہر طرف لالچی سرکش اُٹھ کھڑے ہوئے ابو علی کو اسکا برادر زادہ عباس بن شیث مار کر غور کا مالک بن گیا۔ اور سلاطین غزنی کی کمزوری سے خود مختار ہو گیا۔ یہ شخص سخت ظالم لوٹیرا مردم آزار تھا۔ بروایت طبقات ناصری اس کے نتیجہ ظلم کے سبب سے علاقہ غور میں سات سال تک حیوانات گائے بھینس وغیرہ حتیٰ عورتوں تک نے بچہ نہ جنا۔ انہیں تجربوں سے مشرقی لوگوں کا اعتقاد ہے کہ قحط و وبا سلاطین کی بدنیتی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جبکہ عباس کا ظلم حد سے گذر گیا اور تخت غزنی پر بھی ایک لایق منتظم سلطان ابراہیم جلوس فرما ہوا غوریوں نے عباس ظالم سے نجات دلوانے کے لئے لکھا ابراہیم فوج جرار لیکر غور پر چڑھ آیا اور عباس کو اُسی کے سرداروں نے پکڑ کر حوالہ ابراہیم کیا۔ جہاں وہ قید میں مر گیا۔ سلطان ابراہیم نے محمد بن عباس کو رئیس غور کیا اور غوریوں کی سابقہ بیوفائیوں پر مطلق خیال نہ کیا۔ اور نہ ہی کچھ علاقہ چھین کر غوریوں کی طاقت کو گھٹایا +

مسلمانوں کی علمی لیاقت

باوجودیکہ عباس اسقدر ظالم تھا مگر علم ہیئت اور نجوم میں بڑا ماہر تھا اُس نے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ بروج فلک کے حساب پر بارہ برج اور ہر برج میں تیس دروازہ رکھے گئے۔ آفتاب جس برج فلکی میں آسمان پر ہوتا قلعہ مذکور میں اپنے ہم نام برج میں ہر ایک دروازہ سے روزمرہ طلوع کرتا اور نجوم کے رو سے ساعت وطالع درست ہوتا گویا نجومیوں کو روزانہ علمی تلاش وکوشش سے مستغنی کر دیا تھا وہ قلعہ مذکور کے برج و دروازوں سے طلوع سورج دیکھ کر بتلا دیتے کہ آج سورج فلاں برج اور طالع میں ہے اور یہ کمال درجہ کی مہارت علم ہیئت ہے +

محمد بن عباس عادل و رحیم تھا۔ جسقدر اُس کے باپ عباس میں بُرائیاں تھیں اُسیقدر محمد میں خوبیاں موجود تھیں۔ علاقہ غور میں امن وامان رہا۔ سلطان ابراہیم کا مطیع و فرماں بردار رہا اور نیکنامی سے فوت ہوا۔ اُسکا بیٹا قطب الدین حسن جانشین ہوا۔ اور لیاقت و شجاعت سے ریاست غور کرتا رہا چونکہ اب سلاطین غزنی کی بجائے سلطان سنجر سلجوقی کا رعب و داب زیادہ تھا اس لئے قطب الدین حسن

سلطان سنجر کو باج دیتا رہا اور سلطان غزنی سے بگاڑ نہ کیا۔ غوری جو آج کل کے یاغستانی افغانوں کی طرح جنگجو سرکش اور عربی بدویت کا اثر رکھتے تھے سلطان غزنی کی کمزوری کے سبب خانہ جنگی شروع ہوگئی ایک فرقہ نے قطب الدین کا سخت مقابلہ کیا جہاں قطب الدین حسن مارا گیا اور اُس کی جگہ اُسکا بیٹا اعزار الدین حسین جانشین ہوا۔

طبقات ناصری اور فرشتہ کی روایات کا مقابلہ

طبقات ناصری میں اعزار الدین حسین بلا واسطہ قطب الدین حسن کا بیٹا اور اس کے فوت ہونے کے بعد غور میں جانشین ہونا لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعز الدین حسین غور میں موجود تھا جبکہ قطب الدین حسن کا انتقال ہوا۔ مگر فرشتہ لکھتا ہے کہ قطب الدین حسن کا بیٹا سام ملوک غور کے خوف سے ہندوستان کو بھاگ گیا اور چند سال کی تجارت کے بعد حب وطن سے براہ دریا واپس غور ہوا۔ کشتی ڈوب گئی صرف اعز الدین بن سام ایک تختہ کے ذریعہ سلامت کنارہ لگا۔ اور کچھ دنوں بعد پولیس نے آوارہ گردی میں جیل خانہ بھیجدیا۔ سات سال بعد وہاں کے حاکم کے غسل صحت کی خوشی میں اور قیدیوں کے ساتھ رہا ہوا۔ مگر اب ڈاکوؤں نے پکڑ لیا جوان تنومند دیکھ کر ہتھیار و گھوڑا دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ ابھی ایک رات گذری تھی کہ صبح کو سلطان ابراہیم غزنوی کی فوج کے ہاتھ ڈاکوؤں کے ہمراہ قید ہو کر غزنی لایا گیا۔ چونکہ اس جماعت قزاقان نے قتل و غارت کے کئی جرم کئے تھے سلطان نے سب کو قتل کا حکم دیا جب اعز الدین حسین کو قتل کرنے لگے تو اُس نے اپنی بیگناہی اور ایک رات کی جبریہ شمولیت کا حال بیان کیا۔ منصف مزاج اور رحمدل سلطان ابراہیم نے اعز الدین حسین کو چھوڑ دیا اور تربیت شاہانہ شروع کی تھوڑے ہی عرصہ میں وہ امیر حاجب (جرنیل) اور شاہی خاندان کی ایک لڑکی سے بیاہا گیا اور سلطان مسعود بن ابراہیم کے عہد میں ریاست غور پر سرفراز ہوا۔ الخ

دونوں روایتوں میں بڑا فرق ہے۔ ممکن ہے کہ فرشتہ کی روایت جس سے محمد غوری وغیرہ سلاطین غور کے باپ کا آزاد شدہ ڈاکو اور سلطان غزنی کا دست پروردہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ منہاج سراج نے جو غوریوں کا نمکخوار ہے عمداً قلم انداز کر دیا ہو۔ لیکن منہاج سراج جیسا معتمد اور فاضل مورخ جسکا باپ سلطان محمد غوری کا قاضی لشکر اور خود سلطان محمد غوری کی برادر زادی بنت غیاث الدین غوری کے محلوں میں پرورش یافتہ ہو اسقدر نہ جان سکے کہ اعز الدین حسن کا باپ سام تھا یا بلا واسطہ قطب الدین حسین۔ اور قطب الدین حسین کے بعد تاریخ ملوک غور میں سام اور

اعزالدین حسن کی جلاوطنی ہندوستان کے زمانہ میں کسی حاکم غور کا حال نہ لکھے حالانکہ اُس نے خاندان غور کے چھوٹے چھوٹے رئیسوں کے حالات بھی قلمبند کر دئے ہیں عباس ظالم کا عہد اگر صرف ہفت سالہ زمانہ قحط ہی تصور کیا جائے تو اُسکا بیٹا محمد اور پوتا قطب الدین حسن دونوں یا ایک سلطان ابراہیمؒ کا معاصر ہونا چاہیئے اگر صرف محمد ہی ہمعصر تھا تو اعزالدین حسین کا بحالت گرفتاری سلطان ابراہیم کے حضور آنا درست نہیں اگر دونوں باپ بیٹا سلطان ابراہیم کے ہمعصر تھے تو ابراہیم جیسے طاقتور اور منتظم سلطان کے عہد میں ایک مطیع فرمان باجگذار رئیس قطب الدین حسن کی اولاد کا مخالفان غور کے خوف سے ہندوستان کو جلاوطن ہونا اور پھر اُس کے بیٹے یا پوتے کا ابراہیم کے حضور میں بحیثیت ڈاکو گرفتار ہو کر آنا اور سلطان اور اُس کے درباریوں کا شناخت نہ کرنا قرین قیاس نہیں ہے بہرحال میری رائے میں فرشتہ جسنے چارسو سال بعد تاریخ لکھی ہے طبقات ناصری پر فوقیت نہیں رکھ سکتا اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قطب الدین حسن رئیس غور کا فرزند اعزالدین حسین باپ کے فوت ہوئے کے وقت غور میں موجود تھا۔ اور سرداران غور کے اتفاق اور شاہنشاہ غزنی کی منظوری سے جو غالباً مسعود بن ابراہیم تھا ریاست غور پر قابض ہوا +

اعزالدین حسین ایک خوبصورت و خوب سیرت نیک اعتقاد رعیّت نواز حاکم تھا۔ بقول منہاج سراج سلطان سنجر سلجوقی اور شاہ غزنی دونوں سے اتحاد رکھتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سنجر کے صدمات سے شاہان غزنی ملوک غور کو بچا نہیں سکتے تھے جو سلطان سنجر سے راہ و رسم پیدا کی گئی غالباً مسعود بن ابراہیم کا اخیر زمانہ یا ارسلان کا عہد ہوگا جبکہ سلطان سنجر کے رحم پر تاج غزنوی رہ گیا تھا۔ سنجر نے پولٹیکل ضرورت کے لئے یا شاہ غزنی نے اپنی کمزوری کے سبب سے اعزالدین حسین کو پورا پورا مطیع رکھا اور اُس کی طاقت دن بدن بڑھتی گئی۔ کوہستان کے قوی ہیکل اور محنت کش باشندگان کے حوصلے بڑھ گئے اعزالدین حسین کے سات بیٹے شجاع الدین علی فخر الدین مسعود۔ قطب الدین محمد۔ علاء الدین حسین۔ شہاب الدین محمد۔ سیف الدین سوری۔ بہاء الدین سام موسوم بہ ہفت اختر تھے۔ اور باپ کی زندگی میں ہی علیحدہ علیحدہ علاقوں پر حکمراں تھے اعزالدین حسین کے انتقال کے بعد سیف الدین سوری باپ کا جانشین ہوا اور باقی بھائی بدستور سابق حاکم علاقہ رہے۔ لیکن غوری طاقت بڑھانے اور بیرونی دشمنوں کے مقابلہ کے وقت سب متفق ہوجاتے تھے +

غوریوں اور غزنویوں کے معرکہ اور غزنی کی تباہی

ملک قطب الدین جسکا لقب ملک الجبال ہے بھائیوں سے ناراض ہوکر غزنی چلا آیا۔جو ایک خوبصورت اور لائق امیر تھا بہرام شاہ نے اپنی لڑکی سے نکاح کر دیا اور عزت سے رہنے لگا۔مگر جس کے خاندان میں کئی پشتوں سے خودمختاری اور سلطنت کی ہوس دامنگیر چلی آئی تھی اور جسکا جد اعلیٰ عباس ظالم شاہ غزنی کے مدمقابل ہونے کا اسقدر شایق تھا کہ دو زبردست کتے ایک کا نام ابراہیم شاہ غزنی اور دوسرے کا نام عباس رکھکر دونوں کتوں کو لڑاتا جب اسکا ہمنام کتا غالب رہتا خوشیاں مناتا اور تسخیر غزنی کی فال لیتا اسکا پوتا قطب الدین اپنے آبائی خیال کو کب چھوڑ سکتا تھا جبکہ شاہ غزنی کی زندگی و موت سلجوقی سلطان کے ہاتھوں ثابت ہوچکی تھی اس لئے قطب الدین نے شاہانہ ٹھاٹھ اختیار کیا اور داد و دہش سے عوام کو گرویدہ کرلیا بہرام نے قطب الدین کو زہر دلا کر ہلاک کرا دیا۔سیف الدین اسکا بھائی انتقام کے لئے چڑھ آیا بہرام شاہ بھاگ گیا۔سیف الدین غزنی کے تخت و تاج پر قابض ہوگیا۔مگر اہالی غزنی غوریوں کی جاہلانہ اور غیر مہذب عادات کو پسند نہ کرسکے اور خفیہ بہرام شاہ کو بلاکر غزنی پر قبضہ کرا دیا اور سیف الدین گرفتار ہوکر بعد تشہیر معہ وزیر سولی چڑھایا گیا۔بوقت تشہیر باشندگان غزنی نے سیف الدین پر کوڑا کرکٹ غلاظت پھینکی +

علاء الدین جہانسوز اور غزنی کی تباہی

قطب الدین اور سیف الدین کے انتقام کے لئے اُنکا بھائی بہار الدین سام سلطان محمد غوری کا باپ فوج جرار لے کر بہرام شاہ کے مقابلہ کو چلا مگر راستہ میں فوت ہوگیا اور بھائیوں کے انتقام لینے اور غزنی فتح کرنے کی وصیت علاء الدین چھوٹے بھائی کو کرگیا علاء الدین جابر اور مشہور سپاہی تھا اور عام غوریوں کا جوش حادثہ قطب الدین خصوصًا سیف الدین سے بہت بڑھا ہوا تھا بہرام شاہ نے ہرچند نرمی و درشتی سے سمجھایا مگر علاء الدین جو بہرام شاہ کی کمزوری اور غوریوں کی زبردست طاقت سے واقف تھا صلح پر راضی نہ ہوا۔بہرام شاہ اور اُس کی فوج جو ہندوستانی آب و ہوا کی تاثیر سے آرام طلب اور جنگی ہاتھیوں پر زیادہ سہارا رکھتی تھی۔علاء الدین کے دو پہلوانوں سے جنکو خرمیل کہتے تھے ڈر گئے

دونوں پہلوانوں نے جنگی مست ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ ایک تو ہاتھی کے شکم میں خنجر مار کر ہاتھی کے نیچے دب کر تباہی کے ساتھ مارا گیا۔ دوسرا پہلوان ہاتھی کو مار کر دوسرے ہاتھی پر سوار ہوگیا۔ عام لڑائی شروع ہوئی بہرام کا بیٹا اور سپہ سالار دولت شاہ متہورانہ حملہ میں غوریوں میں گھر کر قتل ہوا اور بہرام شاہ کو شکست ہوئی۔ علاء الدین نے تعاقب کیا غزنی تک دو دفعہ مگر بہرام شاہ نے پھر مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور ہندوستان کو بھاگ آیا علاء الدین نے بزور شمشیر غزنی کو فتح کیا اور سات روز تک قتل و غارت کے علاوہ شہر میں آگ لگادی۔ روز روشن دھواں کی کثرت کے سبب رات اور رات شعلوں سے دن نظر آتا تھا زن و مرد شیخ و شاب کوئی قتل عام سے نہ بچ سکا محمود مسعود۔ ابراہیم کے سوا دیگر تمام سلاطین کی قبریں کھود کر ان کی ہڈیاں جلائی گئیں اور اس ہفتہ میں ظالم علاء الدین مے نوشی اور بدمعاشی کرتا رہا۔ دسویں روز جبکہ مگر کہ زندہ کی خلق او باز کشی کا نظارہ نظر آنے لگا واپس ہوا۔ باوجود اسقدر ظلم کے علاء الدین اپنے آپ کو عفو و انصاف کا حامی جانتا تھا چنانچہ اس موقعہ پر اسنے فخریہ شعر کہے ہیں +

نظم

بر آن بودم کہ از اوباش غزنی	چو رود نیل جوئے خوں بر آنم
ولیکن گندہ پیران اند و طفلاں	شفاعت مے کند بخت جوانم
بہ بخشیدم بدیشاں جان ایشاں	کہ بادا جان شاں پیوند جانم

قتل عام کے ہفتہ میں تو جلسہ نوش دمے میں بیہوش رہا ہفتہ کے بعد مدفون بھائیوں کے صندوق لے کر غور چلا گیا۔ غزنی کے چند بزرگ سادات کو سیف الدین کے وزیر سید مجد الدین موسوی کے قصاص میں جو سیف الدین کے ساتھ مصلوب ہوا تھا تہ تیغ کیا۔

جنگ بہرام اور علاء الدین ہندوؤں کی شمولیت جنگ

بہرام نے بعد سلطان سنجر اپنے بھائی ارسلان کو تہ تیغ کر کے تخت تو لیا۔ لیکن افغانستان میں اپنی فوجی طاقت اور شاہی اثر کو کھو دیا وہ قومیں اور علاقے جو غزنی اور سلطان سنجر کے علاقہ کے مابین واقعہ تھے بہرام شاہ کا سلطانی رعب ان کے دلوں سے اٹھ گیا اور حسب ضرورت سلطان سنجر سے رابطہ اتحاد پیدا کرتے رہے سنجر بھی پولٹیکل اغراض کیوجہ سے ایسے لوگوں کے

تعلق سے انکاری نہ ہوا۔ ملوک غور جنکا علاقہ خراسان سے ملحق تھا۔ اس دو عملی سے فایدہ اٹھا کر ملک و فوج کی ترقی میں لگے رہے۔ اعز الدین حسین کے ساتوں بیٹے بہادر اور جنگی جوش میں مشہور تھے اُن کی شجاعت اور عام لیاقت نے عام مسلمانوں کے دلوں پر سکہ بٹھا دیا تھا جنگی خدمات کے مشتاق بجائے غزنی کے غور کو اپنی امید گاہ جاننے لگے۔ غور میں چین و جان باز سپاہی ہر طرف سے آکر جمع ہو گئے۔ ادھر غزنی میں بجائے شمشیر کے قلم کا زور تھا۔ بہرام شاہ کے عہد میں گو علم و فنوں کی ترقی ہوئی اور سلطان کی قدر دانی سے اعلےٰ درجہ کی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ لیکن مرد میدان لوگوں کی کمی تھی اور بہادروں کی کان افغانستان کا مفید علاقہ بہرام کے قبضہ میں برائے نام تھا اُسکو جسقدر بھروسہ تھا ہندوستان پر تھا اسی وجہ سے وہ بار بار ہندوستان کیطرف بھاگ بھاگ کر آتا رہا۔ ہندوستان کی اسلامی فوجیں انتظام ہندوستان کے لئے کچھ چھوڑنی پڑتی تھیں باقیماندہ تعداد میں کافی نہ تھیں۔ اس لئے بہرام شاہ کی فوج کا عنصر اعظم ہندو فوج تھا۔ اور محمود کے عہد سے لے کر بہرام تک تمام سلاطین غزنی ہندوؤں کی عزت و اعتبار کو بڑھاتے اور مسلمانوں کے برابر حقوق دیتے رہے تھے۔ ہندوؤں کو کسی قسم کی غزنویوں سے شکایت نہ تھی اگر ہوتی تو بہرام شاہ جیسے کمزور کی ملازمت میں اُس کے خونخوار دشمن علاء الدین کے مقابلہ میں غزنی سے آگے بڑھ کر علاقہ زمینداور میں تخت غزنی پر جانیں قربان نہ کرتے بلکہ ایسے زمانہ فتور میں اگر سلاطین غزنی کے سلوک سے ناراض ہوتے تو مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال سکتے۔ مگر راجگان ہند کا بہرام شاہ کی فوج میں شامل ہو کر غوریوں سے لڑنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ہند و خاندان محمودی کے استحکام و بقا میں جان و مال سے دریغ نہ کرتے تھے اور یہ نتیجہ گورنمنٹ کے حسن سلوک اور بے تعصبانہ اصول کے بغیر نہیں پیدا ہوتا۔ ہندو راجگان کا شامل جنگ ہونا خود علاء الدین غوری کے فخریہ ابیات سے ثابت ہوتا ہے۔ جس میں وہ رائے و رانا کی امداد بہرام اور رائے و رانا کے قتل و ہلاکت کا ذکر کرتا ہے +

ابیات

آنم کہ ہست فخر ز عدلم زمانہ را +
انگشت دست خویش بدندان کند عدو
چوں جست خانہ خانہ کمیتم میان صف

آنم کہ ہست جور ز بذلم زمانہ را +
چوں بر زہ کمان نہم انگشتوانہ را
دشمن ز کوے باز نداننست خانہ را

بہرام شاہ بکینہ من چوں کماں کشید | کندم بکینہ از کمر او کمانہ را
پشتی خصم گرچہ ہمہ رائے ورانا بود | کردم بگرز خورد سر رائے ورانا را
کیں توختن بہ تیغ درآموختم کنوں | شاہان روزگار و ملوک زمانہ را
اے مطرب بدیع چو فارغ شدم زجنگ | برگوئے قول را و بیار آں ترانہ را
دولت چو برکشید نشاید فرو گذاشت | قول مغنی و مئے صاف مغانہ را

علاء الدین فاتح نے بہرام شاہ کا قوی پشت ہونا رائے ورانا کو لکھا ہے۔ جو ہندو روسا و راجگان کے آج کل کیطرح خطاب تھے اگرچہ راجاؤں کا نام نہیں لکھا مگر علاء الدین کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کو انہیں راجگان کی رفاقت پر زیادہ بھروسہ تھا اور وہی بہرام کے قابل ذکر مددگار تھے اور فوج غزنی میں ان کی عزت و لیاقت کا اسقدر شہرہ تھا کہ علاء الدین جیسے ظالم جہاں سوز اور بے مثل بہادر نے رائے ورانا کے قتل پر فخر کیا ہے اور محفل سرود میں قوالان خوش الحان نے گاکر علاء الدین کے غرور و تکبر کو بڑھایا ہے ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ ان واقعات سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اسوقت کے ہندو سلاطین غزنی سے ناراض نہ تھے اُن کو ہر طرح سے آزادی تھی اُن کے مذہبی یا ملکی امور میں دست اندازی نہ کیجاتی تھی۔ وہ مراعات اور حقوق جن کے لئے بعض ہندو ناجائز کوشش کر رہے ہیں محمود اور اس کی اولاد نے نہایت فیاضی سے ہندوؤں کو عطا کر رکھے تھے۔ ہندوؤں کو وہ بدگمانی دل سے نکال دینی چاہئے جو انگریزی تاریخوں کے پڑھنے سے محمود جیسے مدبر فاتح اور اس کے جانشینوں کی نسبت رکھتے ہیں اس سے وہ نفرت کم ہو جائے گی۔ جو ہندو مسلمانوں میں دیکھی جاتی ہے اور جس سے ہندوستان کی حقیقی بہبودی میں سخت رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے؛

غیاث الدین
اور
شہاب الدین کا قید ہونا

علاء الدین کے بھائی بہاء الدین سام کے دو بیٹے غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری اپنی لیاقت اور شجاعت اور داد و دہش و منصفانہ سلوک کے سبب فوج و رعایا میں ہر دلعزیز

تھے۔ اُن کے اولوالعزم خیالات سے علاء الدین متوہم ہوا اور قلعہ غرجستان میں قید کر دیا علاؤالدین نے اپنی ظالمانہ عادت کو پورا کیا لیکن تقدیر نے چونکہ اُن کو شاہان عالیشان بنانا منظور تھا۔ اور خلایق عامہ کے ضرر و بہبود کو اُن کے زبردست ہاتھوں میں دینا تھا اس لئے یہ قید اُن کے لئے تادیب گاہ ثابت ہوئی۔ اور قید کی تکالیف اور آزادی کی نعمت سے بخوبی واقف ہو کر اپنے عہد سلطنت میں مخلوق الٰہی کی بیجا ایذا رسانی سے بچتے رہے۔ علار الدین غزنی کی بربادی سے فرعون بے سامان بن گیا تھا اور شاہان روزگار و ملوک زمانہ کو ہیچ جانتا تھا جیسا کہ اُس نے کہا تھا

کیں توختن بہ تیغ درآموختم کنوں　　　شاہان روزگار و ملوکِ زمانہ را

سلطان سنجر کو خراج مقررہ دینا بند کر دیا اور فہمایش سے راہ راست پر نہ آیا سلطان سنجر سے لڑکر قید ہوا۔ مگر سلطان سنجر نے آخر اُسکو آزاد کر کے بدستور سابق ریاست علاقہ غور وغیرہ علار الدین کو عطا کی۔ اِس کی وجہ گو موّرخوں نے علار الدین کی شاعرانہ لیاقت اور عام ذہانت لکھی ہے لیکن در اصل بات یہ تھی کہ خاندان غزنی میں سلطنت کی طاقت و صلاحیت نہ رہی تھی اور افغانستان میں اور کوئی بارسوخ خاندان نہ رہا تھا جو غوریوں کی جگہ مشرق میں تسلط بٹھا سکتا اور گو سلطان سنجر نے فتح تو حاصل کی جو بقول منہاج سراج علار الدین کے چند امرا کی سازش کا نتیجہ تھا مگر علاقہ غور پر کامل تسلط کرنا یا خاندان شنبسی کو بیخ و بن سے اُکھاڑنا سلطان سنجر کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔ علاوہ اِس کے حسن بن صباح کی ترقی اور اندرونی فسادوں نے سلطان سنجر کو غوریوں کے ممنون احسان بنانے پر مائل کیا ہوگا۔ سلطان سنجر غزان ترک سے بھی سخت بگاڑ رکھتا تھا جن کے ہاتھ سے تباہ ہوا اِس لئے اس پرجوش خاندان غوری کو اپنا دوست بنانا چاہا۔ اور جو تقریر سلطان سنجر کی طبقات ناصری میں لکھی ہے اس سے ہمارے قیاس کی تائید ہوتی ہے۔ علار الدین کو بہت سا زر و دولت اور مال مویشی دیکر واپس غور کیا۔ جس نے غور کے سرکشوں کو سزا دی۔ مگر اخیر وقت میں ملحدوں کو اُس کی طبیعت پر غلبہ ہو گیا اور علاقہ غور میں مذہب الحاد کی عام منادی ہونے لگی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علار الدین ملحد مرید حسن بن صباح تھا ۵۵۱ھ میں فوت ہوا اُسکا جانشین اسکا بیٹا سیف الدین محمد ہوا۔ جس نے غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری دونوں بھائیوں کو قید سے آزاد کیا مگر اپنے سپہ سالار کے ہاتھ سے جس کے بھائی کو سیف الدین نے ناحق قتل کیا تھا ایک معرکہ میں قتل ہوا اور دشمنوں کے ہاتھ سے پیٹ چاک ہوا اور علار الدین کا خاندان ختم ہو گیا سچ ہے ظالم کی جڑ کھوکھلی ہوتی ہے اور کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا اس یقینی تجربہ کا دردو علار الدین

کی اولاد پر ہوا کہ سیف الدین ایک سال چند ماہ والی غور رہا +

غیاث الدین اور شہاب الدین محمد غوری

جب سیف الدین سپہ سالار عباس کے ہاتھ سے مارا گیا اور فوج غور کو شکست ہوئی۔ غیاث الدین ساتھ تھا اسی عباس قاتل سیف الدین نے بہ اتفاق امرا غیاث الدین کو بادشاہ بنالیا شہاب الدین اسوقت اپنے چچا فخر الدین ملک بامیان کے پاس تھا بھائی کی تخت نشینی کی خبر سنکر باجازت عم فیروزکوہ چلا آیا۔ عباس جس نے غیاث الدین کو تخت نشین کیا تھا کسیکو خیال میں نہ لاتا تھا۔ غیاث الدین برائے نام بادشاہ تھا۔ مگر شہاب الدین محمد غوری کی بہادرانہ الوالعزمی نے اسکا جلد فیصلہ کردیا۔ سر دربار ایک ترک غلام کے ہاتھ سے قتل کرادیا اور غیاث الدین کا رعب جم گیا۔ مگر اب اس سے بھی زیادہ مخالفت کا ظہور ہوا۔ ملک فخر الدین مسعود جو سلاطین ہفتگانہ کا سب سے بڑا بھائی تھا تخت غور کو اپنا حق جانتا تھا اسی مطلب کے حصول کے لئے اس نے تاج الدین حاکم ہرات اور تماج حاکم بلخ کو اپنے ساتھ ملالیا تھا اور تینوں ملوک اپنی اپنی فوجیں لے کر چڑھ آئے۔ ان مجتمع فوجوں کا مقابلہ غیاث الدین سے مشکل تھا مگر بقول ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد + اگر کس تف زند ریشش بسوزد

کا ظہور ہوا۔ حاکم ہرات اس امید پر کہ فتح غور کا سہرا اس کے سر رہے سب سے پہلے فیروزکوہ پہنچ گیا۔ غیاث الدین اور شہاب الدین بھی مقابلہ کو نکلے +

غوری پہلوان

جب فوجیں مقابل ہوئیں تو غوری پہلوانان یکہ تاز نے سلطان غیاث الدین کی خدمتمیں آکر عرض کی کہ اول ہمارا تماشہ دیکھیں فوج ہرات کے لئے ہم ہی کافی ہیں یہ کہہ کر فوج ہرات پر اسطرح جا پڑے کہ جیسا شہباز چڑیوں کی ڈار پر جا پڑتا ہے۔ فوجوں کو کاٹتے اور چیرتے ہوئے خاص قلب میں تاج الدین پر حملہ جا کیا اور اسکا سر کاٹ کر غیاث الدین کی خدمتمیں واپس آگئے۔ فوج ہرات پہ خوف چھا گیا اور سردار کے مارے جانے سے بھاگ گئے۔ یہ فتح محض تائید ربانی سے حاصل ہوئی خدا تعالے جس کو اٹھاتا ہے اس کے مخالف خودبخود تہ تیغ ہوتے جاتے ہیں ان یکہ تازوں کی داستان سے تعجب نہ ہونا چاہئے قدیم ایرانیوں۔ رومیوں۔ ہندوؤں میں

ایسی روائتیں موجود ہیں۔ بہادران عرب مثلاً خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ضرار بن ازور و زبیر بن العوام کے اس قسم کے حملات ہوتے رہے ہیں۔ اس سے چند سال پہلے مقابلہ بہرام کے وقت علاء الدین نے دو غوری پہلوانوں سے جنکو جرسیل کہتے تھے اسی قسم کا کام لیا تھا۔ عہد مغلیہ میں ہندوستان کے اندر اس قسم کے یکہ تاز موجود تھے۔ غرضیکہ مسلمانوں میں یکہ تاز ہر ایک ملک میں ہوتے تھے۔ اس فتح کے بعد فوج بلخ کا شاہ علم چھین کر ان کو شکست دی۔ فخر الدین کے پاس تاج الدین کا سر اور بلخیونکا علم روانہ کیا وہ واپس جانے لگا کہ غیاث الدین اور شہاب الدین معہ فوج پہنچ گئے اور چچا سے باادب پیش آئے۔ ملک غور غیاث الدین کے لئے صاف ہوگیا اور غور کا ملحقہ علاقہ بھی فتح کرنے لگے چونکہ اسوقت غزنی اور سلجوقی دونوں خاندان نہایت کمزور ہو چکے تھے اسلئے فتوحات میں کوئی رکاوٹ نہ ہوئی۔

فتح غزنی

غزنی اور کابل پر غزان ترک کا قبضہ تھا اور غور کے علاقہ میں بھی دست اندازی کرتے رہتے تھے۔ ان سے مقابلہ ہوا۔ اگرچہ شہاب الدین غوری نے کمال درجہ کی بہادری دکھائی مگر بہادران ترک غوریوں کا علم قلب سے چھین لے گئے اور غیاث الدین پیچھے ہٹ گیا اب شکست میں کوئی کسر باقی نہ تھی کہ قدرت نے اپنا کرشمہ دکھایا۔ غوریونکی فوج میمنہ و میسرہ نے یہ خیال کیا کہ علم کے ساتھ غیاث الدین نے معہ فوج قلب دشمن پر حملہ کیا ہے دونوں بازوں سے دھاوا کردیا جس سے ترکوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور فتح حاصل ہوئی غیاث الدین بھی واپس آگیا۔ اور ہزاروں غز قتل کئے گئے اور غزنی کے تخت پر شہاب الدین محمد غوری کو بٹھلا کر واپس غور ہوا اسکے بعد شہاب الدین غوری موسم سرما میں عموماً ہندوستان پر حملات کرتا رہا جنکا ذکر آیندہ کیا جائیگا اور غیاث الدین خراسان۔ سیستان۔ ایران۔ ترکستان کو قبضہ تصرف میں لاتا رہا۔ تمام بڑی بڑی مہمات میں شہاب الدین محمد غوری بھائی کا دست راست تھا۔ اور اسی کی ہمت سے خوارزم شاہوں پر غوریونکو فتوحات حاصل ہوئیں غیاث الدین کی وسعت سلطنت مشرقی بنگالہ سے لے کر بحیرہ خزر واقعہ ایران تک اور دریائے سیحوں سے لیکر خلیج فارس تک تھی پس سلطان محمود کے بعد اسقدر زبردست اقبال سلطان افغانستان و خراسان میں کوئی نہیں ہوا۔ ۴۱ سال کی سلطنت اور ۶۳ سال کی عمر ۵۹۹ھ کو ہرات میں فوت ہوا جہاں اسکا مقبرہ ہے۔ اس بادشاہ کے دربار میں

علماء و فضلا مشائخ و سادات کا نہایت قدر تھا انعام و اکرام داد و دہش میں شہرہ آفاق تھا۔ شافعی مذہب اہل حدیث تھا اور شہاب الدین غوری حنفی المذہب تھا مگر زمانہ حال کے تنگ خیال مسلمانوں کیطرح یہ اختلاف پبلک لائف میں نقصان رسان نہ تھا +

سلطان محمد غوری

سلطان محمد غوری بن بہار الدین سام بن اعزالدین حسین بن قطب الدین حسن بن عباس بن شیث بن محمد بن سوری بن محمد اپنے بھائی غیاث الدین سے تین سال چند ماہ چھوٹا تھا۔ اس حساب سے اس کی ولادت ۵۴۳ھ میں واقع ہوئی یہ وہی مبارک زمانہ تھا کہ چوتھائی صدی برابر مسلمانان شام کو عیسائیوں کے ظالمانہ دست برد کا تختہ مشق ہونے کے بعد عمادالدین زنگی والد سلطان نورالدین محمود انار اللہ برہانہ ابھار رہا تھا اور بیت المقدس کے واقعہ ۴۹۲ھ کے دردناک حادثہ کی کسر نکال رہا تھا اور علمائے اسلام مسلمانوں میں اتحاد اور ایثار نفس کا عملی جوش تازہ کر رہے تھے اور زمانہ حال کیطرح مایوسی کے بعد فاتحانہ کامیابی کا مونہہ دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اسی ترقی اسلام کے زمانہ میں جبکہ غیاث الدین اور محمد غوری وسط ایشیا اور ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا ڈنکا بجا رہے تھے شام روم میں سلطان نورالدین غازی اور اسلام کا فدائے سلطان صلاح الدین یورپ کی فوجوں کا ستھراو کر رہے تھے اور سلطان یوسف بن عبدالمومن اور اسکا بہادر دیندار بیٹا یعقوب سلاطین مراکو ہسپانیہ میں اسلامی جلال کا سکہ بٹھا رہے تھے۔ یہ قومی ترقی و انحطاط کا ایک کھلا تجربہ ہے جو قوم اٹھتی ہے تو کل افراد قوم میں یکبارگی جوش پھر جاتا ہے اور جب زوال آتا ہے تو کل قوم میں پست ہمتی چھا جاتی ہے۔ اس زمانہ میں قوم کا جوش زوروں پر تھا اور قوم کے لیڈر عادل۔ شجاع۔ زاہد و فاضل۔ متورع پابند شرع سلاطین تھے جن کی تقلید میں مسلمانوں نے زمانہ صحابہ رضوان اللہ علیہ الرحمن کا سماں دکھا دیا۔ اور ہم بار بار یہی کہیں گے کہ جب تک قومی لیڈر خود اسلامی اصول کی پابندی نہیں کریں گے اور

(چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند)

کی منافقانہ پالیسی کو نہ چھوڑیں گے مسلمان ہرگز ہرگز ترقی حقیقی کا مونہہ نہیں دیکھ سکتے ہمارا اعتقاد ہے کہ اسلام میں وہ تمام خیالات وسیع موجود ہیں کہ جن سے قوم کی ترقی مفید اتحاد سچی قربانی۔ اولوالعزمی کی تحریک ہوسکتی ہے جو لوگ اسلام کو ٹھوس کہتے ہیں وہ اسلام کے

اصول ۔عقائد۔ تاریخ سے گہری واقفیت یا دلچسپی نہیں رکھتے۔ لوگوں کے خود ساختہ زوائد و حشویات خود بخود ضرورت زمانہ سے دور ہو جاتے ہیں اور قرآن مجید کی حقیقی اور روشن تعلیم دلوں کو منوّر کر دیتی ہے۔ ہم انگریزی خواں مسلمانوں کی ناواقفیت قرآن اور عدم دلچسپی کے خوف سے اس موقعہ پر کلام اللہ کی آیات کی فلاسفی بیان نہیں کرتے اور نہ آیات کا حوالہ دیتے ہیں کیونکہ تذکرہ بہادران اسلام میں ہماری اس قسم کی طرز تحریر کو بعض انگریزی خواں مسلمانوں نے پسند نہیں کیا تھا اور ایک مشہور مصنف فیلو پنجاب یونیورسٹی نے عربی نہ جاننے کے سبب سے کتاب کو غور سے نہ پڑھا۔ آمدم بر سر مطلب

سلطان محمد غوری باپ کے مرنے کے بعد معہ بڑے بھائی غیاث الدین کے ظالم چچا علاء الدین جہان سوز کے ہاتھ سے قید رہا۔ علاء الدین کے بعد اس کے بیٹے سیف الدین نے رہائی دی جسکے مارے جانے کے بعد غیاث الدین تاجدار اور شہاب الدین سپہ سالار ہوا۔ دونوں بھائی ایک ماں کے بطن سے تھے اور بچپن میں ماں بڑے بھائی کو حبشی اور چھوٹے کو زنگی کہا کرتی تھی اس سے پایا جاتا ہے کہ دونوں بھائی یا تو خوبصورت نہ تھے یا بہت طاقتور اپنے ہمعصر لڑکوں سے زور آور تھے۔ بڑے کا نام محمد اور چھوٹے کا نام احمد تھا ایام شاہزادگی میں بڑے کو شمس الدین اور چھوٹے کو شہاب الدین کہنے لگے۔ تخت نشین ہو کر بڑا غیاث الدین اور چھوٹا معز الدین کے القاب سے ملقب ہوئے۔ آیندہ ہم اس کتاب میں معز الدین محمد غوری کے نام سے مخاطب کریں گے جو اُس کے کارناموں کے لحاظ سے عین موزون ہے۔ غیاث الدین کو سپہ سالار عباس کے طاقتور پنجوں سے معز الدین محمد غوری نے ہی نجات دلائی۔ غور۔ خراسان۔ ترکستان کی مہمات اسی جوانمرد کی شجاعت سے فتح ہوئیں۔ غزنی کے معرکہ میں شکست کے بعد فتح ترکوں پر معز الدین محمد غوری کے استقلال سے حاصل ہوئی۔ جب غزنی و کابل پر غیاث الدین کو ۵۶۹ھ فتح حاصل ہوئی تو اپنے بھائی معز الدین محمد غوری کو غزنی کے تخت پر بٹھلا کر واپس کوہ فیروزہ ہوا۔ اس جوانمرد نے اول تو علاقہ کابل کے سرکشوں کو سزا دی اور پھر ہندوستان پر حملات کئے؂

فتوحات ہندوستان

جب معز الدین محمد غوری علاقہ غزنی و کابل میں تسلط بٹھا چکا تھا تو ۵۷۱ھ میں ملتان پر حملہ کیا اور بقول منہاج سراج قرامطہ کے ہاتھ سے مستخلص کرایا۔ لیکن قرامطہ کی ریاست ملتان تو سلطان محمود

غزنوی کے ہاتھ سے برباد ہو چکی تھی ملتان پر کئی گورنر غزنوی حکمران رہ چکے تھے مسعود بن محمود غزنوی کا
بیٹا مجدود اسی جگہ کا حاکم تھا بعد میں بھی ابراہیم اور مسعود اور بہرام کے عہد میں ملتان لاہور کی طرح
ایک غزنوی فوج کا ہیڈ کوارٹر اور اس حالت میں ملتان کا قرامطہ کے ہاتھ میں ہونا قرین قیاس نہیں ہاں
یہ ممکن ہے کہ ابوالفتح داؤد بن نصر کو سلطان محمود نے قید کیا ہوگا اور حسب عادت اُس کی اولاد کو گذارہ
کے لئے کچھ علاقہ دیدیا ہو عام لوگوں کے عقائد میں دست اندازی نہ کی اور اُن لوگوں کی جمعیت زوال
سلطنت غزنی کیوقت بڑھ گئی ہو۔ اور خاص ملتان میں بھی اُس کی آبادی زیادہ ہو ایسے لوگوں کی سرکشی
اور فساد کو دور کیا گیا ہوگا۔ اور مقابلہ میں کشت وخون بھی ہوئی ہوگی۔ یا یہ لوگ طاقت پاکر غزنویوں کی
کمزوری کیوقت کچھ عرصہ سے ملتان پر قابض ہو گئے ہوں۔ بہرحال روایت طبقات ناصری سے
ملتان میں قرامطہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے مگر میں اُن کو قرامطہ نہیں کہہ سکتا جیسا کہ سلطان محمود غزنوی کے
حال میں لکھا گیا ہے۔ یہ لوگ اسماعیلیہ مذہب رکھتے تھے جن کے اخلاف اب تک مغربی ہندوستان
میں خاص حیثیت رکھتے ہیں یا حسن بن صباح کے مریدان ملاحدہ جن کے سرگرم مناد و واعظ خاص
علاقہ غور میں عہد علاؤالدین جہان سوز میں مذہب الحاد کا بیج بو چکے تھے اور اُن کی ظاہری صلاحیت
مذہبی کے دھوکہ میں عوام مسلمان آجایا کرتے تھے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ جن قرامطہ سے
محمد غوری نے ملتان فتح کیا وہ حسن بن صباح کے فرقے کے مرید تھے جو نسل کے اعتبار سے
ابوالفتح داؤد کی نسل وخاندان سے نہ تھے بلکہ امرائے غوری یا غزنوی میں سے کوئی امیر مذہب
حسن بن صباح کو اختیار کر چکا تھا جسکو سلطان معزالدین محمد غوری نے مستاصل کیا۔ چونکہ اسی اثنا میں باشندگان
سنقران نے بغاوت کی اسلئے سلطان ہندوستان میں آگے نہ بڑھ سکا ۵۷۲ھ میں اہل سنقران
کو مقہور کیا۔ ۵۷۴ھ میں سلطان براہ اُچ وملتان نہروالہ واقع گجرات پر حملہ آور ہوا۔ وہاں کا راجہ
بھسو دیو (بھیم دیو) خوردسال تھا۔ لیکن اس کے وفادار امرا و فوج نے جو سلطان کی فوج سے
بہت زیادہ تھی۔ غوریوں کو شکست فاش دی۔ اس شکست سے سلطان محمود غزنوی اور محمد غوری
کی لیاقت بزم و آزمائی اور احتیاطی تدابیر کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے ممکن ہے کہ رسد کی کمی اور ریگستان
کی صعوبت شکست کی باعث ہوئی ہے مگر سلطان محمود غزنوی کی تدبیر و دانش اور بے مثل اولوالعزمی
ان تمام مشکلات پر غالب آئی تھی اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جسقدر سلطان محمود غزنوی کی فوج میں
اسلامی جوش تھا وہ غوریوں میں نہیں تھا۔ اگرچہ ہندوستان میں مستقل اسلامی سلطنت کے بانی
غوری ہوئے مگر اسلامی شان غزنوی سلاطین کا بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر سب سے زبردست وجہ

محمد غوری کی شکست کی یہ ہے کہ حملات سلطان محمود غزنوی کے وقت سے ہندوؤں نے اپنی فوجی طاقت اور قومی اتحاد کو باقاعدہ بڑھا لیا تھا اور اُس وقت کے فنون حرب سے جس کے ممتاز ماہر مسلمان ہی شمار ہوتے تھے ہندوؤں نے بھی مہارت پیدا کر لی تھی انہیں وجوہات سے محمد غوری کو پرتھی راج کی پہلی لڑائی میں شکست ہوئی تھی جسکا ذکر موقع پر کیا جائیگا۔ اِن دونوں لڑائیوں سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ محمد غوری کے وقت میں ہندو راجگان مقابلہ کے لئے پورے پورے تیار رہتے تھے۔

۵۷۵ھ میں پشاور پر حملہ کیا اور دریائے سندھ کے پار کا علاقہ خسرو ملک اخیر غزنوی سلطان سے چھین لیا۔ گجرات جیسے دور دراز ہندو ممالک کی مہمات کی جگہ اُس نے اپنے ہمسایہ مگر کمزور خسرو ملک کی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہا۔ اس چھیڑ چھاڑ کی وجہ تاریخ سے معلوم نہیں ہو سکتی خسرو ملک غزنی وغیرہ سے مدت کا تعلق توڑ چکا تھا اُس کو افغانستان سے کوئی امید نہ تھی اُس کی ساری امیدیں ہندوستان خصوصاً پنجاب سے وابستہ تھیں اسلیئے یہ ہرگز قیاس میں نہیں آسکتا کہ محمد غوری کو خسرو ملک سے کوئی بڑا خطرہ تھا اور مورخین خسرو ملک کے اخلاق کریمانہ و منصفانہ کی بھی تعریف کرتے ہیں۔ پس وجہ جنگ سوائے آرزوئے ملک گیری کوئی پائی نہیں جاتی۔ سلطان محمد غوری کی فتوحات کے دو ہی راستہ تھے ایک براہ سندھ گجرات وغیرہ کیطرف جہاں سے وہ شکست کھا چکا تھا اور امید کامیابی قطع کر چکا تھا۔ دوسرا راستہ براہ پنجاب تھا جہاں خسرو ملک کی حکومت تھی اور راجگان ہند بھی خسرو ملک سے رابطہ اتحاد رکھتے تھے۔ آل محمود کے صدیوں کی اطاعت اور سلاطین غزنی کے احسانات سے یا مغربی حملہ آوروں کی رکاوٹ کے لئے وہ خسرو ملک کی تقویت و استحکام چاہتے تھے گویا یہ استحکام درحقیقت ہندو راجاؤں کی ذاتی حفاظت کا ذریعہ تھا اولوالعزم محمد غوری نے ان جملہ امور پر غور کر لی ہو گی اور خسرو ملک کا کانٹا نکالنے کو اپنا پیش نہاد ہمت بنالیا ہو گا کہ جب تک پنجاب پر قبضہ نہ کیا جائے اور درمیانی رکاوٹ کو دور نہ کیا جائے تسخیر ہندوستان محال ہے۔ پس ان خیالات نے خسرو ملک کے استیصال پر اُس کو آمادہ کیا اور آہستہ آہستہ اُس کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ پشاور کے تصرف کے بعد ۵۷۷ھ میں لاہور پر حملہ کیا۔ خسرو ملک جو اپنی خستہ حالی اور غزنویوں کی طاقت سے بخوبی واقف تھا۔ اپنا بیٹا یرغمال (کفالت) اور ایک فیل بطور نشان اطاعت دیکر صلح کی۔ خسرو ملک کے بیٹے کو ضمانت میں لینا اس بات کی دلیل ہے کہ محمد غوری خسرو ملک کی آیندہ کی حرکات سے اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا

تھا۔ اور وہ ہندو راجگان کا تعلق تھا۔ اس دفعہ محمد غوری اسقدر اظہار اطاعت پر ہی واپس چلا گیا
مگر خسرو ملک کا رعب و اعتبار ہندوستان سے جاتا رہا جو سلطان محمد غوری کا دلی منشار تھا
اس کے بعد ۵۷۸ھ میں سلطان نے علاقہ سندھ پر حملہ کیا اور دیول وغیرہ کی فتح سے ساحل بحر ہند
کے سندھی علاقہ کو مفتوح کیا۔ اس ملک میں شعار اسلام کو پھر از سر نو تازہ کیا۔ دو سال تک سلطان
غیاث الدین کے ساتھ مہمات خراسان میں شامل رہا اور ہندوستان پر حملہ نہ ہو سکا۔ ۵۸۰ھ میں
اُدھر سے فارغ ہو کر پنجاب پر حملہ کیا اور نواح لاہور تک تاخت و تاراج کر کے اور شہر سیالکوٹ
تعمیر کیا۔ حکومت لاہور کو ضعف پہنچا کر واپس ہوا۔ خسرو ملک نے اس حملہ سے سمجھ لیا کہ اب اگلے سال
خاص لاہور کی باری آئیگی اسلئے مسلمان اور ہندوؤں   خصوصاً کھوکھروں کی مدد سے سیالکوٹ پر
چڑھائی کی تیرہ ماہ محاصرہ رکھا مگر فتح نہ کر سکا۔ سلطان محمد غوری جو خسرو ملک کو محض غزنوی یادگار
جانتا تھا اور اس کی زندگی اپنے رحم سے وابستہ سمجھتا تھا اس بہانہ سے لاہور کو لینے پر تیار ہو گیا
۵۸۲ھ میں لاہور کا محاصرہ کیا گیا خسرو ملک نے مقابلہ فضول جانا سلطان محمد غوری کے پاس
حاضر ہو گیا جہاں معہ بیٹے بہرام شاہ کے قید ہو کر غور بھیجا گیا۔ اور سلطان شاہ خوارزمی کی لڑائی
میں جبکہ غوریوں کی خوفناک حالت تھی خسرو ملک معہ بیٹے کے قتل کیا گیا۔ اور یہ قتل پولٹیکل خیال سے
تھا کہ کہیں زبردست دشمن خسرو ملک کو ہاتھ میں لا کر اس کی نام سے خیر خواہان آل محمود کو اپنے ساتھ
نہ ملالیں۔ خیر جو کچھ ہوا ظلم تھا اور ایسے ظالمانہ واقعات شاہان عالم سے ہوتے رہے ہیں۔ تسخیر
لاہور میں فرشتہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب محمد غوری نے خسرو ملک کا حین جرسیل
(پہلوان) کو سیالکوٹ میں محصور کرنا سُنا اور خسرو ملک کی گرفتاری کا عزم بالجزم کیا۔ اُس کے بیٹے
ملک شاہ کو جو بطور کفالت محمد غوری کے پاس تھا روانہ لاہور کیا خسرو ملک بیٹے کی رہائی
کی خبر سُن کر محمد غوری کیطرف سے مطمئن ہو گیا اور احتیاطی تدابیر کو چھوڑ کر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا
مگر سلطان محمد غوری اِدھر خسرو ملک کے بیٹے کو روانہ کر کے دوسرے راستہ سے خود لاہور پر چڑھ
آیا اور خسرو ملک اپنے آپ کو بے یار و مددگار جان کر لشکر سلطان میں حاضر ہوا۔ ممکن ہے کہ سلطان
محمد غوری نے الحرب خدعتہ پر عمل کیا ہو۔ یا لاہور کی حصانت نے سلطان غوری کو ایسا
کرنے پر آمادہ کیا ہو۔ لیکن جب اس بات پر خیال کیا جائے کہ خسرو ملک باوجود محاصرہ طویل اور
ہر ایک قسم کی طاقت آزمائی کے سیالکوٹ کے غوری حاکم کو نقصان نہ پہنچا سکا۔ اور دریائے
راوی تک غوریوں کی فوجیں تاخت و تاراج کرتی تھیں ملتان اور سندھ اور دوآبہ رچنا تک

پنجاب سلطان غور کے ماتحت تھا اور دریائے ستلج تک زبردست راجہ دہلی کا علاقہ تھا تو اس قدر یہ کمزور اور محدود طاقت کے بگاڑنے کے لئے سلطان محمد غوری کو اس قسم کی دھوکہ آمیز کارروائی کی ضرورت نہ تھی۔ اگر ایسا معاملہ ہوا بھی ہو تو جنگ جو سلاطین سے کچھ بعید نہیں کیونکہ محمد غوری انسان تھا انسان حصول اغراض کے لئے ہر ایک تدبیر عمل میں لاتا ہے*

فتح سرھند

تسخیر لاہور کے بعد علی کرماچ حاکم ملتان کو گورنر لاہور مقرر کیا اور مؤلف طبقات ناصری کے باپ سراج الدین منہاج کو قاضی لشکر مقرر کیا اور راجہ دہلی و اجمیر نہایت طاقتور تھا اور بہرام شاہ کے بعد ہانسی۔ تھانیسر۔ سرھند وغیرہ اسلامی علاقہ راجہ دہلی نے چھین لئے تھے۔ اس لئے سلطان محمد غوری نے سرھند کو فتح کر کے ملک ضیاء الدین کو بارہ سو انتخابی سوار دیکر قلعہ سرھند میں مقرر کیا اور مراجعت کی*

سلطان معزالدین اور پرتھی راج کا پہلا معرکہ

پرتھی راج بہادر قوم چوہان کا راجپوت راجہ تھا۔ دہلی اور اجمیر دونوں اُس کے قبضہ میں تھے راجپوتوں میں خاندانی عظمت کے علاوہ اُس کی ذاتی شجاعت و تہور کے کارنامہ ہندوستان میں ضرب المثل تھے۔ اور دیگر راجگان ہند اُس کی فوقیت کو تسلیم کر چکے تھے ملک و ملت کی محبت اور تیغ و قلم کی قدردانی میں تمام ملک میں مشہور تھا۔ اسلئے جنگجو بہادر اُس کے زیر علم جمع ہو گئے تھے۔ اخیر عہد غزنوی میں دریائے ستلج تک کا علاقہ بھی حکام غزنی سے چھین لیا تھا سلطان محمد غوری کے حملہ سرھند کی خبر سن کر فوج جرار لے کر مقابلہ کو روانہ ہوا۔ سلطان بھی جو واپسی غزنی کے لئے تیار تھا مراجعت فرما ہوا دونوں فوجوں کا مقابلہ دریائے سرستی کے کنارہ مقام ترادری پر ہوا جو تھانیسر کے قریب واقع ہے۔ لڑائی ابتدا میں برابر تول کی تھی غوریوں کے میمنہ و میسرہ کے بھاگ نکلنے پر سلطان معزالدین محمد غوری جس کو مورخوں نے رستم ثانی لکھا ہے ذرا نہ گھبرایا اور فوج قلب کے ساتھ ہندو فوج پر جا پڑا اور کشت و خون سے ہندو فوج کو درہم و برہم کر دیا۔ سلطان کی یہ دستبرد دیکھ کر کھانڈے رائے (گوبند رائے) حاکم دہلی سے رہا گیا جوش تہور میں ہاتھی کو جس پر سوار تھا۔ سلطان پر پڑھا لایا۔ گھوڑے اور ہاتھی کا کوئی مقابلہ تھا

مگر بہادر سلطان نے ایسا نیزہ لگایا کہ کھانڈے رائے کے دانت ٹوٹ گئے۔ مگر ہندوؤں کے فخر کھانڈے رائے نے بھی حریف کو خالی نہ جانے دیا اور شمشیر کا ایسا وار کیا کہ سلطان کا بازو زخمی ہو گیا۔ اور سلطان لڑائی کے قابل نہ رہا۔ باگ موڑ کر واپس ہوا۔ شدّت درد سے گھوڑے پر ڈگمگا رہا تھا کہ ایک خلجی جوان جھٹ پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور سلطان کو سنبھال کر شکست یافتہ لشکر اسلام میں لایا جو بیس کوس تک بھاگ آیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں یہ روایت کہ سلطان مردوں میں پڑا رہا اور رات کو اسی ترک غلام ڈھونڈ کر اٹھا لائے۔ قابل غور نہیں ہو سکتی شکست یافتہ فوج جس نے بیس کوس پر بھاگ کر دم لیا اُسے یہ کب حوصلہ تھا کہ سلطان کو بعد شکست میدان جنگ سے اٹھا لی جاتی۔ پالکی وغیرہ میں سوار کرنا ممکن ہے کہ میدان جنگ سے کچھ فاصلہ دور جا کر اور تعاقب سے اطمینان پا کر راستہ میں غلام وغیرہ مل گئے اور اسپ سواری کی تکلیف سے بچانے کے لئے سلطان کو پالکی پر سوار کیا گیا۔ مگر میدان جنگ سے خلجی جوان کا سلامت لیجانا صحیح ہے۔ سلطان لاہور وغیرہ میں معتبر اور بہادر سردار چھوڑ کر واپس غزنی ہوا۔ اور افغانوں کے سوا دیگر سرداران غزنی و غور و خراسان وغیرہ کو جو باعث شکست ہوئے تھے جو کے توبرے چڑھا کر جو کھانے کا حکم دیا۔ جس نے جو نہ کھائے قتل کیا گیا ایسی فاش شکست آج تک مسلمانوں کو ہندوستان میں نہیں ہوئی تھی *

ہندو طاقت پر نوٹ

اس شکست کی وجہ مورخین نے نہیں لکھی صرف سلطان کے امرائے میمنہ اور میسرہ کے بھاگنے کو وجہ شکست لکھا ہے اور خود سلطان محمد غوری کی مجوزہ سزا سے بھی امرائے لشکر کی بزدلی ثابت ہوتی ہے جس کی سزا میں ان کو گدھا تصور کر کے جو کے توبرے چڑھائے گئے۔ لیکن امرائے غوری کے اسطرح بھاگنے اور سلطان کو تن تنہا میدان جنگ میں چھوڑنے سے باعث شکست پر بہت کچھ روشنی پڑ سکتی ہے بیوفائی یا غداری کا تو ہرگز امکان ہی نہیں ... [illegible] تدبیر کرتے تو بچ کر کہاں جاتے۔ پیچھے سلطان کا بھائی شہنشاہ غیاث الدین [illegible] طاقت کے ساتھ موجود تھا۔ ہندوؤں سے کسی قسم کی امید نہ تھی۔ سلطان سے کوئی [illegible] نہ تھی۔ پس جہانتک قیاس کیا جا سکتا ہے اس شکست کی وجہ ہندو فوج کی زبردست طاقت تھی یہ طاقت ہندوؤں کو عہد غزنویہ میں حاصل ہوئی تھی۔ سلطان محمود اور [illegible]

جانشینوں نے ہندوؤں کی جنگی طاقت کو گھٹایا نہیں بلکہ بہت کچھ بڑھا دیا۔ فوج غزنی میں ہندو فوج اور ہندو سپہ سالار کام کرتے رہے مسلمانوں کے زیر تعلیم و تربیت ہندوؤں نے وہ تمام فنون جنگی سیکھ لئے کہ جن کے ذریعہ سے مسلمان غیر مسلم خصوصاً ہندوؤں کو مغلوب کرتے رہے تھے۔ سلاطین غزنویہ کے عہد میں ہندوؤں کی جنگی طاقت اور فوجی مہارت اسقدر بڑھ گئی تھی کہ بعض مسلمان باغی حکام کی سرکوبی کے لئے ہندو جرنیل اور ہندو فوج ہی متعین ہوتی رہی۔ اور مسلمانوں کے دوش بدوش اور بالمقابل لڑنے سے ہندوؤں کے حوصلے بڑھ گئے اور مسلمانوں کا فاتحانہ رعب ہندوؤں کے دلوں سے اُٹھ گیا۔ یہ ہندو ملازم قریباً ایک صدی کی جنگی تعلیم سے مسلمانوں کی طرح قواعد دان بن گئے۔ ملازمت سے ریٹائر ہوکر ہندوؤں میں باقاعدہ فوجی ورزش کا شوق بڑھاتے رہے اور فوج راجگان کو فنون حرب سکھلاتے رہے اور خاندان غزنی کو زوال آتا رہا اور راجگان فوجی طاقت کے ساتھ ہی توسیع ملک کرتے رہے۔ اور مسلمانوں کے علاقے چھینتے رہے اور سرایندہ خطرہ کے لئے تیار ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ سلطان محمد غوری نے لاہور کو فتح کرکے سرہند علاقہ راجہ دہلی کو مسخر کر لیا اور پرتھی راج جو اس موقعہ کی انتظار میں تھا۔ تربیت یافتہ فوج اور کمکی راجگان کی فوج لیکر سلطان محمد غوری کے مقابلہ کو نکلا۔ اس تربیت یافتہ فوج کی تعداد غوریوں سے چھ گنا تھی۔ مقابلہ پر امرائے اسلام کی فوجی مہارت ہندو فوج کی قواعد دانی کے سامنے فضول نکلی۔ مسلمانوں کے جوشیلے حملوں کا جواب ہندوؤں نے فن حرب کے مطابق باقاعدہ دیا۔ اور مسلمانوں کا حملہ اکارت گیا مسلمان اس خلاف امید ثبات و پائداری کو دیکھ کر گھبرائے اور فتح سے ناامید ہوکر میدان چھوڑ گئے۔ سلطان محمود اور اس کی اولاد کا ہندوؤں پر بہت بھاری احسان تھا کہ انہوں نے تنگ نظری سے ہندوؤں کی جنگی حرارت کو کم نہ کیا بلکہ مسلمانوں کے برابر تربیت و تعلیم دے کر مساوی حقوق عطا کئے اور اُن کو اس قابل کر دیا کہ آیندہ کسی بیرونی دشمن کو روکنے کے لائق ہو گئے۔ یہ فیاضانہ سلوک خاص سلطان محمود اور اُس کی اولاد کا خاصہ تھا جن کے برخلاف بے انصاف مورخین نے ہندوؤں کے خیالات تبدیل کر رکھے ہیں۔ ورنہ جس قدر سلطان محمود اور اُس کے اخلاف نے ہندوؤں پر احسانات کئے ہیں۔ وہ ہندوؤں کو کبھی خواب میں بھی دکھائی نہ دیں گے۔

پرتھی راج سے دوسرا جنگ عظیم

۵۸۸ھ

سلطان شکست پاکر غزنی گیا اور آرام اور عیش وعشرت کو حرام کردیا۔ دوبارہ لڑائی کے لئے تیاری کرتا رہا اور پرجوش اسلامی علاقوں سے جدید فوج بھرتی کرتا رہا اور قواعد جنگ کی مشق کراتا رہا جب ہر ایک قسم کا سامان جنگ مکمل ہوگیا تو ایک لاکھ بیس ہزار فوج تیار تھی جس میں سب سے زیادہ تعداد ترکمان والنٹیروں (مجاہدین) کی تھی اور اسی گروہ پر انکو زیادہ بھروسہ تھا اس تمام فوج میں مذہبی جوش بھرا ہوا تھا۔ اور لشکر اسلام کی سابقہ شکست کے انتقام کے لئے ان کو ہر طرح سے آمادہ کیا گیا تھا۔ فرشتہ کا یہ خیال درست نہیں کہ پشاور پہنچنے تک سلطان کے عزم فوج کشی کا کسی کو علم نہ تھا کہ کس پر چڑھائی کیجاتی ہے۔ اسقدر مدت لگاتار کوشش سے فوجیں تیار کیجاتی رہیں اور سلطان نے خواب وخور ترک کیا اور سابقہ چڑھائیوں سے زیادہ طاقتور فوج کے ساتھ پشاور پہنچ گیا اور کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ سلطان کس سے لڑنے جاتا ہے۔ غرضیکہ سلطان لاہور پہنچا تو بہ تقلید اصول اسلام معتبر ایلچی پرتھی راج کے پاس بھیجکر اسلام یا اطاعت کا پیغام بھیجا۔ جسکا جواب پرتھی راج نے نہائت سخت دیا۔ پرتھی راج نے راجگان ہند کو مدد کے لئے لکھا۔ جس سرعت کے ساتھ پرتھی راج کی دعوت جنگ کو قبول کیا گیا اور ڈیڑھ سو راجگان کا معہ اپنی اپنی فوجوں کے جن کے اخراجات کا خود ہر ایک راجہ وسردار کفیل تھا فوراً میدان جنگ میں حاضر ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ پرتھی راج نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے ہر طرح تیار کر رکھا تھا اور عام مذہبی تحریک نے ہندوؤں کو ایثار نفس اور سرفروشی پر پورا پورا مستعد کر دیا تھا۔ ہندوستان کو بچانے اور مسلمانوں کا زور توڑنے کے لئے حتی المقدور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ خود پرتھی راج کی ذاتی شجاعت ہندوستان میں ضرب المثل تھی ایسی حالات کے ہوتے پرتھی راج کو عیاش بے خبر کہنا اور بے انتظامی اور باہمی نفاق کو وجہ شکست قرار دینا واقعات کے خلاف ہے تین لاکھ جان فروش فوجی تعلیم یافتہ سوار مع تین ہزار جنگی ہاتھی اور اسی قدر رتھ جو ہوا سے باتیں کرتے اور طعن وضرب سے محفوظ سواری ہوتی تھی۔ ڈیڑھ سو راجگان کی قبولیت جنگ پر غور کیجائے تو پرتھی راج کی طاقت اور جنگی قابلیت زمانہ حال کی سلطنتوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ جو ایک میدان میں اسقدر فوج کثیر نہیں لاسکتے۔ جے چند راجہ قنوج کی وجہ مخالفت اگر اس کی لڑکی کا جبراً بھگا لیجانا قنوج کے محلسرا میں سے صحیح ہے۔ تو صاف ثابت ہوتا

کہ پرتھی راج کے مقابلہ میں جے چند کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ دیگر راجگان میں جے چند کا کوئی رسوخ نہ تھا۔ اگر جے چند شامل بھی ہوتا تو اس فوج کی چند ہزار تعداد اور بڑھ جاتی جس نے بعد میں سلطان محمد غوری کے ہراول قطب الدین سے بمقام چندواڑہ شکست فاش کھائی۔ قنوج اور بنارس مشرقی صوبجات دولت و علم میں ممتاز تھے مگر بہادروں کی کان شمالی ہند اور راجپوتانہ بہادر راجہ کے ساتھ تھا اور اس زمانہ کے بہادر راجہ اور مشہور جنگی قومیں راجہ پرتھی راج کے زیر علم ملک و ملت پر قربان ہونے کے لئے دست بشمشیر کھڑے تھے پس جے چند کی علیحدگی یا نفاق نے ہندو اتحاد پر کوئی اثر نہیں ڈالا اور نہ شکست کی وجہ قرار دیجا سکتی ہے۔

سلطان محمد غوری اور پرتھی راج کی خط و کتابت

جب دونوں لشکر بمقام تراوڑی میں پہنچے جو بروایت طبقات اکبری تھانیسر سے سات کوس اور دہلی سے چالیس کوس کے فاصلہ پر واقع تھا تو راجہ پرتھی راج نے بصلاح بہادر راجگان جو سابقہ فتح پر مغرور تھے سلطان کو بدیں مضمون خط لکھا کہ ہماری فوج ظفر موج کی شجاعت و لیاقت سلطان جانتا ہے سابقہ جنگ میں شمشیر مذہبی کی برائی دروائی کا تجربہ کر چکا ہے اور ہمارے بہادران شیر شکار کے ہاتھ دیکھ چکا ہے اس دفعہ سابق سے کئی حصہ زیادہ جرار جان نثار سورمے ملک کو بچانے اور دشمن کو کچلنے کے لئے تیار کھڑے ہیں اور ابھی تمام ہندوستان سے فوجیں برابر چلی آتی ہیں۔ پچھلی دفعہ حسن اتفاق سے تم زندہ بچکر نکل گئے اب اپنی جان پر رحم کرو۔ اگر تم کو اپنی زندگی وبال ہے تو ان چند آوارہ دشت ادبار بے خانمان ہمراہیوں کی جان پر رحم کرو اور واپس چلے جاؤ۔ ہم اپنے دیوتاؤں کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہارا تعاقب نہ کریں گے۔ اور اگر ہماری یہ مشفقانہ نصیحت منظور نہیں تو دیکھ لو گے کہ ایک مسلمان بھی اچھوتا کھانڈے سے بچ کر نہیں جائے گا۔

مدبر سلطان ہندو فوج کی عدت و شدت کو بخوبی جانتا تھا۔ لیکن اس خط سے سمجھ گیا کہ مخالف لڑائی سے پہلو بچاتا ہے اور نہایت نرمی و فروتنی سے جواب دیا کہ میں آپ کی شفقت اور خیر خواہی کا مشکور ہوں۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنے بڑے بھائی شہنشاہ غیاث الدین کا محکوم ہوں۔ اس کے حکم سے اس کڑی مہم کی تکلیف اٹھائی ہے اسقدر مہلت

دیجئے کہ شہنشاہ بھائی سے اجازت واپسی منگا سکوں ✦

راجہ نے اس جواب کو سلطان کی کمزوری پر محمول کیا اور احتیاطی تدابیر کو چھوڑ کر غافل ہو گیا اور سلطان نے اسی رات علی الصباح حملہ کر دیا۔ اگر سلطان نے یہ جواب مخالف کو غافل کرنے کے لئے ہی لکھا ہو تو بھی جنگی اصول کے رو سے دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ اگر صرف اس جواب کے پہنچنے سے جو مدبرانہ تھا تمام احتیاطی تدابیر کو ترک کیا گیا تو راجہ پرتھی راج اور اُس کے معاون راجگان اور ارکین کی سخت بے عقلی اور نادانی ثابت ہوتی ہے کہ خط وکتابت کا اخیر فیصلہ اور مہلت جنگ منظور کئے بغیر حزم و احتیاط کی تمام تجاویز اور حفاظتی تدابیر کو چھوڑ کر محمد غوری جیسے خونخوار دشمن کے دھوکہ میں آگئے ✦

قبل از فیصلہ راجگان ہند کا سلطان پر اعتماد کرنا عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ ممکن ہے کہ خط وکتابت ہوئی ہو اور سلطان نے حملہ بھی فوراً ہی کر دیا ہو۔ مگر ہندو چوکی پہرہ سے غافل نہیں تھے۔ فرشتہ جس نے اس واقعہ سے قریباً پانسو سال بعد تاریخ لکھی ہے اُس کی نسبت صدر جہاں منہاج سراج کی تاریخ طبقات ناصری سلطان محمد غوری کے حالات کی بابت زیادہ معتبر ہے جس کا باپ سلطان محمد غوری کا قاضی عسکر اور ہندوستان کے معرکوں میں موجود تھا اور خود منہاج سراج اس واقعہ سے ۳۳ سال بعد عہد التمش میں ہندوستان آیا۔ ناصر الدین قباچہ اور التمش کی ملازمت میں کئی ایک ملوک غوریہ اور بہادران اسلام سے ملاقی ہوا جو معرکہ دوئم تراوڑی میں موجود تھے اُس میں یہ واقع درج نہیں جو نہایت ضروری تھا حالانکہ طبقات ناصری میں جو دراصل خاندان غوری کی تاریخ ہے۔ سلاطین بلکہ ادنےٰ ادنےٰ سرداران غوریہ کے رطب و یابس جملہ حالات درج ہیں۔ علاوہ اس کے صبح سے شام تک ہندوؤں کا سینہ سپر ہونا اور گھبراہٹ نہ کھانا اس امر کی دلیل ہے کہ ناگہانی حملہ نہیں ہوا تھا اگر ہوا تھا تو ہندو فوج باانتظام کیل و کانٹے سے درست تھی اُس کو اس قسم کے حملہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ✦

ہندو مورخ لالہ سجان رائے کھتری بھنڈاری بٹالوی خلاصۃ التواریخ میں ناگہانی حملہ یا دھوکہ کا ذکر نہیں کرتا بلکہ ہندوؤں کی تیاری اور بہادرانہ مقابلہ کا ذکر پرزور لفظوں میں بیان کرتا ہے اس قسم کی سند صریح دلیل ہے کہ اگلے ہندو شکست تراوڑی کو کسی غلطی یا دھوکہ سے منسوب نہ کرتے تھے۔ مورخ مذکور جنگ کا خاکہ غزل کی نظم میں کھینچتا ہے ✦

نظم

صف ترکان رسید بہر مصاف — تیغ برکرد ہندوان زغلاف

ترک و ہندو بہم درافتادند — داد مردی و مردمی دادند

جوئیہائی زخوں چو گشت روان — سر آن کشتگان بسیل دوان

ہندو و ترک بسکہ کشتہ شدہ — دشت ہموار پشتہ پشتہ شدہ

ترک را دست چیرہ دست افتاد — لشکر ہند را شکست افتاد

نظارہ جنگ

ہندو سلطنت کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا یہ جنگ ۵۸۸ھ بمقام تراوڑی ہوا۔ سلطان نے راتوں رات حملہ کی تیاری کر لی اور صبح ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ فوج کے چار حصے (ڈویژن) کر کے ہر ایک ڈویژن جان باز بہادر جرنیل کے ماتحت رکھا اور خود بارہ ہزار انتخابی سوار لیکر الگ کھڑا ہوا جس میں زیادہ ترائس کے نمک پروردہ اور تربیت یافتہ غلام تھے۔ یہ غلام جو سلطان کی اولاد شمار ہوتے تھے اپنے مجازی باپ سلطان کی شجاعت سے پورا حصہ رکھتے تھے سب سے پہلے ایک حصہ فوج آگے بڑھا اور حسب ہدایت کچھ دیر لڑ کر پیچھے ہٹا۔ ہندوؤں نے شکست کا خیال کر کے جوش تہور سے حملہ کیا اور انتظام صف بندی قایم نہ رہا یہ دیکھ کر مسلمانوں نے مڑ کر ایسا حملہ کیا کہ ہزاروں ہندو کھیت رہے۔ جب یہ ڈویژن تھک گیا تو دوسرے تیسرے چوتھے حصہ فوج نے باری باری سے حملات کئے اس تجویز سے اسلامی لشکر تازہ دم ہو کر لڑتا رہا۔ مگر ہندو بہادروں نے کمال درجہ کے ثبات و استقلال سے کام لیا۔ ہر بار مسلمانوں کو مار مار کر ہٹا دیا اور کوئی حملہ کارگر ہونے نہ دیا۔ جب صبح سے عصر تک برابر تول کی لڑائی رہی اور ہندو ایک انچ پیچھے نہ ہٹے تو بہادر سلطان جسکو مورخین رستم ثانی اور حیدر کرار لکھتے ہیں فوج خاصہ کے ساتھ جو ابھی تازہ دم تھی حملہ آور ہوا۔

مؤلف

شہ غور چون دید دشمن دلیر — بجنبش درآمد چو غضنفر شیر

بفوج عنانان مغفر د سوار — [illegible] شدن کارزار

بہر سو کہ بازو برافراختے | سرِ خصم در پائیش انداختے
کسے را نہ بُد پیش او تاب جنگ | ز پیل و ہژبر و نہنگ و پلنگ
بہ تیغ جہاں سوز دشمن گزائے | درآورد بیں گردناں را ز پائے
ہراول شکستہ بقلب اندروں | محمد شہ غوز حیدر رموں +
بنوک سناں ہم بگرز گراں + | شکستہ سر و سینۂ ہندواں
ازیں حملہ تند سیل رواں | نماندہ بجائے راجہ و تاکراں

یہ حملہ اس تیزی و تندی سے کیا گیا کہ مقدمہ و ہراول ہنود کو مار کر عین قلب پر جا پڑا اس کے ساتھ ہی اسلامی میمنہ و میسرہ نے عام ہلہ کر دیا جس اسلامی جوش کو ہنود روک نہ سکے اور اُن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بہادر کھانڈے راؤ (گوبند رائے) معہ کئی ایک بہادر راجگان کے ملک و قوم پر قربان ہوگیا۔ ہزارہا ہنود میدان میں مارے گئے۔ خود راجہ پرتھی راج بقول فرشتہ بھاگتا ہوا قید ہوا۔ اور سلطان کے حکم سے مارا گیا۔ ہزاروں سپاہی قید اور کروڑوں کا مال غنیمت فاتح فوج کے ہاتھ لگا +

بعض ہنود کی غلط فہمی

ہندوؤں کا یہ خیال کہ راجہ پرتھی راج قید کیا گیا اور اندھا کر کے غزنی بھیجا گیا۔ اور چاندا باد فروش کی ترغیب و سازش سے نشانہ بازی دکھاتے ہوئے سلطان محمد غوری کو قتل کیا اور اسی پاداش میں راجہ پرتھی راج اور چاندا باد فروش غزنی یا غور میں مارے گئے درست نہیں۔ مؤلف آئین اکبری نے حسب عادت اس پر کوئی محاکمہ نہیں کیا۔ اس روایت کو غیر فیصل چھوڑا ہے۔ مؤلف سیر المتاخرین۔ آئین اکبری کا حوالہ دیتے ہوئے صاف لکھتا ہے کہ ہندو تاریخ راج دلی اور راج ترنگنی میں راجہ کا میدان تراوڑی میں مارا جانا لکھا ہے۔ ہندو مورخ سجان رائے اور بھگوانداس کا بھی یہی قول ہے۔ کیا تمام مسلمان مورخ جن کی تاریخی دلچسپی اور صحیح واقعہ نگاری کے فضلائے یورپ بھی معترف ہیں اسقدر ناواقف اور بے خبر تھے کہ راجہ پرتھی راج اور سلطان محمد غوری غزنی میں مارے جائیں اور وہ دونوں کا قتل گاہ تراوڑی واقعہ تھانیسر اور منزل دھمیک واقع ضلع جہلم بیان کریں مسلمانوں میں تاریخ وفات کا رواج مدت سے چلا آتا ہے۔ سلطان محمد غوری کی شہادت پر ایک شخص کے

ہمعصر فاضل نے ذیل کی تاریخ وفات لکھی ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ منزل دھمیک راہ غزنی میں شہید ہوا۔ یہ قطعہ تاریخ طبقات ناصری میں موجود ہے جو واقعہ شہادت سلطان کے قریب العہد لکھی گئی ہے۔

قطعہ تاریخ

شہادت ملک بحر و بر معز الدین ۔۔۔ کز ابتدائے جہان شہ چو او نیامد یک
سوم ز غرہ شعبان بسال شش صد و دو ۔۔۔ فتاد در رہ غزنی بمنزل دھمیک

اس زبردست عینی شہادت سے سلطان کا منزل دھمیک میں جو راہ غزنی میں واقع تھا شہید ہونا ثابت ہوتا ہے۔ رہا یہ امر کہ منزل دھمیک کہاں واقع ہے وہ اسوقت ضلع جہلم میں سوہاوہ ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے اور وہاں کے باشندے اس موقع کو سلطان محمد غوری کی جائے شہادت بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہاں کے نمبردار نے افسر مال ضلع جہلم کے مکان پر مجھ سے بیان کیا تھا پس اسقدر تائیدی شہادت کے ہوتے کسی شاعرانہ یا بادفروشانہ افسانہ کو تاریخی سند قرار دینا مورخانہ اصول کے خلاف ہے۔ جملہ مورخین سلطان کی شہادت کھوکھروں یا فدائی کھوکھر کے ہاتھ سے لکھتے ہیں جس کی مفصل بحث ہم آئندہ شہادت سلطان کے تذکرہ میں کریں گے پس یہ خیال کہ سلطان راجہ کے ہاتھ سے اور راجہ بپاداش قتل سلطان غزنی یا غور میں ملازمین سلطان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاریخی اسناد اور اعتبار سے ساقط ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ سلطان نے سات دفعہ راجہ پرتھی راج سے شکست کھائی اور آٹھویں یا ساتویں دفعہ قنوج کی فوج کی مدد سے فتح پائی قابل تسلیم نہیں۔ اگر ان شکستوں سے مراد یہ ہے کہ ایک میدان میں سات دفعہ سلطان پسپا ہوتا رہا تو یہ ممکن ہے لیکن اگر یہ مراد ہے کہ سلطان سات بار ہندوستان آیا اور ساتوں دفعہ راجہ پرتھی راج سے شکست پاکر واپس غزنی گیا اور ہر بار جدید فوج لے کر پرتھی راج سے لڑنے آیا تو یہ درست نہیں فتح غزنی کے بعد اس کے حالات ملتان۔ گجرات۔ پشاور۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ وکر لاہور پر ہوئے ہیں جن کا حال سال وار ہم نے لکھ دیا ہے اور جن سالوں میں سلطان نے ہندوستان پر حملہ نہیں کیا ان سالوں کے واقعات طبقات ناصری میں غیاث الدین کے تذکرہ میں درج ہیں پھر معلوم

نہیں ہوسکتا کہ کس سن اور تاریخ کو پرتھی راج سے سات دفعہ معرکہ آراء ہو کر شکست یاب ہوا ساتویں حملہ میں شکست اور آٹھویں میں فتح پائی۔ اس قسم کے تاریخوار واقعات کی موجودگی میں بے سند دعوے مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

تیسری غلط فہمی پرتھی راج کی چند ورقہ سوانح عمری میں دیکھی ہے اگرچہ وہ ایک ناول نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ نوجوان ہندو صاحبان اس کو تاریخی رتبہ دے رہے ہیں اس لئے بخیال اصلاح عرض کیا جاتا ہے اس معرکہ عظیم میں راجہ قنوج کا معہ فوج شامل ہونا درست نہیں اگر ہم اس سوانح نگار کے چند اوراق کو تاریخی درجہ دیں تو بھی جس ترتیب سے اُس نے واقعات لکھے ہیں اُس سے پایا جاتا ہے کہ پہلے حملہ میں پرتھی راج نے سلطان کو شکست دے کر نواح دہلی میں قید کر لیا اور سلطان کی عجز و الحاح پر رحم کھا کر رہا کیا دوسری دفعہ بھی سخت شکست کھائی اور ایک خلجی جوان میدان سے زندہ بچا کر لے گیا اور یہ دونوں فتح راجہ پرتھی راج نے محض اپنی ذاتی طاقت اور بہادر ہمراہیوں کی ہمت سے حاصل کی تھیں اس کے بعد راجہ قنوج کی بیٹی سنجوگتا کے لے بھاگنے کا واقعہ ہوا۔

جب راجہ دو دفعہ سلطان کو شکست دے چکا اور ایک دفعہ قید بھی کر چکا تھا۔ تو ایسے عظیم الشان راجہ کا راجہ قنوج کی مخالفت سے کیا بگڑ سکتا تھا اور جو راجہ قنوج اور اُس کی فوج پرتھی راج کے ایک سو یا دو سو (سامنت) سورماؤں سے شکست کھا کر راج کنواری چھنوا کر ننگ و ناموس برباد کر چکا تھا اور پرتھی راج کا ایک بال تک بیکا نہ کر سکا۔ اُس کی فوج خواہ کسی طرف شامل ہو یا نہ ہو فتح و شکست پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی۔ سلطان جس نے بعد فتح اجمیر کی حکومت راجہ پرتھی راج کے بیٹے کو دیدی اگر راجہ قنوج سلطان کے ساتھ شامل جنگ ہوتا تو اجمیر راجہ قنوج یا اُس کے کسی آور وہ کو دیا جاتا۔ جو خاندان پرتھی راج سے زیادہ قابل اعتبار ہوسکتا تھا۔ راجہ قنوج اور پرتھی راج کے وزیر بھگندر کو وجہ شکست قرار دینا روایت و درایت کے خلاف ہے اس میں شک نہیں کہ راجہ قنوج نے پرتھی راج کا ساتھ نہیں دیا اور قومی جرم کیا لیکن اگر شامل بھی ہوتا تو ہندو فوج جو پہلے ہی مسلمانوں سے تین گنا تھی چند ہزار اور بڑھ جاتی

فتح کے حقیقی اسباب

اس دفعہ مجاہدین اسلام کی پرجوش انتقامی اولوالعزمی کا نتیجہ یقینی فتح تھا۔ سلطان نے اس دفعہ فوج کو عہد صحابہ کرام رض کی طرح مستعد جنگ کیا تھا اور غازیان اسلام سابقہ شکست کا

انفروا خفافاً وثقالاً الخ کے اعلان واجب الاذعان کی تعمیل میں ہتھیار اوٹھاتے تھے اور اسی قومی اور انتقامی لڑائی کیلئے جان دینا اور
سلمانوں کی چھ سو سال کی فاتحانہ شہرت پر جو داغ لگا تھا اور داغ بھی اس قوم کے ہاتھ سے جسکو غازیان اسلام ہمیشہ گاجر مولی کیطرح کاٹتے
رہے تھے اُس داغ کے مٹانے کے لئے بفحوائے آیہ کریمہ وقاتلوا هم في سبيل الله الخ کے جوش میں بھرے ہوئے تھے سرہند
دہانسی آندوی ستلج کا دو صدی کا مقبوضہ اسلام علاقہ ... ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ ایسے علاقے سے ہندؤں کا نکالنا بتعمیل آیہ کریمہ اخرجوهم
من حيث اخرجوكم ہر ایک مسلمان کا فرض تھا۔ غزوات ہند کی فضیلت مسلمانوں کیلئے اونہیں بفحوائے حدیث شریف۔ عن ثوبان
مولی رسول الله صلعم قال قال رسول الله صلعم عصابتان من امتي احرزهما الله من النار عصابة تغزوا الهند
وعصابة تكون مع عيسى ابن مريم[1] بھی ہوئی تھی اور غزوات ہند کا ثواب رفاقت عیسیٰ علیہ السلام کے برابر تھا دوسری
حدیث سے غزوات ہند میں شہید ہونیوالے افضل الشہداء ثابت ہوتا حدیث یہ عن ابی هريرة[2] قال وعدنا رسول الله صلعم
غزوة الهند فان ادركتها انفق فيها نفسي ومالي وان قتلت كنت افضل الشهداء الخ۔ یہ
پیشگوئی پیغمبر کی اسلامی دنیا میں مشہور تھی اسوقت میں جبکہ اسلامی شجاعت پر بھی بٹہ نہیں لگا تھا بلکہ شکست تراوڑی نے ہندوستان سے
اسلام کے اخراج کا یقین کرا دیا تھا اور علاوہ سلطان غوری کے باہر بھی مسلمان اس شکست کے نتائج کو بھانپ گئے تھے اسلئے علمائے
اسلام نے قومی تحریک شروع کی اور عام جہاد اور غزوات ہند کی فضیلت ضرور بیان کی فخر اسلام امام فخر الدین رازی رح جیسے فلاسفر
مورخ اور پر جوش مؤثر واعظ جس کی دل ہلانیوالی فاضلانہ تقریر سنکر شیر دل سلطان محمد غوری بھی رو دیا کرتا تھا لشکر اسلام میں زبردست
واعظ موجود تھے ان تمام تحریکوں نے مسلمانوں کو ہندوستان کیطرف متوجہ کر دیا اور فتح ہندوستان نے مسلمانوں کے خیالات پر اسقدر تسلط کر لیا کہ اُن کو
خواب بیداری میں غزوہ ہندوستان کا نقشہ دکھائی دینے لگا۔ بزرگان دین نے عالم مثال میں ایسی پائی معاد دیکھیں جنکی ہندوستان میں
شمولیت ضروری ہو گئی۔ چنانچہ عرب سے سید احمد بانسوی اور ایک دوسرے شیخ پیر طریقت کو خواب میں حضرت رسول الله صلعم نے لشکر غازیان ہندوستان میں
شامل ہونیکا ارشاد کیا (دیکھو کتاب قصر عارفاں موجودہ کتبخانہ کونکی انقعہ بہاولپور) یہ دونوں صاحب عرب سے معہ کئی دیگر عرب مجاہدین کے اس جنگ
عظیمہ میں شامل ہوئے اسیطرح دیگر ممالک اسلامی ترکستان وغیرہ سے مجاہدین اس غزوہ عظیمہ میں آکر شامل ہوگئے تھے۔ معلوم ہوتا کہ عام مجاہدین کو نہیں لیا
گیا تھا ورنہ تعداد بہت بڑھ جاتی صرف چیدہ اور منتخب بہادر لوگ لیا گیا تھا ایسے انتخابی شہسوار شایق شہادت مسلمان جس فوج میں ہوں
انکا مقابلہ ہندو فوج کیا کوئی قوم نہیں کرسکتی ایسے غازیوں کے حالات تذکرہ بہادران اسلام میں لکھے گئے ہیں۔ پس اس فیصلہ کن جنگ عظیم کی
فتح کا باعث ہندوؤں کی طوائف الملوکی تھی اور نہ جے چند کی علیحدگی۔ کثرت فوج اور زر و دولت قومی جوش کی ہندوؤں میں کمی تھی جس ثبات یا مردی
سے مقابلہ کیا گیا وہ ہندوؤں کے لئے قابل فخر ہے فتح کیوجہ مسلمانوں کا جہادی جوش شوق غزا و شہادت ایثار نفس تھا اور یہ ہی نسخہ ہے کہ جسکے
استعمال سے ہر ایک زمانہ میں مسلمان کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة کا عینی مشاہدہ بارہا دکھا چکے تھے اور ظفر مندی کا نشان
دور دور تک گاڑ چکے تھے۔ افسوس اسی حقیقی جوش کی کمی نے دنیا کے ہر ایک حصہ میں مسلمانوں کو ذلیل کر رکھا ہے۔

---

[1] سنن نسائی باب غزوۃ الہند کتاب الجہاد رسول الله فرماتے ہیں میری امت کے دو فریق دوزخ کی آگ سے محفوظ رہیں گے ایک تو وہ جو ہندوستان میں جہاد کریگا اور دوسرا گروہ وہ جو عیسیٰ ع کی رفاقت کرے گا ۱۲ [2] ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول الله صلعم نے ہم سے غزوہ ہند کا وعدہ فرمایا اگر میں نے اسکو پایا تو اپنی جان و مال اس میں خرچ کروں گا اور اگر مارا گیا تو افضل الشہداء ہونگا ۱۲

فتح اجمیر اور خاندان پرتھی راج سے سلوک

اس فتح عظیمہ کے بعد سلطان محمد غوری اجمیر کو بڑھا۔ پرتھی راج کا بیٹا کسیقدر جنگ کے بعد مغلوب ہوا۔ سلطان نے نہایت فیاضی سے پرتھی راج کے بیٹے کو تاج بخشی کی۔ اگر محمد غوری کینہ ور تنگ چشم یا زمانہ حال کی پالیسی کا پابند ہوتا تو کم سے کم پرتھی راج کے خاندان کی جگہ کسی اور ہندو خاندان کو حکومت اجمیر دیتا جس کو سلطان سے کوئی سابقہ عداوت نہ ہوتی مگر چونکہ سلطان ایک سچا بہادر اور اسلامی شرافت سے حصہ رکھتا تھا۔ خاندان پرتھی راج کے استیصال کے درپے نہ ہوا۔ بلکہ بدستور سابق حکومت اجمیر اسی خاندان میں قائم رکھی۔ اجمیر سے چل کر بیانہ کو مطیع کیا۔ اور دہلی کو روانہ ہوا :۔

سلطان محمد غوری کا دہلی سے سلوک

بیانہ سے دہلی آیا اور حاکم دہلی کی معمولی اطاعت پر حسب شریعت اسلام اکتفا کر کے بروایت طبقات ناصری دہلی میں داخل ہوئے بغیر باہر باہر ہی سے چلا گیا۔ اجمیر اور دہلی کا نہ لوٹنا سلطان کے اس طرز عمل کو بخوبی ثابت کرتا ہے۔ جو وہ مفتوحہ امصار سے برتتا تھا۔ اگر بقول معترضین سفاک لٹیرا۔ مردم آزار۔ لالچی ہوتا تو اجمیر اور دہلی جیسے دولت مند اور زبردست دشمنوں کے مولد و موطن کو ضرور لوٹتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا اور نہ اس عظیم الشان مہم میں کوئی ہندو جبراً مسلمان کیا گیا۔ ہزاروں اسیران جنگ کی نسبت بھی جبراً اسلام کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ اسوقت کے مؤرخ جو کسی پالیسی کے پابند نہ تھے ایسی کوئی مثال نہیں لکھتے کہ جس سے ہندوؤں کا جبراً مسلمان کرنا ثابت ہو سکے۔ سلطان محمد غوری جو ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی مستقل بنیاد رکھنی چاہتا تھا اور بہادر جرنیلوں کو ہندوستان کی آیندہ فتوحات کے لیے مقرر کرنے والا تھا کسطرح ایسے خطرناک اور خلاف شرع امر کا ارتکاب کر سکتا تھا۔ وہ پرتھی راج جیسے خونخوار دشمنوں کے خاندان کو فیاضانہ سلوک سے گرویدہ کر رہا تھا اور اس سے دیگر ہندو راجگان کو اطاعت و محبت کا سبق دے رہا تھا پھر ایسا مدبر فاتح بقول متعصب برج صاحب کے بانکے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کسطرح کر سکتا تھا :۔

قطب الدین ایبک کی گورنری ہندوستان

سلطان نے اپنے بہادر غلام قطب الدین کو کہرام جو دہلی سے ستر میل جانب شمال واقع ہے اپنا نائب (ویسرائے) مقرر کر کے واپس غزنی گیا۔ یہ تقرری ہندوستان میں مسلمانوں کی مستقل سلطنت کی علامت تھی۔ اس سے پہلے پنجاب سے آگے سلاطین غزنویہ کے حکام کبھی مقرر نہیں ہوئے تھے۔ پرتھی راج کے بعد جو اس علاقہ کا راجہ تھا سلطان کا فاتحانہ استحقاق تھا۔ بہادر قطب الدین نے تمام علاقہ دامن کوہ سوالک پر تصرف کر لیا اور پھر اسی سال میرٹھ اور دہلی کو بے رعب ہندو حکام سے چھین کر اپنا دار الصدر مقرر کیا۔ یہ انقلاب ۵۸۸ھ میں ہوا۔

دہلی اور شاہان اسلام

دہلی کی تاریخ کئی بزرگوں نے لکھی ہے اور انشا پردازی کا زور بھی دکھایا ہے۔ اور اس کی قدامت ثابت کی ہے۔ لیکن تاریخی سند سے عموماً خالی ہے۔ قدامت کے لئے پانڈوان کا آباد کیا ہوا شہر بیان کیا جاتا ہے جسکا نام اندرپرست یا اندرپت تھا۔ مگر موجودہ دہلی یا پرانی دہلی کا اندرپرست کے موقعہ پر آباد ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ خود دہلی کا لفظ بتلا رہا ہے کہ دہلی اور اندرپرست ایک نہیں۔ دہلی کو ڈھلی لفظ سے بگڑا ہوا یا دلیپ پور سے نکلا ہوا جاننا بھی شاعرانہ گپ ہے۔ بہرحال دہلی کو راجہ دہلو سے منسوب کرنے میں تکلف نہیں ہوتا۔ راجہ دہلو بقول فرشتہ راجہ فور (پورس) سے شکست پا کر قید ہوا۔ اور پور سکندر سے مقہور ہوا۔ اسلئے دہلی کی بنیاد مسیح علیہ السلام سے قریباً اڑھائی سو سال پہلے کی قرار دیجا سکتی ہے۔ شہر دہلی کا اس سے پہلے آباد ہونا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ابو الفضل آئین اکبری جلد دوئم صفحہ ۱۴۷ پر لکھتا ہے کہ ۴۲۹ سنہ بکرماجیتی میں انگ پال قوم تولوز نے شہر دہلی کو آباد کیا ہے۔ ۸۴۸ سنہ بکرماجیتی میں بلدیو چوہان راجہ اجمیر نے پرتھی راج تولوز راجہ دہلی کو شکست دی اور دہلی پر قبضہ کر لیا بلدیو کی ساتویں پشت میں راجہ پتھورا ہوا ہے۔ جسکا مقابلہ سلطان معز الدین محمد غوری سے ہوا اور انگ پال تولوز کا دہلی کو مکرر ۱۰۵۲ء میں آباد کرنا اور رائے پتھورا (پرتھی راج) کے باپ سے شکست پانا جیسا کہ پرائمری اردو کورس مروجہ مدارس پنجاب میں لکھا ہے کسی طرح

درست نہیں ہو سکتا جب اننگ پال سوم نے مکرر ۵۲ ۱۰ ء میں دہلی کو آباد کیا تو زیادہ سے زیادہ اُس نے پچاس سال پادشاہی کی ہوگی اور پھر پرتھی راج جسکو اُس کا نواسہ بتلانے کہا جاتا ہے راجہ دہلی ہوا ہوگا۔ محمد غوری کی پہلی لڑائی ۱۱۹۱ء میں اور دوسری لڑائی ۱۱۹۳ء ہوئی ہے۔ اس سے پرتھی راج کی مدت حکومت ۹۱ یا ۹۳ سال اور عمر ایکسو سال سے زیادہ ماننی ہوگی حالانکہ بقول ابوالفضل جس کے بھائی فیضی اور ہم مکتب عبدالقادر اور شیخ محمد سلطان تھانیسری نے کئی سنسکرت کی تاریخی کتابوں کا ترجمہ عہد اکبری میں کیا تمام ہندوستان کے فضلائے سنسکرت دربار دہلی میں محکمہ ترجمہ میں کام کرتے اور ہندو فاضل اور محقق ابوالفضل کو ملتے تھے اسی وجہ سے آئین اکبری ایک ہندو قلم کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے وہ آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۱۴۶ پرتھورا کے ایام حکومت ۴۹ سال پانچ ماہ ایک یوم لکھتا ہے۔ اور اخیر راجہ خاندان تولوز کے بعد خاندان چوہان کی فرمانروائی کا زمانہ بلدیو سے لیکر پتھورا تک ۸۳ سال ایک ماہ ۲۸ یوم بتلاتا ہے۔ اسلئے یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ راجہ پرتھی راج سے پہلے چوہان خاندان کے چند راجہ دہلی میں حکمران رہ چکے تھے اگر پہلا چوہان راجہ پرتھی راج ہی ہے تو اخیر راجہ خاندان تولوز ۱۰۵۲ء میں دہلی کا راجہ نہ تھا:۔

بہر حال ہندو عہد کی تاریخ لکھنے میں یہی مشکلات ہیں کہ سررشتہ تعلیم پنجاب کی ٹکسٹ بک کمیٹی کو بھی صحیح روایت کا ملنا مشکل ہوگیا۔ پھر ماوشما کس برتے پر ہندوؤں کی صحیح تاریخ لکھنے کا دعوے کرسکتے ہیں:۔

بہر حال دہلی کی آبادی کا صحیح صحیح حال تبلانا تو مشکل ہے اور یہ بھی درست نہیں کہ شہر دہلی چوہان خاندان سے پہلے کوئی زبردست راجدھانی تھی اگر ہوتی تو سلطان محمود جس نے بھٹنڈا۔ بھٹنیر۔ لاہور۔ نگرکوٹ۔ میرٹھ۔ متھرا۔ گوالیار۔ کالنجر۔ قنوج وغیرہ تمام بڑے بڑے مشہور قلعوں اور شہروں کو فتح کیا۔ دہلی کو کیوں چھوڑتا۔ اُس کی فتوحات میں نہ کہیں دہلی کا ذکر ہے۔ اور نہ کسی جگہ راجہ دہلی کا نام ہے۔ دہلی میرٹھ کے قریب اور متھرا کے راستہ میں اگر ذرا بھی زیادہ مشہور ہوتا تو سلطان محمود کے غازیانہ ہاتھوں سے کبھی نہ بچ سکتا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں دہلی قابل توجہ سلاطین نہ تھی بلکہ اسوقت میرٹھ جو ایک راجہ کی راجدھانی تھی زیادہ مشہور تھا۔ سلطان مسعود بن سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جب ہندوستان پر حملہ کیا تو ہانسی کی فتح کے بعد سونی پت پر چڑھ گیا۔ جہاں کا راجہ دیپال ہر اُس نواح

میں کثرت فوج اور مال و دولت میں مشہور تھا۔ سونی پت کو فتح کیا گیا اور دہلی کو جو اُس کے قریب تھی چھوڑ دیا گیا اِس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُسوقت دہلی سونی پت سے بھی کم طاقت تھی اس نواح میں سات قلعہ لکھے ہیں جن میں ایک اندرپت بھی لکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسوقت قلعہ تو تھا لیکن کسی اور زبردست راجہ کی ماتحت راجہ میرٹھ اور سونی پت کی تباہی پر دہلی کا ستارہ چمکا اور چوہان راجگان کے زیر حکومت زبردست سلطنت بن گئی۔

سلطان قطب الدین اور شمس الدین التمش قلعہ رائے پتھورا ہی میں مقیم رہے اور دہلی شاہان ہندوستان کا پائہ تخت مقرر ہوئی اور دہلی کی دولت و عظمت اور شوکت عمارات بڑھنے لگی۔ اور ہر ایک پادشاہ اپنے اپنے عہد میں جدید یادگاری عمارتوں۔ قلعوں۔ چھاونیوں اور بستیوں سے اس دارالخلافہ کی شان بڑھاتا رہا اور اپنے اپنے مذاق اور ضرورت کے مطابق مختلف موقعوں پر نئی نئی بستیاں قائم کرتا رہا اور اسلامی اولوالعزمی اور قدردانی صنعت و حرفت کا ثبوت دیتا رہا۔ سلطان قطب الدین اور شمس الدین التمش کی سب سے ممتاز یادگار قطب صاحب کی لاٹھ ہے جو قطب الدین کے عہد میں شروع ہوئی۔ التمش کے عہد میں بیس سال کے عرصہ میں ختم ہوئی۔ غیاث الدین بلبن نے دوسرا قلعہ تعمیر کیا۔ کیقباد نے دریائے جمنا کے کنارہ ایک جدید شہر کیلوکری آباد کیا۔ ہمایوں کا مقبرہ اسی جگہ ہے۔ علاء الدین خلجی نے ایک نیا شہر اور قلعہ سیری نام آباد کیا۔ تغلق شاہ نے تغلق آباد اور محمد تغلق نے سنگ مرمر کی عالیشان عمارت ہزار ستون سر بفلک تعمیر کر دکھائی۔ فیروز شاہ نے اپنے نام پر فیروز آباد اور اس سے تین کوس کے فاصلہ پر شاہی محل جہاں نما نام بنوایا اور فیروز آباد سے جہاں نما۔ پرانی دہلی۔ دریا تک تین سرنگ (ٹنل) بنائی گئی تھیں جس میں پرانی دہلی کی سرنگ کا فاصلہ پانچ کوس اور جہان نما کا دو کوس تھا یہ سرنگیں (ٹنل) اسقدر فراخ اور وسیع تھیں کہ بادشاہ معہ بیگمات بحالت سواری گذر سکتا تھا یہ تمام جدت پسندی محض قدردانی صنعت و حرفت کا نتیجہ تھا جس میں شاہان اسلام ممتاز رہے ہیں۔ مغلوں کے عہد میں جسقدر دہلی کی رونق بڑھی اور دہلی کو شوکت و عظمت حاصل ہوئی وہ سلطنت مغلیہ کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔ الغرض دہلی کو جسقدر ناموری اور عزت حاصل ہوئی ہے وہ شاہان اسلام کے عہد میں حاصل ہوئی ہے۔ ضرور چوہان خاندان کے عہد میں دہلی کی ترقی شروع ہوئی۔ اور ہندو آنہ ترقی راجہ پرتھی راج کے عہد میں مکمل ہوئی مگر اُس کو اسلامی عہد سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ پس اگرچہ شاہان

اسلام کی آباد کردہ بستیوں کا نام نہیں رہا اور وہی دہلی ہی مشہور رہے۔ مگر دہلی کو شاہان اسلام سے وہی نسبت ہے جو دمشق کو بنی امیہ سے بغداد کو عباسیوں سے بخارا کو سامانیوں سے غزنی کو آل محمود سے ہے پس ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے دہلی ایک زندہ تاریخ ہے جس میں ہزاروں دیگر اسلامی یادگاروں کے علاوہ سلاطین معنوی شیخ المشائخ خواجہ قطب الدین رضی اللہ عنہ۔ حضرت محبوب آلہی نظام الدین اولیا۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دھلوی وغیرہ سینکڑوں اولیاء اللہ اور شاہان صوری میں سے التمش۔ ناصر الدین محمود۔ غیاث الدین بلبن۔ علاء الدین خلجی۔ مبارک۔ غیاث الدین تغلق۔ محمد تغلق۔ فیروز شاہ۔ بہلول و سکندر لودھی۔ ہمایوں وغیرہ سب دہلی کے سرزمین میں سوئے ہوئے ہیں۔ پس اسی وجہ سے ہندوستان کے ہر ایک مسلمان کو دہلی سے خاص تعلق ہے اور وہ دہلی کو ایک اسلامی شہر جانتا ہے اور محقق مورخوں کے لئے خواہ کسی مذہب و قوم کے ہوں ہندوستان میں دہلی سے بڑھ کر اور کوئی جگہ تاریخی درجہ نہیں پا سکتی :۔

گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کے عہد میں گو گورنر جنرل بہادر کشور ہند کا صدر مقام نہونے کے سبب دہلی کو عزت حاصل نہیں ہوئی مگر ہر ایک دربار شاہی کے انعقاد کا اعزاز دہلی کو ہی نصیب ہوتا رہا جس سے معناً گورنمنٹ انگریزی کی دار السلطنت ہندوستان دہلی ہی مفہوم ہوسکتی ہے۔ اور شاید کوئی وقت آجائے کہ دہلی کو سرکاری کاغذات میں بھی دار السلطنت کے خطاب سے مخاطب کیا جائے جو ہر ایک طرح موزون ہے :۔

فتح قنوج

جے چند راجہ قنوج جنگ ترا دری میں ہندو فوج میں شامل نہیں ہوا تھا۔ مگر اس علیحدگی کو کسی مسلمان مورخ نے وجہ سازش نہیں لکھا۔ دوسرے سال ہی سلطان کا جے چند سے لڑنا عدم سازش کو ثابت کرتا ہے۔ جے چند کی علیحدگی قومی خیال سے نہایت معیوب تھی مگر اس کی شمولیت سے بھی وہی نتیجہ نکلتا جو علیحدگی سے نکلا۔ جے چند اگرچہ دولت اور قدامت خاندانی اعتبار سے بڑھا ہوا تھا مگر فوجی طاقت اور قومی رسوخ کے رو سے پرتھی راج سے بہت کم تھا۔ جب سلطان ۵۹۰ھ میں فتح قنوج کے لئے روانہ ہوا تو جے چند صرف تین سو ہاتھی میدان میں لاسکا اور پرتھی راج کے ساتھ تین ہزار جنگی ہاتھی موجود تھے

پرتھی راج کو سلطان محمد غوری نے صبح سے شام تک اور بقول ہنود دو یا چار روز کی خونخوار لڑائی کے بعد مغلوب کیا اور جب تک کہ سلطان نے خود حملہ نہ کیا تھا دران غوری پرتھی راج کی بہادر فوج کو ایک قدم پیچھے نہ ہٹا سکی اور جے چند سلطان کے ہراول قطب الدین کے حملہ کی بھی تاب نہ لا سکا اور تمام ساز و سامان ہاتھی گھوڑے نقدی وغیرہ کھو کر بھاگ گیا یا ہلاک ہوا۔ یہ لڑائی مقام چندواڑہ متصل اٹاوہ کے ہوئی تھی۔ اسی قیاس سے ہم نے لکھا ہے کہ اگر جے چند میدان تراوڑی میں موجود ہوتا تو بھی کامیابی محال تھی:-

فتح بنارس اور جبراً مسلمان کرنے کے الزام کی تردید

اِس فتح کے بعد سلطان نے قنوج کے خزانوں پر قبضہ کر لیا اور وہاں سے بنارس گیا جو قنوج سے دوئم نمبر پر جے چند کا صدر مقام تھا۔ یہاں ایک ہزار بت خانے توڑے گئے اور غالباً مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ یہی مسجدیں تھیں جو عہد جہانگیر یا اکبر میں زور پا کر ہندوؤں نے مسمار کیں اور مندر تعمیر کئے اور شاہجہان نے مندر گروا دئے اور اورنگ زیب بھی بنارس میں مسجدیں تعمیر کراتا رہا۔ جسکا ذکر موقعہ پر کیا جائیگا۔ سلطان محمد غوری کے تمام حالات میں یہی ایک واقعہ ہے کہ جس سے بتوں کا توڑنا اور مندروں کا گرانا ثابت ہوتا ہے مگر یہاں یا کسی اور جگہ کسی ہندو کو جبراً مسلمان کرنا ہرگز نہیں پایا جاتا جس سے لیتھبرج صاحب کا یہ الزام کہ سلطان محمد غوری " راجپوتوں کو جو بڑے مغرور تھے بزور شمشیر طریق اسلام پر لانا چاہتا تھا " کسی تاریخی واقعہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ جب محمد غوری کی عملی کارروائی سے تو راجپوتوں کا جبراً مسلمان کرنا ثابت نہیں ہو سکتا تو پھر لیتھبرج صاحب نے کئی صدیوں بعد سلطان کی نیت کو کسطرح بھانپ لیا۔ اگر سلطان کا خیالی عزم معلوم بھی ہو گیا ہو تو انگریزی قانون کا مشہور مسئلہ کہ اقدام وارتکاب میں فرق ہے اور نیت کرنا کوئی جرم نہیں جبتک کہ فعل میں نہ لائی جائے۔ لیتھبرج صاحب کا اس قسم کا بہتان لگانا انسانی کانشنس کا خون کرنا ہے مسلمان مورخ جب ایک ہزار بتخانہ کے واقعہ کو صاف لکھ رہے ہیں تو اگر ہندو مسلمان طوعاً یا کرہاً کئے جاتے تو اسکو بھی بلا تردد لکھدیتے کیونکہ مورخین سلف کو کسی قسم کے اعتراض کا خوف نہ تھا اور نہ وہ زمانہ حال کیطرح کسی پالیسی کے پابند تھے جو واقعہ دیکھتے یا معتبرین سے سنتے

بالکم وکاست لکھ دیتے تھے :۔

بتوں کا توڑنا اور مندروں کا گرانا یہ تقلید سنت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا جس کی بابت ہم سلطان محمود غزنوی کے حال میں مفصل بحث کر آئے ہیں۔ پس سلطان محمد غوری کا عام برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ وہی تھا جس کا حکم اسلام دیتا ہے کہ کسی کو جبراً مسلمان نہ کیا جائے اور ذمی غیر مسلم اقوام کے عدالتی حقوق مسلمانوں کے برابر سمجھے جائیں :۔

پرتھی راج کی شکست نے ہندو طاقت کو قریباً نابود کر دیا اور سلطان نے اپنے جرنیل ہی دیگر فتوحات ہندوستان کے لئے کافی تصور کئے چنانچہ قطب الدین نے اجمیر گوالیار۔ گجرات۔ بداؤں کو فتح کیا اور بختیار خلجی نے بنگال کو سر کیا۔ ناصر الدین قباچہ نے سندھ اور سیستان پر سکہ جمایا۔ سلطان واپس غزنی جا کر خراسان۔ خوارزم و ترکستان کے جھگڑوں میں مبتلا رہا اور اس کے جرنیل فتوحات بڑھاتے رہے بقول فرشتہ ۵۹۲ھ میں سلطان ہندوستان آیا اور قلعہ بیانہ فتح کیا مگر طبقات ناصری میں جو حالات غوریہ میں زیادہ معتبر ہے سلطان کا ۵۹۲ھ میں بیانہ فتح کرنا نہیں لکھا :۔

سلطان معز الدین محمد غوری کی شکست خوارزم اور بغاوت پنجاب کھوکھروں میں اسلام

سلطان غیاث الدین ۵۹۹ھ میں ہرات میں فوت ہوا۔ اور اس کی وصیت کے مطابق محمد غوری تاجدار ہوا۔ ملوک غور میں علاقہ غور اور خراسان تقسیم کیا۔ خوارزمی جن کے ساتھ مدت سے بگاڑ چلا آتا تھا۔ اور بہادران غوریہ سے عموماً نقصان اٹھاتے رہے تھے اب سلطان محمد خوارزم شاہ کی حریفانہ پالیسی سے زیادہ بگاڑ ہوا۔ اس لئے سلطان معز الدین محمد غوری ۶۰۰ھ میں خوارزمیوں کے مقابلہ کو نکلا۔ خوارزم شاہ شکست پا کر خوارزم (خیوا) میں قلعہ بند ہوا۔ لڑائی میں غوری امیر بہت مارے گئے۔ اتنے میں عثمان سلطان سمرقند اور چینی تاتار کے کفار مغلوں کا خوارزم شاہ کی امداد پر آنا مشہور ہوا۔ چونکہ سلطان محمد غوری کے اکثر بہادر جرنیل مارے گئے اور فوج کم ہو گئی تھی اسلئے فالتو اسباب چھوڑ کر واپس چلا آیا مغلوں کی فوج نے راستہ

روک لیا۔ لڑائی سخت ہوئی غوری فوج کا حصہ کثیر قتل ہوا۔ کئی وفادار جرنیل سلطان کا بچاؤ کرتے ہوئے اس کے روبرو سینکڑوں حملہ آور مغلوں کو مار کر اپنے بہادر آقا پر نثار ہو گئے ملک ناصر الدین ایتم گورنر ملتان ایک سو سے زیادہ مغلوں کو مار کر سلطان کے سامنے جان نثار ہوا۔ آخر گھٹتے گھٹتے سلطان کے ساتھ صرف ایک سو سوار رہ گئے اور سلطان نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا کہ حسین خرمیل حاکم سیالکوٹ کے سمجھانے اور ایک وفادار غلام کے جبراً عنان اسپ پکڑ کر حملہ سے روکنے کے باعث قلعہ اندخود میں داخل ہوا۔ اور سلطان عثمان سمرقندی کے ذریعہ صلح کر کے بحال تباہ واپس ہوا۔ سلطان کے مارے جانے کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ ایک غلام دھوکہ سے ملتان پر قابض ہو گیا اور کفار کھوکھروں نے لاہور تک ملک دبا لیا۔ سلطان ملتان پہنچا اور باغی کو گرفتار کر کے غزنی گیا۔ ۶۰۲ھ میں کھوکھروں کی گوشمالی کی ایک کھوکھر سردار ایک مسلمان قیدی کی تعلیم سے مسلمان ہوا اور سلطان کی طرف سے کھوکھروں کا حاکم مقرر ہوا جس کے ذریعہ سے اکثر کھوکھر اسلام لائے مگر تاہم کھوکھر خصوصاً کوہستانی بدستور بت پرست رہے۔

یاغستانی افغانوں کی بغاوت اور اسلام

جبکہ شکست خوارزم کے اثر سے ملتانی اور کھوکھر پنجاب میں باغی ہو گئے تھے تو یاغستان کے افغان حسب عادت بغاوت کے علاوہ قافلوں کے لوٹنے اور راستہ روکنے عام مخلوق کے قتل وغارت میں سرگرم رہتے تھے سلطان نے اسدفعہ افغانوں کے قلع قمع پر کمر باندھی۔ کیونکہ یہ لوگ موقعہ پاکر سلطانی مراعات کو پس پشت ڈال کر باغیانہ سفاکی پر اوتر آتے تھے۔ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا ہی سلوک کیا اور سخت سزا پائی۔ اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً نشان اسلام کو تکلیف دیتے رہے۔ اس لئے سلطان محمد غوری کا ارادہ استیصال افاغنہ کفار بقول

راضر الدوا الکی ع

چو دست از ہمہ حیلتے درگذشت حلال است بردن بشمشیر دست

ناجائز نہ تھا۔ اول تو اشاعت اور ترغیب اسلام کی تحریک کی گئی جس میں بعض اسلام لائے اور اکثر جنگ سے پیش آئے شکست کھا کر اکثر مسلمان ہوئے ان لوگوں کے افغانوں کے اسلام کو شاید جبریہ کہا جائے۔ لیکن غور کا مقام ہے کہ سلطان تو اس دفعہ اس قوم کی بیخ کنی پر آمادہ تھا

چونکہ لطف وعنایت شاہی افغانوں کو راہ راست پر نہ لاسکی اس لئے قیدی افغانوں کے قتل کئے
بغیر سلطان اور عام سلمانوں کی نجات ڈاکو افغانوں سے نہ ہوسکتی تھی۔ ایسے مجرموں کی سزا
آج کل بھی پھانسی۔ توپ سے اڑانا وغیرہ وغیرہ ہے۔ اس لئے افغانوں کا عام قتل ملکی مصلحت کے
خلاف نہ تھا۔ سلطان کے اس ارادہ کو دیکھ کر افغان قیدیوں وغیرہ نے اسلام کا دامن پکڑا۔
اور "اشہد ان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کرنیوالوں سے سیاست
سلطانی اٹھانی پڑی۔ کفر شرک کی جگہ توحید پھیلنے اور اخلاقی پاکیزگی کی امید بندھی۔ سلطان کو بہ
تقلید احکام اسلام معافی دینی پڑی۔ کہا جاسکتا ہے کہ اگر افغانوں کو قتل و ہلاکت کا خوف نہ ہوتا
تو اسلام نہ لاتے مگر یہ خوف اسلام لانے کے لئے نہیں دیا گیا تھا افغانوں کے باغیانہ سارقانہ
حرکات اس خوف کا باعث تھیں۔ جس کی پاداش میں بیخ کنی یقینی تھی۔ اسلام کی فیاضی نے جو
دوست و دشمن سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتی ہے اور جس کی مثال خود آنحضرت صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت اُن چند خونخوار مشرکین مکہ کے اسلام لانے پر جان بخشی کی تھی۔
کہ جن کا خون ہدر (مباح) کیا گیا تھا اور مسلمانوں کو اُن کے خون کی عام اجازت دی تھی۔
اسی شرعی تقلید سے سلطان کو افغانوں کی جان بخشی کرنی پڑی۔ اس معافی سے ہزاروں
افغان دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بعد میں سلاطین دہلی کی فوج میں ممتاز بہادر رہے
بلکہ تخت دہلی پر قابض ہو گئے اگر پھر بھی افغانوں کے اسلام کو جبر یہ کہا جائے تو بھی یہ بانکے
راجپوت نہ تھے۔ جن کی بابت لیتھبرج صاحب یہ بہتان لگا کر کہ محمد غوری "بانکے راجپوتوں کو
بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا" ہندوؤں کی نفرت کو بڑھاتا ہے۔

سلطان معز الدین محمد غوری کی شہادت

جب سلطان بغاوت پنجاب کے فرو کرنے اور کھوکھروں کی گوشمالی کے بعد واپس جارہا تھا
تو منزل دھمیک متصل سوہاوہ ضلع جہلم پنجاب میں بروایت طبقات ناصری ایک فدائی ملحد کے ہاتھ
سے اور بقول فرشتہ کھوکھروں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ لیکن بقول فرشتہ دس بیس کھوکھروں کا
خواہ وہ کسقدر دل چلے تھے پہرہ وچوکی کی موجودگی میں خیمہ شاہی میں گھس جانا اور غلامان خاصہ کی
بیداری میں جو بڑے بڑے معرکوں میں سلطان کی جان بچاچکے تھے سلطان قتل کیا جائے اور
غلام ہزار ہا بہادروں کے کیمپ میں بے حس وحرکت کھڑے تماشا دیکھتے رہیں قرین قیاس نہیں

فرشتہ کی روایت کے مقابلہ میں منہاج سراج کی روایت زیادہ وثوق کے قابل ہے جس کا باپ سلطان محمد غوری کا قاضی لشکر اور وہ خود اُس وقت فیروزکوہ تخت گاہ غور میں شاہی محلات میں موجود تھا۔ وہ سلطان کا قاتل فدائی ملحد لکھتا ہے۔ یہ فدائی حسن بن صباح کے مرید اور کئی ایک سلاطین و علماء کی جان لے چکے تھے۔ ہر ایک جگہ اُن کا پہنچنا ممکن تھا اپنا راز دل چھپانے اور تقیہ میں اور کوئی فرقہ فدائیوں کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ مخالفوں کی ہلاکت فدائیوں کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ چونکہ غور سے سیف الدین اور غیاث الدین کے عہد میں اور خود محمد غوری نے ملتان سے ملاحدہ کی بیخ کنی کی تھی اس لئے انتقاماً سلطان فدائی ملحد کے ہاتھ سے ۶۰۲ھ میں شہید ہوا خواہ قاتل نسل کے اعتبار سے کھوکھر تھا یا کوئی اور مگر مذہب کے رو سے وہ ضرور ملحد فدائی تھا۔ منہاج سراج لکھتا ہے کہ وزیر سلطان کا جنازہ اور خزانہ لے کر نہایت حکمت عملی سے غزنی کو روانہ ہوا۔ اور بامیان میں تاج الدین یلدوز نے معزز استقبال اور سخت آہ و بکا کا عالم برپا کیا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ سلطان غزنی میں دفن ہوا۔ مگر ابوالفضل نے آئین اکبری جلد دوم صفحہ ۔ پر خفتگان دہلی کی فہرست میں شہاب الدین کا نام بھی لکھا ہے۔ ابوالفضل کی لیاقت و دانش پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر قریباً چار سو سال بعد کی تحریر منہاج سراج پر جو خود التمش کے عہد میں دہلی آیا اور قاضی القضاۃ اور صدر جہاں دہلی میں عہد بلبن تک رہا اور اُس عہد میں کئی ایک امراء و ملوک معزیہ زندہ تھے سلطان محمد غوری کا خطبہ بطور یادگار پڑھا جاتا تھا۔ اگر دہلی میں قبر ہوتی تو عہد التمش میں مسلمانوں کی مشہور زیارت گاہ ہوتی اور منہاج سراج جیسا فاضل اور نمکخوار تربیت یافتہ خاندان غور ضرور زیارت کرتا اور اپنی تاریخ میں جنازہ کا غزنی پہنچنا اور تاج الدین یلدوز کا بدحواس ہو کر ماتم و تعزیت کرنا کبھی نہ لکھتا۔ اسلئے ابوالفضل کی نسبت منہاج سراج کی روایت معتبر ہے۔

عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ منتخب التواریخ میں لکھتا ہے کہ امام فخرالدین رازی لشکر محمد غوری میں ہر ہفتہ (جمعہ) کو وعظ کہتا اور سلطان وعظ میں حاضر ہوتا اور زار زار روتا۔ سلطان کے قتل ہونے پر امام رازی کو اِس شبہ میں گرفتار کیا گیا کہ امام رازی کو فدائی کھوکھروں کا منصوبہ معلوم تھا۔ مگر مویدالملک بخری ایک امیر کی کوشش سے امام رہا ہو کر وطن سلامت پہنچا۔ اِس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ قاتل امام فخرالدین رازی کی صحبت میں آنے جاتے

سے بلکہ گہرا تعلق رکھتے تھے اور یہ امر بغیر ظاہری اسلام کے ممکن نہ تھا۔ اور وہ کھو کھر فدائی تھے اور مسلمانوں میں ملے جلے رہتے اور اس فاضل کے عقیدت مند خادم بظاہر دکھائی دیتے جیسا کہ ایک فدائی کا خود امام فخر الدین رازی کے قتل کا مرتکب ہونا مشہور ہے۔

سلطان محمد غوری کے جرنیل

سلطان محمد غوری کے بیالیس جرنیل تھے جن میں سے بعض اوس کے جدی ملوک غوریہ تھے اور یہ خاصہ غیاث الدین اور معز الدین محمد غوری کے حسن سلوک کا تھا کہ اُس کے خاندان کے معزز تاج و تخت کے وفادار تابعدار رہے یہ دونوں بھائی بذل اموال و انعام اکرام میں شہرہ آفاق تھے۔ لایق آدمی کی دل سے قدر کرتے تھے۔ محمد غوری پابندی شریعت اور بہادروں کی قدردانی میں بے مثل تھا۔ جو کام اور نہیں کر سکتے تھے اور بڑے بڑے بہادر جرنیل جھجکتے تھے محمد غوری اُس کام کی سخت ڈیوٹی خود لیتا تھا۔

سلطان محمد غوری موروثی سلطنت کا حامی تھا

خلفائے راشدین اور ایک دو سلاطین بنی امیہ کے سوا صرف ایک سلطان محمد غوری ہی ہے جو موروثی سلطنت کی بنیاد رکھنا نہیں چاہتا تھا وہ الکرم بالتقوی کے شرافت پرہیزگاری کے سنہری اصول اسلام کا کاربند تھا۔ کام کرنے والے اور قومی خدمت بجا لانیوالے شخص کی عزت افزائی کرتا تھا خواہ وہ حُر ہو یا عبید۔ آزاد ہو یا غلام۔

یہی وجہ ہے کہ اپنے خاندان میں سے کسی ایک ملوک خصوصاً غیاث الدین کے بیٹے محمود کی موجودگی میں بروایت طبقات ناصری تاج الدین یلدوز کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا۔
تاج الدین گو غلام تھا مگر بہادر۔ جان نثار۔ جواد۔ کریم النفس۔ عادل تھا۔ اور ملوک غوریہ اس درجہ کی لیاقت نہ رکھتے تھے۔ پس جس طرح ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے اپنے لایق اور جری بیٹوں کی موجودگی میں اوروں کو خلافت کے لئے منتخب کیا اسی طرح سلطان محمد غوری نے اپنے خاندان میں سے کسی کو ولیعہد مقرر نہ کیا اگرچہ ناگہانی موت کے سبب اُس نے اپنی جانشینی کا کوئی فیصلہ نہ کیا مگر بقول منہاج سراج تاج الدین یلدوز کو اپنا ولیعہد مقرر کرنا چاہتا تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان رشتہ و یگانگت کے

مقابلہ میں علمی لیاقت کا زیادہ قدر کرتا تھا۔ غلامان خاصہ ہیں۔ تاج الدین۔ قطب الدین ناصر الدین۔ بختیار علاقہ کابل اور ہندوستان کے گورنر تھے اور سب غلام تھے شائستہ خدمات ملکی و جنگی سے سلطان کے منظور نظر تھے اور سلطان ان غلاموں کو بمنزلہ اولاد اور ذریعہ بقائے نام جانتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک مصاحب نے عرض کی کہ اگر حضور کا کوئی فرزند نرینہ ہوتا تو دنیا میں نام و یادگار رہتی۔ کیونکہ سلطان محمد غوری کے صرف ایک لڑکی تھی۔ سلطان نے کہا کہ میرے تو ہزاروں فرزند نرینہ (غلام) ہیں جو اسلامی جوش اسلامی محبت اسلامی خدمت میں میری عادات سے پورا حصہ رکھتے ہیں۔ جو میرا خطبہ و سکہ جاری رکھیں گے اور میرا نام باقی رہے گا۔ فرزند نرینہ اس سے بڑھ کر کیا یادگار قائم رکھ سکتا ہے۔ واقعی اس خدا پرست اور کریم النفس سلطان نے جو کچھ کہا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا انہیں غلاموں نے ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کی اور سلطان کا نام برقرار رکھا۔ یہ مثال ایک حقیقی ایثار نفس کی ہے۔ خاندانی فوائد کو قوم و ملت پر قربان کر دیا۔ غیر قوم اور غیر کفو کے زرخرید غلاموں کو قومی سٹیج پر لا کر نالایق رشتہ داروں کے مقابلہ میں اعلٰے تربیت دے کر ان کے اعلٰی درجہ کی فطرتی قابلیت سے اسلام کی ناخدائی کا کام لیا۔

سلطان محمد غوری کی فتوحات اور مفتوحہ اقوام سے سلوک

سلطان کے عہد کی بڑی بڑی فتوحات بروایت طبقات ناصری غزنی۔ ملتان اچہ۔ پشاور۔ لاہور۔ سومنات۔ قرامطہ۔ سرہند۔ بھٹنڈا۔ مالوا۔ اجمیر۔ سیالکوٹ ہانسی۔ بستی۔ کہرام۔ دہلی۔ کول۔ بنارس۔ بیانہ۔ نہروالہ گجرات۔ لکھنوتی بنگال۔ ندیہ کوچ بہار وغیرہ جن میں سے تیس غزوات خاص غیر مسلم اقوام ہندو اور ترکوں سے کئے پس یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا۔ کہ محمد غوری محمود غزنوی سے عام معرکہ آرائیوں میں برابر جرنیلوں کی فتوحات ملا کر زیادہ تھا۔ ضرور دو دفعہ ہندوؤں سے اور ایک دفعہ ترکوں سے شکست کھائی اور بلند اقبال محمود ہر جگہ مظفر و منصور رہا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ محمد غوری کے مقابلہ کے وقت ہندو فنون حرب سے بخوبی واقف ہو چکے تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اور مغل اس وقت تسخیر عالم کے لئے تیاری کر رہے تھے چنانچہ سلطان محمد غوری کے شہید ہوتے ہی چنگیز خاں نے سلطانوں کو تباہ کرنا شروع کیا۔ مفتوحہ اقوام سے دونوں کا

سلوک یکساں تھا۔ ذمی و حربی کی امتیاز اور اُن سے عام سلوک کے مشرح و منصفانہ قواعد شریعت محمدی میں موجود تھے۔ اور ہر ایک پابند اسلام غزنوی ہو یا غوری اُن قواعد کی تعمیل کرتے کسی مفتوح قوم پر جبر و ظلم نہیں کر سکتا۔ جسطرح سلطان محمود شیفتہ اسلام تھا۔ محمد غوری اس سے بڑھ کر تقلید شریعت کا عملی شوق رکھتا تھا۔ پس بمقررہ خراج (جزیہ) ادائے کرنے کے بعد ہندو رئیس و رعایا مذہبی تمدنی امور میں بالکل آزاد تھی۔ زراعت و تجارت۔ صنعت و حرفت پر ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ اُن کے باہمی تعلقات جب تک کہ تاج و تخت کو اُن سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہوتا تھا۔ سرکاری دست اندازی سے محفوظ رہتے تھے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سلطان محمد غوری نے محمود غزنوی کی نسبت ہندو ریاستوں کا الحاق اسلامی علاقہ سے کیا مگر جبکہ سلطان ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد مستقل طور سے قائم کرنے کا عزم بالجزم کر چکا تھا تو کشور کشائی کے لئے یہ امر لازمی تھا کہ بعض سابقہ ریاستیں کم زور یا متصل کیجاویں۔ تاریخ عالم میں ایسی سینکڑوں نظائر موجود ہیں۔ ملک بڑھانے والی گورنمنٹ کو سابقہ ریاستوں کی قطع برید کرنی پڑتی ہے۔ اور چھوڑ ہندو سلطنت کے زمانے میں راجگان کشور کشا مفتوحہ روسا کا علاقہ اپنے اپنے ممالک محروسہ میں شامل کرتے رہے ہیں۔ سلطان محمد غوری جکے اپنے ہاتھ سے ایسا کوئی فعل سرزد نہیں ہوا وہ اپنے جانشین غلاموں کے فعل کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا اور سلاطین غلام مجبور تھے جن کی بحث موقعہ پر ہوگی۔ پرتھی راج پر فتح پانے کے بعد چوہان خاندان کی موروثی ریاست اجمیر پرتھی راج کے بیٹے کو دی گئی قنوج کو بعد شکست راجہ جےچند اسلامی علاقہ میں شامل کیا گیا۔ اور مغلوب کی جائداد ہمیشہ غالب کا حق ہوتی ہے۔ اس بات کو ہم ظاہر کر دیتے ہیں کہ سلطان محمد غوری کی فوج میں ہندوؤں کا نشان نہیں ملتا۔ اور یہ امتیاز ہمکو محمد غوری کے جانشین سلاطین غلامان میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ عہد سلطان محمد غوری میں تو اس کی بڑی وجہ مصلحت ملکی اور احتیاط حفظ ما تقدم تھی۔ سلاطین غزنی نے ہندوؤں کو اسلامی فوج میں شامل کیا اور جرنیل فیلڈ مارشل تک کے عہدہ ہندوؤں کو دیئے۔ نتیجہ سلطان محمد غوری کو بھگتنا پڑا وہ ہندو جو کبھی مسلمانوں پر کامل فتحیاب نہیں ہوئے تھے مہارت جنگی کے باعث جو عہد غزنویہ میں حاصل کی تھی بہادران غوری کو دو دفعہ شکست فاش دیکر مسلمانوں کی عام ظفر جنگی پر دھبہ لگا دیا

اسی وجہ سے ہر ایک گورنمنٹ کو سابقہ انتظام اور سکیم بدلنی پڑتی ہے۔ مفتوح قوم کا خود اپنا چال چلن ذمہ دار ہے۔ کوئی گورنمنٹ زوال سلطنت کے اسباب کو بڑھنے نہیں دیتی اور نہ کوئی منصف مزاج مورّخ ایسی احتیاطی تدابیر پر اعتراض کر سکتا ہے۔ الفنسٹن صاحب کا یہ قول غلط ہے کہ محمد غوری سلطان محمود کی نسبت زیادہ سفاک تھا

سلطان محمد غوری کے جانشین

سلطان کی وفات کے بعد اُس کا بھتیجا محمود بن غیاث الدین ایک اور رقیب کو نکال کر تخت فیروز کوہ پر جلوس فرما ہوا اور غزنی پر سلطان محمد غوری کے دو چچازاد بھائی ملوک بامیان قابض ہو گئے۔ مگر آخر کار تاج الدین یلدوز نے ترکوں کی مدد سے غزنی پر تصرف کر لیا اور سلطان محمود کا خطبہ و سکّہ جاری کیا۔ اسی طرح ناصر الدین قباچہ نے ملتان اور سندھ پر اور قطب الدین نے دہلی وغیرہ پر قبضہ رکھا۔ پنجاب کی بابت تاج الدین اور قطب الدین میں جھگڑا ہوتا رہا۔ جسکا ذکر قطب الدین کے حال میں لکھا جائے گا۔ سلطان محمود نے تاج الدین اور قطب الدین کو خود مختار تسلیم کیا۔ صرف برائے نام خطبہ میں سلطان محمود کا نام لیا جاتا تھا۔ سلطان محمود خاندان غوری کا اخیر بادشاہ ہے جو ملک میں عزت وقار رکھتا تھا بعد اس کے خوارزمیوں مغلوں کے ہاتھ سے اس خاندان کا فیصلہ ہوا۔ کچھ مارے گئے کچھ اودھر اودھر جان بچا کر بھاگ گئے۔ کچھ ہندوستان میں اپنے غلاموں کے احسان مند ہوئے۔ قطب الدین ایبک سلطان محمد غوری کی یادگار کامل تھا جس نے سلطان کا نام زندہ رکھا۔

تاج الدین یلدوز

سلطان محمد غوری کے چند نامور جرنیل ایسے ہیں کہ جنہوں نے سلطان کی حسن تربیت سے اسلامی خدمات اور صفات حسنہ سے ممتاز رہے۔ اس لئے اُن کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاج الدین یلدوز ابھی بچہ ہی تھا کہ سلطان محمد غوری نے خرید کیا اور عقیل وحسین ہونے کی وجہ سے ترقی کرتے کرتے تمام ترک غلاموں کا سردار بن گیا خصایل جمیدہ

کی وجہ سے گورنر بامیان وغیرہ مقرر رہا۔ جب سلطان ہندوستان کو آتا تو تاج الدین تمام لشکر شاہی کی دعوت کرتا اور تحائف دیتا۔ سلطان اُس کو اپنا ولیعہد بنانا چاہتا تھا مگر قبل از وقت سلطان شہید ہوگیا۔ اور سلطان کے چچازاد بھائی علاء الدین اور جلال الدین نے خزانہ سلطان کو باہم تقسیم کر کے غزنی پر قبضہ کر لیا۔ صرف جلال الدین کے قبضہ میں ڈیڑھ سو اونٹ روپیوں اور جواہر قیمتی اسباب کے آئے تھے۔ تاج الدین یلدوز نے ترکوں کی مدد سے غزنی پر قبضہ کر لیا اور سلطان محمود ولد سلطان غیاث الدین غوری کی اجازت سے تخت غزنی پر بیٹھا اور اپنے داماد سلطان قطب الدین ایبک سے شکست کھا کر بھاگا۔ مگر چالیس روز بعد قطب الدین کی غفلت اور ترکوں کی مدد سے تاج الدین غزنی پر قابض ہوگیا۔ تخت غزنی کے استحقاق سے التمش کے عہد میں پنجاب پر حملہ کیا مگر شکست کھا کر قلعہ بداؤں میں قید ہوا۔ اور اسی جگہ فوت و دفن ہوا۔ مورخوں نے تاج الدین یلدوز کو منصف عادل کریم النفس۔ سخی۔ صلح کل۔ قدردان علوم و فنون لکھا ہے ؂

تاج الدین کے حلم کی حکایت

تاج الدین کے دو بیٹے تھے۔ تعلیم کے لئے اوستاد کے سپرد کئے اُستاد نے ایک شاہزادہ کو تادیباً کوڑا مارا جو اتفاقاً مقتل پر لگا اور شاہزادہ مرگیا سلطان نے ازروئے حلم و نیکذاتی اُستاد کو زادراہ دے کر حکم دیا کہ فوراً بھاگ کر کہیں چھپ جائے تاکہ شاہزادہ کی والدہ سن کر ایذا نہ پہنچائے یہ کمال درجہ کا حلم تھا۔ جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ انہیں اوصاف حسنہ سے سلطان محمد غوری تاج الدین پر مہربان اور اُس کی ولیعہدی پر مائل تھا ؂

ناصر الدین قباچہ

سلطان محمد غوری کو ترک غلاموں کے خریدنے اور تربیت کا کمال شوق تھا۔ جن کو بمنزلہ اولاد جانتا تھا۔ سلطان کی محبت اور فیض تربیت سے یہ غلام اسلام کی نورانی تعلیم اور سلطان کی صفات حمیدہ کی تقلید سے بہادر جانباز۔ قومی خادم۔ رعیت نواز۔ حامی اسلام عادل و منصف جو سلاطین اسلام کے لئے ضروری جوہر ہیں ان غلاموں میں پائے جاتے تھے۔ ان میں سے ناصر الدین قباچہ ملتان اور اوچھ کا حاکم تھا۔ سلطان محمد غوری کے اکثر

معرکوں میں شامل رہا اور غزا و جہاد کا حق ادا کرتا رہا۔ اور سلطان اور جملہ معاصرین میں مورد تحسین و آفرین رہا۔ جب معرکہ اندخود واقعہ تاتار میں سلطان کو شکست ہوئی اور ملک ناصرالدین ایبتم والئے ملتان تن تنہا سلطان محمد غوری کے روبرو کئے ایک بہادر مغل کو قتل کرنے کے بعد آقائے ولینعمت پر قربان ہو گیا۔ سلطان نے ملتان پہنچکر ناصرالدین شہید کے یادگار نام کے لئے اسی کے ہمنام ناصرالدین قباچہ کو حاکم ملتان مقرر کیا جو اپنی تجربہ کاری اور دینی خدمات میں اسم با مسمیٰ تھا۔ جب سلطان محمد غوری کے بعد اُس کا بھتیجا محمود غوری برائے نام بادشاہ رہ گیا تو امرائے ترک اپنی اپنی سلطنت بڑھانے لگے۔ تاج الدین یلدوز نے علاقہ ملتان پر حملہ کیا مگر اپنے داماد ناصرالدین قباچہ سے شکست کھائی۔ ناصرالدین قباچہ نے تمام علاقہ سندھ پر قبضہ کر لیا۔ اسی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے مضورہ واقعہ سیوستان (سیہون) پر حملہ کیا اور شکست کھائی۔ مغلوں کے ہاتھ سے تباہ شدہ غزنی و غور کے مسلمان امرائے و علماء وغیرہ ملتان میں پناہ گزین ہوتے رہے اور ناصرالدین نے ان بے خانمان مسلمانوں کی امداد میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اور شریفانہ مہمان نوازی جس کی اسلام تعلیم دیتا ہے پوری پوری ادا کی +

خلجیوں اور مغلوں کے مقابلہ میں ناصرالدین نے داد جہاد دے کر اسقدر شجاعت و پامردی دکھائی کہ ہزار ہا مغل جو ہر ایک جگہ مسلمانوں کو کاٹتے رہے تھے یہاں محمد غوری کی یادگار اور تربیت یافتہ غلام کے ہاتھ سے پیوند زمین سندھ ہو گئے۔ ہندوستان پر مغلوں کا یہ پہلا حملہ تھا۔ چنگیز خاں دریائے سندھ سے پار نہیں اُترا تھا +

جلال الدین خوارزم اسی کے عہد میں دوآبہ سندھ ساگر میں کچھ مدت رہ کر براہ سندھ ایران گیا تھا۔ شمس الدین التمش سے ناصرالدین کا بگاڑ رہا۔ آخر ۶۲۴ھ میں التمش نے ملتان اور اوچھ فتح کر لیا اور ناصرالدین بھکر کے قریب دریائے سندھ میں غرق ہو کر فوت ہوا۔ اسی سال ابن صدر جہان منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری اوچھ میں پہنچا تھا اور قدردان ناصرالدین نے اُس کو کالج اوچھ کا پرنسپل مقرر کیا تھا اور پھر التمش کا ملازم ہوا اور بلبن کے عہد تک دہلی میں رہا اور چند بار شیخ الاسلام دہلی اور قاضی القضاۃ ہوتا رہا +

سلطان قطب الدین ایبک اور اسلام کی غلامی

(سلطان قطب الدین دہلی کا پہلا سلطان بادشاہ ہے۔ اسی نے دہلی کو سب سے پہلے فتح کیا اور

صدر مقام بنایا۔ اسی عہد سے دہلی کی ترقی شروع ہوئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی مستقل سلطنت ہندوستان میں قائم نہ ہوئی تھی۔ عربوں کی سندھ میں اور غزنویوں کی پنجاب میں مستقل حکومت رہی مگر دونوں قائم نہ رہ سکیں سلطان محمد غوری نے اپنے نمکخوار غلاموں کو ہندوستان کے مختلف حصوں پر گورنر مقرر کیا۔ ناصر الدین قباچہ ملتان میں۔ بہار الدین طغرل بیانہ وگوالیار میں۔ قطب الدین ایبک کہرام میں۔ مخالفین اسلام جو اسلام کو غلامی کا مددگار بتاتے ہیں وہ ان اسلامی سلطنت کے بانی غلاموں کی ملکی، علمی، صنعتی۔ فوجی ترقی پر غور کریں کہ دنیا کی کوئی قوم یا مذہب ایسی نظیر پیش کر سکتا ہے کہ زر خرید غلام اپنے آقا کے روبرو آزاد ہو کر والیان ممالک اور آقا کے ہم قوموں پر حاکم با اختیار مقرر ہوئے ہوں۔ یہودیوں۔ رومیوں کا غلاموں سے سلوک حیوانوں سے بدتر تھا۔ ہندوؤں نے تو فطرتاً ہی شودروں کو اپنا غلام بنالیا اور بیچارے شودروں کے لئے ہر ایک ترقی کا راستہ بند کر دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زید بن حارث کو آزاد کیا۔ اپنی پھوپھی زاد شریف زادی قریش عورت سے نکاح کیا اور اسلام ہی کے اس عالمگیر اصول کا عملی نمونہ دکھانے کے لئے کہ اسلام غلام و آزاد میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ اپنے بیگانہ کالے گورے کی تمیز نہیں رکھتا اُس کا زرّیں اصول ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ہے۔ غزوہ تبوک میں اس غلام آزاد کو شرفائے قریش کی فوج کا جرنیل بنایا گیا تھا جس فوج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی جعفر طیار اور عبد اللہ بن رواجہ اور خالد بن ولید جیسے جلیل القدر روسائے قریش شامل تھے۔ اسی طرح غلام زادہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ مہاجر و انصار کی فوج کا سردار تھا۔ سلطان محمد غوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی تقلید نبوی میں ہزارہا غلاموں سے شفقت و مروت کے ساتھ پیش آتا اور دیندار اور خادم دین غلاموں کی عزت افزائی میں کوتاہی نہ کرتا۔ یہانتک کہ اپنے خاندان کے افراد پر غلاموں کو ترجیح دیتا یہی غلام تھے جنہوں نے کفار مغل سے ہندوستان کو ہی نہیں بچایا اور رعایا کی مال و جان کی ہی حفاظت نہیں کی بلکہ تمام ایشیاء کے برباد شدہ مسلمانوں کو پناہ دی اور بہ تقلید صحابہ کرام غزا وجہاد کی داد دے کر اسلام کا وقار قایم رکھا اور مغل جو تمام ایشیاء کو زیر وزبر کر چکے تھے ہندوستان سے ہر بار مار کھا کھا کر نکالے جاتے رہے اور یہی حال مغلوں کا مصر کے سلاطین غلام کے ہاتھ سے ہوا۔ یہ ہے اسلامی غلامی جس پر مخالف تعصب سے نادان لوگوں کو اسلام کیطرف سے نفرت دلاتے ہیں مگر اسلام کی تاریخ جاننے والے بخوبی سمجھتے ہیں کہ جسقدر غلاموں کی حمایت اسلام

اسلام کی اور جسقدر غلاموں کی آزادی اور آسایش کے لئے اسلام نے ہدایات دی ہیں اور عملی نمونہ دکھائے ہیں اُس کی نظیر دنیا میں کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ پس دہلی کے غلام جو سچائی وعدالت عفت وسخاوت میں ضرب المثل ہیں اسلام کی فیاضانہ تربیت کی کافی شہادت ہیں +

قطب الدین بچپن ہی میں نیشاپور کے حاکم کے ہاتھ فروخت ہوا اور حاکم مذکور کے بیٹوں کے ہمراہ مکتب میں جاتا رہا۔ کلام اللہ پڑھا اور اُسی حاکم کی مربیانہ تربیت سے مشہور شہسوار اور تیرانداز نکلا۔ غلاموں کے تاجر کے ذریعہ غزنی پہنچا۔ سلطان محمد غوری نے خریدکیا اور غلامان خاصہ کی فوج میں داخل کیا۔ انگشت خنصر کے شکستہ (شل) ہونے کے باعث ایبک کہلاتا تھا چونکہ خوبصورت جوان نہ تھا اس لئے خصوصیت حاصل نہ کر سکا۔ مگر ایک دن جشن شاہی میں دیگر غلاموں کے ساتھ انعام ملا اور غلام تو اپنے اپنے گھروں میں انعام لے گئے مگر قطب الدین نے سارا انعام دینے ملازمان سلطانی کو بانٹ دیا قدرشناس سلطان یہ خبر سُن کر قطب الدین کی سیرچشمی۔ علوہمتی۔ کریم الطبعی پر بہت خوش ہوا اور لایق امارت خیال کیا اور خاص اپنی ذاتی خدمات پر مقرر کیا۔ غوریوں اور سلطان شاہ خوارزمی کے معرکہ میں اُس فوج کا افسر تھا جو گھاس چارہ لانے والی پارٹی کی محافظ تھی۔ ایک دن کیمپ سے دور سلطان شاہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ اگرچہ بہت کچھ بہادری دکھائی۔ لیکن قلت فوج کے سبب سے گرفتار ہوا اور آہنی تختہ بندی سے قید کیا گیا۔ جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین اسی حالت تختہ بندی میں اونٹ پر بیٹھا کر سلطان محمد غوری کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ بہادروں کے قدردان سلطان کے دل پر قطب الدین کی وفاداری اور جان نثاری نقش ہوگئی اور جرنیل بنایا گیا۔ فتوحات ہندوستان میں قطب الدین ہر ایک معرکہ میں مافوق العادت شجاعت دکھاتا رہا۔ پرتھی راج کی شکست کے بعد کہرام میں جو دہلی سے ستر میل جانب شمال واقعہ تھا اپنا نائب مقرر کرکے واپس غزنی ہوا اور مہمات ہندوستان کا چارج قطب الدین کو دے گیا۔ قطب الدین نے جلدی ہی دہلی کو فتح کرکے صدرمقام بنایا سلطان کی زندگی میں تابعدار غزنی رہا۔ مگر سلطان محمد غوری کی وفات کے بعد وسیع سلطنت چند حصوں پر منقسم ہوگئی تھی اور غور و غزنی میں جن کا حق وراثت ممالک مفتوحہ ہندوستان پر تھا اس قابل کوئی نہ رہا کہ ہندوستان کو قابو میں رکھ سکے اس لئے ہندوستان ایک آزاد خودمختار سلطنت بن گئی اور افغانستان کے ساتھ اس تاریخ سے ہندوستان کا کوئی

تعلق نہ رہا۔ مآل اندیش محمد غوری اپنے خاندان کے ملوک غور کی ناقابلیت سے بخوبی واقف تھا اس لئے لایق بہادر غلاموں کو ہندوستان کا چارج دے گیا جن میں سے زیادہ نیاض بہادر قطب الدین تھا +

قطب الدین اور اس کے جانشینوں کی توجہ سوا ہندوستان کے باہر کسی طرف نہ تھی شمالی ہندوستان میں چار زبردست ہندو سلطنتیں تھیں۔ دہلی۔ اجمیر۔ قنوج۔ گجرات پہلی تین تو تراوری اور چنداوارہ کے معرکوں سے بالکل برباد ہوگئیں۔ جو راجگان ڈیڑھ سو تھے یا کم وبیش ان لڑائیوں میں شامل تھے وہ بھی بہادران اسلام کے ہاتھ دیکھ چکے اور نقصان کثیر اٹھا چکے اس لئے اس علاقہ میں اب ایسا کوئی عظیم الشان راجہ نہ تھا کہ جس کی سرکوبی سلطان محمد غوری کے جرنیل ہی نہ کر سکتے ہوں۔ مذکورہ بالا معرکوں نے ہندوؤں کی مرکزی طاقتوں کو بالکل توڑ دیا تھا راجپوت بہادر رہتے اور بقول الفنسٹن صاحب "راجپوت ماں کے پیٹ سے سپاہی پیدا ہوتا ہے" مگر شکست تراوری نے ان کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ کسی بڑے پیمانہ پر قومی اجتماع کر سکیں۔ گو ہر ایک قلعہ یا شہر کی فتح میں مسلمانوں کو تلوار سے کام لینا پڑا۔ مگر راجہ پرتھی راج کے ممالک محروسہ میں ایسا کوئی سخت دشمن اور مانع باقی نہ رہا تھا جو ہندوؤں کی طاقت کو بحال کر سکتا +

قطب الدین کی فتوحات

سلطان غوری کے حملہ ۵۹۰ھ یا ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۴ع قنوج میں قطب الدین ہراول تھا اسی بہادر اور حسین خرمیل نے راجہ جے چند کو شکست دی تھی۔ پرتھی راج کے بیٹے راجہ اجمیر کو ایک مخالف ہیمراج نے ستایا سلطان قطب الدین نے پرتھی راج کے بیٹے کو اجمیر کی گدی پر بحال کیا۔ پھر ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۵ع میں بہمراہی سلطان یا اکیلا بہ ہمراہی طغرل بہاء الدین بیانہ فتح کیا اور قلعہ گوالیار بھی فتح ہوا۔ طغرل سے بگاڑ ہوا مگر طغرل فوت ہوگیا راجہ اجمیر کو پھر دشمنوں نے ستایا اور قطب الدین کو پھر اجمیر جانا پڑا۔ اس دفعہ گجرات کے راجاؤں اور میوات کے پہاڑی اقوام نے قطب الدین کو سخت تنگ کیا اور بقول الفنسٹن صاحب زخمی اور محصور ہوگیا جدید فوج کے آنے پر قطب الدین نے فتح پائی اور آبو کے پہاڑی جاگیرداروں کو شکست دے کر گجرات پر حملہ کیا اور انہلواڑہ کو فتح کر کے راجہ گجرات کو مغلوب کیا

اور سلطان غازی کی شکست کا انتقام لے کر ۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند ۔ کو صحیح ثابت کر دیا۔ بہار۔ ناریہ۔ بنگالہ اس کے عہد میں محمد بختیار خلجی نے فتح کیا جب سلطان غازی شہید ہوا تو سلطان محمود غوری نے قطب الدین کو خطاب سلطانی اور چتر شاہی عطا کیا ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں قطب الدین لاہور میں تخت نشین ہوا۔ اور تاج الدین یلدوز سے لاہور کی بابت جنگ ہوا۔ اور فتح پا کر داخل غزنی ہوا مگر چالیس روز بعد بوجہ عیش و عشرت اور غفلت غزنی سے نکالا گیا یہ سلطان اسقدر سخی اور کریم تھا کہ اُس کا لقب لک بخش پڑ گیا دوستوں کو سخاوت اور دشمنوں کو شجاعت سے قابو میں رکھا۔ بہادروں۔ اہل علم کا قدردان تھا۔ یہ پہلا سلطان ہے کہ جس کے عہد میں ہندوستان کی دولت ہندوستان میں رہنے لگی اور بجائے غزنی و غور کے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور عمارات عالیہ اور دلکشا باغات اور عالیشان مدارس اور لنگر خانہ وغیرہ کی بڑے بڑے شہروں میں بنیاد پڑی ✣

مینار قطب

دہلی کے مینار کی بنیاد سلطان قطب الدین نے بیادگار فتح رکھی اور سلطان شمس الدین التمش کے عہد ۱۶ سالہ میں ختم ہوئی یہ ایک مسجد کا مینار تھا۔ اس سے قطب الدین کی اولوالعزمی شوق عمارت۔ دینی خدمات کا پتہ لگتا ہے۔ اور سلطان ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء میں لاہور میں چوگان کھیلتا ہوا گھوڑے سے گرا اور قاش زین سینہ میں لگا جس کے لگتے ہی جاں بحق ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بیس سال ہندوستان کا حاکم رہا۔ جن میں سے ۱۶ سال بطور ویسرائے (نائب) محمد غوری اور ۴ سال خود مختار سلطان رہا ✣

محمد بختیار خلجی فاتح بنگالہ

اعز الدین محمد بختیار خلجی غور یا بلاد گرم سیر واقعہ افغانستان کا رہنے والا نہایت پر جوش اولوالعزم۔ فیاض۔ اسلامی شجاعت میں نمونہ صحابہ تھا۔ مسلمانوں میں سے سب سے پہلے بنگالہ کو اسی بہادر نے فتح کیا۔ اِس کا ابتدائی حال عبرت بخش ہے۔ جب تلاش ملازمت میں غزنی پہنچا تو سلطان محمد غوری کے (دیوان عرض) رنگروٹ بھرتی کرنے والے افسر نے محمد بختیار کو ملازم نہ رکھا۔ غزنی سے دہلی آیا یہاں بھی پسند نہ کیا گیا اور ہر جگہ فوجی ملازمت کیلئے

ناقابل قرار دیا گیا۔ ناقص عقل انسانی جو محض صورت پرستی سے کام لیتی ہے وہ مشیت الٰہی سے واقف نہیں ہو سکتی۔ اس لئے انسانی عقول اس یکہ تاز مجاہد فی سبیل اللہ کے جوہر لیاقت کا اندازہ نہ کر سکے۔ دہلی سے بداؤں گیا جہاں کے سلطان حاکم نے قلیل تنخواہ پر ملازم رکھ لیا مگر بداؤں دل نہ لگا اور اودھ جا کر وہاں کے حاکم کا نوکر ہو گیا جہاں کچھ حیثیت پیدا کر لی اور عمدہ خدمات سے اودھ کے شرقی حدود پر مختصر سی جاگیر حاصل کی۔ اور ترقی کا میدان مل گیا اُس کی جاگیر سے ہند و علاقہ منگیر اور بہار کی حدود ملتی تھیں جہاں پر اگر ابراہیم غزنوی کا حملہ اس طرف تسلیم نہ کیا جائے تو سوا محمد غوری کے کسی سلطان فاتح کا ادھر آنا پایا نہیں جاتا۔ محمد بختیار ہند و علاقہ پر یورشیں کرنے لگا۔ اُس کی کامیابی اور ہمراہیوں کی قدردانی اور عام فیاضی دیکھ کر خلجی جوان ادہر اودہر سے اُس کے پاس آ آ کر جمع ہونے لگے اپنی ہم قوم خلجی اور دیگر مسلمانوں کے اجتماع سے کافی طاقت پیدا کر لی۔ اور مشرق میں فتوحات شروع کر دیں۔ اُس وقت ہندوستان میں سلطان محمد غوری کا نائب سلطان قطب الدین ایبک تھا جو سب سے بڑا بہادر اور بہادروں کا قدردان تھا۔ محمد بختیار کے کارنامے سُن کر بہت خوش ہوا اور انعام و خلعت دے کر مشرقی علاقہ کی تسخیر پر مقرر کیا اب محمد بختیار سلطانی جنرل کی حیثیت سے بہار پر حملہ آور ہوا۔

تسخیر قلعہ بہار کتب خانہ سنسکرت کا واقعہ

اس قلعہ کی فتح جس جرات اور جاں فروشی سے بختیار اور اس کے قلیل ہمراہیوں نے کی وہ اُس وقت کے غازیوں کی شجاعت اور تہور۔ جان بازی کا پورا پتہ دیتی ہے کہ مسلمانوں کے حوصلے کسقدر بڑھے ہوئے تھے اور مخالف کو اپنی شمشیر برّاں کے مقابلہ میں کسقدر ہیچ جانتے تھے مشکل سے مشکل مہم بھی اُن کی بہادرانہ نگاہ میں آسان دکھائی دیتی تھی۔ یہ ایک تاریخی تجربہ ہے کہ جس قوم کی ترقی اور اقبال کا زمانہ ہوتا ہے اُس کے افراد ناممکن کو ممکن کر دکھاتے ہیں اُن کی بلند ہمتیں ہر ایک رُکاوٹ کو دور کر سکتی ہیں +

قلعہ بہار ایک مضبوط قلعہ تھا جس کی حصانت اور رزانت پر خیال کرتے ہوئے ناقابل تسخیر قلعہ تصور ہوتا تھا۔ علاقہ فتح ہونے کے بعد اہالیان قلعہ نے اطاعت سے انکار کیا قلعہ بند ہو گئے۔ محمد بختیار نے صرف دو سو جوان ہمراہ لئے جس سے پایا جاتا ہے کہ

محمد بختیار کی فوجی طاقت اُس وقت بہت کم تھی جو کچھ کر رہا تھا محض اپنی شجاعت اور تہور سے کر رہا تھا۔ قلعہ پر حملہ کیا گیا اور بزور طاقت توڑ اگیا۔ اور عام فاتحوں کی طرح باشندگان قلعہ کو قتل کرنا شروع کیا جن میں سے زیادہ تر برہمن تھے ؞

برہمنوں کے قتل پر رائے مؤلف

واقعی یہ حادثہ ظالمانہ ہے اور علمائے براہمہ کے قتل پر سخت افسوس ہے۔ مگر فاتح مسلمانوں کی بے احتیاطی کے علاوہ خود برہمنوں کی ضد اور مذہبی عصبیت کا بھی قصور ہے ابتدائی مسلمانوں کو جو غزنی وغور کے کوہستانی باشندہ تھے قلعہ کے ہندوؤں میں یہ تمیز نہ کر سکتے تھے کہ کون برہمن اور کون عام ہندو ہے اور کوئی بھی فاتح فتح کے جوش میں تمیز نہ کر سکا اور نہ کر سکتا ہے مسلمانوں کے نزدیک قلعہ کے تمام رہنے والے مخالف اور اطاعت سے انکار کرنے والے تھے۔ علمائے برہمن اگرچہ خود شمشیر زن سپاہی نہ تھے لیکن لڑنے والے ہندوؤں کو مسلمانوں کی مخالفت کے وعظ کرنے والے اور لڑائی کی تحریک دینے والے ضرور تھے۔ چونکہ مخالفانہ شورش (سڈیشن) عموماً طالب علم ہی کیا کرتے ہیں قلعہ بندی مدرسہ سنسکرت کے طلبہ اور معلمین کی حیثیت تعلیمی کے خلاف تھی۔ علم وفنون سے تعلق رکھنے والے اشخاص کو محصور ہونے اور غیر ملکی گورنمنٹ کی اطاعت سے انکار کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکتی۔ گو وہ علمی لوگ تھے مگر پولیٹیکل تحریکوں سے الگ نہ تھے قلعہ تسخیر ہونے پر بھی انہوں نے اپنا علمی یا مذہبی تعلق ظاہر نہ کیا۔ اس لئے یہ خونخوار واقعہ پیش آیا۔ جس کے لئے ہر ایک علم دوست کو افسوس ہے۔ لیکن محمد بختیار کی لاعلمی ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب سنسکرت کی لائبریری کھولی گئی اور ان کتابوں کا عالم نہ مل سکا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے علمائے سنسکرت قتل ہو گئے ہیں اس سے پایا جاتا ہے کہ برہمن تو قتل ہوئے لیکن کتب خانہ صحیح وسالم رہا۔ محمد بختیار نے شائق علوم کی طرح مضامین کتب دریافت کرنے کی کوشش کی صمصام الدین فرغانی جو دو سوبچاہدین میں شامل تھا مؤلف طبقات ناصری سے قتل براہمہ اور کتب سنسکرت کے پڑھوانے اور کسی عالم کے وہاں ہونے کا واقعہ بیان کرتا ہے اگر کتابیں ضائع کیجاتی تو جسطرح اُس نے برہمنوں کے واقعہ کو ظاہر کر دیا اسی طرح کتب خانہ کا جلانا وغیرہ بھی بیان کر دیتا کیونکہ موجودہ زمانہ کی کوئی پالیسی یا

خوف اُس کو نہ تھا اس لیئے یہ اعتراض خلاف واقعہ ہے کہ بہار کا کتب خانہ جلایا گیا۔

جو روایت ہمنے اوپر بیان کی ہے اُس سے بڑھ کر معتبر اور کوئی روایت نہیں ہوسکتی امید ہے کہ منصف ناظرین فقیر مؤلف کی ناچیز رائے سے ضرور اتفاق کریں گے :۔

محمد بختیار کی پیل افگنی

اس فتح کے بعد محمد بختیار سلطان قطب الدین کی خدمت میں دہلی آیا قدردان سلطان نے انعام و اکرام سے کمال عزت افزائی کی درباری اس نودولت پر حسد کرنے لگے اور بعض موقعوں پر تمسخر اُڑانے لگے اور ہلاکت کے درپے ہوئے ایک دن موقعہ جشن پرست ہاتھی سے لڑادیا مگر محمد بختیار نے اپنی بھاری گرز ہاتھی کے سونڈ پر ایسی لگائی کہ ہاتھی حواس باختہ ہوکر بھاگ نکلا سلطان قطب الدین نے خلعت فاخرہ عطا کیا اور دیگر امرائے کو بھی انعام دینے کا حکم دیا مال کثیر جمع ہوگیا مگر اُس جوانمرد دریا دل نے سلطان کا خلعت تو بادب تمام پہن لیا اور باقی تمام مال اسی جگہ مستحقوں کو بانٹ دیا سلطان اس واقعہ کو اپنے ابتدائی واقعہ غزنی سے مشابہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور محمد بختیار کو روانہ بہار کیا اور بنگالہ کی فتح پر مامور کردیا :۔

راجہ لکھمینہ والئے بنگالہ۔ ندیہ کی فتح۔ بنگالیوں کی کمزوری

مورخین اسلام لکھتے ہیں کہ اُس وقت بنگالہ میں راجہ لکھمینہ نام عظیم الشان راجہ تھا جسکا صدر مقام شہر ندیا تھا عدالت و سخاوت دولت و عظمت میں راجگان ہندوستان میں مشہور تھا اُس کی پیدایش کی عجیب روایت لکھی ہے جس سے ہندو رانیوں کی حب الوطنی قومی جان نثاری ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی رانیوں کے ہوتے ملک و ملت پر جسقدر فدا ہونے والے راجہ پیدا ہوں اپنی نظیر آپ ہوں گے۔ راجہ لکھمینہ کی ولادت کا جب وقت آیا تو اُس کی والدہ نے نجومیوں سے مولود کے طالع کی بابت دریافت کیا انہوں

نے جواب دیا کہ اگر اس وقت بچہ پیدا ہوا تو منحوس ہوگا۔ اگر چند ساعت بعد پیدا ہو تو اُس کی سلطنت
اسّی سال تک رہے گی۔ رانی نے جو ملک و سلطنت اور بقائے خاندان کی خواہان تھی حکم دیا
کہ میرے پاؤں باندھ کر الٹی لٹکا دو۔ اور ایسا ہی کیا گیا اور جب منحوس وقت گذر گیا تو رانی کو کھولا
گیا۔ لڑکا پیدا ہوا۔ رانی شدت درد سے فرزند اور سلطنت پر قربان ہو گئی۔ مولود کا نام لکھمینہ
رکھا گیا اور تاج شاہی اُس کے سر پر دھرا۔ جوان ہو کر لایق راجہ ہوا۔ جب ستر سال اُس کی حکومت
کو گذر گئے تو بختیار خلجی نے بہار کو فتح کر کے حدود بنگالہ میں قدم رکھا۔ راجہ نے نجومیوں سے
مآل کار دریافت کیا۔ جواب ملا کہ بنگالہ کی ہندو سلطنت ترکوں کے ہاتھ سے برباد ہوگی فاتح بنگالہ
کی علامت یہ ہوگی کہ جب کھڑا ہوگا تو اُس کے دونوں ہاتھ زانو سے نیچے پنڈلی تک پہنچے گی راجہ
نے نشان فاتح معلوم کرنے کے لئے اپنے معتبر محمد بختیار خلجی کے پاس روانہ کئے جنہوں
نے واپس آکر کہا کہ نشان مذکور محمد بختیار میں موجود ہیں اور یہی فاتح بنگالہ ہے۔ اراکین نے راجہ
کو ندیہ چھوڑنے اور دور کے علاقوں میں چلے جانے کے لئے کہا مگر راجہ نے منظور نہ کیا۔

دوسرے سال محمد بختیار ندیہ پر چڑھ گیا اور فوج کو پیچھے چھوڑ کر صرف اٹھارہ سوار ہمراہ
لے کر شہر ندیہ میں داخل ہوا۔ ہندو محافظ شہر گھوڑوں کے سوداگر سمجھ کر مزاحم نہ ہوئے جس سے
ہندوؤں کی غفلت اور محمد بختیار کی کمال درجہ کی بیباکی ثابت ہوتی ہے۔ شہر میں داخل ہوتے
ہی جو سامنے آیا مار گرایا۔ راجہ لکھمینہ جو اُس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ شور و غوغا سن کر حیران ہوا
کہ اتنے میں محمد بختیار خاص راجہ کے محلسرا میں پہنچ گیا۔ راجہ مجبوراً دوسرے راستہ سے
نکل کر بھاگ گیا اور تمام زر و دولت مال و اسباب محمد بختیار کے ہاتھ آیا۔ جس میں سے
مال خمس اور قیمتی تحائف معہ فتحنامہ دہلی میں سلطان قطب الدین نائب محمد غوری کے پاس
روانہ کئے۔ بنگالہ کے اسطرح فتح ہونے سے اُس وقت کے بنگالیوں کی فوجی طاقت اور
ذاتی شجاعت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ شمالی ہندوستان کے ہندوؤں نے جس حوصلہ اور ہمت اور جنگی
طریقہ سے مسلمان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور ہر ایک معرکہ میں داد شجاعت دے کر قومی جنگ کا
حق ادا کیا۔ بنگالی اُس سے بالکل خالی نکلے۔ امرائے سلطنت صرف جو تشیوں کے ڈرانے
سے صدر مقام اور راجہ کو چھوڑ گئے اور محافظ فوج نے بھی کوئی ہاتھ نہ دکھایا مسلمانوں کے
اٹھارہ سوار بنگالہ کے صدر مقام میں کھلے بندوں داخل ہو کر فاتح کہلائے
اور کوئی بنگالی فاتحین کا مونہ نہ توڑ سکا۔ بنگالہ کے ہندو اُس وقت بھی علم و فضل میں

مشہور تھے مگر ہندوستان کے دیگر حصص کے ہندوؤں کی طرح مرد میدان نہ تھے جنہوں نے صرف اٹھارہ
مسلمانوں کو بنگالہ کی دارالسلطنت فتح کرا دی۔ ساتھ ہی اُس وقت کے مسلمانوں کی اولوالعزمی
اور تہور کا پورا پتہ ملتا ہے کہ اُن کی بہادرانہ حوصلے کسقدر بڑھے ہوئے تھے کہ لاکھوں کے مقابل
پر چند جوانمرد تیار ہو جاتے اور ہر ایک مشکل پر غالب آتے تدبیر و تجسس عزم بالجزم سے خود بخود
پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی عزم و استقلال کی کمی سے آج مسلمان ہر ایک گوشہ میں دست نگر اور
سقیم الحال دکھائی دیتے ہیں اور کوئی کام اُن کا پورا نہیں ہو سکتا۔ اسلامی عزم جو تمام ترقیوں
کی جڑ ہے آجکل مفقود ہے۔ جبتک عزم و ارادہ مستقل نہ ہو کوئی قوم ترقی نہیں پا سکتی:۔

محمد بختیار خلجی اپنے عہد میں ممتاز۔ شجاع۔ یکہ تاز بے مثل بہادر تھا جکی نظیر اور قوموں
میں کیا بلکہ خود مسلمانوں میں انگلیوں پر ہی شمار ہو سکتی ہے۔ ندیہ کی حفاظت کے لیئے کافی فوج
نہ تھی اور ہندوؤں کی کثرت آبادی اور شہر ندیہ کے جنگی استحکام آیندہ مشکلات کے باعث تھے
اس لیئے شہر ندیہ کی جگہ لکھنوتی کو صدر مقام بنایا گیا۔ اس تاریخ سے بنگال میں مسجدیں۔ مدرسے
خانقاہیں محمد بختیار اور دیگر امرائے اسلام نے تعمیر کرانی شروع کیں اور کسی کو جبراً مسلمان نہ
کیا۔ عام بنگالیوں نے اطاعت قبول کر لی اور بنگالہ بلا کسی جنگ عظیم کے سلطنت اسلام
میں شامل ہو گیا:۔

محمد بختیار کی تبت پر فوج کشی

جب بنگالہ کا راجہ اپنی جان بچا کر مشرقی بنگال کے دور دراز علاقوں میں بھاگ گیا اور
بنگالی رعایا مطیع ہو گئی۔ اولوالعزم محمد بختیار ملک تبت کی فتح پر آمادہ ہوا۔ لکھنوتی اور تبت
کے درمیان تین قومیں کوچ۔ منج۔ تھارو سکونت پذیر تھیں قوم منج میں سے ایک شخص مسلمان
ہو چکا تھا جسکا نام علی رکھا گیا تھا۔ اسی علی کی راہبری سے محمد بختیار دس ہزار سوار لیکر
تبت کی فتح کے لیئے روانہ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمد بختیار کو تبت کے دشوار گذار راستوں اور فوجی
طاقت سے پوری پوری اطلاع نہیں دی گئی تھی یا وہ تبت کو بھی بنگال خیال کرتا تھا۔ مگر اسوقت
بھی زمانہ حال کی طرح تبت کا تعلق چین و خطا سے تھا اور خطا کی جنگی طاقت اسوقت بہت بڑی
زبردست تھی۔ چنانچہ اسی عہد میں چنگیز خاں والی خطا نے وسط ایشیا کی مسلمان سلطنتوں
کی بیخ کنی شروع کر دی تھی۔ محمد بختیار دس ہزار سوار کے ساتھ مردہین کوٹ میں پہنچا

جو گرشاسپ ایرانی کا آباد کیا ہوا مشہور تھا۔ علی میچ کی راہبری سے دریائے سنگمتی (برہم پتر) کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا دس روز کے بعد ایک سنگین پل پر پہنچا۔ جس کے دہانے (موریاں) قریباً بیس تیس پل سے بخیریت گذر گئے۔ اور دو امیروں کو کچھ فوج دے کر حفاظت پل پر مقرر کر گیا اور پندرہ روز میں کوہ ہمالیہ کو طے کر کے تبت کے میدان مسطح میں پہنچا۔ جہاں آبادی بکثرت تھی۔ وہاں ایک قلعہ سے لڑائی پیش آئی۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ اکثر مسلمان مارے گئے۔ رات کو چند قیدی تبتیوں کو حاضر کیا گیا جن کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر ایک قلعہ کرم پٹن نامی ہے جس میں تین لاکھ پچاس ہزار تیر انداز موجود ہیں۔ ممکن ہے کہ اس تعداد میں مبالغہ ہو۔ لیکن چونکہ تبت کا چین سے تعلق تھا اور چین مسلمانوں کی فتوحات عالمگیر سے بیدار ہو چکی تھی اور اس کے علاقہ تاتار چینی پر مسلمان حملہ آور بھی ہو چکے تھے اس لئے ہندوستان کی طرف سے امکان حملہ اہل اسلام کی روک کے لئے قلعہ مذکور میں یہ تعداد کثیر جمع کر رکھی ہو۔ ایک سرحدی چھاؤنی میں اسقدر فوج کا چین جیسی وسیع و آباد سلطنت کی طرف سے موجود ہونا کچھ ناممکن نہیں ہے۔ تبتی قیدیوں نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ قلعہ کرم پٹن کی فوج کو مسلمانوں کے حملے کی اطلاع دی گئی ہے جہاں کا جرار لشکر صبح و شام یہاں پہنچنے والا ہے۔ محمد بختیار بسبب اس کے کہ تبتیوں کی ایک لڑائی میں ہی اکثر مسلمان قتل اور زخمی ہو چکے تھے اور اس کی فوج بہت کم رہ گئی تھی اور کسی طرف سے مدد پہنچنے کی امید نہ تھی۔ اپنی بے سر و سامانی پر پچھتایا۔ اور اس ارادہ سے کہ آیندہ سال کافی فوج اور سامان لیکر دوبارہ حملہ آور ہوگا واپس ہوا۔ مگر واپسی کے وقت دیکھا کہ جنگل کی تمام گھاس اور لکڑیوں میں آگ لگائی گئی ہے۔ آبادی کا نام و نشان نہیں ہے۔ پندرہ روز تک لکڑی اور گھاس کا ایک سیر تک نہ مل سکا۔ گھوڑوں کو ذبح کر کے کھاتے رہے اور ہزاروں مصیبتیں اُٹھا کر حدود کامرود میں پہنچے۔ پُل کو دیکھا تو شکستہ و سوختہ تھا۔ امرائے متعینہ پل کی مخالفت کیوجہ سے راجہ کامرود نے پل کو جلا دیا تھا۔ اور کامرود کے ہندوؤں کو مقابلہ کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ محمد بختیار کشتی وغیرہ عبور کے لئے بنوانے لگا مگر ہندو اسقدر بغرض حملہ جمع ہو گئے کہ اُن کے ہجوم سے تنگ آکر ایک بت خانہ میں پناہ گزین ہوا جس سے پایا جاتا ہے کہ محمد بختیار کی ہمراہی بہت ہی قلیل رہ گئے تھے جو ایک مندر میں معہ گھوڑوں کے سما سکے۔ ہندوؤں نے مندر مذکور کو کئی میل تک گھیر لیا۔ مسلمان ہلاکت کو یقینی دیکھ کر اسلامی تہور کو کام میں لائے

اور تلواریں کھینچ کر ہندوؤں پر جا پڑے۔ ہندو اگرچہ تعداد میں کئی گنا تھے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے کوئی نسبت نہ تھی۔ مگر بقول ؎

یکے گرگ را کو بود خشم ناک زبسیارئے گوسفنداں چہ باک

ہندو اِس اسلامی سیلاب کے سامنے سے خس و خاشاک کی طرح بہ گئے اور مسلمان راستہ پاکر کھلے جنگل میں پہنچ گئے۔ ہندو چونکہ جانتے تھے کہ دریا سے عبور کرنا بغیر کشتی محال ہے اور کشتی مسلمانوں کے قبضہ میں کوئی نہیں اس لئے پھر تعاقب میں روانہ ہوئے۔ ہندوؤں کی کثرت سے مسلمان خوف زدہ تھے اور گذرنے کا راستہ تلاش کرتے تھے ایک مسلمان سپاہی نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور ایک تیر کی زد پر پایاب جگہ پاکر آواز دی کہ دریا پایاب ہے یہ سنتے ہی مسلمان دریا میں کود پڑے۔ دریا کے عین وسط میں پانی غرقاب آگیا سب ڈوب گئے صرف محمد بختیار دو سو سواروں کے ساتھ بمشکل کنارے لگا۔ اور علی مینج دوسرے کنارہ اپنی فوج سمیت موجود تھا۔ وفاداری سے پیش آیا۔ محمد بختیار دیو کوٹ پہنچکر غم و غصہ اور خلجی عورتوں کے طعن و تشنیع سے بیمار ہوا اور ایک لالچی امیر کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ بستر مرگ پر محمد بختیار بار بار کہتا تھا کہ اس شکست اور سخت حادثہ کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ سلطان معز الدین محمد غوری شاید فوت ہو گیا ہے جو ہم کو شکست ہوئی اور اہل اسلام کا اقبال زوال پذیر ہوا۔ واقعی محمد بختیار کا یہ خیال درست تھا یہ واقعہ تبت ۶۰۲ھ کا ہے اور اُس وقت سلطان غازی رحمتہ اللہ علیہ شہید ہو چکا تھا۔ محمد بختیار کے اس قول سے مسلمانوں کی وہ دلی عقیدت اور ارادت ثابت ہوتی ہے جو سلطان محمد غوری کی اسلامی خدمات اور فاتحانہ مہمات سے پیدا ہو چکی تھی بلند اقبال سلطان اپنی عالمگیر ظفر مندی کی وجہ سے اسلام کی پشت و پناہ خیال کیا جاتا تھا محمد بختیار جیسے جانباز مشہور بھی اسلامی فتوحات کا باعث ذات سلطانی ہی کو جانتے تھے یہ امر سلطان محمد غوری کے لئے کمال فخر کا باعث ہے کہ اُس کے وجود کو اسلام کے لئے مبارک و مسعود خیال کیا جاتا تھا۔ یہ فضیلت بغیر حقیقی اخلاص اور ایثار کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ اوصاف حسنہ سلطان محمد غوری کے ہر ایک فعل و قول سے بخوبی ظاہر ہوتے تھے ✦

محمد بختیار کے جانشین

اور

کرامت اولیاء

محمد بختیار کو شہید کر کے علی مردان خلجی بنگالہ کا فرمان روائے ہوا۔ جو جلدی ہی اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ حسام الدین عوض خلجی آخر بنگالہ کا حاکم ہوا۔ اور خود مختار ہو کر اپنا لقب غیاث الدین رکھا۔ اس کا ابتدائی حال مؤلف طبقات ناصری یوں لکھتا ہے کہ عوض حسین خلجی علاقہ غور میں ایک غریب مزدوری پیشہ شخص تھا ایک دن گدھے پر اسباب لاد کر کہیں جا رہا تھا کہ ایک ٹیلہ پر دو درویش خرقہ پوش ملے اور عوض خلجی سے کہا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے تو دیدو عوض خلجی کے پاس تھوڑی سی روٹی اور پانی اسباب میں بندھا تھا روٹی پیش کی اور پانی لے کر مؤدبانہ طور سے کھڑا ہو گیا۔ درویشوں نے کھانا کھا کر کہا کہ اس شخص کو خدمت کا بدلہ دینا مناسب ہے عوض خلجی سے کہا کہ سردار ہندوستان کے اخیر میں جہاں اسلام پہنچا ہے جاؤ اور بادشاہ ہو۔ عوض خلجی اپنی عورت کو گدھے پر لاد کر روانہ ہندوستان ہوا اور محمد بختیار کی خدمت میں حاضر ہو کر ملازم ہو گیا۔ اور رفتہ رفتہ چند سال میں ترقی پا کر امیر بن گیا محمد بختیار کے فوت ہونے اور غاصب علی مردان وغیرہ کے مارے جانے کے بعد حسام الدین عوض خلجی خود مختار شاہ بنگالہ مقرر ہوا اور غیاث الدین اپنا لقب رکھا نہایت عادل۔ رعیت نواز۔ فیاض وجواد تھا اس کا شہرہ سخاوت سن کر غور کا ایک عالم لکھنوتی پہنچا۔ غیاث الدین نے وعظ کرایا دیگر انعام کے علاوہ سونے چاندی کا طشت بھر کر نذر کیا اور دیگر امرا کو بھی انعام دینے کا حکم دیا۔ عالم مذکور لاکھوں روپیہ لے کر واپس غور ہوا۔

بنگالہ کا پل اعظم

غیاث الدین نے بنگالہ میں مدارس۔ مساجد۔ خانقاہیں۔ مسافر خانے تعمیر کرائے۔ بنگالہ میں بارش کے موسم میں راستے کئی کئی ماہ تک بند رہتے تھے بغیر کشتی بعض جگہ سے گزرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ لکھنوتی سے دیوکوٹ تک پندرہ روز کا راستہ تھا موسم برسات میں مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ مسافر نواز۔ اولوالعزم۔ دریادل غیاث الدین عوض خلجی نے لکھنوتی سے دیوکوٹ تک پل بند ہوا دیا اگر تمام پل سنگین یا خشتی تھا تو اسقدر طویل پل دنیا میں بے نظیر تھا اور مسلمانوں کی فیاضی

اور رعایا پروری کی کافی دلیل ہے۔ اگر صرف مٹی کا بندھ ہی تھا اور کہیں کہیں پانی نکلنے کے لئے متعدد پل پختہ بنوائے گئے تھے تو بھی مسلمانوں کی انتظامی قابلیت اور رفاہ عام کاموں کی دلچسپی کی زبردست شہادت ہے۔ یہ ابتدائی فاتح تھے جن کی نشو ونما افغانی پہاڑوں میں ہوئی تھی مسلمان فاتحوں نے ہندوستان کی آبادی اور ترقی میں دل کھول کر خرچ کیا اور سلطان محمد غوری کے قابل جائے نشینوں نے ہندوستان کی دولت کو ہندوستان کی سرزمین میں خرچ کرنے میں کریمانہ جوہر دکھائے۔ اُنھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن اور رعایا کو ؎

رعیت چو بیخ است سلطان درخت درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

خیال کیا۔ غیاث الدین عوض خلجی جس کی خود صدر جہان منہاج سراج نے بنگالہ میں بہت سی تاریخی یادگاریں دیکھی تھیں بارہ سال کی خود مختار حکومت کے بعد سلطان ناصر الدین محمود بن التمش شاہ دہلی سے شکست کھا کر شہید ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ

سلطان شمس الدین التمش

سلطان قطب الدین ایبک کی ناگہانی فوتیدگی سے امرائے سلطنت نے آرام بن قطب الدین کو تخت نشین کیا مگر اس کی یکسالہ حکومت میں ہی علاقہ دہلی کے اجزا بکھرنے لگے ناصر الدین قباچہ اگرچہ قطب الدین کے ماتحت نہ تھا مگر شاہ دہلی کی سیادت کو مانتا تھا اب بالکل آزاد ہو گیا۔ بنگالہ میں خلجیوں نے اپنی مستقل سلطنت قائم کر لی راجاؤں نے سرکشی اختیار کی سرحدوں پر فساد کھڑا ہو گیا۔ آرام ناقابل حکومت نکلا۔ امرائے سلطنت نے مجبوراً التمش کو جو سلطان قطب الدین کا غلام داماد متبنیٰ حاکم بدایوں تھا دہلی بلایا اور آرام شاہ کو شکست دیکر تخت نشین ہوا۔ اسوقت صوبجات متحدہ ہی صرف شاہ دہلی کے ماتحت تھا۔ لاہور کو بھی تاج الدین یلدوز لے چکا تھا۔ مگر اس نیک نیت سلطان نے سندھ۔ لاہور۔ بنگال کو از سر نو فتح کر کے شاہ دہلی کے وقار کو قایم کیا:۔

قبل اس کے کہ التمش کے عہد کے واقعات کو بیان کیا جائے اس کی حالت غلامی اور ابتدائی ترقی کا حال بغرض عبرت ناظرین لکھا جاتا ہے جس سے کئی اخلاقی سبق حاصل ہو سکتے ہیں۔ جو اس کتاب کا مدعا ہے۔ بروایت طبقات ناصری التمش ترکوں کے قبیلہ البری میں سے تھا باپ کا نام ایلم خاں قبیلہ کا سردار تھا۔ التمش کی خوبصورتی اور حسن سیرت سوتیلے یا چچیرے بھائیوں کے

حسد کا باعث ہوئی - عداوت یا طمع سے حضرت یوسف علیہ السلام کیطرح ایک سوداگر کے ہاتھ
اُن بھائیوں نے فروخت کیا جبکہ باپ کے گلہ اسپان کی سیر کے بہانہ سے باہر لے گئے تھے - تاجر
مذکور التمش کو بخارا لایا اور صدر جہان بخاری کے خاندان میں کسی کے ہاتھ فروخت ہوا اور اس خاندان
کے تقوے و ورع علم و فضیلت سے فیض اُٹھانے لگا - خود سلطان التمش نے زمانہ شاہی
میں واقعہ ذیل بیان کیا ہے - جس سے قدرت الٰہی کا عجیب کرشمہ دکھائی دیتا ہے ۔

کرامت اولیا اور التمش کی عقیدت

التمش نے بیان کیا کہ ایک دن مالک نے بخارا میں مجکو انگور خریدنے بازار روانہ کیا
بچہ تھا نقدی کہیں گر گئی مالک کے خوف سے زار زار رونے لگا ایک درویش آپہنچا سبب گریہ دریافت
کیا التمش نے نقدی کھویا جانا بیان کیا درویش نے انگور حسب ضرورت خرید دیا اور التمش سے
عہد لیا کہ بادشاہ ہو کر فقراء و علماء کی خدمت اور مدد کرنا اور درویشوں کو بھول نہ جانا - اُن کی عزت
و تعظیم کرنا - التمش نے فقیر مذکور سے درویشوں وغیرہ کی مدد کا وعدہ کیا - التمش کہا کرتا
تھا کہ سلطنت و شاہی اسی درویش کی توجہ و عنایت سے ملی ہے - واقعی جس طرح التمش نے فقراء
و علماء درویش و مساکین مشائخ و اولیاء کی محبت عزت و تعظیم کی ہے وہ اُسی کا حصہ تھا ؎

"درویش صفت باش و کلاہ تتری دار"

کا پورا نمونہ تھا - غربا پروری - مہمان نوازی - اسلامی خدمات التمش کے بہت بڑھے ہوئے
ہیں گو وہ ظاہر میں ہندوستان کا شہنشاہ مطلق العنان تھا مگر اُس نے ہمیشہ خواہش نفسانی کو مغلوب
رکھا - کوئی بداخلاقی - بدوضعی التمش سے منسوب نہیں کی گئی اُس کو پابندی احکام اسلام نے نمونہ
صحابہ کرام رضی اللہ علیہم بنا دیا تھا - عدل و عفت - سخاوت و رافت جس کی قرآن علے الاعلان
تعلیم دیتا ہے وہ صفات التمش میں موجود تھیں - اُس عہد کے بزرگان دین کی خدمت و عقیدت
پر شیفتہ تھا - حضرت شیخ المشائخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتی رضی اللہ عنہ کا مرید بلکہ بقول
بعض خلیفہ تھا اور شاہان دہلی میں یہ عارفانہ عزت کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی - اور بغیر روحانی صفائی
اور معنوی ترقی کے خلافت خواجہ قطب جیسے باکمال پیران طریقت سے کبھی نہیں مل سکتی
التمش ظاہری و باطنی سلطنت کا مالک تھا - شیخ ؎

تو بر تخت سلطانی خویش باش ۔ باخلاق پاکیزہ درویش باش ۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست — بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

صفات حسنہ اور ملکات فاضلہ کا حصول اولاً پابندی شریعت سے راسخ اور پھر تصوف کے علم و عمل سے کامل ہوتا ہے التمش یہ درجات طے کر چکا تھا۔ اور اسلامی فضیلت کی اعلیٰ ڈگری پا چکا تھا۔ سلاطین اسلام میں سے جو لوگ ان عملی صفات سے موصوف ہوئے ہیں اُن کے عہد کے کارنامے تاریخ میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ خاص ہو یا عام سلطان ہو یا رعیت تقلید شریعت کے بغیر جس میں تمدن و اخلاق کے قواعد و ضوابط نہایت عمدگی سے ضبط کئے گئے ہیں کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ جو شریعت سے نفور رہتا ہے آخر برباد ہوتا ہے۔ اس کے نظائر اس کتاب میں اپنے اپنے موقعہ پر ملتے رہیں گے۔ اور اس کتاب کی غرض تالیف بھی یہی ہے +

التمش کا قطب الدین کے ہاتھ بکنا

خاندان صدر جہان بخاری سے حاجی بخاری تاجر نے خرید کیا اور اُس سے جمال الدین چست قبا خرید کر غزنی لایا۔ اس سے پہلے التمش سے زیادہ خوبصورت اور نیک سیرت کوئی ترکی غلام غزنی میں نہ آیا تھا۔ سلطان معز الدین محمد غوری جو ترکی غلاموں کے خریدنے اور تربیت کرنے میں نہایت شوق رکھتا تھا خریدار بنا۔ سوداگر نے مع ایک اور ترکی غلام کے ایک ہزار دینار قیمت بتائی۔ دلالوں نے حسب عادت قیمت گھٹانی چاہی۔ سوداگر نے اُس قیمت کے لینے پر اصرار کیا۔ دلالوں نے سلطان سے کچھ اسطرح جاکر کہا کہ سلطان محمد غوری جیسا عالی ہمت بندہ پرور سلطان سوداگر سے ناراض ہو گیا۔ اور حکم دیا کہ غزنی میں کوئی نہ خریدے۔ سوداگر غزنی میں ایک سال رہ کر مایوس بخارا چلا گیا اور وہاں سے بغداد۔ اس جگہ سوداگر مذکور نے صوفیوں کی دعوت مجلس سماع میں رات بھر التمش درویشوں کی خدمت میں کھڑا رہا۔ جن میں مشہور صوفی قاضی حمید الدین ناگوری بھی تھے۔ درویشوں کو التمش کی خدمت پسند آئی اور اُن کی توجہ سے سلطنت نصیب ہوئی۔ تاجر مذکور بغداد سے پھر غزنی آیا جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا قدردان شہر نہ تھا مگر سلطان کی ممانعت کے سبب کوئی خریدار نہ نکلا انہیں دنوں میں سلطان قطب الدین ایبک گجرات اور نہر والہ کی فتح کے بعد سلطان محمد غوری کے حضور میں حاضر ہوا تھا۔ التمش کے حسن صوری و معنوی اور ممانعت سلطان کا حال سُن کر سلطان سے اجازت خرید التمش طلب کی سلطان کو چونکہ قطب الدین کی خاطر منظور تھی اور اُس دُر بے بہا کا اپنے ملک سے باہر جانا بھی

پسند نہ کرتا تھا حکم دیا کہ غزنی میں خریدنے کی ممانعت ہے۔ دہلی لیجا کر خرید لو۔ قطب الدین سوداگر کو دہلی لایا اور وہاں ایک اور غلام طمغاج ایبک سمیت ایک لاکھ روپیہ کو خرید لیا دوسرا غلام تو تربیت سلطانی سے حاکم بھٹنڈا ہوا اور تاج الدین یلدوز کی لڑائی میں حق نمک ادا کرتا ہوا مارا گیا۔ التمش پرائیویٹ خدمات سے میر شکار اور پھر خدمات شایستہ اور قدردانی سلطانی سے گوالیار۔ برن اور آخر بدایوں کا گورنر ہو گیا جو اسوقت سب سے زیادہ معزز عہدہ تھا۔ اس سے پہلے وہ غلامی سے آزاد ہو چکا تھا اُس کی کیفیت اس طرح پر ہے کہ جب سلطان معزالدین محمد غوری معرکہ اندخود واقعہ ترکستان سے شکست پاکر واپس ہوا اور سلطان کی فوتیدگی کی افواہ نے کھوکھران پنجاب کو باغی وسرکش بنا دیا۔ سلطان غازی غزنی سے اور قطب الدین دہلی سے فوج لیکر پنجاب پہنچ گیا۔ کھوکھروں سے معرکہ ہونے لگے دریائے جہلم پر کھوکھروں کا زبردست مورچہ تھا اور کوئی مسلمان بہادر حملہ کی پیشدستی نکرتا تھا کہ التمش نے گھوڑا دریا میں ڈالدیا اور پایاب موقعہ پر کھڑے ہوکر اسقدر تیر باراں کی کہ دشمن کی ہوش بھلا دی اور وہ فوج سلطانی کے روکنے کے قابل نہ رہ سکے۔ باقی فوج اسلامی بھی حملہ آور ہو سکی۔ کھوکھروں کو شکست ہوئی سلطان محمد غوری نے جو اسوقت خود فوج کی کمان کر رہا تھا دریافت کیا کہ پہلا حملہ آور کون شخص تھا۔ معلوم ہوا کہ وہی غلام جس کے خریدنے کی حضور نے ممانعت کی تھی۔ سلطان محمد غوری جو بہادری۔ وفاداری۔ جان بازی۔ نمک حلالی کا سب سے زیادہ قدردان تھا التمش کو انعام واکرام سے مالا مال کردیا اور غلامی سے آزاد کرا دیا۔ قطب الدین رح کو التمش کے تربیت کی تاکید کی اور کہا کہ اس شخص سے بڑے بڑے کام نکلیں گے۔ جو کچھ اُس پاکباز سلطان نے کہا وہی ظہور میں آیا۔ سچ ہے ؎

"ملوک را بملکوت راہ بے باشد"

قاعدہ انتخاب اسلامی

اور

التمش کا جلوس

آج کل عام رائے موروثی سلطنت کے برخلاف ہے اور یورپ کو اسکا پابند

بلکہ مخترع خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن سب سے اول دنیا میں موروثی سلطنت کے خلاف قاعدہ انتخاب کو اسلام نے رواج دیا۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مسلمانوں کے انتخاب سے خلیفہ ہوئے۔ باوجود لائق اور اولاد راشد کے موروثی حقوق کو نظر انداز کیا گیا۔ مدت کے بعد جب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا آغاز ہوا تو وہی ابتدائی اسلامی قاعدہ عمل میں لایا گیا۔ ہندوستان کے مسلمان عہد مغلیہ تک اسی قاعدہ کے عموماً پابند رہے۔ محمد غوری کے بعد اس کے خاندانی اقربار کی جگہ لائق کارکن غلام امیر و شاہ بنائے گئے قطب الدین ایبک گو بانی سلطنت دہلی تھا اور اس کی جگہ بحق وراثت اس کا بیٹا آرام شاہ تخت نشین ہوا مگر نامور باپ کے وہ اوصاف نہ رکھتا تھا جو ہندوستان کے سلطان (خلیفہ) ثانی کے لئے ضروری تھے اس لئے امراء و وزراء نے اسلامی سلطنت کی بہبودی اور ترقی کے خیال سے التمش کو تخت دہلی کے لئے منتخب کیا اور بدایوں سے اس کو طلب کیا۔ آرام شاہ نے مقابلہ خفیف سا کیا لیکن شکست پائی اور ایک سال کے اندر ہی مر گیا +

یہ قاعدہ مغلوں کے عہد تک برابر جاری رہا۔ جوں ہی کوئی بادشاہ یا خاندان صراط مستقیم سے منحرف ہوا۔ معزول کیا گیا۔ اور دوسرا سلطان یا خاندان جدید طاقت اور لیاقت سے سربرآوردہ ہوا۔ اور ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو اس قاعدہ سے جدید خاندانوں کے ذریعہ تقویت پہنچتی رہی گو بعض قومی جتھے جو اس وقت ہندوستان میں عام تھے سلاطین دہلی کو نقصان پہنچاتے رہے مگر ایسے پر جوش جدید خاندانوں کا پیدا ہونا اور برسرکار ہونا اسلام اور اسلامی سلطنت کے لئے نہایت مفید تھا یہ طریقہ انتخاب جس میں مسلمانوں کی اجماعی قومی طاقت کا پورا اظہار ہوتا ہے سلطنت ترکی میں صدیوں سے رواج پذیر ہے بیسیوں سلاطین نالائقی اور وزرا و امرا قومی جرم کے سبب معزول و مقتول کئے گئے۔ یہ قومی طاقت قوم کی زندگی کا ثبوت دیتی ہے۔ التمش کے بعد اس کی اولاد کے عزل و نصب پر بھی یہی قاعدہ استعمال کیا گیا۔ بلبن اسی طاقت سے تخت نشین ہوا۔ کیقباد کی تباہی اور جلال الدین خلجی کی کامیابی اسی قومی قاعدہ سے ہوئی۔ اس وقت کے مسلمان صرف کام کرنے والے کو چاہتے تھے۔ علاء الدین خلجی نے گو غداری سے تخت حاصل کیا مگر سب سے لائق نکلا۔ نمک حرام خسرو خاں کی بربادی اور تغلق کی فتحیابی کا یہی راز تھا لودھی پر جوش قوم کا خیر مقدم قوم نے اسی "الکوم للتقوے" کے زریں اصول پر کیا۔ بابر کی نو وارد اور پر جوش فوج نے مسلمانوں کی اسی عادت سے فائدہ اٹھا یا مغلوں

کے عہد میں صرف ایک خاندان کے لئے ہی ہندوستان بطور ورثہ خیال کیا گیا اور تمام اسلامی خاندان کے دلوں سے یہ خیال دور ہو گیا پایا گیا جس سے الوالعزمی کی جگہ پستی دلوں پر چھا گئی۔ اور مغلوں کے ساتھ ہی تمام مسلمان پست ہو گئے۔ مفصل بحث عہد مغلیہ میں کی جائے گی +

التمش کے عہد کے واقعات

التمش بخطاب شمس الدین ۶۰۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ بعض امرائے معزی اور قطبی مخالف ہوئے لیکن شکست پا کر مقہور ہوئے۔ تاج الدین یلدوز نے تخت غزنی کے استحقاق سے پنجاب پر حملہ کیا اول عہد نامہ ہوا مگر دوسری بار جب جلال الدین خوارزم شاہ سے شکست پا کر لاہور میں آیا اور معرکہ آرا ہوا تو شکست پا کر بدایوں میں بحالت قید فوت و مدفون ہوا ۶۱۴ھ مطابق ۱۲۱۶ء میں ناصر الدین قباچہ سے حد لاہور پر لڑائی ہوئی اور ناصر الدین کو شکست ہوئی۔ اس فتح میں اُن خلجیوں کی جمعیت کا بہت حصہ تھا جو ناصر الدین قباچہ سے شکست پا کر سلطان شمس الدین التمش کے دامن گرفتہ ہوئے تھے +

چنگیز خاں اور جلال الدین خوارزم شاہ کا معرکہ دریائے سندھ

بہادران ہندوستان کا غازیانہ عزم

اسی عہد ۶۱۸ھ میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ چنگیز خاں سے شکست پا کر غزنی کی فتح کے بعد سندھ پر فوجیں روانہ کیں جو بہادر ناصر الدین قباچہ کی رکاوٹ اور چنگیز خاں کے حملہ سے دریائے سندھ پر رک گئیں۔ مگر جب چنگیز خاں جلال الدین کے تعاقب میں دریائے سندھ پر پہنچا اور خونخوار جنگ اور جان نثار بہادروں کے مارے جانے کے بعد جلال الدین نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور سندھ جیسے دریائے زخار میں سے تیر کر پار اُتر گیا اور دوسرے کنارے جا کر زین و خوگیر اُتار کر دھوپ میں رکھ دیا صرف چند وفادار زندہ پار اُتر سکے۔ چنگیز خاں بہادر مغلوں کو للکارتا تھا کہ کوئی جلال الدین کو گرفتار کرے مگر کسی کا حوصلہ نہ پڑا کہ جان عزیز کو دریا کی نذر کرے جلال الدین

کے پاس چند ہزار شکست یافتہ ملازم جمع ہو گئے اور دوابہ سندھ ساگر کے علاقہ پر قابض ہو گیا
التمش نے گو ہر طرح سے پوری پوری فوجی تیاریاں کیں مگر ایک مصیبت زدہ سلطان جان کے
مقابل نہ ہوا اور ہندوستان سے چلے جانے کی ترغیب دیتا رہا جلال الدین بھی زیادہ ستانی
اپنی خستہ حالت اور مغلوں کی عداوت کے سبب نہ کرسکتا تھا اس لئے کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوئی
جس میں سلطان شمس الدین التمش زیادہ تعریف کا مستحق ہے جس کے علاقہ میں جلال الدین
خود بخود گھس آیا تھا۔ اس پناہ دینے میں التمش کی اسلامی ہمدردی اور ذاتی جرأت کا بھی ثبوت
ملتا ہے۔ چنگیز خاں جس نے خوارزم شاہی سلطنت کو تباہ کیا۔ وسط ایشیاء و افغانستان و خراسان
وایران کے خوانین وسلاطین کو ہلاک وذلیل کیا۔ جلال الدین کے تعاقب میں دریائے سندھ
کے پار پہنچ گیا اور جلال الدین کی گرفتاری کے لئے کوشش کرتا رہا۔ اور جلال الدین کا گرفتار
کرنا یا کم سے کم فوراً ہندوستان سے نکال دینا اور ابن الوقت سلاطین کی طرح چنگیز خاں جیسے
جابر کو خوش کرنا شہنشاہ دہلی کے لئے بالکل آسان تھا مگر اس غیور پابند اسلام مجاہد
فی سبیل اللہ سلطان نے خلاف قرآن مسلمان کو چھوڑ کر ایک ظالم دشمن اسلام مشرک
کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ اور مسلمانوں کو پناہ دی۔ چنگیز خاں کے عزم
وحوصلہ اور اس کی فوج کے بہادرانہ کارناموں پر غور کیجائے تو جلال الدین جیسے دشمن کا تعاقب
چھوڑنے کے سوا اس کی اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگرچہ جلال الدین آوارہ اور فوج کم رکھتا
تھا۔ چنگیز خاں دریائے سندھ کو بذریعہ کشتی وغیرہ عبور کرسکتا تھا۔ مگر دریائے سندھ سے
نہ اترنا صرف ہندوستان کی اسلامی سلطنت کی زبردست فوجی طاقت کا نتیجہ تھا۔ غازی
محمد غوری رحمتہ اللہ علیہ کے تمام چیدہ جرنیل اور تربیت یافتہ ہندوستان میں موجود تھے
اور اہلیت اسلام رکھتے تھے۔ ہندوستان کی فوجیں غزو جہاد میں مشہور تھیں۔ اُن کی مذہبی حرارت
بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اسلامی ممالک کے تمام ضرر رسیدہ مسلمان ہندوستان میں جمع ہو چکے تھے
خود التمش اور ناصر الدین قباچہ والی ملتان پابند شرع اسلام پر جان و مال فدا کرنے والی
فوج و رعیت میں عزیز و ہر دلعزیز موجود تھی۔ اس لئے چنگیز خاں نے ایسے جان فروش
غازیان اسلام سے جو خوارزمی سلطان و فوج کی طرح ظالم وعیاش نہ تھے مقابلہ کرنا خلاف
مصلحت جانا اگر مقابلہ ہوتا تو اس کی وہی حالت ہوتی جو پچاس ہزار خراسانی حملہ آوروں کی ناصر الدین
قباچہ کے ہاتھ سے یا جو بعد میں دوسو اڑھائی سو سال تک دہلی کی اسلامی فوجوں نے مغلوں

کی درگت ہوتی رہی اور ہر بار بہادران ہندوستان کے ہاتھ سے ذلت اوٹھا کر نکالے جاتے
رہے۔ جس کی بحث اپنے اپنے موقعہ پر کیجائے گی۔ غرض یہ ہے کہ اُس وقت ہندوستانی مسلمان
اسلام کے سچے فدائی پابند شرع قومی ایثار سے سرشار تھے جن کا سرتاج خود شمس الدین
التمش علم دوست صوفی مشرب فیاض و کریم النفس تھا۔ اسی وجہ سے اُس کو مورخوں نے
سلطان سعید کا لقب دیا ہے جو بالکل بجا رہے۔ ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست ٭ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اہلیت اسلام کی مسلمانوں کو ضرورت

چنگیز خاں کی شوکت و جبروت اور مغلوں کی ہیبت و سطوت کو زمانہ حال کی کوئی قوم
نہیں پہنچ سکتی۔ مگر ہندوستان کے مسلمانوں کی اہلیت اسلام اور پابندی قرآن نے اُس کو
ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا حوصلہ نہ دیا۔ ناظرین غور کریں کہ آج کل مسلمان اسی اہلیت کے
نہ ہونے کے سبب سے دنیا کے ہر ایک گوشہ میں ذلیل و خوار نظر آتے ہیں۔ اور کوئی تجویز کارگر
نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے غلام سلاطین نے آزاد اور شریف خاندانوں بلکہ اسلام کی آبروئے
بچائی اور اسلامی حریت اور شرافت کی معیار "الکرم للتقوی" کو صحیح ثابت کر دکھایا۔ اور یہی
حال مصر کے سلاطین غلاموں کا تھا جنہوں نے مغلوں کو نیچا دکھایا جس کا ذکر تذکرہ بہادران اسلام
مؤلفہ فقیر میں موجود ہے۔ مسلمان جو گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں۔ جب تک اہلیت اسلام
حاصل نہ کریں گے۔ "لاالقوم الساعة حتی اهلہ ظاهرون" کی فلاسفی سے فائدہ نہیں
اُٹھائیں گے۔ مخالف اسی اہلیت کے حصول میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں۔ اور دنیا پرست
نہیں سمجھتے۔ اخلاص و ایثار کامیابی کی جڑھ ہے جو مسلمانوں میں عنقا ہے آج کل کے مسلمان
ظاہری عزت و نمود کے لئے کام کرتے ہیں اخلاص کا نام نہیں پایا جاتا۔ شمس الدین التمش
کی ذات میں یہ وصف اعلٰے موجود تھی۔ جس کی تقلید میں تمام مسلمانان ہندوستان ملک و ملت
کے بچانے کے لئے جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ ہر حصہ ملک میں خصوصاً فوجی
مرکزوں میں آتش زبان فصیح بیان واعظ و لکچرار غزا و جہاد کے وعظ سے مسلمانوں کو جان نثاری
کے لئے سرگرم بناتے تھے۔ ایسے واعظ بالعموم موجود تھے۔ خواجہ صدر جہان طبقات ناصری
جیسے مورخ وعظ کرتے اور قومی خدمات کے پر زور لکچر دیتے اور اسلام کے فدائی بناتے

مگر یہ سب کچھ اہلیت اسلام پر موقوف تھا جو تعلیم قرآن اور اس کے احکام کی پابندی سے اسوقت کے مسلمانوں کو حاصل تھا۔ پابندی شریعت کے بغیر اپنے آپ کو مسلمان جاننا جہل مرکب سے کم نہیں جس عجب وحماقت میں ہمارے زمانہ کے مسلمان مبتلا ہیں جب تک کہ یہ مرض عدم تقلید شریعت کے دور نہ ہوگی۔ مخلصانہ اولوالعزمی وایثار کے اوصاف پیدا نہیں ہوسکتے اور حقیقی ترقی کا مُنہ مسلمان نہیں دیکھ سکتے ✦

التمش پر ملحدین کا حملہ

التمش ہر جمعہ کو جامع مسجد میں جاتا اور تمام حفاظتی تدبیروں کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کے ساتھ شامل نماز ہوتا۔ ملحدین ایسے حامی اسلام سلطان کے قتل کے درپے ہوئے۔ ایک دن کئی ملحد تلواریں کھینچ کر جب کہ سلطان اور مسلمان نماز میں مشغول تھے جامع مسجد میں گھس آئے کئی ایک بیگناہ مسلمان مارے گئے مگر سلطان کو بچالیا۔ اور عام مسلمانوں نے ایک ملحد کو زندہ بچانے دیا

التمش کی فتوحات اور اسلامی جوش

۶۰۷ھ سے لے کر ۶۲۲ھ تک التمش امرائے ترک مغربیہ وقطبیہ کے فسادوں اور تاج الدین یلدوز اور جلال الدین خوارزمی کی آمد اور چنگیزی حوادث وغیرہ اسباب کی وجہ سے کہیں فوج کشی نہ کرسکا۔ چنگیز خاں جس نے خوارزم۔ غور۔ ایران کی اسلامی سلطنتوں اور شاہی خاندانوں کا صفایا کر دیا تھا اُس کا خوف ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر التمش اپنی اعلیٰ درجہ کی تدبیر وہمت سے جملہ مشکلات پر غالب آیا۔ اول امرائے ترک کو مقہور کیا تاج الدین یلدوز کو شکست دیکر بداؤں میں قید اور جلال الدین خود بخود براہ سندھ ایران کو چلا گیا۔ چنگیز خان ہندوستان کی اسلامی شمشیر کے خوف سے سندھ پار نہ ہوسکا۔ اور مر بھی گیا۔ اُس کے جانشینوں کی توجہ ذاتی معاملات اور دیگر ممالک کی طرف مبذول ہوگئی جنکا فتح کرنا ہندوستان کی نسبت آسان تھا اس لئے تمام خدشات سے مطمئن ہو کر التمش نے ۶۲۲ھ میں بنگالہ پر چڑھائی کی۔ جہاں غیاث الدین عوض خلجی خود مختار سلطان تھا۔ جس کی کریم النفسی نیک نہادی کا ہم اوپر حال لکھ چکے ہیں ✦

غیاث الدین اطاعت سے پیش آیا۔ تیس ہاتھی اور ۸۰ لاکھ روپیہ نقد دیا خطبہ و سکہ التمش کا جاری کیا اور التمش واپس ہوا۔

۶۲۳ھ میں قلعہ رنتھن بور واقعہ راجپوتانہ کو چار ماہ کے محاصرہ کے بعد فتح کیا۔ جسکا استحکام اسقدر تھا کہ اس سے پہلے ستر مہاراجگان و شاہان رنتھنبور کی فتح سے ناکامی حاصل کر چکے تھے جس سے ہندو اور مسلمانوں کی جنگی قابلیت کا نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے ۶۲۴ھ میں کوہستان ہمالہ کی پہاڑی ریاستوں مندور وغیرہ کو فتح کیا جو شاہ دہلی کی چند سالہ خاموشی سے پر پرزے نکالنے لگے تھے۔ چونکہ ناصرالدین قباچہ جلال الدین خوارزمی کے چلے جانے اور مغلوں کے حملات سے بے فکری حاصل کرنے کے سبب شاہ دہلی کے علاقہ میں دست اندازی کرنے لگا اسلئے التمش نے ۶۲۵ھ میں اوچہ و ملتان پر حملہ کیا۔ ناصرالدین تاب حملہ نہ لا کر اپنی بیٹے علاءالدین بہرام کو التمش کے حضور میں اور خود بھکر کو چلا گیا جہاں دریائے عبور کرتا ہوا غرق ہوا۔ اور التمش کی خوش قسمتی سے یہ کانٹا بھی نکل گیا اور تمام علاقہ سندھ اُس کے ماتحت ہو گیا۔ یہ دہلی کا پہلا سلطان ہے کہ جس کی ماتحت مشرقی بنگال سے لے کر ٹھٹہ اور سیبی بلوچستان تک تمام شمالی ہندوستان تھا۔ راجپوتانہ میں اُس وقت صرف ایک رانائے چتوڑ ہی زبردست تھا جسکی سلطنت کا زبردست مشہور قلعہ رنتبور فتح ہو چکا تھا اور چتوڑ کے بازو کٹ چکے تھے اور خود چتوڑ بھی ترکتازان اسلام کے صدمات سے محفوظ نہ رہا التمش نے تمام مخالفان سلطنت پر کامیابی حاصل کر کے دہلی میں عالیشان دربار کیا۔

دہلی کا پہلا اسلامی دربار

شہر دہلی سجایا گیا۔ امراء و علماء و دیگر مستحقین کو انعام و اکرام سے مالامال کیا گیا۔ یہ دہلی کا پہلا اسلامی دربار ہے افسوس کہ یہ خوشی راست نہ آئی اور دو ماہ بعد اس کے بڑے بیٹے عالم و فاضل بہادر ناصرالدین کی لکھنوتی واقعہ بنگال میں مرنے کی خبر آئی۔ جس کے صدمہ نے سلطان کو مضمحل کر دیا۔ بنگال کو خلجیوں نے ہی فتح کیا تھا اور خلجی خود مختار سلطنت بھی چند سال کر چکے تھے اُن کی قوم خلجی کا بنگالہ میں ہجوم تھا۔ شاہزادہ ناصرالدین کے مرنے پر ایک خلجی امیر باغی ہو کر بنگالہ پر قبضہ کر بیٹھا۔ جس کو التمش نے شکست دے کر قید کر لیا۔ اور اپنا گورنر مقرر کر کے واپس ہوا۔

گوالیار کی فتح

۶۲۹ھ میں گوالیار پر حملہ آور ہوا۔ جو سلطان قطب الدین کے بعد شاہ دہلی کی مشکلات سرحدی دیکھ کر منحرف ہو گیا تھا۔ گوالیار پرانا مضبوط قلعہ تھا۔ وہاں کا راجہ ملک دیو مشہور شجاع اور کافی سامان جنگ رکھتا تھا۔ گیارہ ماہ تک محاصرہ رہا اور علماء دین بحکم سلطانی اپنی وعظوں سے مجاہدین کا حوصلہ بڑھاتے رہے چنانچہ مشہور مورخ منہاج سراج نے اس موقعہ پر ۹۵ تاریخی لیکچر دیئے اور بہادران اسلام کے کارنامے سُنا سُنا کر مجاہدین کو جانفروشی اور بہادرانہ تندہی میں سرگرم کارزار رکھا۔ جس کے سامنے بہادر راجہ کی شجاعت اور قلعہ کی حفاظت کوئی فائدہ نہ دے سکی۔ اور غازیان اسلام نے بزور شمشیر ۶۳۰ھ میں فتح کر لیا اور راجہ ملک دیو بھاگ گیا۔ اور قلعہ پر شاہ دہلی کا قبضہ ہو گیا۔ ۶۳۲ھ میں مالوہ پر چڑھائی کی اور اوجین کو فتح کیا جو مشہور عادل و باذل راجہ بکرماجیت کی راج دہانی تھی مندر مہاکال جس کی بلندی ۱۰۵ گز اور خاصہ قلعہ تھا جنگی اور ملکی مصلحت کے خیال سے گرایا گیا۔ مہاکال کی مورت کو ہندوؤں کی ضعیف الاعتقادی دور کرنے اور ان فانی معبودوں کی بیکسی و ناتوانی عام ہندوؤں کو دکھلانے کے لئے دہلی لائی گئی اور رہے سپرد کی گئی۔ ۶۳۳ھ کو ملتان کی طرف گیا مگر راستہ میں بیمار ہو گیا اور واپس دہلی ہوا۔ ۱۹ روز کی بیماری کے بعد یہ جلیل القدر سلطان سعید شعبان ۶۳۳ھ میں ۲۶ سال کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے فتوحات ۳۶ اور ۳۰ بہادر جنرل تھے۔

غیر ممالک کے لوگوں کی آمد التمش کی مہمان نوازی اور دہلی کی رونق

سلطان شمس الدین التمش فیاض و جواد مہمان نواز غریب پرور تھا۔ چنگیزی حادثہ سے جس قدر امرائے۔ فضلاء۔ علماء۔ سلاطین۔ تاتار۔ خوارزم و غور خراسان و ایران۔ بغداد و عراق سے جان بچا کر دہلی آئے سب کی عزت و پرداخت حسب مدارج کی گئی۔ اور ان کا جبر نقصان کیا گیا ملازمت جاگیر و معافی تنخواہ و وظیفہ کی امداد سے کثیر التعداد پناہ یافتوں کی تسلی خاطر

رکھی گئی اور غریب الوطن شرفا کے سبب سے چنگیز خاں جیسے جابر و قاہر خاقان کی مخالفت کی پرواہ نہ کی گئی اور اپنی ذات اور فوج کو اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے وقف کر دیا۔ اسی حقیقی خلاص اور نیک نیتی کا اثر تھا کہ خونخوار مغل ہندوستان میں قدم نہ لگا سکے۔ اور رعایائے ہندوستان ان ظالم بھیڑیوں سے محفوظ رہی۔ جبکہ تمام ایشیاء کی جنگجو قومیں مغلوں کے ہاتھ سے تباہ ہو چکی تھیں شمس الدین التمش کا ہندوستان پر یہ بھاری احسان ہے جس کی تقلید بعد میں عہد علاءالدین خلجی تک ہوتی رہی۔ ان خاندانی شاہزادوں اور امرا کی اسقدر جمگھٹ ہوئی کہ دہلی میں ان کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے بنانے پڑے۔ فضلا و علماء مشائخ عظام کے اجتماع سے دہلی حقیقی مدینۃ الاسلام بن گئی۔ صناع و اہل حرفہ کے اجتماع سے ہندوستان کی صنعت و حرفت میں ترقی ہوئی۔ بخارا و غزنی و خوارزم کے قدردان سلاطین نے جن کاریگروں کو اقطار عالم سے چن چن کر اپنی سلطنت کی دولت و عظمت کو بڑھایا تھا وہ اب ہندوستان خصوصاً دہلی پہنچ گئے اور ہندوستان کی اصلی تمدن و معاشرت صنعت و حرفت میں حیرت انگیز ترقی کے باعث ہوئے +

قطب صاحب کی لاٹ

حوض شمسی اور قطب صاحب کی بے نظیر لاٹ جو سو گز بلند اور سات منزل (درجہ) تھی اور اب اسّی گز اونچی اور پانچ درجہ رکھتی ہے اس کا محیط جڑ میں پچاس گز اور سرے پر دس گز ہے۔ اس میں چکر دار زینہ بنا ہوا ہے سیڑھیاں تین سو اٹھتر ہیں نہایت خوبصورتی سے اس پر گلکاری اور منبت کاری بنی ہوئی ہے باوجود اسقدر اونچائی اور عظمت کے نہایت خوش قطع اور خوش وضع ہے۔ دیکھنے سے جی نہیں بھرتا۔ اور مسلمان کاریگروں کی لیاقت اور بانی کی عظمت کا اظہار زبان سے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مسجد کا ماذنہ ہے جو سلطان بنانا چاہتا تھا۔ اگر واقعی ماذنہ ہے تو اس مسجد کی رفعت و وقعت پر خیال کرنے سے سلطان سعید التمش کی دینی محبت اور اسلامی جوش کا بخوبی پتہ لگتا ہے کہ یہ سلطان جملہ سلاطین اسلام سے اجرائے کار خیر میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ یہ مسجد اگر بن جاتی تو دنیا کے معبدوں میں ایک اول درجہ کی یادگار ہوتی۔ کہتے ہیں کہ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور سلطان التمش کے ۱۶ سالہ عہد میں ختم ہوئی۔ اس روایت پر خیال کرتے

ہوئے مسجد کا ماذنہ ہی ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ قطب الدین سب سے زیادہ فیاض لک بخش تھا۔
اُس نے ایسی عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی ہوگی۔ فتح کی یادگار میں ایک مینار بنانا اور محض شکرانہ
خوشی کے لئے اسقدر زرکثیر خرچ کرنا سچے مسلمانوں کا کبھی دستور نہیں تھا۔ ہاں مسلمان جہاں گئے
سب سے اول اُنہوں نے خانہ خدا (مسجد) کی تعمیر کی اسی اسلامی دستور کے موافق سلطان
قطب الدین نے دہلی فتح کرنے کے بعد ایسی مسجد شروع کی ہوگی جو جامع مسجد کی حیثیت سے
مسلمانوں کے جم غفیر کی نماز کے لئے کافی ہو سکے۔ دہلی پر قبضہ گو سلطان قطب الدین نے کیا
لیکن معرکہ تراوڑی کے وقت سے سلطان غازی محمد غوری کی باجگذار تھی اسوقت
دہلی اجمیر اور قنوج سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی جو کئی سال پہلے فتح ہو چکے تھے اور کوئی
یادگاری مینار بنائی نہ گئی تھی۔ نہ فتح تراوڑی کے موقعہ پر جو قابل فخر معرکہ تھا کوئی یادگار
بنائی گئی۔ سلطان قطب الدین ایبک کا دہلی پر قبضہ معمولی بات تھی۔ پرتھی راج اور
کھانڈے راؤ مر چکے تھے۔ کہرام سے دہلی کو صدر مقام کی تبدیلی ہوئی اس لئے اس کی یادگار
کی ضرورت نہ تھی۔ رہا اسلامی تصرف وہ صدیوں سے ہندوستان میں موجود تھا اُس کی
یادگار بھی موزون نہ تھی۔ پس میرے خیال میں اُس کو فتح اسلام کی یادگار کہنا درست نہیں
مذہبی مکان کا پیش خیمہ تھا جو تغیرات زمانہ سے تعمیر نہ ہو سکا۔ اگر فتح اسلام کی یادگار ہی تسلیم کیا جائے
تو بھی اُس کے بانی کی اولوالعزمی اور مسلمان کاریگروں کے فن معماری کے اعلےٰ درجہ کی قابلیت
ثابت ہوتی ہے۔ ایسے کاریگروں نے کیوں نہ ہندوستانی فن تعمیر میں انقلاب پیدا
کیا ہوگا +

علمی کالج

علاوہ صنعت و حرفت کی ترقی کے علمی و روحانی مدارس نے اسی عہد میں کثرت سے
رواج پایا۔ اچھ۔ ملتان میں ناصر الدین قباچہ کی سرپرستی سے علمی کالج کھلے ہوئے تھے
چنانچہ صدر جہان منہاج سراج جب وارد ہندوستان ہوا تو اچھ کے کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور
بعد میں اَلتمش کے ساتھ دہلی آیا۔ لاہور۔ بھٹنڈا۔ بداؤں۔ اودھ۔ لکھنوتی بنگال کے علاوہ
جہاں سرکاری اور پرائیویٹ مدارس کھلے تھے خاص دہلی میں شاہی اخراجات سے اعلیٰ درجہ
کا کالج کھلا ہوا تھا۔ معلمین کو تنخواہیں اور مشتغلین کو اخراجات تعلیم دیئے جاتے تھے اور منتہی

ہوتی۔ ہر ایک قوم کو اجازت تعلیم تھی گو اسوقت ہندوؤں نے ابتدائی عہد کے سبب سے ان مدارس سے فائدہ نہ اٹھایا مگر علمی تحریک شروع ہوگئی جس سے کچھ مدت بعد ہندو اسلامی لٹریچر سے ماہر ہوگئے۔ اور مصنف اور مورخ بن گئے +

روحانی مدارس اور اشاعت اسلام

روحانی مدارس اسوقت خانقاہیں تھیں جن میں عملی تعلیم دیجاتی تھی زہد و ورع تقویٰ وطہارت کی مشق سے ان مدارس کے طلبہ کو فقر و فاقہ تکلیف و مصیبت کے برداشت کی عادت ہوجاتی پہاڑوں جنگلوں دشت و بیابان میں ہر جگہ اپنی سادگی و قناعت کی بدولت گذارہ کرسکتے۔ اور اسلامی مشنری کا کام دیتے +

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور صوفیائے کرام کی اسلامی خدمات

گو عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے بزرگوں کی آمد ہندوستان میں شروع ہوگئی تھی لیکن مستقل اسلامی سلطنت کے ساتھ خواجہ خواجگان شیخ المشائخ خواجہ بزرگوار خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اس عہد میں اجمیر میں جو ہندوؤں کی طاقتور دارالسلطنت تھی بے یار و مددگار متوکلانہ وضع سے قدم رکھا اور اسلام کی عملی تعلیم اور روحانی تدریس کا کام شروع کیا ابتدا میں گو ہندوؤں نے بہت کچھ تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی مگر کرامات محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آخر سر تسلیم جھکانا پڑا۔ آپکے مرید صادق اور خلیفہ برحق شیخ المشائخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ التمش کے عہد میں دہلی میں روحانیات کی تعلیم فرماتے تھے اور اشاعت اسلام کے علمی اور عملی تعلیم یافتہ مریدان باصفا کو ہندوستان کے مختلف اضلاع میں بھیجتے رہے۔ شیخ المشائخ حضرت باوا فرید شکر گنج رضی اللہ عنہ پنجاب کی اخلاقی تعلیم کے لئے بمقام اجودھن (پاک پٹن) مقرر ہوئے۔ خود التمش حضرت خواجہ قطب صاحب رضی اللہ عنہ کا کمال معتقد تھا بقول بعض التمش کو خلافت بھی حاصل تھی اگر تھی تو بالکل واجبی اور حق بجانب تھی۔ اسوقت کے سلطان کا جبکہ یہ اعتقاد اور روحانی حالت ہو تو بفحوائے

"النّاسُ علیٰ دِینِ ملوکھم" ملازمان شاہی اور رعیت کیوں نہ خدا پرست ہوگی اسی سے اتحاد اور اتفاق اخوت کو ترقی ہوتی ہے جس کے بغیر ملکی و قومی ترقی محال ہے ان روحانی مدارس نے جیسا کہ ہم تذکرہ سلطان محمود غزنوی میں لکھ آئے ہیں ہندوؤں کے مذہبی خیالات اور عملی معتقدات پر زبردست اثر ڈالنا شروع کیا۔ ہندو سادھو جو ہندوستان میں مقدس سمجھے جاتے تھے اُن کا مقابلہ ان اولیائے اسلام سے کیا جانے لگا جس میں بزرگان اسلام کا پلّہ بھاری رہا اور ہندوستان میں اشاعت اسلام کا یہی مرنج و مرنجاں صلح کل طریقہ کامیاب ہوا اور ہوتا رہیگا۔ اس میں جبر و اکراہ کا کوئی تعلق نہ تھا خاندان چشت اہل بہشت کے دوش بدوش دیگر سلاسل طریقت نے بھی ہندوستان میں اسلام کی خدمت کچھ کم نہیں کی شیخ المشائخ حضرت مخدوم بہاءالحق رضی اللہ عنہ ملتان میں مسند ارشاد کو زیب دے رہے تھے۔ آپ کا دائرہ افاضہ بھی سندھ کے علاوہ دیگر ممالک تک وسیع تھا آپ سہروردی خاندان کے سرگروہ اور مشائخ کے سرتاج تھے۔ ارکین سلطنت کو آپ کی ذات بابرکات سے عقیدت تھی۔ انہیں کے ہمعصر قطب الاقطاب شیخ المشائخ باوا فریدالدین شکر گنج رضی اللہ عنہ عالم تجرید و تفرید میں نظیر و مثال نہ رکھتے تھے۔ ہندو جوگی و سنیاسی سادھو سنت فریدی توکل و قناعت کو کوئی نہ پہنچ سکتا تھا اخلاق و اوصاف کے ایسے کامل نمونے ترقی اسلام کا باعث تھے یہی لوگ اُس عہد کے روحانی پیشوا اور روحانی معلم تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

خلیفہ بغداد کا خلعت

خلافت عباسیہ کے تخت پر اگرچہ سامانی۔ غزنوی۔ دیلمی۔ سلجوقی۔ غوری ایشیا میں مقتدر رہے۔ لیکن خلیفۃ المسلمین کا متبرک خطاب خلیفہ بغداد کے لئے ہی مخصوص رہا اور دیندار سلاطین مثل محمود غزنوی وغیرہ اس عقیدے کے سامنے کہ اسلام کا خلیفہ قریشی ہونا چاہئے گردن جھکاتے رہے اور خلیفہ بغداد کی عظمت مانتے رہے اور خلیفہ بغداد خطاب و خلعت بھیج بھیج کر اپنی خلافت کا سکہ چلاتا رہا۔ اسی اعتقاد اور خیال سے التمش کو خلیفہ بغداد نے خلعت لانے والی سفارت کا بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا گیا۔ شہر آراستہ کیا دربار شاہی منعقد ہوا۔ یہ اعزاز حقیقی سلطان التمش [illegible] کو خلیفہ بغداد [illegible]

گدی نشین پیرزادوں کی طرح نشان تقدس تھا پولیٹیکل طاقت اور ملکی حیثیت میں جس کا عدم وجود برابر تھا۔ ہندوستان کا شہنشاہ اس کی خلعت کی اسقدر عزت کرتا ہے۔ واقعی اسلامی ممالک میں واحد خلیفہ کی فلاسفی نہایت مفید اور قیمتی ہے اس سے تفریق اور اختلاف کا دور کرنا اور اسلامی طاقت کو اتحادی صورت میں رکھنا مقصود تھا جس قومی اتحاد کے لئے آج ہمدردان قوم ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کوئی مصر میں دنیا کے مسلمانوں کی کمیٹی تجویز کرتا ہے کوئی پان اسلام ازم کی صدا لگاتا ہے اور اسلامی اتحاد کی تجاویز سوچتا ہے۔ ایک خلیفہ کا وجود ان تمام ضرورتوں کو پورا کرسکتا ہے یہ حکم مصلحت قومی پر مبنی تھا۔ خلافت راشدہ امویہ۔ عباسیہ کے عہد کے اتحادی کارنامے تاریخ کے صفحوں پر ثبت ہیں۔ جب سے کہ ایک امیرالمومنین کی جگہ نصف درجن خلافت پناہ بن بیٹھے قومی شیرازہ کھل گیا اور مخالفین اسلام نے ایک ایک کرکے کئی ایک کو شکار کرلیا۔ اور کر رہے ہیں۔ یہ تھی واحد خلیفہ کی فلاسفی جو سلطان سعید التمش نے سمجھ رکھی تھی اور خلعت بغداد کو نہایت عزت و تکریم سے قبول کیا ورنہ خلیفہ بغداد ہندوستان میں کوئی مدد امداد نہ دے سکتا تھا۔ ہاں یہ پولیٹکل ضرورت دونوں کو تھی کہ اس اتحاد مذہبی سے خونخوار مغل بغداد پر حملہ نہ کرسکیں۔ ضرور التمش کے عہد میں مغل بغداد پر کامیاب نہیں ہوسکے جس کے اور کئی باعث بھی تھے۔ لیکن شاہنشاہ ہندوستان کا خلیفہ بغداد سے اسقدر عقیدت و اخلاص کا اظہار مقابل کے ارادہ و ہمت کو توڑنے والا ہوا ہو گا۔ زمانہ حال کے مسلمان سلاطین ان تاریخی واقعات سے سبق لیں اور اپنے مستقبل کے حالات و نتائج کو غور سے دیکھیں +

التمش کے عادات و اخلاق اور معدلت گستری

التمش کو ابن بطوطہ عادل و فاضل صالح ظالموں کو سزا دینے والا اور مظلوموں کی دستگیری کرنے والا لکھتا ہے۔ اہل دفتر اور اردلیوں کی کش مکش اور اخراجات عدالت سے بچانے کے لئے شناخت مظلوم کے لئے رنگین کپڑے تجویز کئے تھے۔ مظلوم و دادخواہ رنگین کپڑے پہن لیتا جس میں کوئی مشکل نہ تھی وہ بادشاہ کے حضور اور دیگر حکام مجاز کے ہاں بلا روک ٹوک حاضر ہوسکتا اور بلا وساطت عرض معروض کرسکتا اور حق واجبی پاتا۔ اس سے بھی بڑھ کر رفع مظالم کے لئے یہ احتیاطی تدبیر کی کہ اپنے دروازہ کے برجوں پر لوہے کی زنجیریں گھنٹی

لٹکا دی۔ جو لوگ رنگین کپڑا پہننا پسند نہ کریں اور روز روشن میں کسی ظالم کی شکایت کرنے سے ڈریں یا رات کے وقت اُن پہ کوئی ظلم ہو وہ زنجیر کو ہلائیں سلطان گھنٹی کی آواز سن کر فوراً مظلوم کی تکلیف کو دور کرنے پر مستعد ہو جاتا۔ کیا اس سے بڑھ کر غریب و نادار رعایا کی دادرسی کے لئے کوئی تجویز ہو سکتی ہے۔ قانون مفلسی جس سے کوئی شاذ و نادر ہی فائدہ اُٹھا سکتا ہے سلطان سعید التمش کی تجاویز عادلانہ کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا جس میں نہ کورٹ فیس ہے نہ خرچہ وکلاء۔ سلطان ہر وقت بذات خود رعیت کے آرام و بہبودی کے لئے تیار رہتا اور اس کی تقلید میں حکام سلطنت بھی سرگرم انصاف رہتے۔ وہ پابند اسلام سلطان ؎

تو کے بشنوی نالۂ دادخواہ بکیواں برت کلہ خواب گاہ
بدیوان میند از فریاد او کہ باشد زدیوان بود داد او
چناں خسپ کاید فغانت بگوش اگر دادخواہے بر آرد خروش

کے مضامین کو مدنظر رکھتا تھا۔ اس کا باعث خواجہ قطب صاحب رضی اللہ عنہ کی صحبت بابرکت تھی جن کی طفیل انوار قرآنی اور فیوضات رحمانی سے مستفیض ہو کر ؎

تو بر تخت سلطانی خویش باش باخلاق پاکیزہ درویش باش

کا نمونہ تھا۔

باوجود استقرار عظمت سلطنت کے وہ اپنے زمانہ غلامی کو کبھی نہیں بھولا۔ بخارا کی حکایت ہم پہلے لکھ آئے ہیں جو التمش نے بادشاہ بن کر بارہا ارکین سلطنت سے بیان کی اور غرور و تکبر کو جگہ نہ دی۔ دوسری حکایت اخلاقی بھی لکھی جاتی ہے جکو جملہ مورخین اسلام نے قلم انداز نہیں کیا۔

بغداد میں التمش کے آقا نے درویشوں کی جن میں مشہور صوفی قاضی حمید الدین ناگوری بھی شامل تھے۔ مجلس سماع قائم کی اہل ذوق کو شوقیہ حالت طاری ہوئی التمش رات بھر درویشوں کی خدمت میں کھڑا رہا اور شمع کے گل کترتا رہا۔ صوفیاء کو یہ خدمت پسند آئی اُن کی توجہ سے سلطنت ملی۔ عہد التمش میں قاضی حمید الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ دہلی آئے سماع سنتے تھے ظاہری علماء مانع ہوئے اور شریعت پناہ سلطان کو سماع کے روکنے پر مستعد کیا۔ قاضی ممدوح طلب کئے گئے۔ ملاؤں نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ سماع حلال ہے یا حرام۔ اس پاکباز مرد خدا نے جواب دیا کہ اہل قال پر حرام اور اہل حال پر حلال ہے پھر قاضی

صاحب نے سلطان کی طرف سے منہ پھیر کر کہا کہ مجلس [illegible] یاد ہے کہ درویشوں کی نظر توجہ سے
تم کو یہ سلطنت ملی سلطان یہ سن کر رو پڑا قاضی [illegible] اپنے [illegible] اور محبت و نوازش
سے پیش آیا اور سماع سے لذت اٹھانے لگا اور درویشوں کا معتقد ہوا۔ رحمتہ اللہ علیہ

رکن الدین فیروز شاہ اور بد صحبت کا اثر

سلطان شمس الدین کے گیارہ بیٹے تھے سب سے بڑا اور لایق فاضل ناصر الدین گورنر بنگالہ تھا
جو ۶۲۵ھ میں فوت ہوگیا۔ اُس کے بقائے نام کے لئے سب سے چھوٹے بیٹے محمود کا نام ناصر الدین
. . . . رکھا جو واقعی محمود نکلا باقی بیٹوں میں سے رکن الدین ولیعہد تھا جو باپ کے فوت ہونے
کے وقت دہلی میں موجود تھا اور وہی تخت نشین ہوا۔ دینہ ار باپ کے وقت تو چھپا رستم رہا
مگر تخت نشین ہو کر عیش و عشرت میں غرق ہو گیا۔ اس عیاشی کا باعث اُن خاندانی امراو شاہزادوں
کی صحبت تھی جو اپنی بد اطواریوں سے " ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم"
کے زبردست اٹل قانون قدرت کے صدمات اٹھا کر حادثہ تاتار میں دہلی میں پناہ گزین ہوئے
تھے اور فیاض وجواد التمش نے سب کو درجہ بدرجہ عزت و تکریم سے رکھا یہ لوگ قدیم سلاطین
کی یادگاریں تھے۔ ان سے التمش خود اور اس کی اولاد ملتی جلتی رہتی۔ نوجوان شاہزادوں
کے اخلاق و عادات پر ان بگڑے ہوئے امیرزادوں کا خراب اثر پڑنے لگا۔ گو التمش نہ خود
شراب پیتا تھا اور نہ کوئی اس کے سامنے پی سکتا تھا۔ لیکن یہ عادی عیاش ہندوستان
پہنچ کر اور امن و آرام پا کر بعد حصول اسباب دنیوی بدستور سابق مسرفانہ اعمال اور عیاشی کرنے
لگے گو یہ کرتوت اُن کی خفیہ ہونگے لیکن نوخیز شاہزادگان دہلی کی گمراہی کے لئے کافی تحریکیں
تھیں۔ شاہزادگان دہلی کے اتالیق و نگران ذاتی اغراض یا خوف التمش سے ذکر نہ کر سکے اگر
کیا ہو گا تو سلطان کی کوشش کارگر نہ ہوئی ہوگی پس ان وجوہات سے رکن الدین عیاش نکلا آج کل
کے روسار کی اولاد کے اخلاقی بگاڑ کا بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ اتالیق و معلم لالچ وغیرہ
سبب سے فرض نگرانی کا حق ادا نہیں کرتے۔ نوجوان رئیس زادوں کو شروع میں نہیں روکتے اور
حق نمک ادا نہیں کرتے تنخواہ کے طمع سے سرپرستوں کو اطلاع نہیں دیتے اور نوجوان
ہوتے ہوتے عیاش و بد اطوار ہو جاتے ہیں۔ رکن الدین پر بھی اس کا اثر پڑا اور ایام شاہزادگی
میں صحبت بد کے اثر اور معلمین کی نکمہ امی سے عیاشانہ زندگی کیجانب مائل ہوا۔ اور باپ کے

مرنے ... کھلم کھلا رنگ رلیاں منانے لگا۔ اگرچہ سخاوت و کرم میں بہت بڑھا ہوا تھا۔ جو درجہ افرا... راف تک پہنچی ہوئی تھی۔ ہاتھی پر سوار ہوتا اور بازار میں سے گذرتا ہوا اشرفیں لٹاتا نکل جاتا ... قطب الدین اور شمس الدین تیغ و قلم صنعت و علم کی قدر دانی اور ملک کی آبادی پر خرچ ... تھے جس کی وجہ سے ایشیا کے نامور فاضل۔ صناع۔ بہادر۔ مدبر دہلی میں جمع ہو کر دہلی ... بد ... تھے اب وہ روپیہ عموماً بھانڈوں۔ مسخروں۔ طوائفوں پر خرچ ہونے لگا۔ دہلی کا یہ پہلا ... جو کھلم کھلا مے نوشی اور عیاشی سے عام لوگوں کے اخلاق بگاڑنے کا باعث ہوا۔ اس کی نا اہلی سے اس کی ماں شاہ ترکان نے جو ترکی کنیز تھی سب اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ التمش کی دیگر بیگمات کو بے عزت اور قتل کرانے لگی۔ التمش کے بیٹے قطب الدین کو قتل کرا دیا اس لئے شاہی خاندان کو اپنی فکر پڑ گئی اور ارا کین سلطنت بھی بگڑ گئے۔ ایک شاہزادہ اودھ میں باغی ہو گیا۔ اور ملتان حکام لاہور۔ ہانسی۔ بداؤں بھی سرکش ہو گئے۔ وزیر اعظم بھی علیحدہ ہو گیا۔ والدہ سلطان نے رضیہ بیگم کو بھی ہلاک کرنا چاہا چونکہ رضیہ بیگم باپ کے وقت سے ہر دلعزیز اور صاحب اختیار تھی۔ اور رکن الدین اور اس کی ماں سے لوگ بیزار تھے دہلی کے باشندے رضیہ بیگم کی امداد کے لئے کھڑے ہو گئے اور شاہ ترکاں والدہ رکن الدین کو قید کر لیا۔ رکن الدین کے ہمراہی ساتھ چھوڑ کر رضیہ بیگم کی خدمت میں آگئے۔ رضیہ بیگم بادشاہ ہوئی اور رکن الدین قید ہوا۔ اور قید میں ہی مر گیا۔ مدت سلطنت ۶ ماہ ۲۸ روز تھی ✤

رضیہ بیگم

رضیہ بیگم پہلی مسلمان سلطانہ ہے جو تخت دہلی پر متمکن ہوئی۔ یہ ملکہ جملہ صفات حسنہ سے موصوف اور باپ کے عہد میں سلطنت کے کاروبار میں دخیل تھی۔ جب التمش گوالیار پر حملہ آور ہوا تھا۔ تو دہلی میں رضیہ بیگم کو اپنا قائم مقام کر گیا تھا۔ جس نے انتظام عمدگی سے کیا واپسی پر سلطان التمش نے منشی کو حکم دیا کہ رضیہ بیگم کی ولیعہدی کا حکم لکھدے امرائے سلطنت نے عرض کی کہ بیٹوں کے ہوتے بیٹی کا ولیعہد کرنا مناسب نہیں ہے سلطان نے فرمایا کہ ... بیٹے نالائق ہے خوار و بدکار ہیں ایسے بیدین سلطنت کا بوجھ سمجھا نہیں ... رضیہ بیگم اگرچہ عورت ہے مگر مردانہ صفات رکھتی ہے بھائیوں سے بدرجہا لائق ہے ...

بعد یہی سلطنت کے لایق نکلے گی اور ایسا ہی ہوا۔ سلطانہ رضیہ بیگم عام شہریوں کی مدد سے والدہ رکن الدین کو قید کر کے شہر پر قابض ہو گئی امرائے سلطنت جو والدہ رکن الدین کے مظالم اور رکن الدین کی غفلت و شہوت پرستی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ رضیہ بیگم کے ساتھ ہو گئے اور ۶۳۵ھ میں رضیہ بیگم تخت نشین ہوئی۔ قوانین قطبی و شمسی اور رواج احکام شریعت جو رکن الدین کے عہد میں زوال میں آچکے تھے۔ از سر نو تازہ اور جاری کئے گئے۔ سخاوت و عدالت کا شیوہ اختیار کیا۔ پردہ سے نکل کر مردانہ لباس در بر و تاج بر سر دربار عام میں بیٹھتی۔ لوگوں کی نالشیں سنتی اور انصاف و عدالت کرتی۔ اور بھائی کے عہد کی تمام خرابیاں دور کیں +

رضیہ بیگم کی تدبیر و شجاعت

کچھ مدت تک انتظام ملکی خوب چلتا رہا مگر التمش کے خاندان کی خانہ جنگی نے وقار سلطنت امرا کے دلوں سے کھو دیا تھا اور جدید انقلاب کے لئے وہ اپنی ذات کو طاقتور پاتے جس انقلاب سے اُن کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اس لئے لاہور۔ ملتان۔ بداؤں کے گورنر مع نظام الملک جنیدی وزیر اعظم کے رضیہ بیگم کے مخالف ہو گئے مگر رضیہ بیگم ذرہ نہ گھبرائی خیر خواہ ترکوں کی فوج لے کے مقابل ہوئی اور شکست دے کر دو باغیوں کو قتل اور وزیر کو کوہ سرمور کو بھگا دیا۔ باقی کو حسن تدبیر اور اولو العزمی سے مطیع کر لیا اور ارکین سلطنت کے اس فساد کو اپنی انتظامی لیاقت سے بخوبی دبا لیا۔ التمش کی وفات کے بعد رتنبور کو ہندوؤں نے محصور کر لیا تھا اور مسلمان اب تک محاصرہ کی تکلیف اٹھا رہے تھے رضیہ بیگم نے ملک قطب الدین غوری جرنیل کو لشکر جرار دے کر رتنبور کو روانہ کیا جس نے ہنود و محاصرین کو بھگا کر مسلمانوں کو محاصرہ سے چھوڑا دیا۔ چونکہ قلعہ رتھنبور کی حفاظت مشکل تھی اور اس کے باقی رہنے سے پھر ہندوؤں کے تسلط کا اندیشہ تھا جس کی وجہ سے وہی مشکلات فتح پیش آتیں جو نصف صدی سے اسلامی فوج کو پیش آرہی تھیں اس لئے جنگی مصلحت کے خیال سے قلعہ رتھنبور گرا دیا گیا۔ اب لکھنوتی واقعہ بنگال سے لیکر ٹھٹھہ واقعہ سندھ تک وہ تمام علاقہ رضیہ بیگم کے ماتحت تھا جو اس کے باپ کے عہد میں دہلی کا خراج گذار تھا۔

اس کے بعد جمال الدین یاقوت حبشی میر آخور کو سلطانہ کی خدمت میں تقرب حاصل ہوا۔

اور یہاں تک تقرب بڑھا کہ سلطانہ کی بغل میں ہاتھ دے کر گھوڑے پر سوار کرتا اس سے زیادہ تاریخ میں کوئی منطنۂ بدگمانی نہیں لکھا اور اسی کو اراکین سلطنت کی بغاوت اور رضیہ بیگم کی معزولی کی وجہ لکھا ہے *

رضیہ بیگم کا چلن

حبشی غلام کو گھوڑے پر سوار کرنے سے رضیہ بیگم کے چال چلن کو مشتبہ خیال کیا گیا ہے مورخوں نے اس معاملہ کو صاف نہیں کیا اور گول مول لکھا گیا ہے۔ الفنسٹن صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔ اگرچہ یہ امر بدگمانی کے لیئے کافی آلہ تھا۔ لیکن رضیہ بیگم جیسی مدبر و شجاع محض وہم وگمان سے بدنام ہو کر معزول نہیں ہو سکتی تھی۔ امرائے سلطنت کا غیرت کھانا ایک فرضی بہانہ تھا۔ کیا ایک مسلمان عورت خصوصاً شہزادی بلا برقعہ نامحرموں کے مجمع میں آکر اجلاس کرتی اور شریعت کی پرواہ نہیں کرتی اُس سے بیعت کیجاتی ہے اور اسلامی ممبروں پر اُس کو امیرالمومنین بیان کیا جاتا ہے اسوقت کسی کو اسلامی غیرت نہ آئی۔ اور کسی نے خلع وعزل کا ارادہ نہ کیا۔ اگر کیا یا اُس کی خلاف شرع بے پردگی نے امرائے کو نفرت دلائی تو یاقوت حبشی کا واقعہ ابتدائی نفرت کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اس کو عوام کے بھڑکانے اور رضیہ بیگم کی مخالفت بڑھانے کے لئے مخالفین نے واقعہ غلام کو زیادہ طشت از بام کیا۔ اگرچہ رضیہ بیگم کا غلام کی مدد سے گھوڑے پر سوار ہونا معیوب امر تھا مگر جو عورت مردوں کے درمیان بیحجابانہ آتی جاتی ہو لباس مردانہ پہنتی ہو جنگی وردی اور ہتھیار لگاتی ہو۔ اگر کسی ملازم کی مدد سے گھوڑے پر سوار ہو تو یورپین لیڈیوں کے حالات دیکھنے سے رضیہ بیگم پر محض گھوڑے پر سوار ہونے کے واقعہ سے بدگمانی نہیں کرنی چاہئے جبکہ اور کوئی شہادت اُس کے برخلاف نہیں۔ اگر ہوتی تو مورخین صراحتاً نہ سہی کنایتاً ہی ذکر کر دیتے۔ جبکہ مردوں کے چال چلن کو عیاشی۔ بدکاری حرامکاری کے لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ تو رضیہ بیگم اگر واقعی بدچلن ہوتی تو مورخ کوئی نہ کوئی اس قسم کا لفظ لکھدیتے مگر سوائے حبشی غلام پر مہربانی کرنے اور گھوڑے پر سوار کرانے کے اور کوئی فقرہ نہیں لکھا گیا اس لئے میری رائے میں رضیہ بیگم کے چال چلن پر صاف طور سے دھبہ نہیں لگ سکتا *

رضیہ بیگم کی معزولی کا باعث

بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ خود رضیہ بیگم نسل کے اعتبار سے ترک تھی اُس کے باپ کے زبردست اور طاقتور ارکین بھی ترک تھے جن میں چہل گانی غلام ترک زیادہ قابو یافتہ تھے۔ رکن الدین کو معزول کر چکے۔ شاہ ترکان کا فیصلہ انہیں لوگوں کی حمایت سے ہوا محمد غوری کے بعد قطب الدین اور قطب الدین کے بعد التمش ترک غلام تخت نشین ہوئے۔ موروثی سلطنت کا سکہ ابھی ہندوستان میں نہ بیٹھ سکا تھا۔ ہر ایک طاقتور ترک سردار اپنے آپ کو مستحق تخت خیال کرتا تھا۔ اپنے ذاتی جاہ وجلال کے خیال کا نتیجہ ایک عورت کی محکومی سے جن کے حق میں شرعی فیصلہ ہے کہ یا پردہ یا گور یہ جائے زن کے تھا۔ یہی نکلنا چاہیے تھا۔ یا ہوشیار اور مدبر رضیہ بیگم کی جگہ کوئی اور تقرری چاہتے تھے جس جدید انقلاب میں اُنکا فائدہ تھا۔ کیونکہ رضیہ بیگم امراء کی بغاوت کے زمانہ میں وزیر اعظم کو نیچا دکھا چکی اور دو تین مشہور سرداروں کو مقہور کر چکی تھی۔ ملک اعزالدین کبیر خانی کو معافی دے کر حکومت لاہور دی گئی مگر پھر باغی ہوا۔ رضیہ بیگم جب سرکوبی کے لئے پہنچ گئی تو پھر اطاعت سے پیش آیا۔ اور تسلی خاطر کے لئے ملتان کا علاقہ بھی اُس کو ہی دیا گیا۔ مگر ترکوں کو خوش رکھنا رضیہ بیگم کی طاقت سے باہر تھا۔ اب دوسرا ترک گورنر بھٹنڈا التونیہ جو ترکان چہل گانی میں سے باغی ہوا +

رضیہ بیگم کا انجام

التونیہ حاکم بھٹنڈا کی بغاوت میں رضیہ بیگم کے اور ترک سردار بھی شامل تھے۔ یاقوت حبشی غلام کو امیر الامراء بنانا بالکل ایک انوکھی بات تھی۔ ہندوستان میں حبشی غلام کی عزت و وقار کی یہ پہلی مثال ہے۔ ترک جو سلطنت کے تمام کاروبار ملکی و فوجی پر مسلط ہو رہے تھے ایک غیر نسل کے اقتدار کو ذاتی نقصان قومی ذلت سمجھنے لگے۔ اور غالب ہے کہ مدبر و دور اندیش رضیہ بیگم نے ترکوں کا زور توڑنے کے لئے ایک دوسری قوم و نسل کی طاقت کو بڑھایا ہو جس کی ضرورت ہر ایک گورنمنٹ کو وقتاً فوقتاً پڑا ہی کرتی ہے۔ اسی پالیسی سے عام طور سے ترکوں کو نفرت پیدا ہوئی ہو۔ متواتر شورشوں سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے +

باغی حاکم بھٹنڈا کی سرکوبی کے لئے رضیہ بیگم خود فوج لیکر روانہ ہوئی۔ راستہ میں فوج کے سردار جو باغی التونیہ سے سازش رکھتے تھے سرکش ہوگئے اور امیر الامرا جمال الدین یاقوت کو قتل اور رضیہ بیگم کو قید کرکے باغی حاکم بھٹنڈا کے حوالہ کیا اور بہرام شاہ ولد التمش کو تخت نشین کیا۔ مگر رضیہ بیگم جیسی بہادر کب خاموش بیٹھنے والی تھی۔ التونیہ حاکم بھٹنڈا سے نکاح کرکے جاٹوں اور اس نواح کے زمینداروں کو ساتھ ملاکر بہرام شاہ سے لڑنے کو چلی مگر شکست کھائی لیکن اس اولو العزم سلطانہ کی ہمت و استقلال میں ذرہ فرق نہ آیا اور جدید فوج تھوڑے سے عرصہ میں شاہ دہلی کے مقابلہ کے لئے جمع کرلی۔ جس مستعدی اور دانائی .... کی نظیر مردوں میں بھی کم ملتی ہے۔ مگر جدید ناتربیت یافتہ فوج تھی جس میں زیادہ دیہاتی زمیندار شامل تھے اس لئے تجربہ کار تربیت یافتہ فوج سلطانی سے عہدہ برآ نہ ہوسکی اور شکست پاکر ہندو دیہاتیوں کے ہاتھ سے معہ خاوند قتل ہوئی۔ یہ لڑائی مقام کیتھل میں ۶۳۷ھ کو ہوئی تھی۔

ابن بطوطہ رضیہ بیگم کے قتل کی حکایت دردناک اس طرح بیان کرتا ہے کہ جب شکست کھاکر بھاگی تو بھوک سے تنگ آکر ایک کسان سے کھانے کو کچھ مانگا اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا دیا جس کو وہ کھاکر رفع تکان کے لئے سوگئی۔ وہ مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ کسان نے خواب کی حالت میں رضیہ بیگم کے مردانہ لباس کے نیچے ایک مرصع قبا دیکھی اور عورت سمجھ کر طمع سے اس کو قتل کیا۔ قیمتی لباس اُتار لیا اور اس کو کھیت میں دفن کردیا۔ جب بازار میں سلطانہ کے کپڑے بیچنے گیا۔ دکانداروں کو ایک کسان کے ہاتھ میں ایسی نادر قیمتی شئی دیکھ کر شبہ پیدا ہوا۔ کوتوال کو رپورٹ دی۔ جس نے مارپیٹ کر رضیہ بیگم کے قتل کا اقبال کرالیا اور مدفن پر لے گیا۔ کوتوال نے لاش نکال کر غسل دیا کفن پہنایا دفن کیا اور مدفن پر گنبد بنایا اس روایت میں کوتوال کا مدفن پر گنبد بنانا اور موجودہ وقت میں رضیہ بیگم کا پرانی دہلی میں قطب صاحب کے کھنڈروں میں مقبرہ رضیہ بیگم کا ہونا مطابق نہیں ہوسکتا جب مقبرہ دہلی میں ہے تو کوتوال بھی دہلی کا ہوگا۔ کیا اسقدر کارروائی ہوتی رہی اور شاہ دہلی کو علم نہ ہوا۔ اور کوتوال بلا اطلاع سلطان وقت ایسا کرتا رہا جس میں کئی ایک خطرات تھے۔ افسوس کہ پروفیسر دہلوی نے بھی اس روایت کی تنقید نہیں کی۔ اور جوں کی توں نقل کردی۔ کوتوال کا واقعہ غلط معلوم ہوتا ہے اگر ہے تو اس نے بحکم معز الدین بہرام ایسا کیا۔ اور درست بھی معلوم ہوتا ہے کہ یاتو رضیہ بیگم معہ خاوند قید ہوکر معز الدین بہرام شاہ دہلی کے حکم سے قتل ہوئی اور پرانی دہلی میں دفن

ہوئی یا ہندو زمیندار وں کے ہاتھ سے بطمع زیور قتل کی گئی تو اس کی لاش بحکم شاہ دہلی کوتوال کیتھل پاکوہی اور دہلی لایا اور مقبرہ بنایا گیا +

ملحدین کا واقعہ

رضیہ بیگم کے عہد کا واقعہ ملحدین بھی مذہبی دنگل کے شائقین کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ مذہب کے پولٹیکل انقلاب کی تحریک کا بھی پتہ لگتا رہے۔ ہمارے بزرگ مورخین میں سے اکثر ملحد کا لقب عموماً قرامطہ۔ اسماعیلیہ۔ باطنیہ۔ زنادقہ کو دیتے ہیں مگر تاریخ ہند میں محمد غوری۔ التمش۔ اور رضیہ بیگم کے عہد کے واقعات ملحدین سے پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کے حالات تاریخ ہند میں درج ہیں وہ لوگ حسن بن صباح کے فرقہ باطنیہ میں سے تھے بقدر دلیری۔ بیباکی۔ سلاطین۔ و علماء کے قتل کی جرأت سوائے مریدان حسن بن صباح اور کسی سے مروی نہیں ہے۔ علماء و فضلاء سلاطین باصلاح کو قتل کرنا اسی فرقہ باطنیہ کا مذہبی اصول تھا +

طبقات ناصری میں یہ واقعہ اوائل عہد رضیہ بیگم میں لکھا ہے۔ ابوالفتح لودہی حاکم ملتان کو بھی بعض مورخوں نے ملحد لکھا ہے جس کا قلع و قمع سلطان محمود غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا مگر میری رائے میں وہ قرمطی تھا۔ حسن بن صباح ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ عام مسلمانوں کے قتل و غارت میں قرامطہ بھی حسن بن صباح کے مریدوں سے کم نہ تھے۔ غازی محمد غوری رحمتہ اللہ علیہ کے وقت میں فرقہ باطنیہ سندھ میں موجود تھا چنانچہ ایک سردار اسی عقیدہ کا ماننے والا ملتان پر قابض ہو گیا تھا جس کو سلطان غازی غوری نے تہ تیغ کیا۔ اور خود بھی کسی فدائی ملحد کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ پنجاب تو سلاطین غزنی و غور اور علمائے اسلام کی متواتر آمد و سکونت کے سبب اس فرقہ کے اثر سے بچا رہا۔ لیکن یہ مذہب سندھ و گجرات سے ہوتا ہوا دوآبہ گنگا و جمنا میں پہنچ گیا رکن الدین کے عہد کے واقعات اور رضیہ بیگم کے عہد میں ترکوں کے باغیانہ خیالات کے سبب سے ایک شخص نور ترک نامی مذہب الحاد کی علانیہ وعظ کہنے لگا۔ اور مذہب حنفی و شافعی کی توہین کرنے لگا۔ علمائے سنت جماعت کو ناصبی وغیرہ کے القاب سے پکارنے لگا۔ اور اپنی جماعت کو مسلمانوں کے قتل پہ آمادہ بنانے لگا +

ایک دن روز جمعہ جب مسلمان نماز جمعہ کے لئے مسجد جامع میں جمع تھے ایک ہزار ملحد شمشیر بکف مسجد کی طرف آئے تاکہ مشاہیر علماء و عظماء کا خاتمہ کر دیں۔ ملحدین دو گروہ بن کر آرہے تھے ایک تو جامع مسجد تک پہنچ گیا اور دوسرا گروہ مدرسہ شاہی کو جامع مسجد جان کر اسی جگہ مسلمانوں کو قتل کرنے لگا۔ شور و غوغا برپا ہوا۔ جامع مسجد کے مسلمان بھی ہوشیار ہو گئے اور ایک دو امیر جو دہلی میں موجود تھے جھٹ پٹ اپنی اپنی فوج کو لے کر موقعہ پر پہنچ گئے اور ملحدین کو تلوار کے گھاٹ اُتارنے لگے۔ شہر والوں نے کوٹھوں پر سے اینٹ پتھر مار کر ملحدوں کو ہلاک کیا۔ اگرچہ مسلمان چند ہزار بے گناہ شہید ہوئے مگر اس ظالم گروہ سے بھی ایک نہ بچا۔

مذہبی خبط

مذہبی خبط ہر ایک مذہب میں پایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ میں تاریخ اسلام لکھ رہا ہوں اسلئے اسلام کے مذہبی خبطوں کا حال لکھا گیا ہے ان خبطیوں کے سر پر جب تعصب کا جن سوار سوار ہوتا ہے تو بنی آدم کے جان و مال کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ ملکی قانون جس کی پابندی تمدن و معاشرت کے لئے ضروری ہے وہ ان خبطیوں کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا گورنمنٹ کے انتظام سیاسی کو توڑنا ملکی امن و امان میں خلل ڈالنا اور مخلوق الٰہی کی بہبودی و ترقی میں نقصان و ہرج پیدا کرنا ان خبطیوں کا مقصود ہوتا ہے۔ نیکی و بھلائی کے اصلی مفہوم کو نہیں سمجھتے اور ملکی ترقی میں مشکلات اور رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ افسوس کہ کوئی زمانہ ان لوگوں سے خالی نہیں رہا۔ علانیہ و خفیہ جس طرح ہوسکا ان لوگوں نے اجتماع و انتظام میں نقص پیدا کیا اور کمال انسانی کے حصول میں سدراہ ہوئے۔ تاریخ کو پڑھنے والے اور زمانہ کی رفتار کو دیکھنے والے اصحاب ایسے خبطیوں سے کنارہ کشی رکھتے ہیں اور کوئی ایسا فعل و عمل نہیں کرتے کہ جس سے امن عامہ میں خلل ہو اور گورنمنٹ کو تردد ہو۔

معز الدین بہرام شاہ

بہرام شاہ ۲۷ رمضان ۶۳۷ھ مطابق ۱۲۴۰ء کو باتفاق امراء کے تخت نشین ہوا اور یہی امیر سلطنت کے مختار کل ہو گئے اختیار الدین تو معز الدین کی بہن سے شادی

کر کے شاہانہ ٹھاٹھ سے رہنے لگا۔ ہاتھی و نوبت جو اُس عہد میں بادشاہوں سے مخصوص تھے وہ اختیار الدین کے دروازے پر جھومنے اور بجنے لگی۔ اور نظام الملک مہذب الدین جو چاہتا سو کرتا۔ بہرام نے ترک غلاموں کے ہاتھ سے جو مستانہ بن کر گئے تھے اختیار الدین کو قتل اور وزیر نظام الملک کو زخمی کرایا۔ اختیار الدین کی جگہ بدر الدین سپہ سالار ہوا مگر وزیر کی مخالفت کے سبب بادشاہ سے بگاڑ ہو گیا۔ اور بہرام شاہ کی معزولی کی تدبیریں کرنے لگا اس منصوبہ میں وزیر کو بھی شامل کیا جس نے سلطان کو خبر کر دی سلطان نے فوراً سوار ہو کر مقام جلسہ کو گھیر لیا۔ بدر الدین سپہ سالار [illegible] کیا گیا۔ باقی امرائے شریک جلسہ بغاوت کو سزائیں دی گئیں۔ اور سلطان سے تمام ارکین خایف ہو گئے۔ مگر فریقین کے دل صاف نہ رہے اور اعتماد اُٹھ گیا۔ وزیر مہذب الدین جو مست ترکوں کے ہاتھ سے زخمی ہو چکا ہوا تھا موقع کے انتظار میں تھا۔ چونکہ وہ قوم کا ترک نہ تھا اور قومی زور نہ رکھتا تھا اس لئے سلطان اور ترکوں میں خلاف پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ بدر الدین کے منصوبہ بغاوت کو بھی بہرام شاہ سے اسی واسطے ظاہر کر دیا تھا کہ ترک سرداروں کو سزا ہو اور باقی اُن کے لواحقین کو سلطان سے تنفر پیدا ہو۔ بہرام کو ترکوں سے ڈراتا رہتا اور ترکوں کو بہرام کے خلاف اُکساتا رہتا تھا۔

اسی اثنا ۶۳۹ھ میں مغلوں نے پنجاب پر حملہ کیا۔ لاہور کو گھیر لیا۔ قراقش حاکم لاہور نے ہر چند مدافعت کی لیکن جب دیکھا کہ باشندگان لاہور مدد نہیں دیتے اور دہلی سے جلدی مدد نہیں پہنچ سکتی۔ فوج لیکر لاہور سے نکل گیا اور دہلی چلا گیا۔ مغلوں نے لاہور کو لوٹا۔ مسلمان زن و بچہ تک قتل کئے گئے۔ شہر بے چراغ ہو گیا۔ لاہور کا یہ پہلا صدمہ ہے جو مغربی حملہ آوروں سے پہنچا۔ غزنوی اور غوری حملات میں بھی لاہور تاخت و تاراج قتل و غارت سے محفوظ رہا تھا۔ بہرام شاہ نے یہ واقعہ سن کر دہلی میں ارکان دربار سے مشورہ کیا۔ وزیر مہذب الدین نظام الملک اور سپہ سالار قطب الدین حسن غوری کو فوج جرار دے کر لاہور کو روانہ کیا۔ دریائے بیاس پہنچکر وزیر نے بہرام کو لکھا کہ ہمراہی بعض منافق امیر ہیں دل لگا کر کام نہیں کرتے یا ان کو واپس بلالیں یا ان کو نکالنے کا حکم دیں۔ نادان سلطان نے صاف لکھدیا کہ واپسی کے بعد میں خود ان سب امرا کو قتل کر دونگا۔ بالفعل مدارا کرتے رہو۔ نمک حرام وزیر نے بہرام شاہ کا حکم سب امرائے ترک کو دکھلا دیا اور بہرام کی معزولی پر سب کو متفق کر لیا۔ اور بہرام شاہ

نے تسکین فساد اور اطمینان امرائے کے لیئے خواجہ قطب الدین کو روانہ کیا مگر وزیر کی شرارت کے سامنے خواجہ صاحبؒ کی کوشش کارگر نہ ہوئی باغی امرائے دہلی پہنچے اور ساڑھے تین ماہ کے محاصرہ کے بعد دہلی پر باغیوں کا قبضہ ہوا۔ ہزاروں مسلمان طرفین سے قتل ہوئے بہرام شاہ قید اور پھر قتل کیا گیا۔ مدت سلطنت دو سال ڈیڑھ ماہ ؀

علاء الدین مسعود بن رکن الدین فیروز شاہ

بہرام کے بعد اعز الدین بلبن بزرگ تخت نشین ہوا۔ جو ایک بندگانی چہل گانی میں سے بزرگ سردار تھا مگر دیگر سرداروں نے جو بجائے خود بلبن بزرگ سے اپنے آپ کو کچھ کم نہ سمجھتے تھے متفق نہ ہوئے اور رکن الدین فیروز شاہ کے بیٹے علاء الدین مسعود کو تخت نشین کیا۔ یہ بلبن اور تھا۔ اور غیاث الدین بلبن شاہنشاہ ہند اور تھا۔ علاء الدین نے اپنے چچا ناصر الدین محمود اور جلال الدین کو قید سے رہا کر کے بہرائچ اور قنوج کا حاکم کر دیا ؀

تبت کے راستے ہندوستان پر حملہ کا امکان

مغلوں نے ۶۴۲ھ براہ تبت بنگالہ پر حملہ کیا۔ لیکن بنگالہ کی اسلامی فوجوں سے شکست پا کر ناکام واپس گئے اور اس کے سوا اس راستے اور کسی حملہ کا پتہ نہیں لگتا۔ ایرانی گشتاسپ کا بھی یہی راستہ قرار دیا جاسکتا ہے اگر اس کا حملہ بنگال ٹھیک ہو اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ ہمالیہ کو ہندوستان کی دیوار سنگین جانتے ہیں اور اس طرف سے حملہ ہند کو ناممکن یا مشکل مانتے ہیں وہ اس حملہ مغلوں سے نتیجہ نکالیں کہ تبت کے راستے ہندوستان کا آنا ممکن بلکہ مشرقی جانب سے زیادہ آسان ہے سلطنت چین کو اسوقت اس قابل خیال نہیں کیجاتی مگر چنگیز خانی مغلوں کی یادگار تبت کی مالک پہاڑی گذرگاہوں سے واقف ہندوستان کو خود یا کسی اور مہیب دشمن سے نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جب انگریزی فوج لارڈ کرزن صاحب گورنر جنرل کے عہد میں لاسہ دارالسلطنت تبت تک
فتح کے نشان اڑا چکی ہے تو تبت کیطرف سے آنا
حملہ آوروں کے لئے کون مشکل

مغلوں کا حملہ اُچ

مغلوں نے بنگالہ سے ناکام ہوکر براہ قندھار سندھ پر حملہ کیا اور اُچہ کا محاصرہ علاء الدین مسعود نے چڑھائی کی بلبن جو اسوقت سپہ سالار تھا اُس کی تدبیر و دانش سے مغل قبل از جنگ اُچہ کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے اور ملک بچ گیا۔ مہذب الدین وزیر جو بہرام کی معزولی سے مغرور ہوکر کسی کو خیال میں نہ لاتا تھا سرکش ترکوں کے ہاتھ سے قتل ہوا علاء الدین عیاشی۔ ظلم و سفاکی کرنے لگا اور امرائے سلطنت نے بگڑ کر ۶۴۴ھ میں قید کیا اور قید میں مرگیا۔ اس کا چچا ناصر الدین محمود بڑائچ سے بلاکر تخت نشین کیا گیا۔ مدت سلطنت چار سال ایک ماہ ایک روز تھی +

اخلاقی نتائج اور انقلابی اثر جمہوری سلطنت کی جھلک

التمش کے بعد اُس کی اولاد میں سے چار جانشین ہوئے مگر فتنہ و فساد اور خانہ جنگی قایم رہی جب التمش کی حالت اور اسلامی سعادت کا اُس کی اولاد اور امرائے اسلام کے واقعات سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو کئی ایک اخلاقی سبق ملتے ہیں +

(۱) جیسا کہ ہمنے لکھا ہے شاہزادوں امیرزادوں کی تربیت میں خاص نگرانی چاہیے اتالیق خداپرست نیک اعتقاد دلیر نمک حلال زمانہ شناس مقرر کریں جو لالچ اور طمع کے لئے اصلی حالات کو نہ چھپائیں اور سرپرست کو صحیح واقعات سے اطلاع دیا کریں +

(۲) یہ خیال کہ اعلےٰ سوسائٹی میں رئیس زادوں کی نشست و برخاست ہو اس میں نہایت احتیاط لازم ہے رئیس زادہ سب سے زیادہ کاہل و عیاش ہوتے ہیں ایسے صحبت سے بچانا سرپرست کا اعلےٰ فرض ہے۔ التمش خود متقی دیندار تھا لیکن پناہ یافتہ شاہزادوں امیرزادوں کے خلط ملط سے اولاد کو نہ بچا سکا۔ جن کی صحبت بد کے اثر سے عادات ناپسندیدہ اُس کی اولاد میں پیدا ہوئیں :-

(۳) اُسوقت کے مسلمانوں میں موروثیت کا اسقدر خیال نہ تھا کہ سلطنت اور قوم کے فوائد

کو استبداد کی نذر کیا کرتے جہاں کبھی استبداد کے مظالم شروع ہوئے یا نالایق سلطان کی نادانی سے سلطنت میں ضعف پیدا ہوا۔ عزل و نصب کیا گیا۔ گویا یہ حقوق عثمانیہ سلطنت میں استعمال ہوتے رہے۔ اُسوقت کے ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل تھے کہ استبداد کی جگہ انتخاب کے عمدہ اصول سے کام لیتے اور جب تک کہ ہندوستان میں اس پر عمل درآمد رہا۔ ضعیف خاندان اور عیاش نکمے بادشاہ معزول کئے جاتے رہے اور اُن کی جگہ جدید پرجوش خاندان سلطنت کا کام سنبھالتے رہے اور ترقی دیتے رہے۔ اس جدید طاقت سے ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو تازہ قوت حاصل ہوتی رہی۔ غلام۔ خلجی۔ تغلق۔ سیّد۔ لودھی اسی طرح کامیاب بنتے رہے اور ضعف آنے پر جدا کئے جاتے رہے۔ مگر ہندوستان کی اسلامی سلطنت کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ مغلوں نے اپنی سلطنت کی بنیاد ایسی رکھی کہ مسلمانوں کے دلوں سے یہ خیال انتخاب جاتا رہا۔ اور ایک ہی خاندان تیموری کو خواہ کسقدر کمزور ہوگیا تھا مستحق سلطنت یقین کرلیا اور ترقی کی جوشیلی صفت مسلمانان ہندوستان سے جاتی رہی۔ نادرشاہ اور احمدشاہ سے یہ غلطی ہوئی کہ مغلیہ سلطنت کو جو درجہ کہولت تک پہنچ چکی تھی قائم رہنے دیا جس میں ہرگز صلاحیت سلطنت نہ رہی تھی اگر سابق زمانوں کی طرح محمدشاہ رنگیلے کی جگہ نادرشاہ جیسا پرزور جابر شاہ دہلی بن جاتا یا عالمگیر ثانی کی جگہ احمدشاہ غازی دہلی پر قابض ہوجاتا تو مسلمانان ہندوستان میں تازہ قومی جوش پھر جاتا اور موجودہ نکبت و ذلت نصیب نہ ہوتی۔

مغلوں میں پہلا بادشاہ اکبر جلال الدین ہے جس نے ایسے مسلمان خاندانوں کی طاقت کو زائل کیا جو انقلاب کا باعث ہوسکتی تھی اور استحکام سلطنت کے لئے مختلف قوموں کی ملکی و جنگی طاقت کا موازنہ برابر کیا۔ اس سے مغلیہ سلطنت کو تو چند پشتوں تک فائدہ پہنچا لیکن دراصل اسلامی طاقت کو نقصان ہوا۔ جس پر مفصل بحث جلال الدین اکبر کے تذکرہ میں کی جاوے گی:۔

غرضیکہ عہد مغلیہ سے پہلے ہندوستان کے اہل اسلام بگڑی ہوئی سلطنت کو سنبھالنے کی لیاقت رکھتے تھے اور انتظام سلطنت کی لیاقت کسی خاص شخص یا کسی خاص خاندان سے مخصوص خیال نہ کیجاتی تھی۔ ہمت۔ جرأت۔ اولوالعزمی جو سلطان کے لئے ضروری اوصاف ہیں وہ اکثر مسلمان سرداروں میں پائے جاتے تھے اور قوم ایسے شخص کی خیر مقدم کہنے اور نالایق سلطان سے علیحدگی کرنیکے لئے تیار رہتی تھی۔ پس اگر کہا جائے کہ سلاطین عہد افغانیہ کا انتخاب قوم کے

ہاتھ میں تھا اور وہ انتخاب محض لیاقت اور شجاعت سے ہوتا تھا بیجا نہیں ہوگا یہ عزل ونصب بظاہر گو سازشوں کا نتیجہ تھا اور عام رائے سے نہیں ہوتا تھا مگر اسوقت عام رائے کے مالک امراء وزراء۔ سرداران فوج ہوتے تھے۔ فوج وغیرہ اپنے اپنے سرداروں کی رائے سے اتفاق رکھتی تھی۔ پس ایسے انقلاب عام قومی ضرورت سے ہوا کرتے اور عام رائے کے رجحان کے مطابق ہوتے۔ اس لئے عہد افغانیہ میں کچھ نہ کچھ جمہوری سلطنت کی جھلک پائی جاتی تھی اور ہندوستان کے لئے ضروری تھی۔

ناصرالدین محمود بن التمش اور پابندی مذہب

التمش کی اولاد میں سے یہ پانچواں جانشین تھا۔ التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ بڑے بیٹے ناصرالدین کے مرنے کے بعد بطور یادگار ناصرالدین کے نام سے موسوم ہوا۔ ۶۲۵ھ میں پیدا ہوا۔ باپ کے مرنے کے بعد خانگی فسادوں میں یہ بھی قید کیا گیا جس سے اس کی عادت میں زیادہ فروتنی وغریب نوازی بڑھ گئی۔ علیحدگی اور سوچ وبچار حلم ووقار زہد وقناعت اس کی طبیعت ثانی ہوگئی۔ علاءالدین بن رکن الدین کے عہد میں قید سے رہا ہوا اور بہرائچ کا گورنر بنایا گیا۔ جہاں اس نے عدل وانصاف اور سرکشوں باغیوں کو تنبیہ وتادیب اور متواتر فتحیابیوں سے ملک کی آبادی کو ترقی دی۔ اور اپنی لیاقت کا سکہ دوست ودشمن کے دل پر بٹھا دیا۔ جب سلطان علاءالدین مسعود کی عیاشی وسفاکی سے امراء دہلی تنگ آگئے تو انہوں نے سلطان ناصرالدین محمود کو دہلی بلایا۔ ناصرالدین کی والدہ ملکہ جہان اس سفر میں ساتھ ہوئی اور مشہور کیا کہ سلطان بیمار ہے علاج کے لئے دہلی جاتا ہے۔ صبح کو مقام اور رات کو سفر ہوتا اور پھر بھی احتیاطاً ناصرالدین کے مونہہ پر نقاب ڈال دیتے تاکہ کوئی پہچان نہ سکے اس حیلہ سے ناصرالدین دہلی پہنچ گیا۔ امرائے دربار پہلے ہی منتظر تھے۔ علاءالدین مسعود قید اور ناصرالدین محمود ۶۴۴ھ مطابق ۱۲۴۶ء تخت دہلی پر بیٹھا۔ جشن جلوس کیا گیا۔ ملک بلبن خورد جو التمش کا غلام وداماد تھا وزیراعظم مقرر کیا اور تمام کاروبار سلطنت بلبن کے اعتبار پر چھوڑ دیئے اور اسکو کہہ دیا کہ کوئی کام ایسا نہ کرنا کہ خدا کے روبرو اس کے جواب سے تم اور میں شرمندہ ہوں۔ بلبن نے انتظام سلطنت عقل وفراست سے کیا۔ سرکشوں سے ملک کو صاف کردیا عہد سابق میں جو جو انتظامی خرابیاں تھیں سب دور کردیں۔ عہد ناصرالدین محمود میں جس قدر

فتوحات حاصل ہوئیں وہ تمام بلبن کی لیاقت اور شجاعت کا نتیجہ تھیں اس لئے اُن فاتحانہ واقعات کو ہم بلبن کے حال میں بیان کریں گے۔ یہاں ہُس کی خدا پرستی۔ تواضع وانکساری کی ایک دو مثالیں ناظرین کی اخلاقی رہنمائی کے لئے لکھتے ہیں کہ مذہب اسلام کی حقیقی پابندی سے کسقدر درستی اخلاق متصور ہے۔ مذہبی تعلیم اور مذہبی تقلید جب سلاطین تک کو اسقدر اخلاق حسنہ اور عبادات کریمہ کا پابند و عامل بنا سکتی ہے تو دیگر بنی آدم کو کیوں نہیں فائدہ پہنچا سکتی۔ بغیر مذہبی تقلید کوئی انسان روحانی وجسمانی کمال حاصل نہیں کرسکتا اور اس کمال کے بغیر دنیاوی ترقی جس کے لئے آج دنیا شیفتہ و فریفتہ ہورہی ہے حاصل نہیں ہوسکتی۔ پنجاب کے ایک دنیا پرست رئیس نے جو آج آنریبل کے درجہ تک پہنچ گیا ہے تذکرہ بہادران اسلام کو دیکھ کر کہا تھا کہ "مسلمان کیوں ترقی نہیں کرتے" میں نے جو کچھ کتاب مذکور میں "ترقی اسلام بہ تقلید صحابہ کرام" کا اصول رکھا تھا وہی بیان کیا مگر اُس شریعت سے نفور دنیا پرست نے یورپ کی مثال پیش کی جو اسلام کو نہیں مانتے اور ترقی کئے جاتے ہیں۔ غالباً اور نوجوانوں کے خیال میں بھی یہ بات ہوگی اس لئے اس موقعہ پر لکھا جاتا ہے گو اسکا تاریخ سے چنداں تعلق نہیں مگر موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی عادات و اخلاق مذہب و ملت سے اسکا گہرا تعلق ہے اور اس کتاب کی غرض تالیف بھی صحیح تاریخی واقعات کے بتلانے کے علاوہ موجودہ نسل کے اخلاقی حالت کا سنوارنا مقصود ہے۔ اس لئے اُس نوجوان مسلمان رئیس کے سوال کا جواب دیا جاتا ہے :۔

ایک رئیس کے اعتراض کا جواب

صاحبان! مذہب کا ماننا عقیدہ اور عمل دو طرح سے ہوتا ہے عقیدہ یہ ہے کہ اُس مذہب کو حق اور بانی مذہب کو موید من اللہ یقین کیا جائے۔ یورپ عموماً مذہب اسلام کی نسبت یہ عقیدہ نہیں رکھتا اس لئے وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ مگر احکام مذہب اسلام دعا یعنے نماز۔ خیرات۔ ہمدردی انسانی اخلاص۔ ایثار۔ اتفاق و اخوت۔ قومی درد۔ حب الوطنی۔ جس کے لئے رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے اور قرآن جسکا اعلان علی رؤس الاشہاد کرتا ہے اور جس کی تعمیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی نے نہیں کی یہ تمام عملی صفات اہل یورپ میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ جس دلچسپی اور گہری تحقیقات سے یورپ نے کیا ہے آج طبقہ عالم پر کوئی قوم اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ مسلمانوں کی ترقی اقبال و دولت نے جو صدیوں تک یورپ وغیرہ کو چندھیاتی رہی

اُس زمانہ ترقی کی تاریخ کو غور سے پڑھا اور عروج و زوال کے اسباب پر غور کی اور ماہیت کو سمجھا جو فلسفہ تاریخ ہے اُس سے صفات مذکورہ بالا کو اختیار کیا۔ اور چند صدیوں میں ملکی و مالی علمی و اخلاقی ترقی کو اس درجہ کمال تک پہنچا دیا کہ آج مسلمان اُن کی ترقی کے سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے اور نادانی اور پست ہمتی سے اسلام کو عار اور عیسائیت کو وقار جانتے ہیں اگر قرآن و حدیث پر غور کرتے۔ تاریخ پڑھتے یا کم سے کم عامل بالشرع مورخین اسلام کی کبھی کوئی بات سن لیا کرتے تو ایسے اعتراض ہرگز نہ کرتے۔ افسوس کہ یہ مرض جہالت آج کل کے رئیس زادوں میں کثرت کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے۔ جن کے بزرگ مشہور دیندار اسلام تھے وہ اتالیقوں کی غیر شرع تربیت سے ننگ خاندان نکل رہے ہیں:۔

ناصر الدین محمود سے پہلے اور التمش کے بعد ہندو ہی باغی اور سرکش نہیں بنے بیٹھے تھے بلکہ مسلمان سردار جو رکن الدین۔ رضیہ بیگم۔ بہرام۔ مسعود کو معزول و مقتول کر چکے تھے۔ اپنی اپنی جگہ انقلاب سلطنت کے لئے کافی طاقت رکھتے تھے ملک میں امن و امان مفقود تھا۔ آئے دن کے فسادوں سے زراعت ناپید تجارت مسدود تھی۔ ترقی مال و دولت کا کوئی سامان درست نہ تھا کہ ایسی حالت میں ناصر الدین تخت نشین ہوا۔ اپنی اعلے درجہ کی پاکیزگی۔ زہد و ورع سے جو محض پابندی شریعت سے اسکو حاصل ہوئی تھی ہر ایک انتظامی صیغہ میں کامیابی حاصل کی ملک آباد رعایا خوشنود اور وہ خود ابد الاباد تک مورد تحسین و آفرین ہوا۔ گو امراء کی بغاوت اُس کے عہد میں بھی ہوئی مگر وہ عارضی تھی ناصر الدین کی ذات کی مخالفت نہ تھی اس لئے ہر ایک بغاوت فرو ہوتی رہی۔ تاریخ میں اُس کی نیک مزاجی حلم و انکسار زاہدانہ زندگی کی چند مثالیں لکھی ہیں :۔

مثال اول۔ جن لوگوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری پڑھی ہے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی عملی زندگی کا مطالعہ کیا ہے اور ان کی تقلید کرنی چاہتے ہیں۔ وہ ان حضرات کی تقسیم بیت المال اور ان کے ذاتی تصرف کو نہیں بھول سکتے۔ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ اپنے شاندار زمانہ خلافت میں خشت سازی سے قوت لایموت پیدا کرتے اور چودہ پیوند کا کرتہ پہنتے مگر بیت المال سے اپنے معمولی حق کے سوا کچھ نہ لیتے حالانکہ کروڑوں کا مال اُن کے ہاتھ سے مستحقین اسلام میں تقسیم ہوتا تھا۔ ایک دفعہ یمن کی چادریں آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بحصہ رسدی ایک ملی۔ چونکہ آپ دراز قد تھے اُس سے پیرہن نہ بن سکا

اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حصہ کی چادر لے کر دونوں سے اپنا پیرہن سلوایا۔ ایک صحابی نے اعتراض کیا کہ ایک چادر سے تو آپ کا پیرہن نہ بن سکتا تھا باقی کپڑا کہاں سے لیا گو یہ علانیہ بدگمانی تھی مگر عادل عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کیطرف اشارہ کیا جس نے بیان کیا کہ میں نے اپنے حصے کی چادر دی تھی۔ اس قسم کا انصاف و عدل تقسیم بیت المال میں باقی خلفائے رضی اللہ عنہم بھی فرماتے رہے اور ذاتی آرام و عیش اور نفسانی اغراض کے لیے کبھی کوڑی بیت المال سے نہ لی۔ اس عمدہ اصول کی پیروی کرنے والے شاہان اسلام سے صرف چند گذرے ہیں ہندوستان کے سلاطین میں سے اول درجہ بھی ناصرالدین اور دویم درجہ اورنگ زیب تھا۔ ناصرالدین کی صرف ایک منکوحہ بی بی تھی۔ وہی روٹی پکاتی ایک دن اس نیک نیت بی بی نے عرض کیا کہ روٹی پکانے سے ہاتھ جلتے ہیں کوئی لونڈی خرید دو کہ کھانا پکا دیا کرے بادشاہ نے کہا کہاں سے قیمت لاؤں بی بی نے کہا شاہی خزانہ سے بادشاہ نے کہا کہ میرا شاہی خزانہ میں کیا حق و اختیار ہے۔ میں تو امین سے زیادہ درجہ نہیں رکھتا۔ کیا تمہاری خاطر امانت میں خیانت کروں اور قیامت کو شرمسار اور دوزخ کا کندہ بنوں کیا اس سے بڑھ کر پابندی شریعت اور تقلید صحابہ کرام ہو سکتی ہے۔ شہنشاہ ہندوستان جس کے دربار میں دولت کا مینہ برس رہا ہو اور گھر میں اسقدر سادگی جس کی نظیر سوائے اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ملتی۔ نوجوان اس پر شاید پھبتی اڑائیں گے مگر ان کو اسلامی زہد و قناعت کی فلسفی معلوم نہیں جب تک یہ صفات عالیہ حاصل نہ ہوں۔ حقوق العباد جس پر تمدن و معاشرت کا مدار ہے کبھی پورے طور سے نہیں ادا ہو سکتے۔ اس صفت کے ہوتے حرص و طمع جو تمام برائیوں کی جڑ ہے پائی نہیں جاتی کوئی مقدمہ جھگڑا نہیں ہوتا کہ جس سے ترجیح عدالت کا زیر بار ہونا پڑے اس صفت سے انسان کی حقیقی آزادی قائم رہ سکتی ہے ورنہ عبد و غلام بندہ درم و دام حریص و آز پرست شکم پرور کہلائیگا۔ اسی پر مشہور شیرازی فلاسفر نے کہا ہے:-

اگر خود پرستی شکم طبلہ کن ++	در خانہ این و آن قبلہ کن +
کسے راکہ در حج طمع در نوشت	نباید بکس عبد و خادم نبشت +
طمع آبروئے توقیر بریخت	برائے دو جو دامنی در بریخت
قناعت تونگر کند مرد را +	خبر دہ حریص جہان گرد را ++
شنیدی کہ در روزگار قدیم	شدے سنگ در دست ابدال سیم

ندانی کہ این قول معقول نیست   چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست

باوجود اسقدر سادہ زندگی اور زاہدانہ معاشرت اور درویشانہ عادات کے شجاع - کریم وفیاض تھا مگر اپنا نفقہ کتابت قرآن شریف سے حاصل کرتا۔ اُس کے لکھے ہوئے سیپارہ فروخت ہوتے اور اُس کی قیمت سے قوت لایموت خریدتا ایک امیر نے ایکدن از روئے خوشامد زیادہ قیمت سے خرید کیا بادشاہ تاڑ گیا حکم دیا کہ اُس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن خفیۃً بیچے جائیں۔ یہ تھی احتیاط دیانت جس کی اسلام تعلیم کرتا ہے اور مجتہدین مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بالکل مشابہ تھے جو دھوپ میں ایک درخت کے سایہ میں جا کھڑے ہوئے اور یہ معلوم کرکے کہ مالک درخت آپکا قرضدار ہے وہاں سے اِس احتیاط کے لئے چل دیئے کہ کہیں یہ بھی ربا میں شمار نہ کیا جائے سلاطین اور حکام بااختیار کو ناصر الدین محمود کے اِس فعل پر غور کرنی چاہئے کہ وہ رعایا کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے ہیں "العاقل تکفیہ الاشارہ" اس بادشاہ کا حلم اسقدر وسیع تھا کہ ایکدن کوئی ضرورت مند اُس کے پاس آیا اُس کے ہاتھ کا قرآن مجید لکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہاں دو دفعہ لفظ فیہ لکھا ہے ایک فیہ غلط ہے بادشاہ نے فوراً اُس کے گرد حلقہ کھینچ دیا گویا اپنی غلطی کا اعتراف کیا مگر اُس سائل کے چلے جانے پر چاقو سے حلقہ مذکور چھیل ڈالا ایک مصاحب نے پوچھا کہ حضور نے پہلے حلقہ کھینچا اور اب حک کر دیا کیا باعث تھا اُس حلم مجسم سلطان نے کہا کہ لفظ صحیح تھا اگر میں اُس وقت اپنی غلطی نہ مانتا اور حلقہ نہ کھینچتا تو وہ سوال کرنے سے شرم کرتا اور مایوس جاتا اور رنجیدہ ہوتا اب وہ اپنا مطلب حاصل کرکے چلا گیا ہے اب حلقہ چھیلنے سے اُس کا کچھ نقصان نہیں ہے۔ حلقہ چھیلنا آسان ہے لیکن کسی دل کی آزردگی کا داغ مٹانا مشکل ہے۔ ناظرین یہ تھی خلافت پناہی اولوالامری جس کی اطاعت تالی اطاعت خدا رسول ہے۔۔ جس کے حق میں اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم"

کیا اسقدر حلیمانہ وقار بغیر پابندی مذہب پیدا ہوسکتی ہے نہیں ہرگز نہیں۔ فی لاکھ کوئی ایک انسان ایسا ہوگا جسکا نیچر (فطرت) ہی اچھی ہو اُسکو کسی تعلیم کی ضرورت نہ ہو اور طبعاً بُرائی کیطرف نہ جائے ورنہ باقی تمام انسان تعلیم و تعلم کے محتاج ہیں اور وہ تعلیم مذہبی ہے جس کے بغیر کبھی اخلاق نہیں سدھر سکتے مذہب سے بے پرواہ خواہ کسقدر مہذب ہوئے اوب و تہذیب

کرے اور اپنے آپ کو متخلق باخلاق حسنہ دکھائے مگر مذہب سے لاابالی شخص کبھی بھی حقیقی مہذب نہیں بن سکتا۔ ظاہر میں سوسائٹی کے چند قواعد عامہ کا عامل دکھائی دیتا ہے لیکن در اصل اُسکو مخرب اخلاق باتوں سے دلی نفرت نہیں ہوتی جسطرح سے مذہب کا پابند شخص شراب کو کسی حال میں نہیں پی سکتا اسی طرح مذہب کو نہ ماننے والا نہیں بچ سکتا۔ کسی نہ کسی جگہ اس کا فر کو مونہہ لگا ہی لیگا۔ اسی طرح دیگر مناہی و ملاہی کا کہیں نہ کہیں ارتکاب کر ہی جاتا ہے۔

؎ چون بخلوت مے روند آن کار دیگر مے کنند۔ کا مضمون انہیں لوگوں کی شان میں کہا گیا ہے۔ پس مذہبی تعلیم اور مذہبی تقلید کے بغیر اخلاق کی درستی محال ہے شارع علیہ اسلام کا ادب و محبت اس قدر ناصر الدین محمود کے دل میں جائے گزین تھا کہ ایک شخص محمد نام اُس کا ملازم تھا۔ ہمیشہ محمد کہہ کر اوس کو پکارتا تھا۔ ایک دن اُسکو تاج الدین کہہ کر بلایا۔ غلام نے کام تو کردیا لگر غمناک ہو کر گھر بیٹھ رہا۔ تین دن تک دربار نہ آیا سلطان نے آدمی بھیج کر بلایا اور غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ مصاحب نے عرض کیا کہ حضور ہمیشہ مجکو محمد کہہ کر بلاتے تھے خلاف عادت مجکو تاج الدین کہہ کر پکارا۔ اس تغیر نام سے میں ڈرا کہ شاید بادشاہ مجھ پر ناراض ہے اسی فکر وغم میں گھر پڑا تھا بادشاہ نے کہا کہ میں ناراض نہیں ہوں بے وضو تھا۔ بے وضو حالت میں محمد کا نام لیتے مجکو شرم آئی اس لئے تاج الدین کہہ کر پکارا کیا اس سے بڑھ کر حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہوسکتی ہے جو ہمنام کی اسقدر عزت کرتا تھا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل پر پورے شوق و سرگرمی سے کیوں نہ عمل کرتا اور یہی تقلید نبوی اور محبت مصطفوی عارفان باخدا و عاشقان اللہ کا دستور العمل رہا ہے۔ انہیں عادات سے مؤلف طبقات ناصری ناصر الدین محمود کو ولی اللہ کا لقب دیتا ہے جو بالکل موزون ہے۔ طبقات ناصری فارسی زبان کی نہایت معتبر اور مطول تاریخ ہے۔ وہ اسی عابد و زاہد عادل و سخی درویش و صوفی عارف باللہ عاشق رسول اللہ کے عہد میں لکھی گئی اور اسی کے نام مبارک پر معنون کی گئی۔ منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری عہد ناصر الدین محمود میں دہلی کا شیخ الاسلام تھا۔ دہلی کا کالج ناصریہ بھی اس کی سپرد رہا۔ کئی ایک علماء کرام اور صوفیائے عظام اس کے عہد میں تھے۔ شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا شروع زمانہ تھا جن کے مدارج الہیات اور کمالات کا ذکر عہد علاء الدین خلجی میں کیا جائیگا:۔

مؤلف طبقات ناصری نے عہد ناصرالدین محمود کے ۱۶ سالہ واقعات کو لکھا ہے۔ فتوحات ناصری کا بیان بلبن کے عہد خانی کے حالات میں آئے گا۔ مختصراً یہ ہے کہ دوآبہ گنگا و جمنا کے ہندوؤں کی بغاوت اور کھوکھروں کی سرکشانہ شقاوت کو دور کیا۔ میواتیوں کی قزاقی کا انتظام کیا گیا۔ نرور۔ رنتھنبور۔ چتوڑ۔ علاقہ بندیل گھنڈ فتح ہوا۔ کٹرہ مانک پور کے مسلمان باغیوں کی گوشمالی کی گئی۔ عمادالدین بعد بغاوت قتل اور بادشاہ کی والدہ ملکہ جہان کا دوسرا خاوند قتلغ خاں بعد بغاوت مقہور۔ اور دیگر امرائے خفیف خفیف سزاؤں کے بعد بحال کئے گئے والدہ بادشاہ کا دوسرا نکاح اُن لوگوں کے لئے کافی سبق ہے جو بیوگان کے نکاح ثانی کو خلاف شرافت جانتے ہیں۔ پابند شرع ناصرالدین نے بُرا نہ مانا اور قتلغ خاں کو علاوہ صوبہ اودھ کے اور جاگیر دیدی۔ نکاح بیوگان شریعت کا حکم ہے۔ آنحضرت صلعم نے اپنی بیٹی زینب کا نکاح ثانی کرا دیا۔ خود بیواؤں سے نکاح کئے۔ معلوم نہیں کہ ہندوستان کے اہل اسلام نے یہ خلاف شرع شرافت ہندوؤں سے کیوں سیکھ لی +

مورخانہ اختلاف

الفنسٹن صاحب ناصرالدین کو التمش کا پوتا لکھتا ہے جو جملہ مورخوں کے برخلاف ہے۔ بعض مورخ بلبن کی بیٹی کا نکاح ناصرالدین سے اور بعض بلبن کے بیٹے بغرا خان کا نکاح ناصرالدین کے بیٹی سے لکھتے ہیں۔ مگر اس عہد کا سب سے زیادہ معتبر مورخ منہاج سراج مؤلف طبقات ناصری بلبن کی بیٹی سے ناصرالدین کا نکاح کئی سال کی سلطنت کے بعد لکھتا ہے اور مولف طبقات اکبری کی روایت بھی یہی ہے۔ یہ خیال بھی درست نہیں کہ ملکہ جہان والدہ ناصرالدین نے قتلغ خاں سے نکاح کیا اور ناصرالدین ناراض ہوا۔ نکاح کے بعد مدت تک محبت و اتحاد کی راہ و رسم جاری رہی۔ علاقہ اودھ بدستور قتلغ خاں کے ماتحت رہا۔ اگر معاملہ نکاح باعث برگشتگی خاطر سلطان ہوتا تو بعد نکاح جلدی اسکا ظہور رہوتا۔ مگر بروایت طبقات ناصری ایسا نہیں ہوا۔

قتلغ خاں جو التمش کا خواجہ تاش تھا جس طرح اُس کی اولاد کے کمزور زمانہ میں دیگر امرائے کو ہوس سلطنت ہوئی اور ناصرالدین محمود کے زمانہ میں بلبن کے حاسد سے

عماد الدین وزیر جس کو الفنسٹن صاحب امام الدین لکھتا ہے باغی ہوا۔ اُس نے قتلغ خان کو مُہرہ پر رکھا اور سلطنت کا جھانسہ دیا۔ یہ بغاوت پولیٹیکل تھی نہ کہ پرائیویٹ معاملہ اس کا باعث ہوا تھا۔ یہ بھی درست نہیں کہ عہد ناصر الدین محمود میں مغلوں۔ گکھڑوں۔ ہندو باغیوں باغی امرائے اسلام۔ میواتیوں کو جو بلبن نے بزور شمشیر فتح کیا اس میں ناصر الدین کا کوئی تعلق نہیں تھا ضرور وہ شمشیر زن نہیں تھا مگر برابر مہمات میں شریک رہا اور نہیں تو اس کی نیک نیتی معدلت گستری کے اثر سے رعیت سے مدد پہونچتی رہی اور فوج دل لگا کر گرم جوشی سے کام کرتی رہی۔ مشرقی سلاطین کی ایسی کئی داستانیں مشہور ہیں کہ شاہان وقت کی نیت کا اثر ملک و دولت پر پڑتا ہے۔ پس ناصر الدین کی نیک نیتی کا اثر تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُس کے باپ کے بعد فتنہ و فساد اور ملک کی تباہی رعیت کی بربادی کے جو اسباب پیدا ہو گئے تھے وہ عہد محمودی میں یک قلم رفع ہو گئے۔ بلبن کو کامل اختیارات دینا اور اس کی لیاقت عامہ سے کام لینا ناصر الدین کے اعلےٰ درجہ کی قابلیت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ سلطان عادل ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۶ء میں ۲۰ سال چند ماہ کی حکومت کے بعد فوت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٭ جس کی جگہ بلبن تخت نشین ہوا جو پہلے ہی جملہ کاروبار سلطنت پر حاوی تھا ٭

مورخین اسلام

یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمانوں کا تاریخی شوق ہر ایک عہد میں برابر موجود رہا ہے عربوں میں گو تصنیف و تالیف کا رواج نہ تھا لیکن خاندانی روائتیں قومی داستانیں رزمیہ حالات جنگی واقعات ہر ایک قبیلہ میں فرداً فرداً فخریہ طور سے یاد کئے جاتے تھے۔ اصل و نسب سے واقفیت امتیازی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی چنانچہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عقیل بن ابی طالب وغیرہ جیسے جلیل القدر اصحاب عرب کے مشہور (نساب) شمار ہوتے تھے۔ مگر پہلی صدی ہجری میں ہی تالیف و تصنیف کا رواج شروع ہو گیا۔ تابعین میں سے امام محمد اسحاق مؤلف کتاب سیر النبی و آثار صحابہ اور امام واقدی مؤلف مغازی واقدی و فتوح الصحابہ تھے۔ امام اصمعی۔ امام محمد بخاری۔ امام ثعلبی مؤرخ تاریخ عرائس و عزر السیر۔ امام مقدسی۔ امام دینوری۔

امام طبری۔ امام ہیثم اپنے اپنے عہد میں مقدس فضلائے اور مشہور عربی مؤرخ گذرے ہیں ؛ خراسان وغزنی میں بیہقی۔ فردوسی۔ مؤلف تاریخ آئین۔ مؤلف تاریخ کسروی۔ مؤلف تاریخ یمینی مشہور فاضل اور معزز مؤرخ تھے۔ ہندوستان کے مورخ خواجہ صدر نظامی رح مؤلف تاج المآثر عہد سلطان قطب الدین ایبک میں گذرا ہے ؛

مولانا صدرالدین عوفی مؤلف جامع الحکایات اور قاضی صدر جہان منہاج سراج جرجانی مؤلف طبقات ناصری۔ کبیر الدین پسر تاج الدین عراقی مؤلف فتح نامہائے علاء الدین خلجی۔ یہ چاروں بزرگ عام علمی فضیلت اور خاص مؤرخانہ لیاقت کے علاوہ امیر کبیر اور شاہی دربار میں عزت و وقار رکھتے تھے۔ فاضل ضیاء برنی مؤلف تاریخ فیروزشاہی جن کی صداقت نگاری اور جادوبیانی نے فقیر مؤلف کے دل پر خاص اثر کیا ہے۔ ایک معزز خاندان کا ممبر تھا۔ اس کا چچا علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی کا گورنر اور اس کا باپ شاہی امیر (لارڈ) تھا۔ خود ضیاء برنی اگرچہ زمانہ کی ناقدردانی کی شکایت کرتا ہے اور گرفتار تنگدستی معلوم ہوتا ہے مگر خود اس کی تحریر سے پایا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق جیسا فاضل اور فیاض سلطان ضیاء برنی کو شرف ہمکلامی بخشتا ہے اور ناکامی انتظام سلطنت کے اسباب مؤرخ مذکور سے دریافت کرتا ہے۔ عہد افغانیہ کے یہ چند چوٹی کے مورخ ہیں۔ مغلیہ عہد کے مؤرخین کا حال مغلوں کے حالات میں لکھا جائیگا۔ ضیاء برنی رح فن تاریخ نویسی میں فرد ہے۔ واقعی صحیح نگاری اور جملہ نیک و بد حالات لکھنے کا دعوے ضیاء برنی نے نہایت دیانتداری سے پورا کیا ہے۔ چاپلوسی و خوشامد کا نام تک نہیں۔ ہر معاملہ کے بواعث پر محققانہ بحثیں کی ہیں۔ علم تاریخ کے فوائد اور مورخ کے اوصاف جسقدر خود ضیاء برنی نے لکھے ہیں اس سے زیادہ کوئی لکھ نہیں سکتا اور صرف لکھا ہی نہیں بلکہ ۶۰۲ صفحہ کی ضخیم کتاب میں بخوبی نبھایا ہے اور مؤرخین مابعد کے لئے فن تاریخ نویسی میں عملی صداقت کا نمونہ چھوڑ گیا رحمتہ اللہ علیہ۔ فاضل علیہ الرحمتہ نے اپنی تاریخ کی بابت صحیح لکھا ہے :۔

قطعہ ضیاء برنی

گر بگویم کہ نیست در عالم — مثل تاریخ من کتاب دگر
چوں دریں علم عالمے نبود — کہ کند گفتہ مرا باور

اس کے جواب میں نہایت ادب و تعظیم سے عرض ہے *

فقیر مؤلف

گرچہ علم و عمل نمیدارم لیک صدق و صفا کنم راہبر
ہرچہ گفتہ ضیاء ضیاء گفتہ گفتہ اش رابجان کنم باور

پس بلبن کے عہد سے لے کر فیروز شاہ تغلق کے ابتدائی ہشت سالہ عہد تک کے حالات ضیا برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھے ہیں جو ۷۵۸ھ میں ختم ہوئی اور ضیاء برنی ہفتاد سالہ ہو چکا تھا۔ کیقباد کے عہد سے لے کر فیروز شاہ تک اُس نے تمام واقعات خود دیکھے یا ہمعصر معتبروں سے سُنے ہیں اس لئے اس عہد کی تاریخ فیروز شاہی سے بڑھ کر اور کوئی معتبر نہیں ہو سکتی اس لئے میں عموماً اسی کی سند پر لکھونگا۔

غیاث الدین بلبن کا واقعہ غلامی

بلبن ترکستان کے قبیلہ البری میں سے تھا۔ حادثہ مغل میں نوجوان تھا کہ خاندان سے جدا ہوا اور بحالت غلامی بغداد پہنچا۔ چونکہ اُس عہد میں ایشیاء میں صرف ہندوستان کی اسلامی سلطنت ہی ہر ایک کی امید گاہ تھی اس لئے خواجہ جمال الدین بصری کے ذریعہ گجرات اور گجرات سے ۶۳۰ھ میں دار الامان دہلی پہنچا۔ سوداگر مذکور کے حسن سلوک اور پدرانہ تربیت حسن صوری و معنوی کے باعث سلطان شمس الدین التمش نے جو قدر دانی بنی آدم میں مشہور آفاق اور غلاموں کی تربیت و ترقی میں شوق تمام رکھتا تھا بلبن کو معہ چند اور غلاموں کے خرید لیا۔ اس کا چھوٹا بھائی کشلیخاں اور ابن عم شیر خاں اس سے پہلے دہلی پہنچ چکے تھے اور سلطان سعید التمش کی اسلامی تربیت کی بدولت غلام سے امیر بن چکے تھے

کشلیخاں کا قصہ غلامی طبقات ناصری میں اسطرح لکھا ہے کہ مغلوں کے خوف سے تمام خاندان بھاگا جارہا تھا۔ رات کے وقت خورد سال کشلیخاں بیل گاڑی سے کیچڑ میں گر پڑا۔ اور تعاقب کرنے والے مغلوں کے خوف سے کوئی اٹھا نہ سکا۔ بلبن سے جو قافلہ کے پیچھے آرہا تھا رہا نہ گیا۔ کشلیخاں کو کیچڑ سے نکالنے لگا کہ مغلوں نے گرفتار کر لیا اور فروخت ہوتا ہوا علاقہ اسلامی میں پہنچا۔ کشلیخاں کو بغداد سے سفیر التمش نے خرید لیا اور دہلی میں سلطان التمش کی خدمت پیش کیا جہاں وہ خدمات شائستہ سے سپہ سالار بن گیا :-

دانا دل سلطان التمش نے بلبن کے قیافہ ہی سے ؎

بالائے سرش زہوشمندی ۔ می تافت ستارۂ بلندی

کے آثار رشد و اقبال دیکھ کر خدمت حضوری میں مقرر کیا اور خاصہ دار سلطانی کی مقربانہ خدمت کو نہایت عمدگی سے نبھایا۔ التمش دو سال بعد فوت ہوگیا۔ مگر سلطان التمش جیسے مدبّر و منتظم عادل و شجاع پرہیزگار سلطان کے فیض صحبت اور دو سالہ تعلیم و تربیت سے بلبن رموز سلطنت اور تدابیر ملکی سے واقف ہوگیا۔ رکن الدین کے عہد میں جب ترکوں نے بغاوت کی تو یہ بھی ترکوں کے ساتھ دہلی سے چلا گیا اور قید کیا گیا +

اخلاقی حکایت

فاضل مصنف طبقات ناصری نے بلبن کے قید کے موقعہ پر ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے۔ جس سے مفید اخلاقی سبق حاصل ہوتا ہے۔ **فھوھذا**

حکایت

ایک عظیم الشان بادشاہ نے اپنے ولیعہد کو علوم و آداب ملکداری سیکھنے کے لئے ایک لایق اُستاد کے سپرد کیا چند سال کی تعلیم و تربیت کے بعد جب شاہزادہ فارغ التحصیل ہوا تو بادشاہ نے شاہزادہ کے امتحان کے لئے دربار مقرر کیا۔ اوستاد نے تین دن کی بعد امتحان لینے کی درخواست کی جو منظور کی گئی۔ اُستاد نے پہلے روز تو شاہزادہ کو شہر سے باہر لیجاکر اپنے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیادہ پا سے چند کوس تک دوڑایا اور تھکان سے بیتاب کرکے واپس لایا۔ دوسرے روز تمام دن اپنے سامنے کھڑا رکھا اور شاہزادہ تکلیف میں مبتلا رہا۔ تیسرے روز ہاتھ پانوں باندہ کر مشکیں کس کر ایک سو ضرب چوب لگائیں۔ اور کوٹھری میں ڈال کر اُستاد خود بھاگ گیا۔ پیچھے معلوم ہونے پر اور لوگوں نے شاہزادہ کو کھولا۔ بادشاہ سخت رنجیدہ ہوا۔ لیکن حلم و وقار کے سبب خاموش رہا۔ دربار میں فضلائے نے امتحان لیا۔ ہر ایک علمی۔ جنگی۔ ملکی مضمون میں شاہزادہ کو ماہر کامل پایا۔ بادشاہ نے کہا کہ اُستاد نے تعلیم تو عمدہ دی ہے مگر شاہزادہ کو پیادہ دوڑانے کھڑا رکھنے مشکیں باندہ کر مارنے اور پھر روپوش ہونے کا سبب معلوم نہیں ہوسکا۔ اُستاد کی تلاش کی گئی بہت

سی کوشش وسعی کے بعد اُستاد ملا۔ بادشاہ نہایت عزت وتکریم سے پیش آیا اور شاہزادہ کو
تین روز تک مختلف تکالیف دینے اور خود بھاگنے کا سبب دریافت کیا۔ فاضل اتالیق
نے عرض کی کہ شاہزادہ جملہ علوم وفنون میں مہارت کامل حاصل کر چکا تھا۔ مگر وہ مظلوموں
اور ماتحتوں کی تکلیفوں کا اندازہ کرنا نہیں جانتا تھا اُسکو معلوم نہ تھا کہ جو لوگ اردل میں پیادہ
پائے دوڑتے ہیں یا دربار میں تمام روز کھڑے رہتے ہیں وہ کسقدر تکلیف اُٹھاتے
ہیں۔ جن مظلوموں کو بید لگوائے جاتے ہیں ہاتھ پانوں باندھ کر تیرہ وتاریک کوٹھریوں میں
رفیق وحشت بنایا جاتا ہے۔ اُن کی جانوں پر کیا گذرتی ہے۔ چونکہ شاہزادہ ایک دن بادشاہ
ہوگا اور مخلوق خدا کی جان ومال اُس کے قبضۂ اقتدار میں ہوگی اس لئے میرا فرض تھا کہ ایسے امور
سے بھی شاہزادہ کو عملی تجربہ حاصل کراتا۔ تاکہ بادشاہ ہوکر مردم آزاری سے پرہیز کرے۔
بھاگا اس لئے تھا کہ مبادا حضور محبت پدری سے مجکو کچھ آسیب پہنچائیں۔ بادشاہ سُن کر
نہایت خوش ہوا۔ اور اُستاد کو انعام واکرام سے مالامال کردیا:۔

نتیجہ

بلبن کو قید کی رسوائی وتکلیف اور ایام بیکاری کی مصیبت اور ذلت سے سبق دیا
گیا کہ بادشاہ ہوکر رعایا برایا کو جو ودیعت الہی ہے تکلیف نہ دے۔ اسی طرح ہر ایک حاکم
با اختیار کا فرض ہے کہ ذاتی آرام۔ اور نمود کے لئے رعیت کو نہ ستائے۔ اور ناجائز
احکام جو ماتحت حکام کی سینہ زوری اور ظلم پسندی سے رواج پاکر غریب رعایا کی تخریب
اور تعذیب کا باعث ہوتے ہیں اور گورنمنٹ کی محبت ووقار کو کھوتے ہیں عمل میں
نہ لائے جائیں

بلبن کی غلامی سے خانی تک ترقی

رکن الدین کی سلطنت سات ماہ میں بلبن مصیبت میں رہا۔ مگر رضیہ بیگم کے عہد میں
خاصہ داری سے میر شکار رہا۔ رضیہ بیگم کے زوال اور معز الدین بہرام کے ایام عروج
میں بلبن کا ستارہ اقبال چمکا۔ اول میر آخور ہوا اور پھر ریواڑی کا کمشنر وجاگیردار مقرر ہوا۔
اور خوب انتظام کیا۔ معز الدین کے مخالف ترکوں میں سے سب سے زیادہ جنگی خدمات بلبن

کی تھیں۔ شہر دہلی کی فتح کا سہرا بلبن کے سر رہا تھا۔ اور ہانسی کا گورنر کیا گیا۔ امن و امان کے قیام اور عدل و انصاف کے اجرائے سے ملک کو آباد کیا۔ ۶۴۲ھ میں علاؤ الدین نے امیر حاجب (سپہ سالار) بنا دیا۔ منکوتی سردار مغل نے فوج جرار لے کر براہ سندھ اُچھ کا محاصرہ کیا بلبن دہلی سے مجاہدین اسلام کی فوج لے کر ترغیب جہاد دیتا ہوا بیاس تک پہنچا اور راہ میں روانگی کی خبر محصورین قلعہ اُچھ کو روانہ کی۔ قلعہ والوں نے شادیانے بجانے شروع کئے اور بلبن کا ایک خط بھی مغلوں کے ہاتھ آگیا تھا جس میں اسلامی لشکر کی روانگی اور جوش کا حال درج تھا۔ غالباً بلبن نے دانستہ اس طور سے روانہ کیا ہوگا کہ مغلوں کے ہاتھ آئے۔ مغل ڈر کر واپس چلے گئے اور بلبن کی تدبیر و ہمت سے ملک بچ گیا۔ **ناصر الدین محمود** کے تخت نشین ہوتے ہی مغلوں کو مرعوب کرنے اور کھوکھران پنجاب کو جن کی راہبری سے مغل ملتان تک پہنچ گئے تھے۔ ۶۴۴ھ میں رانائے کوہ جود پر چڑھائی کی گئی۔ جسکا علاقہ دریائے چناب سے لے کر دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔ رانا کو شکست ہوئی اور کوہ جودی واقعہ جہلم فتح کیا گیا۔ کھوکھر اہل و عیال لے کر کوہستان کشمیر کو بھاگ گئے اور دریائے سندھ تک شاہی تسلط بخوبی بیٹھ گیا۔ اس خدمت کو بجا لا کر بلبن بمقام سوہدرہ جو ساحل چناب پر واقعہ ہے۔ **سلطان ناصر الدین محمود** کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ہندوؤں کی بغاوتیں اور بلبن کی مستعدی

التمش کے بعد اُس کی اولاد کی نالایقی عیاشی۔ مغلوں کے متواتر حملات اور اسلامی فوج کی مشغولی سرحد شمالی کے باعث ہندو جو مفید موقعہ کی تلاش میں تھے۔ بغاوتیں کرنے۔ لوٹنے اور مسلمانوں کے ستانے اور مارنے میں سرگرمی دکھانے لگے۔ جب مغلوں کی طرف سے کچھ اطمینان ہوا اور اُن کے مددگار کھوکھر سزا پا چکے تو عقلمند بلبن نے ہندو علاقوں میوات وغیرہ میں اسلامی فوج کے گشت کی تجویز پیش کی یہ تجویز بجنسہ ویسی ہے جو انگریزی گورنمنٹ نے بعض اضلاع میں انگریزی فوجوں کی گشت سے انارکسانہ خیالات کے دبانے کیلئے کرتی ہے۔ بلبن کی اس تجویز سے مفسدوں کے حوصلہ پست ہو گئے دوآبہ گنگا جمنا کا قلعہ نندنہ جو ہندو مفسدون کا ہیڈ کوارٹر تھا سخت لڑائی کے بعد فتح ہوا دس ہزار میواتیوں کے قتل سے نواح دہلی کو ڈاکہ زنی سے محفوظ کیا۔ علاقہ دلکی ملکی جو دریا

جمنا کے پار کالنجر اور کڑہ کے درمیان تھا۔ وہاں کا راجہ کثرت فوج اور زر و دولت میں ممتاز
تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ ہندو راجگان سے بھی معرکہ آرا رہتا تھا گذشتہ فترات سلطنت دہلی میں
کوس لمن الملکی بجا رہا تھا۔ بلبن برق کی طرح اس کے صدر مقام میں پہنچ گیا جو مجبور ہو کر رات کو
بھاگ گیا قلعہ اور مال و اسباب پر بلبن کا قبضہ ہوگیا۔ ۶۴۶ھ میں سلطان ناصر الدین
نے پنجاب کا دورہ کیا اور دہلی واپس آکر قلعہ رتنبور کی فتح پر بلبن کو مقرر کیا۔ یہاں کا راجہ
ناہر دیو بہادر اور زبردست فوج رکھتا تھا۔ راجپوتانہ کا بہت سا حصہ اس کے ماتحت تھا
اور بہادر راجپوت اس کی عزت اور اطاعت پر فخر کرتے تھے اور اب تک مسلمانوں کا مدمقابل
رہا تھا۔ بلبن نے رتنبور کا محاصرہ کیا اور بقول منہاج سراج جنرل بہاؤ الدین ایبک
کی شہادت کے باعث محاصرہ اٹھایا گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بلبن رتنبور کو فتح نہ کرسکا
اور نقصان اٹھا کر محاصرہ سے دست بردار ہوا۔ ۶۴۹ھ میں بلبن نے مالوہ اور کالنجر کے
باغیوں کی گوشمالی کی اور دونوں علاقہ فتح کرلئے۔ راجہ جاہر اجاری کو جو عہد التمش میں ایک
مشہور مسلمان جرنیل کو شکست دے چکا تھا میدان سے بھگایا اور ہندو باغیوں کے حوصلے
پست کردیئے۔

اسی سال سلطان ناصر الدین پنجاب آیا اور امرائے سلطنت نے از روئے حسد
بلبن کو دربار سے نکلوا دیا۔ بلبن باوجودیکہ وکیل مطلق اور نائب السلطان فاتح سپہ سالار تھا۔ بلا
چون و چرا ہانسی چلا گیا۔ اسی واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود گو
تقوے و ورع میں عمر ثانی تھا مگر انتظامی قابلیت کا حوصلہ نہ رکھتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ضیاء برنی
نے جو سلطان ناصر الدین پر کم مائگی کا الزام لگایا ہے وہ اسی قسم کے واقعات کا نتیجہ ہے
بلبن کو دربار سے تو نکالا گیا اور سپہ سالار بھی دوسرا شخص بن گیا مگر بلبن کی سی لیاقت نبرد آزمائی
اور تدبیر و دانش نہ رکھتا تھا۔ رانائے رتنبور (چتوڑ) کا حوصلہ اسلامی فوج کی سابقہ ناکامی
کے سبب بڑھا ہوا تھا۔ بلبن کی علیحدگی سے زیادہ شوخی کرنے لگا۔ دربار سے پھر بلبن ہی
راجہ چتوڑ کے مقابلہ پر مقرر ہوا۔ جس کو بلبن نے شکست فاش دی۔ اور ہندوؤں کی مرکزی
باغیانہ طاقت کو کمزور کردیا۔

اس کے بعد سلطان ناصر الدین اور بلبن میں صفائی ہوگئی اور مخالف امیر دربار
سے نکالے گئے۔ امرائے مخالف باغی ہوگئے اور شکست پاکر ہندو راجگان کے ہاں

پناہ گزین ہوئے بلبن نے سب کو شکست دے کر وسط ہند ۔ بشن پور ۔ ترہٹ ۔ سرمور کو فتح کر لیا ۔ ریاست سرمور ابتک فاتحان اسلام سے بچی ہوئی تھی اور اسوقت ایک زبردست ریاست تھی ۔ ان تمام راجگان نے گورنمنٹ کے مخالفوں کو پناہ دی اور شاہی فوج کے مقابلہ کیئے اور برباد ہوئے ۔ ہندو راجگان کی باغیوں کو پناہ دینے سے یہ غرض تھی کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو جائے اور اسلامی سلطنت کو ضعف پہنچے ۔ اور ہندو سلطنت کے استحکام کا موقعہ ملے +

ہندوؤں کی ڈاکہ زنی

جب بلبن ہانسی سے ناگور تبدیل ہوا تھا ۔ بلکا نام ہندو ڈاکو نے بلبن کے بہت سے اونٹ چھین لئے تھے اور بعد میں بعض امرائے کی بغاوت کے سبب فوج شاہی ڈاکوؤں کو سزا نہ دے سکی اس سے عام ہندو ڈاکوؤں میں شامل ہو کر لوٹ مار کرنے لگے ہمالیہ سے کر دہلی تک اضلاع انبالہ ۔ کرنال ۔ پٹیالہ ۔ رہتک ۔ حصار ڈاکوؤں کے تختہ مشق بن گئے مسلمانوں کی کشت وخون اور غارتگری سے ہاتھ رنگتے رہے ۔ باغی تعداد میں ہزار ہا تھے اور ہر ایک موقعہ پر نہایت ثابت قدمی اور جاں فروشی سے مقابلہ کرتے رہے مگر تجربہ کار بہادر بلبن ہر ایک میدان میں فتح پاتا رہا اور دشمن کو دباتا ہوا پہاڑوں میں گھس گیا دس ہزار ڈاکو قتل ہوئے اور اُن کے دوسو مشہور سردار قید کر کے واپس دہلی ہوا +

ملتان پر مغلوں کا ناکام حملہ

۶۵۵ھ میں لشکر مغول بسر کردگی نوئین ساری بندھ پر حملہ آور ہوا ۔ اور ملتان کا محاصرہ کیا سلطان ناصر الدین نے چڑھائی کی ۔ مورخین اور واعظین اسلام جہاد کی وعظیں کرنے لگے اور علمائے اسلام نے اپنی آتش بیانی سے قوم میں ایثار جان و مال کا سچا جوش بھر دیا ۔ چنانچہ صدر جہان منہاج سراج اس موقعہ پر ایک زبردست واعظ تھا ۔ مسلمان ہر طرف سے جاں فروشی کے لئے شاہی فوج میں شامل ہو گئے ۔ تمام مسلمان سردار اپنی اپنی فوجوں سمیت اس قومی جنگ میں حصہ لینے کے لئے جمع ہو گئے ۔ اس تمام فوج کی جان بلبن اور اُس کا چچازاد بھائی بہادر شیر خان تھا مغلوں نے جوں ہی اسقدر

اسلامی لشکر کا اجتماع اور پرجوش مستعدی کا حال سُنا۔ ملتان کا محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور لشکر اسلام واپس ہوا +

دربار دہلی اور اسلامی شوکت

اسی عہد میں ہلاکو خاں مغل کے ایلچی شاہ دہلی کے پاس آئے جن کو شہر کے باہر ٹہیرایا گیا مولف طبقات ناصری نے اس سفارت کا باعث ایک مسلمان امیر ماتحت ہلاکو خاں کی بیٹی اور بلبن کے بیٹے کی تجویز شادی کو لکھا ہے۔ گو بظاہر سفارت کے آمد کی یہی وجہ ہو۔ لیکن جب ذرہ غور کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ہلاکو خاں جو اسلام کا سب سے مہیب و خونخوار دشمن تھا اور اسلامی سلطنتوں کا بگاڑنا اور امرائے اسلام کی باہمی یکجہتی کو گھٹانا اُس زبردست پالیٹیشن کا اصل الاصول تھا وہ کسطرح شاہ دہلی کے وزیر اور وکیل مطلق اور اپنے ایک طاقتور امیر کے رشتہ اتحاد کو پسند کر سکتا تھا۔ اس سفارت کی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہ تھی کہ چنگیز خاں کے عہد سے لے کر اب تک خونخوار مغلوں نے جو تمام ایشیا اور روس واقعہ یورپ تک نشان فتح گاڑ چکے تھے۔ ہندوستان پر عموماً ہر سال حملہ کرتے رہے مگر ہر بار بہادران ہندوستان سے شکست کھاتے رہے اور ایسی متواتر ناکامی مغلوں کو کہیں بھی نہ ہوئی تھی۔ خود بلبن کی وزارت میں دو دفعہ مغل فوج کشیر لے کر ہندوستان پر حملہ آور ہوئے مگر ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی حمیت قومی عصبیت جنگی طاقت جہادی جوش اسلامی اتحاد کی خبریں سُن کر ہی قبل از جنگ بھاگتے رہے۔ سلطان ناصرالدین محمود کی نیک نیتی پابندی شرع زاہدانہ تقوے و ورع بیت المال کو حق مساکین و عاملین جاننے اور ذاتی و نفسانی اغراض کے لئے دست برد نہ کرنے اور وزیر بلبن کی بیدار مغزی انتظامی لیاقت اور شجاعت نے ہلاکو خاں کو صرف ہندوستان کی فتح سے ہی مایوس نہ کیا بلکہ اُس کو بہادران ہندوستان کی شیرانہ صولت اور شاہ دہلی کی عظمت و شوکت بلبن کی مدبرانہ لیاقت سے افغانستان کے کھوئے جانے کا اندیشہ لگ رہا تھا جیسا کہ غزنی پر چڑھائی کا ارادہ شاہ دہلی نے کیا۔ اور بہادر شیر خان سپہ سالار دہلی اور گورنر پنجاب نے آخر غزنی کی فتح سے خراسان تک ہل چل ڈالدی۔ پس اس سفارت کی وجہ سلطنت دہلی کی زبردست جنگی طاقت اور بہادران ہندوستان کی اہلیت اسلام قومی جاں فروشی اور غازیانہ جوش کا خوف تھا جس نے ہلاکو خان

کو شاہ دہلی سے رابطہ اتحاد پیدا کرنے پر مجبور کیا۔ یہ عزت و فخر صرف ہندوستان کے اُن سلاطین کو حاصل ہوا جو غلام و غلام زادہ تھے مگر اسلام کی عالمگیر فیاضی سے شاہنشاہی تک پہنچکر محافظ اسلام بن گئے۔ مغلوں کا موہنہ توڑ مقابلہ اسی طرح مصر کے غلام سلاطین نے کیا اور حق حفاظت اسلام ادا کیا مگر ہلاکو خاں کی تحریک رابطہ دوستی کی عزت صرف شہنشاہ ہندوستان کو حاصل ہوئی۔ اور ہلاکو خاں نے اپنے امیر ناصر الدین محمد اور بلبن کے باہمی رشتہ کو ذریعہ سفارت خیال کیا +

بلبن جب تک دہلی نہ پہنچا ملاقات سفیران مغل ملتوی رہی۔ دو سو سرغنہ ہندو ڈاکو جو بلبن کا مذکور کے ہمراہیوں میں سے گرفتار ہوئے تھے اُن کو قتل کرکے ہر ایک دروازہ اور سڑک پر لٹکا دیا تاکہ ہلاکو کے ایلچی دیکھ سکیں۔ اگرچہ یہ سزا وحشیانہ نظر آتی ہے لیکن جن ڈاکوئں نے ہزاروں ہندو مسلمانوں کے جان و مال ننگ و ناموس کو برباد کیا اور جرائم قتل کے مرتکب ہوئے وہ ہرگز رحم کے مستحق نہ تھے۔ دروازوں اور شاہراہ پر لٹکانا سفرائے مغل کو ڈرانا تھا اور اس قسم کی پالیسی ہر ایک زمانہ میں ہوا کرتی ہے۔ بہرحال مغلوں کو دکھانا منظور تھا کہ اگر تم خونخوار ہو تو ہم بھی اپنے دشمنوں کے حق میں تم سے کم نہیں :-

۸ ربیع الاول ۶۵۸ھ کو یہ دربار دہلی میں کیا گیا جو اسلامی عہد کا دوسرا دربار تھا لیکن شان و شوکت میں دہلی کا یہ پہلا اسلامی دربار ہے۔ ایسے موقعوں پر جیسا کہ آج کل دستور ہے۔ ہر ایک گورنمنٹ کثرت دولت۔ جنگی طاقت۔ شوکت و اقبال اور جاہ و جلال کو ظاہر کیا کرتی ہے اسی طرح شاہ دہلی نے بصلاح وزیر با تدبیر کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ صرف فوج دو لاکھ پیادہ اور پچاس ہزار سوار اس دربار کے موقعہ پر موجود تھی اور یہ تمام فوج صرف دہلی اور اس کے قریب کی چھاونیوں کی تھی۔ باقی فوجیں جو ملتان۔ اُچہ۔ لاہور۔ بھٹنڈا وغیرہ مشہور اور سرحدی چھاونیوں میں مغلوں کی تاخت و تاراج اور دفعیہ حملات کے لئے مستقل طور سے مقیم رہا کرتی تھیں یا مالوہ اودھ۔ بنگالہ کی فوجیں اس دربار میں شامل نہیں ہوئی تھیں۔ اس سے دہلی کے سلاطین غلامان کی جنگی طاقت اور فوجی عظمت کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔ جو گورنمنٹ صرف ایک دو صوبہ میں اسقدر فوج کثیر رکھتی ہو اُسکا مقابلہ کون کرسکتا تھا۔ اسی فوجی طاقت نے جو خالص اسلامی جوش سے بھری ہوئی تھی مغلوں کو ہندوستان میں کامیاب نہ ہونے دیا اور رابطہ دوستی کا خواہان ہلاکو خاں ہوا +

فوج شاہی کے علاوہ تمام باشندگان شہر از قسم ذکور سلاح بند کھڑے تھے۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ قیامگاہ سفارت سے لے کر قصر شاہی تک جہاں دربار تھا اور کئی میل کا راستہ تھا دو طرفہ دوش بدوش بیس صفیں سوار و پیادوں کی کھڑی کی گئی تھیں۔ آئین بندی سے شہر ایک چمنستان تھا۔ دُکانداروں نے بیش قیمت اشیاء اور شاہو کاروں اور جوہریوں نے زرو جواہرات کی نمایش سے دہلی کو ممبران سفارت کی نگاہ میں ایشیاء کا سب سے زیادہ دولتمند شہر ثابت کر دیا۔ جنگی ہاتھیوں کی کثرت اور متواتر تگ و دو سے بقول منہاج سراج سفارت کا کوئی ممبر گر پڑا۔ اگر یہ امر اتفاقیہ بھی ہو تو بھی اس تمام نظارہ نے دہلی کی فوجی طاقت اور تمول کا رعب ضرور پیدا کر دیا اور دربار اور فوجی نمایش کا جو مطلب ہوا کرتا ہے حاصل ہو گیا۔ یہی پولیٹکل سبق ہیں جن پر آج مدبران یورپ کا عمل ہے۔ اِن ملکی تدابیر کے موجد مسلمان تھے۔ منہاج سراج نے دربار دہلی کی تعریف میں خوب زور طبیعت لگایا ہے اور اعلیٰ درجہ کی انشاء پردازی کے جوہر دکھائے ہیں۔ چونکہ ہم نے صرف واقعات کو سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھنا ہے اس لئے ہم اُس حصہ کو قلم انداز کرتے ہیں۔ صرف فاضل منہاج سراج کا قصیدہ تفریح ناظرین کے لئے کتاب ہذا میں درج کرتے ہیں۔ یہ قصیدہ دربار مذکور میں پڑھا گیا تھا ؂

قصیدہ منہاج سراج رحمۃ اللہ علیہ

زہے جشنے کز و اطراف چوں خلد برین گشتہ
خہے بزمے کز و اکناف عالم راستین گشتہ

زترتیب نہاد و رسم و آئین و نشاط او
تو گفتی عرصۂ دہلی بہشت ہشتمین گشتہ

زفر ناصر الدین شاہ محمود بن التمش
ملک نزدش دعا خوانده فلک نزدش زمیں گشتہ

شہنشاہے کہ در عالم بفیض فضل ربانی
سزائے چتر شاہی لایق تخت و نگین گشتہ

چو خاقانان کین آور چو سلطانان دین پرور
بدل ماحی کفر ست و بجان حامی دین گشتہ

مبارکباد بر اسلام این بزم شہ عالم
کزین ترتیب ہندوستان بسے خوشتر زچین گشتہ

ہمین از جملہ شاہاں باد ہر بندہ ز درگاہش
چو منہاج سراج از جان دعا گوئے کمین گشتہ

قصیدہ از فقیر مؤلف عفی عنہٗ

زہے جشنے کز و ہندوستان خلد برین گشتہ
خہے بزمے کز و اطراف عالم یاسمین گشتہ

ز عدل و داد و آئین و نشاط و امن و آزادی
تو گوئی شہر دہلی چون بہشتِ ہشتمین گشتہ

شہِ محمود ناصر دین بن سلطان شمس الدین
شہِ دین پرور ہندوستان نہ این چنین گشتہ

ہلاکو بود خاقانِ مظفر در ہمہ عالم
ولے از تیغ شاہِ ہند یک بندہ کمین گشتہ

وزیر او چو بلبن باہمہ تدبیر و دانش بود
از آن بر جملہ شاہانِ جہان بہتر ہمین گشتہ

دلی و زاہد و باذل رعایا پرور و غازی
بجان و دل چو نامِ خویش او حامئ دین گشتہ

بہ تقلیدش نکستہ نشان از دیگران بینی
مگر محمود ناصر دین کز و گلشن زمین گشتہ

غیاث الدین بلبن کی شہنشاہی

اس سے پہلے خاندان غور سے لے کر یہاں تک جو کچھ کتاب ہذا میں لکھا گیا ہے وہ عموماً طبقات ناصری سے لیا گیا ہے۔ جو خاندان غوری اور غلامان کا سب سے زیادہ معتبر مورخ اور التمش کے عہد سے لے کر عہد بلبن تک دہلی کا امیر کبیر تھا سلطان ناصر الدین محمود کے عہد کے سولہ سالہ واقعات اور بلبن کے حالات وزارت طبقات ناصری میں مفصل لکھے ہیں۔ جن کا خلاصہ ہم نے لکھ دیا ہے۔ اب بلبن کے حالات شاہی تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ فاضل مورخ ضیاء برنی سے اختصاراً درج کتاب ہذا ہونگے۔ ضیاء برنی بلبن کے اخیر عہد میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ یا دیگر معتبروں سے جنہوں نے بلبن کے زمانہ کے واقعات خود دیکھے تحقیق کر کے لکھے ہیں۔ ضیاء برنی لکھتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کے چالیس ترک غلام تھے جن کو بندگان ترک چہل گانی کہتے تھے اور تربیت سلطانی اور فیضان اسلامی سے پسندیدہ عادات ستودہ اخلاق شجاعت و عدالت سے موصوف اور سلطنت کے کارہائے خطیر پر مامور تھے۔ اور مراحم سلطانی اور فیوضات قرآنی سے آزاد ہو چکے تھے ان میں سے بلبن ۶۶۴ھ میں غیاث الدین کے لقب سے تخت دہلی پر جلوس فرما ہوا۔ بلبن کی تخت نشینی کے وقت انہیں چالیس غلاموں کا سلطنت میں زور تھا شمس الدین التمش

کے بعد جو اپنے عہد میں ایک زبردست شاہنشاہ گذرا ہے دس سال تک اس کی نالایق اور عیاش اولاد نے شہنشاہ دہلی کی عزت و وقار کو کھودیا اور بندگان چہل گانی جملہ کاروبار پر قابض ہوگئے اور دس سال کے اندر چار عزل ونصب کرکے رعب شاہی کو کھودیا۔ ناصرالدین محمود بن التمش نے بیس سال حکومت کی مگر بظاہر وزیر اور دراصل بلبن حکمران تھا ناصرالدین محمود کے طبعی حلم وکرم اور زاہدانہ تمدن و معاشرت نے سختی پسند امرائے ترک کے دلوں سے سلطانی ہیبت کو کھودیا اگرچہ بلبن کی لیاقت سے انتظام سلطنت میں کچھ فرق نہ آیا۔ بلبن نے تخت نشین ہوکر امرائے کی خودسری۔ فوج کی جدید ترتیب و اضافہ۔ خزانہ کی درستی۔ ملک کی آبادی۔ رعایا کی فلاح و بہبود پر توجہ مبذول کی۔ تمام سرکش امیر جو فرعون بے سامان بن کر شاہ دہلی کو خاطر میں نہ لاتے تھے جسطرح ہو سکا سیدھا یا عدم آباد کو چلتا کیا اس انتظامی سزادہی سے ضیاء برنی بلبن کے جبر و تشدد کی شکایت کرتا ہے مگر جو بادشاہ یا گورنمنٹ پولٹیکل مجرموں کی سزا میں اغماض و تغافل کرتی ہے وہ ناکام و برباد ہوتی ہے خود ضیاء برنی کے سامنے کیقباد۔ جلال الدین۔ مبارک کا ان پولٹیکل مجرموں کے ساتھ کیا انجام ہوا۔ رحم و عفو سے بہتر کوئی شئی نہیں لیکن تاریخ عالم میں ایسے واقعات بیشمار بھکر پڑے ہیں کہ جس گورنمنٹ نے ایسے مجرموں سے نرم سلوک کیا آخر مشکلات میں مبتلا ہوئی اور جس نے بغاوت کو پھوٹتے ہی دبالیا اور سرکشوں کے سڈیشن آمیز خیالات بھانپ کر سخت سزاوں سے رعیت میں مادہ بغاوت بڑھنے نہ دیا وہ ملک میں امن و امان قایم کرنے اور حکمرانی میں کامیاب ہوئی۔ پس بلبن جس نے التمش کی باضابطہ حکومت اور اس کی اولاد کی کمزور سلطنت کے نتایج دیکھے ہوئے تھے۔ اُس نے سرکش بندگان چہل گانی کو جو بلبن کو خواجہ تاشی اور ہمسری کے سبب سے خیال میں نہ لاتے تھے مقہور و مغلوب کیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض بلبن کی سازش کے بھی شکار ہوئے مگر یہ امر بلبن کی زیادہ تر ہوشیاری اور عقلمندی پر دلالت کرتا ہے کہ "سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے" کے مطابق ایک قطرہ خون تک نہ گرایا اور زبردست مخالفوں کا نشان مٹا دیا جن کے مقابلہ سے ہزاروں کی ہلاکت یقینی تھی بلبن کا ان کانٹوں کے نکالنے سے رعب و داب جم گیا۔ چوری و راہزنی جاتی رہی۔ راستے امن و امان کے ساتھ جاری ہوگئے۔ عدل و انصاف سے رعایائے خوشحال ہوگئی ✤

بلبن کی طرز حکومت

فیروز شاہی صفحہ ۳۱

سلطانی شان و شوکت کے اظہار اور شاہی رعب و وقار کے استحکام کو جہانداری کے لئے لازمی جانتا اور اسی مطلب کے لئے دربار کی زیب و زینت آرایش و زیبایش اور شاہانہ سواری شاندار تجمل اور تمکنت سے خاص و عام کو ہیبت سلطانی سے مرعوب رکھتا۔ پانچ سو قوی ہیکل جوان اور ہیلتن پہلوان۔ عرب و ترک افغانی و سیستانی وغیرہ چیدہ بہادر شمشیر برہنہ اس کی اردل میں چلتے تھے۔ فوج خاصہ گراں بہا وردی اور عمدہ آلات سے آراستہ علاوہ ہوتی۔ فیلان کوہ پیکر کا نظارہ ناظرین کے دلوں کو ہلاتا تھا۔ قوانین و ضوابط جن سے ملک کی ترقی رعایا کی خوشحالی متصور تھی جاری کئے۔ ممکن نہ تھا کہ قوانین شاہی کی تعمیل میں کوئی فرد گذاشت کر سکے۔ پولٹیکل مجرموں کی سزا دہی میں سختی کرتا تھا۔ مگر اسی سختی کا نتیجہ تھا کہ بلبن کے عہد میں سڈیشن (بغاوت) کا نام و نشان نہ رہا۔ جو لوگ التمش کے بعد اس کے نالایق ورثا کے عہد میں بیہودہ خیالات رکھتے تھے۔ بلبن کی گہری تدبیروں یا زبردست ہاتھوں سے تباہ ہو گئے یا راہ راست پر آ گئے۔ بلبن نے اپنے عہد سلطنت میں گو کوئی عظیم الشان فتح حاصل نہ کی اور نہ کوئی جدید علاقہ سلطنت دہلی میں اضافہ ہوا لیکن جس قدر اس کی ماتحت ملک تھا اس میں ڈاکہ زنی۔ بغاوت کا نام و نشان نہ چھوڑا۔ اور اس عہد میں یہی کمال لیاقت بھی اور اسی کی ضرورت تھی۔ متانت و وقار کی یہ حالت تھی کہ اپنی وزارت و شاہی کے چالیس سالہ عرصہ میں نہ کسی سے مسخری کی نہ کوئی اس کے سامنے تمسخر کر سکا مسخروں۔ بھانڈوں۔ گویوں۔ بازاری کم مایہ۔ سفلہ طبع اور عام امرائے سے ہم کلام نہ ہوتا تھا۔ اور وقار شاہی نہ کھوتا تھا۔ فخر باؤنی بازار کے چوہدری نے ہر چند سلطان سے ہم کلام ہونے کے بہت سی تدبیریں کیں مگر سلطان کے سکرٹری کی ہم کلامی سے زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اور یہ امر بقول پروفیسر دہلوی اس کی نخوت شاہی پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا یقینی خیال تھا کہ انتظام سلطنت اسقدر سیاست و تعذیب سے قایم نہیں رہ سکتا جسقدر کہ سلطان کے وقار و متانت سے۔ اس سے رعب شاہی ہر ایک کے دل میں رہتا ہے جب ہر ایک صیغہ کے لئے وزیر و سکرٹری مقرر تھے تو متعلقہ امراء کو

اُس سے واقعات وحالات بتانے اور احکام مناسب لینے از روئے نظم ونسق ضروری ہیں ورنہ صدر محکمہ کا رعب وانتظام بگڑ جاتا ہے۔ اور جب جملہ کام متعلقہ وزرا کر سکتے ہیں تو پھر بلا ضرورت سلام سے بادشاہ کا وقت ضائع کرنے اور اوروں کی نگاہ میں اپنا رسوخ بڑھانے اور ناجائز فوائد اُٹھانے کے سوا اور کس غرض سے کیا جا سکتا ہے۔ پس بلبن کا یہ دستور رعایا اور گورنمنٹ دونوں کے لئے مفید تھا۔ باوجود اس انتظامی اصول کے عورتوں تک مظلوم و دادخواہ اُس کی بارگاہ تک بلا روک ٹوک پہنچ سکتی تھیں اور اپنا حال عرض کر سکتی اور عدل و انصاف پاتے ملک بق بق بداؤں کا صوبہ دار چار ہزار آمو کا جاگیر دار تھا اُس نے نشہ کی حالت میں ایک فراش کو دروں سے قتل کیا ایسے زبردست با اختیار عہدہ دار کا بچنا کچھ مشکل نہ تھا۔ مگر چند روز بعد جب بلبن وہاں گیا تو فراش کی بیوہ عورت بلبن کے حضور میں دادخواہ ہوئی۔ بلبن نے بعد تحقیقات صوبہ دار مذکور کو کوڑے پٹوائے اور اسی صدمہ میں ملک بق بق مر گیا۔ الفنسٹن صاحب اس کو واقعہ ظالمانہ تصور کرتا ہے۔ مگر جرم قتل پر غور نہیں کرتا جس کی آج کل سزا سولی ہے اور ایک گورنر کو سزا دینا بلبن کا منصفانہ حوصلہ تھا ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ ادنےٰ ملازم افسروں کے ہاتھ سے مارے جاتے ہیں اور افسر کسی نہ کسی بہانہ سے رہا ہو جاتے ہیں اور رعایا میں واردات قتل کی کثرت اور حقیقی ملزموں کا سزا سے بچنا آج کل معمولی امر ہے شاید الفنسٹن صاحب کا اعتراض اسی وجہ سے ہو۔ ورنہ نوعیت سزا پر اعتراض درست نہیں۔ بلبن نے برید (پولیس افسر) کو جس نے اس واقعہ کی اطلاع سلطان کو نہ دی تھی پھانسی دیا۔ اور اخفائے واردات کا دروازہ بند کر دیا۔

اس کے عدل و انصاف بلا رو و رعایت عدالت کا دوسرا واقعہ یہ ہے۔ کہ ہیبت خاں گورنر اودھ نے ایک شخص کا خون ناحق کیا۔ اُس کی بی بی نے بلبن سے نالش کی۔ بادشاہ نے بعد تفتیش دُرّے مار کر مقتول کی بی بی کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ پہلے ہمارا غلام تھا اور اب تمہارا ہے۔ مجرم نے بہت کچھ دے دلا کر اور سعی سفارش سے عورت مقتول سے رہائی پائی۔ اِس سے دیگر عہدہ داران شاہی کو سلطانی خوف پیدا ہو گیا۔ بادشاہ اپنے خاص غلاموں تک کی رعایت نہیں کرتا۔ اور بیوہ کو بھی بیس ہزار تنکہ مل گیا اور ایام بیوگی کے لئے گذارہ بن گیا۔ کیا یہ فیصلہ اُس فیصلہ سے زیادہ مفید رعایا

نہیں ہے کہ جہاں فریقین مقدمہ کے ہزاروں روپیہ خرچ ہو جاتے ہیں اگر مجرم سزا پائے تو جرمانے سے مقتول کے وارثوں کو شاذ و نادر ہی کبھی ملتا ہے۔ اور عموماً بارسوخ مجرم صاف بچ جاتے ہیں یا خفیف سزا پاتے ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ اُس کا دروازہ عام رعایا کے لئے بند نہ تھا بلکہ صرف اُن دنیا پرست لوگوں کے لئے جو بادشاہوں کے تقرب سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے غریب رعایا برباد ہوتی ہے شاہانہ ہیبت کھوئی جاتی ہے۔ انتظام سلطنت بگڑتا ہے:۔

ایام سلطنت میں اس نے شراب اور دیگر محرمات شرعی سے سخت پرہیز کیا۔ حالانکہ ایام خانی میں اس کی دعوتوں میں عموماً شراب کا دور چلتا تھا۔ مگر تخت نشین ہوتے ہی جملہ عادات کو ترک کر دیا جو بلبن کی کمال درجہ کی زمانہ شناسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے ایام خانی میں بخارا و خوارزم غزنی و غور عراق و ایران کے خاندانی شاہزادے و امراء مغلوں سے بھاگ کر دہلی آئے ہوئے تھے۔ اور یہ لوگ امارت کی معیار اکثر عیاشانہ جشنوں کو ہی سمجھتے تھے اور انہیں مسرفانہ داد و دہش سے لیاقت سلطنت کا اندازہ کرتے تھے۔ بلبن غلامان التمش میں بہت کمتر درجہ پر تھا۔ التمش کے بندگان چہل گانی اور ملوک غوریہ میں سے کئی ایک بلبن سے زیادہ ممتاز تھے اور شجاعت و سخاوت میں بڑھے ہوئے تھے۔ بلبن جو شرفا و امراء میں ہر دلعزیز ہونا چاہتا تھا اور آئندہ کے منصوبہ کے لئے جو غالباً اُس اولوالعزم عالی ہمت کے دل میں ضرور ہو گا لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنا اور اپنے اخلاق کریمانہ کا گرویدہ بنانا اُسکا مقصود تھا۔ اس لئے وہ عام جشن کرتا اور امرائے سے اتحاد بڑھانے کے خیال سے ضیافت کے جملہ سامانوں میں شراب بھی ضرور موجود ہوتی۔ اور امرائے کی خوشنودی کے لئے قمار بھی کھیلتا۔ اور ہر ایک پالیٹکس انسان ایسی باتوں سے گریز نہیں کرتا اور وقت اور موقعہ کے موافق عمل کر لیتا ہے۔ بلبن کے عہد خانی کے اعمال بھی اسی قسم کی پولٹیکل ضرورت کے لئے تھے۔ جب بادشاہ ہو گیا تو یکبارگی غیر شرع امور کو چھوڑ دیا اور تقویٰ و طہارت کا اسقدر عامل و فریفتہ ہوا کہ جب تک کسی امیدوار کی دیانت و اتقا زہد و ورع کا مخالف ارادہ نہ ہو جاتا کسی کو ملازم نہ رکھتا اور بعد تقرری بھی اگر کوئی ملازم صفات مذکورہ سے خالی پایا جاتا تو اُس کو معزول کر دیتا۔ خود پابند صوم و صلوۃ تھا جماعت کا پابند اور تارکان جماعت کو پٹواتے حدیث شریف "تارک الجماعت ملعون"

ملعون و منافق کہتا۔ نوافل تہجد تک ادا کرتا۔ قرآن مجید کی تلاوت رکھتا۔ مجلس وعظ کو جہاں
کہیں دیکھتا سواری سے اُتر کر وعظ سنتا اور رقت سے روتا جو بغیر پکے عقیدہ اور سچے اسلام
کے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی نماز جنازہ میں شامل ہوتا۔ ورثائے میت کی تعزیت کرتا
اور انعام دیتا اور وظیفہ بھی بحال رکھتا بعد نماز جمعہ فاتحہ خوانی اور یاد مرگ کے لئے زیارت
قبور کرتا۔ کبھی بے وضو نہ رہتا جو درویشوں میں بہت بڑا احتیاطی عمل ہے۔ مؤلف سیر المتاخرین
نے صحیح لکھا ہے۔

نظم

بدانش بزرگ و بہمت بلند — بباز و دلیر و بدل ہوشمند
نہ رائش بتدبیر محتاج غیر — نہ امضائے رائش بجز محض خیر
نہ در شہر و مخزن نہ در کوہ و دشت — خیانت در اندیشۂ کس گذشت
امان در زمانش بحدے رسید — کہ منسوخ شد رسم قفل و کلید
بہ نیروے مردے و فرہنگ خویش — بگردوں برافراشت اورنگ خویش
باین دانش و رائے و آئین و فر — گمان در نباید کہ باشد بشر

ان اشعار میں جو فاضل مؤلف نے بلبن کی انتظامی لیاقت کا خاکہ کھینچا ہے اور جس کی تائید
مشہور مورخ ضیاء برنی اور دیگر مورخوں کے بیان سے ہوتی ہے۔ اس قسم کا امن و امان کہ
قفل و کلید کی ضرورت نہ رہی اور چور ڈاکو یہاں تک مفقود ہوئے کہ مسافر ہاتھ میں سونا
اُچھالتے چلے جاتے تھے ہندوستان کو چند بادشاہوں کے سوا کبھی حاصل نہیں ہوا۔
ضرور اس کے عہد میں کوئی نمایاں فتح نہیں ہوئی اور کوئی جدید علاقہ سلطنت دہلی میں
شامل نہیں ہوا لیکن ممالک محروسہ جو باغیوں و سرکشوں متمردوں سے بھرا ہوا تھا اُسکو صاف
کیا۔ کسی کو بغاوت و سڈیشن کا خیال تک نہ رہا۔ ہندو مسلمان سب کو سیدھا کیا۔ ملک زراعت
تجارت صنعت و حرفت انصاف و دادگستری سے آباد و سرسبز ہو گیا اس انتظام داخلی
کے علاوہ اُسکا دیگر صوبجات ہند کو تسخیر نہ کرنے کی اُس نے خود وجہ بیان کی ہے۔ جو تاریخ فیروز شاہی
میں درج ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بعض امرائے نے لالچ یا خوشامد سے ایکدن عرض کی کہ
کئی ہندو راجگان ابتک مطیع نہیں ہوئے اور بعض صوبوں میں ابتک لشکر اسلام کا قدم

ہی نہیں پڑا اگر حضور توجہ مبذول فرماویں تو ملکی و مالی فوائد حاصل ہوں گے۔ مآل اندیش اور مدبر بلبن نے جو جواب دیا وہ اعلےٰ درجہ کی بیدار مغزی رعایا پروری امن دوست ہونے کا ثبوت ہے۔ زمانہ حال کے حریص سلاطین کو اس سے سبق لینا چاہئے :-

بلبن کی تقریر

میں بخوبی جانتا ہوں اور میرا تجربہ ہے کہ راجگان ہندوستان کے شکست دینے اور مطیع کرنے کے لئے ۶ یا ۷ ہزار سوار تربیت یافتہ فوج کافی ہے لیکن بعد فتح اگر واپس چلا آتا ہے تو مردم آزاری اور جابرانہ تاخت و تاراج کے سوا اور کوئی فائدہ سلطنت کو نہیں پہنچ سکتا جو عقلاً و نقلاً فضول ہے اور دوامی قبضہ اور انتظام امن و امان کے لئے ایک لاکھ مسلمانوں کو ہندوستان کے جدید مفتوحہ علاقہ جات کی مختلف چھاؤنیوں میں مقیم رہنا پڑے گا۔ اور ایسے نازک وقت میں جبکہ کفار مغل نے اسلامی ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے اور ہندوستان پر قریباً نصف صدی سے برابر حملات کر رہے ہیں اور جسقدر ذلیل شکستیں مغلوں نے غازیان ہندوستان سے اب تک کھائی ہیں اور شمشیر ہندوستان نے اس خونخوار قوم کی جسقدر گردنیں اڑائیں ہیں اس سے اس قوم کے غیظ و غضب کی انتہا نہیں رہی مغلوں کا بچہ بچہ اس داغ ذلت کے مٹانے میں دل و جان سے ساعی ہے اور ہر سال نئے سردار نئے جوش اور نئی فوج کے ساتھ ہندوستان پر حملے کرتے ہیں۔ ہلاکو خاں ہر وقت تاک میں رہتا ہے۔ ایسے وقت میں اگر میں جدید فتوحات کے درپے رہوں تو میری غریب رعایا کا کون محافظ ہوگا۔ پنجاب اور سندھ کی بربادی کے علاوہ دارالخلافہ دہلی کا وہی حال ہوگا جو چند سال پہلے لاہور کا ہو چکا ہے۔ میرے سردار بہادر فوج جان فروش عام سلمان ملک و ملت کے فدائی مگر میری غیبت میں کچھ فائدہ نہیں ہوگا چیدہ اور تربیت یافتہ فوج جو محافظ دارالسلطنت میرے ساتھ یا انتظام ممالک دور دست میں تعینات ہوگی مغل کھلے بندوں ہندوستان سے برسوں گا انتقام لیں گے۔ ایسے احتمالات کے ہوتے میں دہلی کو چھوڑ نہیں سکتا اور سرحدی خطرہ سے بے کھٹکے نہیں رہ سکتا۔ تازہ فتوحات سے موجودہ ملک محروسہ کا دشمنوں کے ہاتھ سے بچانا اور رعیت کی بہبودی اور امن و امان کے وسائل کو وسیع پیمانہ

پر مہیا کرنا اور ظالم حکام کے ہاتھ سے مظلوموں کو نجات دینا مقدم اور افضل ہے۔ ہر ایک ملک کی ترقی مال و دولت رعایا کی خوشحالی آسودگی اطمینان قلبی تسلی خاطر پر موقوف ہے جسکا مدار نیک نیت سلطان کے عدل و انصاف اور اعلےٰ درجہ کی نظم و نسق پر موقوف ہے تاکہ صرف بیرونی حملہ آوروں سے ہی رعیت کو نجات نہ مل سکے بلکہ اندرونی مفسد۔ چور۔ ڈاکو۔ رشوت خوار ظالم رعیت کو نہ ستا سکیں۔ اور رعیت فارغ البالی سے زراعت۔ تجارت صنعت و حرفت وغیرہ کے کاموں میں مصروف ہو سکے میرے نزدیک تازہ فتوحات سے بڑھکر سابقہ مقبوضہ ملک کا انتظام ضروری ہے:۔

امرائے سلطان عادل و بیدار مغز کی یہ تقریر سُن کر دنگ رہ گئے:۔

بلبن کی فوجی چھاونیاں اور جرنیل

مشرقی اور جنوبی صوبجات کے علاوہ زبردست جنگی سٹیشن جو مغلوں کی روک تھام کے لئے مقرر تھے حسب ذیل تھے۔

گو ناصر الدین محمود کے عہد میں ہندوستان کا فخر بہادر شیر خان گورنر پنجاب مغلوں کو دباتا ہوا افغانستان کے وسط میں پہنچ گیا تھا اور غزنی میں شاہ دہلی کا خطبہ بھی پڑھا گیا تھا اور زمانہ حال کیطرح ہندوستان کی آخیری حد درہ خیبر تھی مگر تاریخ سے پایا جاتا ہے کہ لاہور سے شمال کیطرف کوئی زبردست چھاؤنی نہ تھی۔ اول تو پنجاب کا شمالی اور مغربی علاقہ لاہور تک ان حملہ آوروں کے ہاتھ سے قریباً برباد تھا تجارت مسدود زراعت مفقود تھی۔ غریب رعایا یا تو قتل و قید کیجاتی تھی یا اِدھر اُدھر جان بچاتی پھرتی۔ بعض بعض مقامات پر چھوٹے چھوٹے فوجی دستے اس علاقہ میں رہتے تھے جو انتظام ملک کے لئے ضروری تھے یا بیرونی حملہ آور اگر کمتر تعداد میں ہوتے تو اُن سے مقابلہ بھی کرتے۔ مگر مغلوں کی فوج کثیر کے مقابلہ کے لئے۔ ملتان۔ دیپال پور سمانہ واقعہ پٹیالہ کی تین زبردست چھاونیاں تھیں جو دہلی کے راستہ میں اور دہلی کو بچانیکے لئے مستحکم کی گئی تھیں۔ لاہور جب تک کہ بلبن نے دوبارہ آباد اور قلعہ جدید تعمیر نہ کیا معمولی چھاونی رہا۔ اِن چھاونیوں کی کمان مشہور جانباز سرداروں کے ہاتھ رہتی تھی:۔

بہادر شیر خان

شیر خان بلبن کا چچا زاد بھائی اور سلطان سعید شمس الدین التمش کا تربیت یافتہ غلام چہل گانی تھا۔ التمش اور اس کی اولاد کے عہد میں مختلف عہدوں پر ممتاز رہا اور ہر ایک زمانہ میں اپنی بیش بہا خدمات سے دن بدن زیادہ معزز ہوتا رہا۔ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں جبکہ بلبن وزیر تھا مغلوں کے حملات روکنے کی کڑی اور اہم خدمت اسی بہادر کے ذمہ تھی۔ پہلے ملتان اور دیپالپور کا گورنر اور فوجی جرنیل بھٹیر اور بھٹنڈا کے قلعے اور گنبد اسی کے ترمیم و تعمیر شدہ ہیں بعد میں لاہور۔ سنام۔ سمانہ کی حکومت دی گئی اور کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ اور یہ اس کی خدمات جلیلہ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ اعزاز نہ تھا۔ ناصر الدین محمود کے عہد میں مغلوں کے تعاقب میں کوہ سلیمان کی ہولناک گھاٹیوں کو برق کیطرح عبور کرتا اور ملکی جنگ کی داد دیتا اور ہندوستانی شمشیر کے جوہر دکھاتا ہوا قلب افغانستان میں پہنچ گیا۔ اور غزنی کو فتح کر کے تخمیناً چالیس سال بعد شاہ اسلام کا خطبہ پڑھ کر اسلام کو دوبالا اور محمود کی روح کو خوش کیا۔ اور مغلوں کے ہر ایک فرد کو اپنی شیرانہ صولت سے مبہوت کر دیا۔ شیر خان کے ایام زندگی میں مغلوں کو حوصلہ نہ پڑا کہ ہندوستان پر دست اندازی کر سکیں افسوس کہ ایسے جواں مرد قومی خادم محافظ اسلام کی موت کو بلبن کی بدگمانی و کارستانی کا نتیجہ لکھا ہے اگر واقعی شیر خان کو زہر دیا گیا اور زہر خورانی بلبن کے اشارہ سے ہوئی تو بلبن کے چال و چلن پر ایک بدنما دھبہ ہے اگرچہ پولیٹیکل نگاہ سے ایسے واقعات معمولی خیال کئے جا سکتے ہیں۔ اور بدگمانی کی حالت میں خطرہ والی چیز اور شخص کو دور نہ کرنا بے احتیاطی اور نادانی میں تصور ہوتا ہے اور اکثر شاہان الوالعزم ایسے افعال کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور بلبن بھی انہیں مدبران ملکی اور شاہان پالیٹشن میں تھا۔ پائمالی اعداء اور استحکام سلطنت میں مشروع و غیر مشروع امور کا خیال نہ کرتا تھا اور سزائیں سخت دیتا تھا۔ مگر شیر خان بقول ضیاء برنی عہد بلبن میں پانچ سال تک زندہ رہا اور ساقی نے شراب میں زہر دے کر ہلاک کیا۔ اور ساقی کا فعل بلبن سے نسبت کیا گیا ہے۔ وجہ یہ لکھی ہے کہ چونکہ بلبن امرائے شمسی چہل گانی میں سے بعض کو ٹھکانے لگا چکا تھا۔ شیر خان کو بھی وہم ہوا۔

کہ کہیں مجھ سے بھی ویسا ہی سلوک نہ کرے اور دہلی بلبن کے پاس نہ گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدگمانی شیر خاں کیطرف سے شروع ہوئی۔ گو بلبن دیگر غلامان التمش سے بدسلوکی کرچکا تھا مگر ایک تو وہ بلبن کو خیال میں نہ لاتے تھے اور خیالات فاسد رکھتے تھے دوئم غیر کفو تھے بلبن کی سلطنت سے اُن کو کوئی خاندانی تعلق نہ تھا۔ اس لئے اُن کی متمردانہ حرکات سے بلبن بے فکر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لئے جایز وناجایز سلوک کرتا رہا مگر ایک تو شیر خاں بلبن کا چچیرا بھائی تھا ایک خون ایک نسل تھی بلبن کو شیر خاں سے وہ اندیشہ نہیں ہوسکتا تھا جو غیروں سے دوئم اب تک نہ تو بلبن نے کوئی علانیہ بدسلوکی کی تھی اور نہ شیر خاں سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی جس سے بلبن کو شیر خاں کا دفع کرنا لازم ہوتا۔ شیر خاں اگر دہلی نہیں گیا تو دیگری مشکلات کیوجہ سے نہیں گیا اگر بلبن کے بلانے پر نہیں گیا تو شیر خاں اور بلبن کی ناچاقی ثابت ہوسکتی ہے اور زہر کی نسبت بلبن کو دیجا سکتی ہے۔ مگر تاریخ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ بلبن نے دہلی بلایا اور شیر خاں نہیں گیا ؛

پس میرے خیال میں بلبن زہر خورانی کے جرم سے بیگناہ ہے۔ شیر خان تیس سال تک سدیاجوج وماجوج رہا اور ہندوستان کی ڈھال اور اسلام کی شمشیر بُراں کا کام دیتا رہا۔ شیر خاں کا ثانی ہندوستان میں پھر کوئی پیدا نہیں ہوا۔ خان شہید محمد سلطان۔ ظفر خاں۔ غازی بیگ تغلق۔ عبد الرحیم خان خاناں دوئم نمبر کے سپہ سالار ہیں ؛

خان شہید سلطان محمد بن بلبن

شیر خان کے بعد تمر خان غلام شمسی کو صوبہ پنجاب دیا گیا۔ مگر اس کے عہد میں مغلوں کے حملات شروع ہوگئے علاوہ اس کے پنجاب کی زمیندار قومیں جاٹ۔ بھٹی کھوکھر۔ مہنی۔ مندا ہر وغیرہ جو شیر خاں کی صولت وسطوت انتظام و دہشت سے بقول ضیاء برنی سوراخ موش میں گھس گئے تھے سرکشی و بغاوت چوری و راہزنی پر تل کھڑے ہوئے۔ بلبن جبکہ دوآبہ جمنا و گنگا کی قوم کاہر کی سرکوبی کرچکا اور میواتی ڈاکو جو دیوار دہلی تک رعیت کی مال و جان کو معرض خطر میں ڈالے تھے ایک لاکھ یا کم وبیش

باغیوں کے قتل اور جنگلات کے کاٹنے سے جو میواتیوں کے مامن وملجا تھے اور جدید دیہات کی آبادی اور پولیس تھانوں کے قیام سے بخوبی انتظام کرچکا تو اپنے بڑے شاہزادہ محمد سلطان کو ملتان۔ دیپال پور۔ لاہور۔ سمانہ کی فوجی کمان دی۔ موّرخوں نے جسقدر اس شاہزادہ کے اوصاف و اخلاق لکھے ہیں اس سے بڑھ کر اور کسی کی تعریف نہیں پائی جاتی اس کی وجہ زیادہ تر یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ شاہزادہ سرپرست علوم وفنون علم دوست خادم علماء وصوفیاء فیاض وجواد تھا اُس عہد کے چیدہ اور مشہور فضلاے اُس کے دربار کی زینت تھے اور وہ ان جسمانی وروحانی معلموں کی کمال عزت وقدر کرتا جن کے باعث علم وفن کی بنیاد ہندوستان میں پڑی پس ہر ایک اہل قلم جو علمی ترقی کا خواہان ہے وہ محمد سلطان کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور تاریخ کو ایسے مفید اخلاق حالات سے خالی نہیں رکھ سکتا۔ سلاطین نامدار اور روساء ذی وقار کو شاہزادہ محمد سلطان کی علمی خدمات پر غور کرتے ہوئے سوچنا چاہئے کہ بلبن کے بعد سینکڑوں موّرخ گذرے ہیں جنکو مرحوم شاہزادہ اور بادشاہ سے کسی امید وبیم کا خیال نہ تھا مگر ہر ایک موّرخ نے اس کی علمی سرپرستی کا اعتراف کیا ہے اور تاریخ میں اس کی یادگار حقیقی کو قایم رکھا ہے۔ تاریخ سے بڑھ کر اور کوئی یادگار نہیں ہوسکتی افسوس کہ آج ہندوستان میں اسکا کوئی رئیس قدردان نہیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ انگریزی تعلیم کے اثر سے ہندوستان کا پبلک اس مفید علم کیطرف راغب ہو چلا ہے اور امید ہے کہ چند سال بعد کئی ایک نوجوان علم تاریخ کے لائق مصنف پیدا ہوں گے :۔

شاہزادہ محمد سلطان کی مجلس میں علمائے وفضلائے کے علمی مباحثے ہوتے مفید اخلاق کتب شاہنامہ۔ دیوان ثنائی۔ خاقانی۔ خمسہ شیخ نظامی وغیرہ پڑھے جاتے اور ان بزرگوں کے اشعار پر فضلائے دربار بحث کرتے جو ایک قسم کے اخلاقی لکچر تھے۔ نظامی۔ خاقانی۔ ثنائی جو فلسفہ اسلام کے فلاسفر تھے اور تصوّف کے عالم باعمل تھے۔ اُن کی کلام عموماً حکمت واخلاق سے معمور ہے۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ جنکا ثانی ہندوستان میں آج تک کوئی صوفی مشرب شاعر علامہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ شاہزادہ محمد سلطان کو جان سے عزیز تھا وہی ان مجالس کی روح وروان تھا۔ اُن کا رفیق وشفیق امیر حسن بھی اپنے عہد کا بےنظیر فلاسفر وشاعر تھا۔ بقول ضیاء برنی پانچ سال تک شاہزادہ

محمد سلطان کے پاس دونوں رہے۔ شاہزادہ مودب و مہذب اسقدر تھا کہ اگر تمام رات دن ایک جگہ مسند امارت پر بیٹھنا پڑتا تو زانوے ادب کو نہ اُٹھاتا۔ امیر خسرو رح فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی شاہزادہ کو پالتھی مار کر (مربع بیٹھے) نہیں دیکھا علماء و فضلاء کو ڈھونڈھ کر ملتان منگواتا چنانچہ شیخ سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کو ملتان آنے کے لئے دو دفعہ لکھا شیخ صاحب نے بڑھاپے کا عذر کیا اور امیر خسرو کی سفارش کی۔ شیخ صاحب عالم جوانی میں ہندوستان کی سیاحت کر چکے تھے جیساکہ وہ بوستان میں لکھتے ہیں کہ میں سومنات سے ؎

بہند آمدم بعد زاں رستخیز وزاں جا براہ یمن تا حجیز

شاہزادہ ملتان میں سعدی کے لئے خانقاہ بنانی اور جاگیر دینی چاہتا تھا۔ درویشوں کا اسقدر معتقد تھا کہ شیخ عثمان رحمتہ اللہ علیہ جب ملتان آئے شاہزادہ نے بہت کچھ نذر و نیاز پیش کی اور اُن کے لئے خانقاہ بنانے اور ملتان رہنے کی درخواست کی مگر شیخ عثمان رح نے منظور نہ کیا۔ ایک دن شیخ عثمان رح اور شیخ قدوہ خلف حضرت بہاء الدین ذکریا کی دعوت کی مجلس سماع میں درویش وجد و رقص کرنے لگے شاہزادہ حالت وجد میں دست بستہ کھڑا رہا اور زار زار روتا تھا۔ سخن فہمی اور رقت کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی وعظ و نصیحت کا شعر سنتا رقت سے رونے لگتا اور عمل کرتا۔ خان شہید نے مغلوں کے روکنے کا خوب انتظام کیا مغل ہر بار خان شہید سے شکست کھا کر پنجاب سے نکالے جاتے رہے۔ خان شہید ہر سال خزانہ اور قیمتی ڈالی لے کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور باپ بیٹے کی ملاقات سے محظوظ کرتی
بقول ؎ خوشا وقتے و خرم روزگارے + کہ یارے برخورد از وصل یارے
آخیر وقت جبکہ پھر محمد سلطان واپس نہیں ہوا اور جاتے ہی شہید ہو گیا۔ چلتے وقت بلبن نے محمد سلطان کو مندرجہ ذیل نصائح کیں +

بلبن کی نصائح انتظامی و اخلاقی

بقول ضیاء برنی یہ نصائح بطور وصیت نامہ بلبن کی زبانی خود خان شہید نے لکھی تھیں :-

" فرزند من ! میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ساٹھ سال سے خان۔ ملک۔ بادشاہ ہو کر سلطنت و حکومت کے تجربے حاصل کئے ہیں چونکہ [illegible]

تجربے بطور وصیت کے لکھتا ہوں تاکہ تمھارے کام آئیں:-

(۱) یہ کہ جب تخت نشین ہو تو کار جہانداری کو جو درحقیقت خلافت خدائیتعالے ہے آسان و خفیف نہ جانو اور بُرے اعمال اور رذیل عادات سے بادشاہی عزت و وقار کو بٹہ نہ لگاؤ۔ اور بدچلن بدخو لیام کو عہدہ نہ دینا:-

(۲) قہر و سطوت کو اپنے محل و جگہ پر رہنے دینا بے موقعہ استعمال نہ کرنا۔ اغراض نفسانی سے پرہیز کرنا ہر ایک کام کو خدا کی رضامندی اور اطاعت کے لئے کرنا۔ شاہی خزانوں کو رفاہ عامہ اور ترقی علوم و فنون حصول رضائے الہی و مطابق شریعت رسالت پناہی خرچ کرنا۔ اور رعایا کو ستانے والے اور جبر و تشدد کرنے والے ظالموں کو معزول بمعتوب اور اعدائے دین کو منکوب و مقہور رکھنا تاکہ اُن کے سبب سے رعایا میں بیدینی و الحاد کو رواج نہ ہو۔ اور اخلاق حسنہ اور عادات شریفانہ کی عام ترغیب ہو:-

(۳) عہدہ داران و ملازمان شاہی کے حالات و حرکات اور عام سلوک سے ہمیشہ باخبر اور ہوشیار رہنا انکو محاسن اخلاق اور فضائل کی تحریص انعام و اکرام ترقی جاہ و مناصب سے دیتے رہنا:-

(۴) قاضی (سول جج) و حکام (داگزکٹو) متدین و متقی خداترس مقرر کیا کرنا تاکہ ملک میں عدل و انصاف خداترسی دینداری کا رواج ہو:-

(۵) یہ کہ خلوت و جلوت میں بادشاہی عظمت و حشمت اور سلطانی عزت و وقار کا لحاظ رکھیں۔ ہزل و فحش اور ٹھٹہ مخول و تمسخر و بیہودہ گوئی لایعنی باتوں سے پرہیز کریں کہ اس سے عزت و محبت کم اور نفرت و عداوت زیادہ ہوتی ہے ہیبت و وقار کا نام نہیں رہتا۔ ؎ کہ ہزل با ہمہ کس کم کند مہابت را:-

(۶) نیک اندیش صلحاء و علماء زہاد و عباد کی امداد و دستگیری و خاطرداری میں کوتاہی نہ کرنا۔ اہل حرفہ و صنعت اور لایق اشخاص کی تربیت کرنا۔ تاکہ ملک کی ترقی اور رعایا کی خوشحالی زیادہ ہو۔ جو لوگ خدا سے نہیں ڈرتے اُن سے کسی قسم کی امید وفا نہ رکھنا ایسے لوگوں سے دوری اور بیگانگی ہی بہتر ہے۔ ورنہ ملک و دین میں فساد اور خلل پیدا ہوگا:-

(۷) ہمت و بادشاہی لازم و ملزوم ہیں اور عقلا و حکماء نے اِن دونوں کو برادران توام لکھا ہے اور کہا ہے کہ عوام سے بڑھ کر بادشاہوں کی ہمت ہونی چاہئے۔ بے ہمت اور

بزدل آرام طلب کبھی بادشاہ نہیں رہ سکتا۔ وہی بادشاہ کامیاب ہو سکتا ہے جو عالی ہمت اولوالعزم ہو:۔

(۸) جس شخص کو بزرگ بناؤ اور معزز عہدہ پر پہنچاؤ اُس کو جلدی کسی کی چغلی اور حسد سے نہ گراؤ معمولی قصوروں سے درگذر کرو۔ خیر خواہان مخلص کو اشد ملکی ضرورت کے بغیر نہ ستاؤ اور دوست کو دشمن نہ بناؤ۔ ؎

ہر کرا کہ خود برافرازی تا توانی ز پاے بنیندازی

سزا دینے میں جلدی نہ کرنی چاہئے کیونکہ بے حرمتی کا جرم جلد نہیں بھرتا اور اُس کا تدارک نہیں ہو سکتا۔ اگر ضرورت ملکی سے سزا دینی پڑے تو بھی سوچ سمجھ کر بعد تحقیقات کامل سزائے ایسی دیا کرو کہ جس کی تلافی ہو سکے:۔

(۹) سخن چین چغل خور کی بات نہ سنو بلکہ اُس کو اپنے پاس ہی نہ آنے دو ورنہ مخلص و خیر خواہ تابعدار دوست بھی ہراساں رہیں گے اور امور سلطنت میں خلل عظیم پڑے گا۔ جس مہم میں مشکلات اور موانع اس قسم کے ہوں کہ کامیابی نہ ہو سکے اُس مہم کو شروع نہ کرو اور جب کوئی کام شروع کرو اسکو پورا کرو کیونکہ بادشاہوں کے لئے یہ امر سخت معیوب ہے کہ کسی کام کو شروع کر کے ناتمام چھوڑ دیں ؎

تانکنی جائے قدم استوار + پائے منہ در طلب ہیچ کار +

(۱۰) عاقلوں کی مشورت بغیر کسی کام کا عزم نہ کرو۔ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا پابند رہو۔ جو کام ماتحت کر سکتے ہوں خود وہ کام نہ کرو۔ سلطنت کے جملہ امور سے باخبر رہنا اور خلق کے نیک و بد سے آگاہ رہنا بادشاہ کا فرض ہے۔ معاملات میں میانہ روی چاہئے کیونکہ سختی سے تنفر اور سُستی و نرمی سے تمرد بڑھتا ہے:۔

(۱۱) اپنی محافظت میں مبالغہ کریں۔ باڈی گارڈ منتخب اور مخلص وفادار اور جان باز رکھیں اور اُن کو خاص طور سے گرویدہ احسان رکھیں:۔

(۱۲) اپنے بھائی پر مہربانی کرنی چاہئے اُس کی غیبت کبھی سننی نہیں چاہئے اسکو اپنا قوت بازو تصور کریں۔ اُس کی جاگیر و علاقہ بحال رکھیں:۔

بادشاہ دین پناہ نے یہ ساری نصیحتیں لکھا کر شاہزادہ کو روانہ ملتان کیا جہاں وہ مغلوں کے ہاتھ سے شہید ہوا۔ جسکا ذکر آگے کیا جائے گا:۔

نوٹ مؤلف نصایح بلبن

ناظرین غور کریں کہ کیا اس سے بڑھ کر رعیت پروری اور انتظام سلطنت کے لئے کوئی اور رائے یا تجویز ہو سکتی ہے۔ ولیعہد سلطنت کو جسنے ہندوستان کا بادشاہ آیندہ ہوتا تھا اسکو یہ دستورالعمل لکھ کر دیا جاتا ہے۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہی نہ تھیں بلکہ بلبن نے اپنے طویل عہد سلطنت میں عمل کر کے دکھلا دیا تھا۔ ملک کا امن و امان رعیت کی خوشحالی۔ عدل و انصاف کا رواج۔ علمی ترقی انہیں امور پر موقوف ہے جنپر کہ بلبن کا عمل تھا۔ افسوس کہ مورخین یورپ نے ایسے اخلاقی واقعات کو قلم انداز کر دیا اور ہندوستانی نسلیں ہندوستان کی مفید تاریخ سے نابلد رہ گئیں :-

علمی کالج اور فاضل

کالج سے مراد وہ اعلےٰ مدرسہ ہے۔ جس میں علوم معقول و منقول دونوں کی تعلیم دیکجائی ہو۔ بلبن کے عہد میں ایسے کئی ایک اعلےٰ مدارس تھے۔ جن میں فقہ۔ حدیث۔ تفسیر کے علاوہ طب۔ منطق۔ فلسفہ سائینس ریاضی وغیرہ کی تعلیم ہوتی تھی۔ ایسے فاضلوں کی تعداد جو مختلف جگہوں میں تعلیم علوم دیتے تھے ضیاء برنی نے چودہ لکھی ہے گویا بلبن کے عہد میں اعلےٰ مدارس (کالج) چودہ تھے۔ ان کالجوں کے اخراجات کا بوجھ رعایا یا طلبہ پر نہ تھا۔ بلکہ خزانہ شاہی پر جس کی تقلید میں امراے سلطنت بھی علمی فیاضیاں دکھلاتے تھے جسکا اثر ہندو رعایا کی اخلاقی و معاشرتی امور پر پڑتا تھا۔

روحانی معلم مدارس علم الٰہی

التمش کے عہد میں چالیس مشائخ عظام نے ہندوستان میں الٰہیات کے مدارس (خانقاہیں) جاری کر رکھے تھے۔ جن میں سے سرکردہ اولیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ مدارس بھی بدستور عہد بلبن میں جاری تھے۔ ان صوفیائے کرام کے فیضان تعلیم سے اور ہزاروں درویش خلفائے روحانی تعلیم پاکر اطراف ہندوستان میں امر معروف و نہی عن المنکر کا فرض بجالاتے اور اخلاق کا بیج بوتے۔ خود بلبن حضرت فریدالدین گنج شکر

کا مرید تھا اور بقول مولف قصر عارفان بلبن نے اپنی بیٹی کا نکاح بھی حضرت گنج شکر سے کر دیا تھا قطب جمال ہانسوی اور حضرت صابر صاحب کا شہرہ تھا۔ شیخ المشائخ نظام الدین کا شروع زمانہ تھا جنکا حال فرخندہ مال عہد علاء الدین میں قلمبند ہوگا۔ اشاعت اسلام کے ذرائع یہی بزرگان باکمال تھے۔ جن کے علم و عمل قول و فعل صداقت و کرامت سے ہندوستان کی قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تھیں۔ اور جبر کا ذرہ بھر بھی امکان نہ تھا +

شاہزادہ محمد سلطان کی شہادت

بہادر سلطان محمد نے حملہ آور مغلوں کو جو پنجاب اور ملتان پر بار بار حملات کرتے اور ملک کو لوٹتے تھے شکست دے کے ملک سے نکال دیا اور ہزارہا مغلوں کو قتل کیا تھا اس انتقام کے لئے تیمور خاں مغل نے جو چنگیزی امراءمیں سے نہایت طاقتور اور افغانستان خراسان بلخ و بدخشاں کا گورنر تھا ایک لاکھ بیس ہزار سوار جرار سے پنجاب پر حملہ کیا اور لاہور اور دیپال پور کا درمیانی علاقہ لوٹ کر ملتان کیطرف متوجہ ہوا۔ محمد سلطان یہ خبر سن کر مقابلہ کو نکلا اور دریائے راوی کے کنارہ پر جنگ شدید کے بعد کئی سرداران مغل قتل ہوئے اور خود تیمور خاں بھاگ گیا۔ امرائے ہندوستان نے جوش تہور میں حزم و احتیاط کو چھوڑ کر مغلوں کا تعاقب کیا۔ محمد سلطان نے نماز ظہر نہیں پڑھی تھی اثنائے تعاقب میں ایک تالاب پر وضو کر کے پانچسو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثنا میں ایک مغل سردار جو کمین میں بیٹھا تھا دو ہزار سوار سے محمد سلطان پر حملہ آور ہوا۔ اور محمد سلطان بھی نماز سے فارغ ہو کر ساتھیوں کو سوار کرا کر لڑنے لگا اور حملات متواترہ سے مغلوں کو خستہ حال کر دیا اور قریب تھا کہ مظفر و منصور ہو کہ ناگاہ ایک تیر ناگہانی مقتل پر آکر لگا اور شہادت کا تاج پہنکر بقول سہ

شہیدے کہ جاں در رہش ہید ہد + بحشر بسر تاج عزت نہد

داخل فردوس بریں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مغل اسی کو غنیمت جان کر باقی ہندوستانی فوج کی شمولیت کے خوف سے پنجاب سے نکل گئے۔ کئی ہندوستانی امراء جن میں امیر خسرو دہلوی بھی تھے قید ہو گئے۔ امیر خسرو مشکل سے رہا ہوئے امیر خسرو نے جو مرثیہ خان شہید کا لکھا ہے اور چونکہ شہادت وقت غروب تھی اسلئے

شعر ذیل نہایت پرزور اور موزون کہا ہے ؎

روز چوں باقی نبود آں آفتاب ملک را + روز چیکر بود کاں آفتاب افتادہ شد۔

اِس ہونہار بہادر لایق شاہزادہ کی موت پر چھوٹے بڑے آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے بلبن کو صدمہ عظیم ہوا۔ ظاہر میں استقلال طبع دکھاتا تھا مگر رات کو زار زار روتا تھا اور بیٹے کے غم میں پتا سے کیطرح گھلتا جاتا تھا۔ سچ ہے ؎

اللہ نہ دکھائے یہ الم نور نظر کا + بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا۔

عمر بھی اسّی برس سے زیادہ ہو چکی تھی اِس لئے وہ نہایت کمزور اور بیمار ہو گیا۔ دوسرا بیٹا بغرا خاں گورنر بنگالہ اور کیخسرو ولد خان شہید جسکو باپ کی جگہ حاکم ملتان کیا تھا اور کیقباد ولد بغرا خاں یہ تینوں اُس کے وارث تھے۔ کیخسرو اور کیقباد دونوں نوخیز جوان ناتجربہ کار تھے۔ بغرا خاں اگرچہ آرام طلب کاہل تھا اور بلبن اسکو پسند نہ کرتا تھا مگر پوتوں سے بہت عمر رسیدہ گرم و سرد چشیدہ تھا۔ بغرا خاں کو بُلایا اور کہا کہ میں قریب المرگ ہوں ایسے وقت میں مجھسے علیحدہ نہ ہونا تیرے سوا میرا کوئی اور وارث ملک نہیں کیخسرو اور کیقباد نوجوان ناتجربہ کار ہیں۔ اگر وہ بادشاہ ہوئے تو غلبہ جوانی اور ہوا پرستی سے ملک کو بازیچہ طفلاں بنائیں گے۔ ہمارے خاندان سے سلطنت جاتی رہے گی۔ اب میرے پاس سے اور کہیں نہ جانا۔ بغرا خاں نے باپ کے کہنے کو تسلیم کیا مگر جب بلبن کو ذرہ صحت حاصل ہوئی اور تخت سے کچھ عرصہ کے لئے ناامیدی ہوئی تو بلا اجازت شکار کے بہانہ سے بنگالہ کو روانہ ہو گیا اور بوڑھے باپ کو خان شہید کی فوتیدگی سے زیادہ رنج میں مبتلا کر گیا +

بلبن کا ہندوؤں کو معزز عہدے نہ دینا

یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بلبن ہندوؤں کو معزز عہدے نہ دیتا تھا۔ اگر یہ صحیح بھی ہو۔ تو اُسوقت کی قومی ضروریات اور پولٹیکل حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بلبن معذور پایا جاتا ہے۔ سب سے اول تو وہ ناگوار تجربہ تھا جو سلطان محمود غزنوی اور اُس کی اولاد نے ہندوؤں کو اعلےٰ عہدے دینے اور ہندوؤں کی فوجی طاقت بڑھانے سے اخلاف کے لئے چھوڑا تھا۔ عہد غزنوی میں ہندوؤں کی فوجی طاقت نے بااصول

نشو و نما پاکر سلطان محمد غوری کو دو دفعہ شکست دی اور آخر مسلمانوں نے کامل جہادی جوش سے ہندو طاقت کو پائمال کیا۔ محمد غوری کے جانشین سلاطین غلام اس تجربہ کو یاد رکھتے تھے اور مفتوح قوم کی نظروں میں قوم فاتح کا رعب گھٹانا اور مثل سابق مشکلات ملکی کا بڑھانا پسند نہ کرتے تھے اور وقت اور زمانہ کے مناسب فوجی اور ملکی عہدوں کا دینا ہر ایک گورنمنٹ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ گورنمنٹ اگر مفتوح قوم سے اینا مخل کرے تو پولیٹیکل نگاہ سے معیوب نہیں ہے۔ ہر ایک گورنمنٹ اپنی سلطنت کی تدابیر استحکام کو مفتوح قوم سے بہتر سمجھتی ہے۔ اور مصلحت ملکی کو مقدم رکھتی ہے اور انتظامی سکیم بدلتی رہتی ہے۔ اس خیال سے بلبن قابل اعتراض نہیں ہے:۔

دوئیم بلبن صرف ہندوؤں کو اعلےٰ عہدے دینے کے برخلاف ہی نہ تھا بلکہ اُن مسلمانوں کو بھی اعلےٰ عہدے نہ دیتا بلکہ ملازم تک نہ رکھتا تھا جو ادنےٰ خاندانوں سے ہوتے۔ اِسکو شاہی غرور سمجھو یا داغ غلامی کو چھپانے اور اپنی افراسیابی نسل کو ظاہر کرنے کے لئے تھا مگر اس کے بارہ میں وزرائے سلطنت کو سخت احکام دے رکھے تھے اور اُس کے آقا التمش کا بھی کم و بیش اسپر عمل تھا۔ یہ پالیسی بقول فلاسفر شیرازی

عمل گردہی مرد منعم شناس + کہ مفلس ندارد ز سلطان ہراس

کے مطابق چنداں معیوب نہ تھی۔ گو مہذب اور روشن خیال اسکو علمی اور اخلاقی ترقی میں ہارج اور دون ہمتی کا موئد خیال کرتے ہیں مگر ہندوستان کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی ہے کہ علم دوست انگریزی گورنمنٹ نے بھی نصف صدی کی پرزور حکومت کے بعد فوجی ملازمت میں قوموں کی تخصیص اور ملکی عہدوں کے لئے خاندانی ہونے کی شرط لگادی ہے امیدوار خواہ کتنا ہی پرجوش جانباز مضبوط تنومند ہو فوج میں نہیں لیا جاتا جب تک کہ مخصوص قوموں سے نہ ہو۔ سول میں خواہ کسقدر لایق فایق تعلیم یافتہ ہو مگر غریب خاندان کے ممبر کی کبھی سفارش ملازمت نہیں کیجاتی۔ بلبن کا طرز عمل بھی اسی قسم کا تھا۔ اور صرف ہندوؤں سے ہی نہیں بلکہ غریب مسلمان زیادہ معتوب تھے:۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ بلبن کے عہد میں مغلوں کے ہاتھ سے ترکستان۔ افغانستان خراسان۔ ایران۔ عراق کے لاکھوں خاندانی مسلمان بھاگ کر دہلی پہنچ گئے تھے اور یہ لوگ عموماً ملازمت پیشہ تھے ان کی پرورش ضروری تھی۔ مفت خوری کے صیغہ میں شاہی خزانہ

کہاں تک اِن کا بوجھ سہار سکتا تھا۔ بہتر طریق یہی تھا کہ اِن تارکان وطن کو سرکاری خدمات دے کر کسی کام پر لگایا جاتا۔ اسقدر مسلمان امیدواروں کی ہجوم میں ہندو جو اپنے گھر بار میں آباد تھے اور شاہی ملازمت کے اسقدر محتاج نہ تھے کسطرح اعلےٰ عہدوں پر سرفراز ہو سکتے تھے۔ اِن غیر ممالک کے مسلمانوں کی آمد سے جن میں اہل قلم اور اہل شمشیر دونوں تھے ہندوستان کے رہنے والے ہندو مسلمانوں کے حقوق پر اثر پڑا اور پڑنا ہی تھا۔ ہرایک گورنمنٹ اپنی قوم کی شکم پروری کا خیال مقدم رکھتی ہے اور اسی ضرورت نے بلبن کے عہد میں ہندوؤں کے لئے دایرہ ملازمت تنگ کر دیا تھا۔

عام انتظام

ان جملہ وجوہات پر غور کرنے سے بلبن کا دامن تعصب سے پاک نظر آتا ہے جو کچھ اُس نے کیا۔ ملکی اور قومی ضرورتوں کی وجہ سے کیا۔ ورنہ جس قسم کا امن وامان بلبن کے عہد میں ہندوؤں کو حاصل ہوا وہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ چوری۔ راہزنی۔ رشوت۔ ظلم کا نام تک نہ تھا۔ عدل و داد معدلت گستری حکام کا شیوہ تھا۔ پولیس کسی واردات کو اخفا نہ کر سکتی تھی۔ گورنروں تک کے ذرہ ذرہ خفیہ حالات بلبن کے کان تک پہنچ جاتے اور بلبن کے زبردست ہاتھوں اور بے رو رعایت فیصلہ سے کوئی نہ بچ سکتا تھا۔ جیسا کہ دو معزز عہدہ داروں کی سزایابی کا حال لکھا گیا ہے +

طغرل حاکم بنگالہ کی بغاوت

اگرچہ بلبن اپنے عہد سلطنت میں لڑائی اور فوج کشی سے محترز رہا۔ اور مغلوں کے خوف سے اپنی فوج کو کسی جدید علاقہ کی تسخیر پر نہ لگا سکا اور دہلی سے دور غیر حاضر رہنا مناسب جانا مگر طغرل حاکم بنگالہ کی بغاوت نے ثابت کر دیا کہ اگرچہ بلبن ہندوستان کے اندر کسی نئی لڑائی یا چڑھائی کے برخلاف ہے مگر وہ اپنے محروسہ ممالک میں سے کسی علاقہ کے نکل جانے کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ اور ماتحت علاقہ کے ضبط و ربط کی کافی طاقت رکھتا ہے +

طغرل خان بلبن کا غلام نمک پروردہ تھا۔ بہادر سخی فیاض گورنری بنگالہ پر ممتاز

تھا۔ جاج نگر (جاجپور) کی فتح سے مال و دولت اور ہاتھی کثرت سے اُس کے ہاتھ لگے۔ بلبن نے چونکہ عام فوج کشی سے ہاتھ اُٹھا رکھا تھا اور مغلوں کے حملات کے خوف سے دارالخلافہ سے دور نہیں جا سکتا تھا اور اُس کے دونوں بیٹے ملتان اور سمانہ واقعہ پنجاب کی جنگی چھاونیوں کی کمان کرتے تھے اور حفاظت سرحد کے ذمہ دار تھے پنجاب سے اُن کی علیحدگی کسیطرح ممکن ہی نہ تھی اور بادشاہ بوڑھا بھی ہو گیا تھا۔ سوا اُن کے اور کوئی جرنیل و سردار طغرل کے مقابلہ کے قابل نہ تھا۔ ان تمام وجوہات خصوصاً بنگالہ کی آب و ہوا نے جس کی بابت فاضل ضیاء برنی نے قریباً چھ سو سال آج سے پہلے اُسوقت کے مدبران کی رائے حسب ذیل لکھی ہے۔ باغی ہو گیا اور اپنا لقب سلطان مغیث الدین طغرل رکھا +

بنگالیوں کی نسبت مؤرخین کی رائے

(فارسی) تاریخ فیروزشاہی مؤلفہ فاضل مؤرخ ضیاء برنی صفحہ ۸۲ سطر دویم میں لکھا ہے کہ دانایان و تجربہ یافتگان لکھنوتی را بلغاکپور خواندندے کہ از قدیم الایام از آن باز کہ سلطان معزالدین محمد سام دہلی را فتح کرد ہر والی را کہ بادشاہان دہلی لکھنوتی دادہ اند از جہت آنکہ لکھنوتی دور دست و عرصہ بسے فراخ و دراز ہست و از دہلی تا آنجا عقبات بسیار بیشتر آنست کہ آن والئے بغی و طغیان ورزیدہ است و اگر والی بغی نکردہ است دیگران بر وبغی کردہ اند و او را کشتہ و ملک فرو گرفتہ و سالہا فراوان است کہ اہل آن دیار را بغی و رزیدن خوئے و طبیعت گشتہ الخ

(ترجمہ) دانا تجربہ کار لکھنوتی (بنگال) کو باغی پور کہتے ہیں کیونکہ جب سے سلطان محمد غوری نے دہلی فتح کی شاہان دہلی جسکو گورنر بنگالہ مقرر کرتے رہے وہ بخیال اس کے کہ بنگالہ دہلی سے دور اور وسیع و زرخیز صوبہ اور بنگالہ پہنچنے تک کئی ایک مشکلات ہیں۔ اکثر بغاوت اختیار کرتا رہا اور اگر خود گورنر باغی نہیں ہوا تو بنگالی اس سے باغی ہوتے رہے اور اس کو مار کر ملک پر قابض ہوتے رہے۔ اور صدیوں سے بغاوت بنگالیوں کی عادت و خو ہو چکی ہے الخ

اس عہد کے بعد بنگالہ میں بغاوتیں ہوتی رہیں۔ خاندان تغلق۔ سادات۔ لودھی کے عہد میں بنگالہ عموماً خود مختار رہا۔ بہادر شیر خاں اسی بنگالہ سے نکلا اور تخت دہلی پر قابض ہوا۔ داؤد اور جنید افغان اسی آب و ہوا کی تربیت یافتہ تھے جنہوں نے اکبری فوجوں کے بار ہا موہنہ توڑ مقابلہ کئے۔ محمد شاہ مغل کے عہد میں سب سے پہلے علی وردیخاں نے آقا کشی کر کے بنگالہ پر غاصبانہ قبضہ جمایا تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء کی بنیاد اسی بنگالہ سے ہوئی تھی۔ اور موجودہ عہد کا ایجیٹیشن یا شورش بھی بنگالہ ہی میں نمودار ہوا تھا۔ یہ واقعات میں نے کسی طنز و تشنیع کے خیال سے نہیں لکھے بلکہ تاریخی طور سے یہ دکھانا منظور ہے کہ ہندوستان میں صوبہ بنگالہ ہی اس قسم کا ہے کہ جن کو غلطی سے بزدل و نامرد کہا جاتا ہے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ سلاطین ہندوستان کو ہمیشہ بنگال ہی چنے چباتا رہا:۔

بنگالی ہمیشہ متمول رہے اور غور و ذہانت میں ممتاز۔ ہر ایک مناسب موقعہ انقلاب کے خواہاں رہے گو ثبات و پائمردی بہادران شمشیر زن کی طرح تاریخ سے ثابت نہیں ہوتی لیکن اولوالعزمی و جانبازی کی صفت سے بنگالی عاری نہیں سختی کی جگہ احسان و مروت سے ان کا رام کرنا زیادہ موزوں ہے:۔

بلبن کی بنگالہ پر چڑھائی

بلبن طغرل کی بغاوت کی خبر سن کر پیچ و تاب کھانے لگا۔ اور گورنر اودھ کو فوج دے کر طغرل کے مقابلہ پر روانہ کیا جس نے طغرل سے شکست کھائی اور اسی جرم میں قتل کیا گیا۔ دوسری فوج روانہ ہوئی اور طغرل کے ہاتھ سے تباہ ہوئی اب بلبن کو سوا اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ خود چڑھائی کرے۔ بڑے بیٹے محمد سلطان کو پنجاب اور سرحدی فوج کی کمان اور مغلوں کی روک تھام کے پورے اختیارات دے کر اور فخرالدین کوتوال دہلی کو اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے دوسرے بیٹے بغرا خان کو ساتھ لیا اول تو بہانہ شکار شمالی علاقہ کو گیا اور سامانہ۔ انبالہ وغیرہ کے سرکشوں کو تادیب و تنبیہ دے کر کئی ہزار کشتیاں دریائے جمنا اور گنگا میں ڈلوادیں۔ سامان اور اسباب جنگ کمسریٹ وغیرہ دریا کے راستہ اور فوج سوار و پیادہ جس کی تعداد بقول ضیاء برنی دو لاکھ تھی براہ خشکی لے کر چلا۔ اس فوج کشمیر میں پنجاب سندھ اور کچھ دہلی کی فوج

شامل نہ تھی جو مغلوں کے مقابلہ کے لئے ضروری تھی۔ مغل ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں حملہ آور ہوتے تھے اُن کے مقابلہ کے لئے بھی ہر ایک چھاؤنی میں خصوصاً ملتان۔ بھٹنڈا سمانہ میں لاکھوں کی جمعیت رکھنی پڑتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلبن جس نے ایک مہم کے لئے دو لاکھ فوج ساتھ لی اور سرحدی فوجوں کو اپنے اپنے موقعوں پر قایم رکھا کس قدر زبردست فوجی طاقت رکھتا تھا۔ اور ہر ایک بیرونی و اندرونی خطرہ کے مقابلہ کے لئے ہر وقت کسطرح تیار رہتا تھا۔ اس فوج میں خالص مسلمان تھے جن کے قومی جوش اور مذہبی تہور سے ہلاکو خاں جیسے بہادر فاتح اور ایشیا کے شہنشاہ کا دل کانپتا تھا اور جب تک کہ یہ اسلامی جوش موجود رہا ہندوستان کی اسلامیہ حکومت ممتاز رہی۔ اور جوں ہی اس میں کمی ہوئی اسلامی گورنمنٹ پائمال ہو گئی۔ جسکی مفصل بحث عہد مغلیہ میں کیجاویگی۔

طغرل اگرچہ دو دفعہ شاہی فوجوں کو شکست دے چکا تھا۔ مگر شاہ بلبن کی آمد کی خبر سُن کر لکھنوتی چھوڑ کر جاج نگر کو روانہ ہو گیا اور خلق کثیر کو ساتھ لے گیا۔ اسکا خیال تھا کہ شاہ بلبن زیادہ عرصہ بنگالہ میں ٹھیر نہیں سکتا۔ جس امیر کو حاکم بنگالہ مقرر کرکے واپس جائیگا اسکو میں نکال دونگا۔ اور بوڑھا شاہنشاہ بار بار بنگالہ میں نہیں آسکتا اور اس کا بہادر بیٹا محمد سلطان ملتان وغیرہ نہیں چھوڑ سکتا۔ اور لکھنوتی پہنچکر امرائے بلبن بھی واپسی دہلی کے خواہان ہی تھے۔ مگر الوالعزم شاہ بلبن نے اعلان کر دیا کہ طغرل اور اس کے ہمراہیوں کو جبتک سزا نہ دونگا دہلی نہیں جاؤں گا۔ دشت و جبل بحر و بر میں جہاں کہیں طغرل بھاگ کر جائے گا تعاقب کرونگا۔ بلبن کے عزم شاہانہ سے امرائے واقف تھے دہلی کی واپسی سے ناامید ہو گئے اور جانوں سے ہاتھ دھو کر طغرل کی گرفتاری میں مصروف ہوئے۔ بلبن تعاقب میں حاج نگر سے ستر کوس تک جا پہنچا اور ملک باربک کو سات آٹھ ہزار سوار دے کر بطور ہراول دس بارہ کوس شاہی لشکر سے آگے آگے روانہ کیا۔ وہ ہر روز تیس چالیس سوار بطور بکٹ چند کوس آگے بتلاش طغرل بھیجتا۔ ہرچند کوشش کیجاتی طغرل کا پتہ معلوم نہ ہو سکتا ایک روز ملک محمد شیر انداز اس کا بھائی ملک مقدر طغرل کش ۳۰۔۴۰ سواروں کے ہمراہ ہراول سے آگے آگے دشمن کی تلاش میں مصروف تھے۔ کہ چند بنئے ملے جو طغرل کی فوج میں سودا سلف بیچ کر واپس آرہے تھے دریافت کرنے پر اول تو انکار کیا مگر دھمکانے سے بتلا دیا کہ طغرل یہاں سے نصف کوس کے فاصلہ پر ایک تالاب پر اُترا ہوا ہے کل روانہ ہو کر حدود

جاجنگر میں داخل ہو گا۔ ملک مقدر نے بنیوں کو دو سواروں کی ہمراہ اپنے افسر ملک باربک کی
خدمت میں بھیجا کہ فوراً موقع پر پہنچ جائے اور خود ہمراہیوں سمیت ایک ٹیلہ پر چڑھ کر دیکھا کہ
طغرل بے خوف و خطر اترا ہوا ہے۔ کوئی نہاتا ہے۔ کوئی سوتا ہے کوئی اور کسی کام میں
لگا ہوا ہے۔ ہاتھی گھوڑے جنگل میں چرتے ہیں۔ لڑائی کے لئے کوئی تیار نہیں۔ ملک مقدر
نے اس خیال سے کہ کہیں طغرل کی فوج نے ہمکو دیکھ نہ لیا ہو اور بھاگ جائے۔ بلبن سے
رہائی مشکل ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ خاص بارگاہ طغرل پر حملہ کیا جائے۔ اسکو مار کر اس کی فوج
کو حواس باختہ کیا جائے۔ یہ ٹھان کر وہ چند یار یکہ تاز جوانوں کو لے کر طغرل
پر جا پڑا۔ اور طغرل یہ سمجھ کر کہ شاہ بلبن کی تمام فوج آپہنچی ہے۔ سراسیمہ ہو کر ننگی پیٹھ گھوڑے
پر سوار ہو کر دریا کی طرف بھاگا جسکو ملک مقدر نے تیر مار کر ہلاک کیا۔ اور سر کاٹ کر اپنے
کپڑوں میں چھپا کر دشمن کی کثرت کے خوف سے دریا پر ہاتھ دھونے لگا کہ اتنے میں ملک باربک
افسر ہراول بھی آپہنچا جس نے طغرل کا سر اور فتحنامہ شاہ بلبن کی خدمت میں روانہ کیا
اور طغرل کا تمام مال و اسباب خزانہ ہاتھی لشکر سب فوج ہراول کے ہاتھ آئے جس سے وہ
برسوں کے لئے فارغ البال ہو گئے۔ دوسرے روز تمامی طغرل کے زن و فرزند بندہ
و غلام۔ امراء و سرداروں میں سے تشہیر ہوئے جنہیں اکثر لکھنوتی کے ایک میل لمبے
بازار میں پھانسی دی گئی۔ جو لوگ فوج دہلی میں سے کہیں باغیوں سے جا ملے تھے ان کو دہلی
میں جا کر پھانسی دیا۔ ضیاء برنی اس سزا سے پر تعجب کرتا ہے کہ قبل ازیں کسی شاہ دہلی نے ایسی
بیرحمی کی سزا نہیں دی تھی۔ مگر ایسی سیاست کی بلبن کو عادت ہو چکی تھی۔ باغی ہندو یا مسلمان
کسی سے رحم نہ کرتا تھا۔ جسقدر طغرل کے بیگناہ زن و بچہ سے سفاکی کا برتاؤ ہوا اور ہزاروں
مسلمان طغرل کی ہواخوری کے جرم میں قتل ہوئے اور دہلی تک کئی خاندان بے چراغ
ہو گئے اس کی نظیر ہند و باغیوں میں نہیں ملتی۔ طغرل کا پیر و مرشد ایک قلندر درویش
بھی اسی سیاست میں پھانسی دیا گیا۔ واقعی سزا سخت تھی۔ مگر اسی سختی کا نتیجہ تھا کہ
التمش کے چالیس غلام جرنیلوں میں سے بلبن ہی تاجدار رہا۔ اور اس کے عہد
میں ملک میں نہایت امن و امان رہا۔ رعایا آرام کی نیند سونے لگی +

بلبن کی بغرا خان کو نصیحتیں
اور
بنگالہ کی گورنری دینا

بلبن چند روز لکھنوتی رہا اور اپنے چھوٹے بیٹے بغرا خاں کو بنگالہ کی حکومت دیکر واپس دہلی ہوا۔ بوقت وداع جو نصائح بلبن نے بیٹے کو بطور دستور العمل لکھوائیں ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ ناظرین کو بلبن کی روشن دماغی اور دانشمندی کا پتہ لگے:۔

ضیاء برنی نے ان نصائح کو مفصل لکھا ہے۔ ہم اختصاراً ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔

(۱) چونکہ صوبہ بنگالہ تمکو دیا جاتا ہے اس کی کثرت آبادی و زرخیزی پر بھروسہ کرکے شاہ دہلی سے بگاڑ نہ کرنا اور مقابل نہ ہونا ہمیشہ شاہ دہلی کو تحفہ و تحائف باج و خراج دے کر خوش رکھنا۔ اگر کسی طرح بگاڑ ہو جائے اور شاہ دہلی چڑھ آئے تو لکھنوتی سے دور دراز مقامات مشرقی بنگالہ وغیرہ میں چلا جائے جہاں دہلی کی فوجیں نہ پہنچ سکیں اور نہ مدت دراز تک قیام کر سکیں۔ اُن کی واپسی پر پھر لکھنوتی پر متصرف ہو جائے۔ بلبن کی یہ نصیحت کرنا اس خیال سے معلوم ہوتی ہیں کہ بلبن کے بعد اُس کے بڑے بیٹے سلطان محمد جسنے بلبن کے بعد تخت نشین ہونا تھا اور اس بیٹے بغرا خاں میں تلوار نہ چلے۔ اور متواتر تجربوں سے جانتا تھا کہ بنگالی آب و ہوا میں تاثیر تمرد و سرکشی ہے:۔

(۲) گورنری اور شاہی میں بڑا فرق ہے۔ گورنر سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو بادشاہ اُس کو معزولی یا جرمانہ کی سزا دے کر پھر کبھی بحال کر سکتا ہے۔ غلطی کی تلافی خود شاہ وقت کرکے رعیت کو تسلی و اطمینان دے سکتا ہے۔ اور رعایا بادشاہ سے داد پا سکتی ہے گورنر کے اہل و عیال زن و بچہ اور جان تک محفوظ رہتے ہیں:۔

لیکن اگر بادشاہ سے کوئی غلطی بے تدبیری یا غیرہر دلعزیزی بیرحمی سخت گیری صفا کی ظہور میں آئے تو اُس کا اثر تمام ملک میں پھیل جاتا ہے ماتحت حکام دلیر ہو کر رعیت کو ستاتے ہیں۔ رعیت میں نفرت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نظم و نسق بگڑ جاتا ہے۔ عدل و انصاف نہیں رہتا۔ ہوتے ہوتے آخر فوج بھی وفادار نہیں رہتی۔ بلکہ بادشاہ اور اُسکے

خاندان کی رعایا وغیرہ دشمن جان بن جاتی ہے :۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ گورنری اور شاہی میں کسقدر فرق ہے۔ بادشاہ کو لازم ہے کہ ہمیشہ رعایا کی خوشنودی و آزادی کا خیال رکھے۔ کوئی کام داناؤں کے مشورہ اور رائے کے بغیر نہ کرے۔ یعنے سلطنت کا مدار کونسل پر رکھے :۔

اگر کسی بادشاہ کو یاوری اقبال سے غلطی و بیدانشی کا نتیجہ نہ ملے بلکہ اس کی دولت و اقبال میں ترقی نظر آئے تو اسکو کامیابی کہنا نچاہیئے یہ تو آثار بیدولتی ہیں اسکا بُرا اثر اندرہی اندر سلطنت کی بنیاد کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ بادشاہ کی عیاشی و ہوا پرستی فسق و فجور سے رعایا بھی ویسے ہی شتر بے مہار تقلید شریعت سے بیزار ہو جاتی ہے۔ بادشاہ فاسق اسکو رعیت کی خوشحالی اور رفاہیت جانتا ہے اور اپنی کم آزاری اور آزادمشی کا نتیجہ مانتا ہے۔ اسکا نام آزادی رعایا رکھتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کی آزادی جو اخلاقی قیود سے بے پرواہ کرے اور مذہب کی پابندی گھٹائے روحانی امراض پیدا کرتی ہے اور اخیر میں ملک و سلطنت کی بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ شاہان بیدین کی ترقی دولت و اقبال بطور استدراج ہوتی ہے۔ وہی رعایا اول تو خدائی احکام کو توڑتی ہے اور مذہبی پابندی سے مونہہ موڑتی ہے پھر دلیر ہو کر بادشاہ وقت کی ہدایات اور احکام سے نفرت اور مخالفت کرتی اور تمرد دیتی ہے۔ بادشاہ کی دین پناہی اور پابندی مذہب سے رعایا کے اخلاق و عادات درست رہتے ہیں :۔

اے محمود۔ میں جانتا ہوں کہ جب تم کو خود دینداری و نجات کا خیال نہیں تم رعیت کو شریعت کے صراط مستقیم پر کسطرح قائم رکھ سکو گے۔ خوشامدی دروغ گوی تمکو ہوا پرستی اور عیاشی میں مدہوش رکھنے کے لئے جس سے اُن کے ذاتی اغراض پورے ہو سکتے ہیں رعایا کی عیاشی کو آرام و راحت اور رفاہیت و آسایش ظاہر کریں گے اور اس تنعم اور عیش و عشرت کا نام گھر گھر ہیں عید رکھکر تمھاری رعیت نوازی و امن پروری کا نتیجہ بتلائیں گے۔ اور کہیں گے کہ تمام رعایا خوش و خورم بادشاہ کو دعائیں دیتی ہے۔ مگر یہ عیش عشرت رعایا کیلئے فتنہ و فساد شرک کفر فسق و فجور ریا و فریب تکلف و تصنع بدچلنی بداخلاقی کا موجب ہوتی ہے۔ جسکو بدچلن بادشاہ اپنی غفلت و عیاشی سے بڑھاتا ہے اور مہلکات کو منجیات جانتا ہے۔ درستی اخلاق کا خیال جسکا انحصار پابندی شریعت پر موقوف ہے۔ شاہان بدکردار غفلت شعار کی بے پرواہی سے جاتا رہتا ہے۔ رعیت جو چاہتی ہے سو کرتی

ہے۔ اسکو فلاح و آزادی سمجھتی ہیں :-

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تو جوانی و ہوا پرستی کے غلبہ اور لالچی خود غرض مصاحبوں کے اثر صحبت سے رعایا کی عیش و عشرت پر فخر کرے گا اور رعیت کی عیاشی و شاہد بازی شراب قمار پر ملک کی خوشحالی اور اپنی نیک نامی تصور کرے گا۔ مگر محبت پدری سے مجبور ہو کر نصیحت کرتا ہوں :-

(۳) لایق اور تجربہ کار مشیروں کی ایک کونسل مقرر کرنا وہ کونسل جو قانون و ایکٹ پاس کرے اُس سے انحراف نہ کیا جائے۔ اور اُن قوانین میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دے اور اُن قوانین کی تنسیخ و تبدیل جلدی نہ کرے اس سے بادشاہ کی نامستقل مزاجی بے ثباتی رائے ثابت ہوگی و قار شاہی کم ہو جائے گا۔ اور فساد پیدا ہوں گے۔ میں تاکید کرتا ہوں کہ اس شیطانی خیال کو دل میں نہ لانا کہ میں بادشاہ خود مختار ہوں جو چاہوں کر سکتا ہوں اسی خیال استبداد نے مصر کے فراعنہ کو تباہ و برباد کیا۔ اور دوزخ ابدی کا کندہ بنایا :-

(۴) فوج کی آراستگی و خوشنودی کا سب سے مقدم خیال رکھنا۔ فوج کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے جس کے بغیر انتظام و رعب ہرگز قایم نہیں رہ سکتا۔ فوجی خرچ میں کبھی صرفہ و بخل نہ کرنا اور جو مشیر جنگی اخراجات کی کمی کی رائے دے اسکو اپنا بدخواہ جاننا۔ وزیر جنگ ہمیشہ کریم النفس فیاض و جواد مقرر کرنا۔ جو تنخواہ اور سلب و سلاح اور دیگر ضروریات کے بہم پہنچانے میں کسی قسم کا دریغ نہ کرے :-

(۵) بادشاہوں پر نعمائے الٰہی زیادہ ہوتی ہیں۔ اُن کے شکرانہ میں بندگی و عبادت واجب ہے۔ جس کو شاہان بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر زیادہ نہ ہو سکے تو صلوٰۃ خمسہ تو ضرور ادا کرے اور حدیث "الجماعۃ[۱] من سنن الھدی لایترکھا الا منافق" اور حدیث "تارک[۲] الجماعۃ ملعون" اور حدیث "التکبیر[۳] الاولی مع الامام خیر من الدنیا وما فیھا" کے مضامین کو ہمیشہ مدنظر رکھے اور نماز باجماعت

---

[۱] قولہ الجماعۃ الخ جماعت ایک بڑی سنت ہے۔ منافق کے سوا کوئی تارک جماعت نہیں ہوتا ۱۲ صوفی

[۲] قولہ تارک الجماعۃ الخ تارک جماعت لعنتی ہے ۱۲ صوفی

[۳] قولہ التکبیر الاولے الخ تکبیر اولے کا ثواب دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے ۱۲ صوفی

کی عادت پیدا کریں۔ اگر کوئی نماز فوت ہو جائے تو بغیر قضا نہ چھوڑے۔ اس سے خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔ مناہی و ملاہی سے دل ہٹتا ہے۔ رعایا کا دینی شوق بڑھتا ہے۔ شیرازہ اسلام مضبوط ہوتا ہے۔

(۶) ملک و سلطنت کی استقامت اس بات پر منحصر ہے کہ عہدہ داران متدین لایق معاملہ فہم خدا ترس مقرر کئے جائیں۔ رعیت سے مقررہ خراج جو اعتدال سے زیادہ نہ ہو وصول کیا جائے۔ زیادہ ستانی سے رعیت مفلس اور تنگ ہو کر سرکش ہو جاتی ہے۔ ہاں اُن لوگوں کا خیال رکھے جو کثرت دولت و مال سے مست ہو کر بادشاہ کے خلاف تمرد و عصیان کرتے ہیں اور خلل امن کا باعث ہوتے ہیں۔ امن عامہ کے رو سے ایسے لوگوں کی ترقی روکنی مناسب ہے فوج اور رعیت ہر ایک کا خیال رکھے اور دونوں سے مقررہ اصول پر سلوک کرے۔ زراعت و فلاحت کی ترقی میں کوشش کرے۔ جب تک بادشاہ خود مدبر بختی پرہیزگار نہ ہو اور دانا اور فاضل وزیر نہ رکھتا ہو۔ انتظام سلطنت نہیں چل سکتا۔

(۷) اخیر وصیت یہ ہے کہ درویشان گوشہ نشین جو دنیا کو لات مار کر یاد الٰہی میں مصروف ہیں اُن کی خدمت میں جا کر "کونوا مع الصادقین" کی سعادت حاصل کرے۔ اور جو لباس درویشی میں طالب دنیا ہو یا نام و ننگ کا خواہاں ہو اُس سے علیحدہ رہے۔

میں اپنے آقا سلطان شمس الدین التمش کی خدمت میں حاضر تھا۔ قاضی جلال عروسی سفیر بغداد منجملہ دیگر تحائف خلیفہ بغداد کے خلیفہ مامون رشید کی نصیحت لایا تھا۔ جو کتاب سفینۃ الخلفا میں مامون رشید نے لکھی ہے۔ سلطان التمش قاضی جلال پر اسقدر خوش ہوا۔ کہ نصف ملک اُسکو دینے لگا تھا۔

نصیحت مامون رشید اور صوفیائے عظام

مامون رشید لکھتا ہے کہ میرا باپ ہارون رشید باوجود اسقدر شان و شوکت اور عظمت و جلال کے حضرت داؤد طائی اور محمد سماک درویشوں کے ہاں مع امرا جاتا تھا اور وہ درویش دروازہ بند کر لیتے۔ ہارون رشید گھنٹوں باہر زمین پر بیٹھ کر بغیر ملاقات واپس چلا آتا اور باوجود اس کے بار بار جاتا اور دروازہ بند پاتا خلیفۃ المسلمین سے تو یہ استغنا تھا مسکین و غریب مسلمانوں کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

اُن سے یہ بزرگ بخوشی ملتے تھے نہ مجھکو اور دیگر امرائے دربار کو اُن مفلوک الحال درویشوں کی یہ کارروائی سخت بُری لگتی تھی مگر ہارون رشید اسکو اپنی بیعزتی یا بے ادبی خیال نہ کرتا تھا۔ اور ملاقات کی کوشش کرتا۔ ایک روز ہارون رشید نے اپنے شیخ الاسلام قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کو کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم اور داؤد طائی دونوں حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھتے تھے دونوں میں محبت تھی جسطرح ہو سکے میرا سلام کرا دو۔ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ جب تک کہ میں فقیر و محتاج تھا جب جاتا اندر بُلاتے بات چیت کرتے محبت سے پیش آتے اور جب سے کہ قاضی ہوا ہوں بیس دفعہ داؤد طائی کے مکان پر جا چکا ہوں کبھی اندر جانے نہیں دیا اور نہ زیارت و گفتگو کا موقعہ دیا ہے۔ میں آپ کی کیا سفارش کر سکتا ہوں۔ ہارون رشید نے کہا کہ اس سے میرا اور اعتقاد بڑھ گیا ہے۔ ابو یوسف نے کہا کہ آج روئے زمین کے علماء و فضلاء مشائخ و حکما حضور کو امیر المومنین اور ابن عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جانتے اور دربار خلافت میں حاضر ہوتے ہیں۔ یہ دو گدا حقوق الوالامری اور قرابت رسول صلعم کا خیال نہیں کرتے حضور کیوں بار بار اُن کے مکان پر جاتے ہیں۔ بغداد میں اس خبر کے پھیلنے سے کہ خلیفۃ المسلمین کو ان دو گداؤں نے اندر آنے نہیں دیا اور دروازہ بند کر لیا شان خلافت کے برخلاف چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔

ہارون رشید کا جواب اور حقیقت درویشی

حقیقت شناس ہارون رشید نے کہا کہ چونکہ وہ مجھکو اندر نہیں بلاتے اور توجہ نہیں فرماتے اس سے میرا اعتقاد اور بڑھ گیا ہے اور مجھکو یقین ہو چکا ہے کہ ان درویشوں نے دنیا کو ظاہر و باطن چھوڑ دیا ہے اور میں کہ دنیا مجسّم ہوں اور صرف دنیا ہی دنیا ہوں اور دنیاوی جاہ و جلال اور دولت و تمکنت آج دنیا میں مجھسے زیادہ کسی کو حاصل نہیں اور اُن درویشوں نے محبت الٰہی کے لئے دنیا کو ترک کر رکھا ہے پس مجھکو جو سب سے دنیا دار زر پرست بلکہ دنیائے محض ہوں کسطرح پسند کر سکتے ہیں اور مجھ جیسے دنیائے مجسّم سے ملاقات کر کے اپنے اصول تارک الدنیا ہونے کو بٹہ لگا سکتے ہیں وہ مجھکو فریفتۂ دنیا جان کر مجرا جانتے ہیں اور میں اُن کو شیفتۂ خدا سمجھ کر بزرگ مانتا ہوں [illegible]

درست ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے تارکان دنیا اور حقیقی درویشوں کی ہمت و حمایت سے تکالیف دنیا سے نجات پاؤں اور جو لوگ درویشانہ لباس میں میرے پاس آتے ہیں اور انعام و معافی وظیفہ و جاگیر چاہتے ہیں وہ دین فروش دنیا طلب ہیں۔ ایسے لوگ میری کیا حمایت و شفاعت کر سکتے ہیں روز قیامت مجھ سے زیادہ مفلس و کنگال ہوں گے :۔

میرے اعمال و افعال حرکات و سکنات خلاف سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں قیامت کو رسول اللہ صلعم کو کیا موہنہ دکھاؤں گا اور میری حمایت و شفاعت کون کرے گا۔ اس درد و غم میں گھلا جاتا ہوں :۔

ابو یوسف نے آداب بجا لا کر کہا کہ میں نے علم پڑھا لیکن معرفت الہی کا علم آج خلیفۃ المسلمین سے حاصل ہوا ہے :۔

نوٹ مؤلف

میں نے ان نصائح کو ناظرین کے فائدہ اخلاقی کے لئے لکھا ہے اور جو لوگ شاہان اسلام کے طرز عمل سے واقف نہیں اور یورپ کے انتظامی احکام و تجاویز پر حیران و متعجب ہوتے ہیں اور ملکی تاریخ کی لاعلمی کے سبب شاہان اسلام کی مدبرانہ لیاقت کو نہیں جانتے وہ ان نصائح پر غور کریں اور دیکھیں کہ شاہ بلبن کسقدر مدبر منتظم رعایا پرور حامی اخلاق تھا آج نصف صدی کے تلخ تر تجربہ کے بعد گورنمنٹ انگریزی نے درستی اخلاق کو استحکام سلطنت کے لئے ضروری سمجھا ہے اور اخلاق کا مدار مذہبی تعلیم و تقلید پر رکھا ہے اور جاہ و دولت کی کثرت کو باعث طغیان و عصیان خیال کیا ہے۔ وہ بیدار مغز شاہ بلبن چھ سو سال پہلے صفحہ تاریخ پر یادگار چھوڑ گیا ہے :۔

بلبن اور بغرا خاں کی الوداعی ملاقات

بلبن نے بغرا خاں کو دریائے گھاگرے پدرانہ نصیحتیں دے کر وداع کیا اور خود کوچ بکوچ دارالخلافہ دہلی کو روانہ ہوا۔ راستہ میں حکام اور راجگان مبارک باد فتح کے لئے حاضر ہوتے اور انعام و خلعت پاتے تھے۔ دہلی کے گورنر فخر الدین کوتوال نے جسکو بلبن پدر اور امیر الامرا کے خطاب سے لکھتا تھا شہر کو آراستہ کیا اور بکمال تزک و شان سے استقبال

کیا۔ امرائے نے تقریریں پیش کیں اور بادشاہ نے خلعت گراں بہا اور انعام وجاگیریں عطا کیں۔

بلبن کی سیاست اور عفو

دہلی وغیرہ سے جو لوگ طغرل کے پاس لکھنوتی گئے تھے یا بلبن کی فوج میں سے جو امرائے بلبن کو چھوڑ کر طغرل خاں سے جا ملے تھے اور لکھنوتی سے قید کر کے دہلی لائے گئے تھے اُن کے حق میں سزائے موت کا حکم دیا گیا۔ میلوں تک صلیبیں نصب کی گئیں کہ مجرموں کو عبرتاً لٹکایا جائے۔ ہزاروں مجرم تھے اُن کے رشتہ دار دوست دہلی میں لاکھوں تھے یہ خبر سُن کر دہلی میں شیون وبکا کا عالم برپا ہو گیا اور شہر پر ایک سنسنی چھا گئی۔ لوگوں کی آہ وبکا درد وغم کو قاضی لشکر نے جو رحمدل دیندار خدا ترس تھا بلبن کے پاس جاکر حسب موقعہ وعظ کی جس سے خدا پرست بلبن کو رقت پیدا ہو گئی اور زار زار رونے لگا۔ قاضی نے موقعہ دیکھکر اسیران لکھنوتی کی سفارش کی اور رقیق القلب بادشاہ نے عام کو بالکل چھوڑ دیا۔ خواص میں سے بعض کو کچھ عرصہ کے لئے دہلی سے خارج اور بعض کو تشہیر کر کے رہا کیا اور ثابت کر دیا کہ علم وفضل اور پاس شریعت میں بلبن ممتاز تھا۔ ایسے باغیوں کی جان بخشی بھی کی گئی جو ملک وسلطنت کے دشمن ثابت ہوئے تھے بلبن کی ایک عام عادت تھی کہ ترقی علوم وفنون اور تحریص صداقت ودیانت وترغیب اتقا وورع کے لئے دیانت دار فضلا اور راستباز علماء کی جائز سفارش کو مان لیتا تھا۔

بلبن کی وفات

سلطان محمد خاں شہید جو بلبن کا لایق جانشین تھا اور بلبن کو اس کی ذات سے خاندان کی ترقی اور سلطنت کے استحکام کی پوری امید تھی اور باپ کے عہد میں ہی شجاعت وانتظامی لیاقت کا سکہ دوست ودشمن کے دلوں میں بیٹھا چکا تھا۔ جیتے جی شہید ہو گیا۔ اور دوسرا بیٹا بغرا خاں نالایق اور پوتے ناتجربہ کار بادشاہی سہما لینے کے کوئی قابل نظر نہ آتا تھا۔ ان تفکرات نے بوڑھے بادشاہ کو گھلا دیا گو معمولی تقاضۂ

سے کاروبار کرتا تھا لیکن دردِ دل کی بیماری یعنی اولاد کا غم کب سنبھلنے دیتا ہے ضعف و نحافت بڑھتی گئی۔ بیمار ہوا اور امیر الامرا کوتوال کو بلا کر کہا کہ چونکہ بغرا خاں بلا اجازت بنگالہ چلا گیا ہے۔ میں کیخسرو ولد خان شہید کو ولیعہد کرتا ہوں۔ میرے بعد کیخسرو کو تخت پر بٹھلانا۔ شاہ بلبن تین یوم بعد اس وصیت کے ۶۸۵ھ مطابق ۱۲۸۶ء میں راہی فردوس بریں ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لوگوں نے آہ و بکا کا عالم بپا کیا۔ امرا وزرا سر پر خاک ڈالنے لگے۔ عام رعایا ایسے زبردست منتظم غریب نواز سلطان کے مرنے پر زار زار روتی تھی اور "کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام" کا مضمون در و دیوار سے سنائی دیتا تھا ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں یہ شعر لکھا ہے:۔

نظم

ملک شاہ آب و آتش بود رفت آں آب و مرد آتش
کنوں خاکستر و خاکش بہ بینی در سپاہانش

رباعی

چیست دنیا سر بسر پرسیدم از دیوانہ ✦ گفت یا خاکست یا بادست یا ویرانہ
گفت آنہا راچہ گوئی کاندریں دل دادہ اند ✦ گفت یا کورند یا کر اند یا دیوانہ ✦✦

کیقباد (معز الدین)

بلبن کے انتقال کے وقت دہلی میں صرف کیقباد ہی تھا۔ بلبن کا بیٹا بغرا خاں کیقباد کا باپ پست ہمتی سے باپ کی امیدوں پر پانی پھیر کر بنگالہ چلا گیا تھا۔ کیخسرو ولد سلطان محمد خان شہید کو بلبن نے ولیعہد کیا تھا لیکن وہ بوقت وفات ملتان میں تھا۔ امیر الامرا فخر الدین کوتوال نے جسکو خان شہید سے پرائیویٹ عداوت تھی بلبن کی وصیت کے خلاف اپنی ذاتی اغراض کو مدنظر رکھ کر کیقباد کو ۶۸۵ھ مطابق ۱۲۸۶ء میں تخت نشین کر دیا اور ان خلاف ورزی وصیت سے آقا اور اپنے خاندان

کو برباد کر دیا کیخسرو بھی کیقباد کی طرح نوجوان تھا اور شائد وہ بھی ایسا ہی نکلتا لیکن ایک تو وہ باپ کی شہادت کے بعد چند سال سے ملتان وغیرہ سرحدی صوبجات کی گورنری اور سپہ سالاری سے کچھ تجربہ کار ہو چکا تھا اور کیقباد نے نہ کبھی دہلی سے باہر قدم رکھا اور نہ کبھی ملکی اور جنگی تجربہ حاصل کیا۔ دوئم بلبن جیسے کہن سال تجربہ کار مدبر شہنشاہ کا انتخاب بھی بیوجہ نہ ہوگا ضرور کیقباد سے زیادہ کیخسرو کو لایق تصور کیا ہوگا۔ پس فخر الدین کوتوال جس کی عام ہمدردی خلائق کے مورخین قائل ہیں اس معاملہ میں نفسانی انتقام سے مغلوب ہو کر صداقت اور حق پسندی کو چھوڑ گیا۔ اور اپنا اور آقا کا خاندان ڈبو گیا +

کیقباد کے معلموں کی غلطی

بلبن جو ہر ایک امر میں سخت محتاط تھا اور عام رعایا کے اخلاق تک بگڑنے کا خیال رکھتا تھا اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں کب کوتاہی کر سکتا تھا پوتوں کی تعلیم کیلئے چیدہ متدین متقی عالم معلم مقرر کئے اور اسقدر تشدد اور سختی سے نگرانی کی گئی کہ شاہزادوں کو بُری صحبت کا پرچھاواں بھی نہ پڑا۔ عام طور سے نتیجہ یہ نکلنا چاہیئے تھا کہ شاہزادہ نیک چلن پرہیزگار نکلتا۔ مگر تخت نشین ہوتے ہی ایسا کھل کھیلا کہ اپنے ساتھ ہی امرا وزرا۔ رعایا۔ برایا کو عیش و عشرت میں ڈبو دیا۔ اُس کی عیاشی کے تفصیلی حالات مورخین نے لکھے ہیں اور انشاء پردازی کے جوہر دکھائے ہیں مگر میں اُن حالات کو عمداً قلم انداز کرتا ہوں کہ شاہد بازی و شہوت پرستی کے حالات کے اظہار سے نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑنا ہے جو اس کتاب کی غرض تالیف کے مخالف ہے۔ میں اس موقعہ پر اُستادوں کی تعلیمی غلطی پر بحث کروں گا۔ کہ جس کی آج روساءِ ہند کو سخت ضرورت ہے اور اسی غلطی کی وجہ سے زمانہ حال کے والیان ملک رئیس زادہ بالغ ہو کر نیک چلن نہیں نکلتے۔ اور جسقدر روپیہ اُن کی تعلیم پر خرچ ہوتا ہے۔ وہ ضائع جاتا ہے +

معلم ضرور پرہیزگار عالم تھے۔ اور اُن کا ظاہری چال چلن بلا داغ تھا۔ مگر زاہد خشک طریقہ تعلیم سے ناواقف وہ شہزادہ کی طبیعت کو برائیوں کیطرف سے جبر و تشدد سے ہٹاتے تھے اور احکام شرعی کی تعمیل جبراً کراتے تھے۔ منہیات سے ڈرا دھمکا کر روکتے بلکہ اُن کی شکل و صورت دیکھنے ہی نہ دیتے۔ یہ طریقہ تعلیم و اتالیقی نہایت ناقص اور غیر مفید ہے

اگر وہ ہر ایک برے شغل کی برائی اور نقص فلسفیانہ طور سے بیان کیا کرتے اور جو لوگ ان
خرابیوں میں مبتلا تھے ان کی ردی حالت کا بھی مشاہدہ بھی کرا دیتے اور اس کے مقابلہ میں
اعمال نیک کی فلسفی اور انسانی کمال کے لئے دین کی ضرورت اور شارع علیہ السلام کی کمالیت
پر باموقعہ تقریریں کیا کرتے اور مذہب کو ڈراؤنی شکل میں نہ دکھاتے تو شاہزادہ فضائل
کی طرف طبعاً راغب ہوتا اور رذائل سے اسکو طبعی نفرت ہو جاتی۔ تشدد کی ضرورت
ہی نہ پڑتی اور بڑا ہو کر یک لخت شریعت سے نفور اور اخلاق حسنہ سے دور نہ ہو جاتا۔
مینخواری اور شاہد بازی کا عقاب جو لسان شرع میں جتلایا گیا تھا انہیں لفظوں کو دہراتے
رہے۔ حور و غلمان اور شراب طہور کی لفظی بحثوں سے آگے نہ بڑھے اور اس طرح کی
غیر مکمل اور ناقص تعلیم سے شہزادہ کو شیفتہ اصطلاحات مذکورہ بناتے رہے۔ اس قسم
کی تعلیم و تربیت نے شہزادہ پر کوئی روحانی اثر نہ ڈالا اور اخلاق حسنہ اس کے دل میں
مذہبی عظمت سے جگہ نہ لی اور عادات اخیر تک عارضی رہا۔ بری صحبت سے بچانا بچوں
کے لئے ضروری ہے۔ مگر قیدیوں کی طرح نہ ہو اس لئے شاہزادوں اور رئیس زادوں
کے معلم و اتالیق تعلیمی تجربہ اور تقید شرعیہ کے علاوہ فلاسفر حکیم زمانہ شناس مؤرخ موجودہ
زمانہ کے حالات اور واقعات سے باخبر تحریر و تقریر میں جید اور ساتھ ہی دلیر جری
وفادار ہوں تا کہ فرض معلمی و اتالیقی میں خوف یا طمع کو کام میں نہ لائے اور شاگرد کے عیوب کو
نہ چھپائے۔ جیسا کہ عموماً اتالیق کرتے ہیں۔ اور تنخواہ وغیرہ کے لالچ سے
اظہار نہیں کرتے +

کیقباد کی عیاشی

پس کیقباد کے بگاڑ کا باعث خود اس کے استاد تھے جنہوں نے اسکو بظاہر تو برائی
کا پرچھاواں بھی نہ پڑنے دیا اور اس طرح بادشاہ کو اپنی کارروائی سے خوش رکھا مگر
حقیقت میں کچھ بھی نہ کیا۔ جوں ہی بلبن کا ہولناک سایہ دور ہوا اور دہلی کا شاہ خود مختار
ہوا کھلم کھلا دریائے فسق و فجور میں تیرنے لگا۔ شراب خانہ خراب منہ سے لگتے ہی اپنے دیگر
لوازمات عیش و عشرت ارباب نشاط کے اجتماع سے بلبن کا شرعی دربار اندر کا اکھاڑہ
بنا دیا۔ ۱۸ سالہ نوجوان ناتجربہ کار تمام زناکاری میں مبتلا ہو گیا۔ شاہدان بازاری نے

جنکا بازار بلبن کے عہد میں بالکل سرد پڑ گیا تھا چاروں طرف سے امنڈ آئے اور دار السلام دہلی کو دار الزنا بنا دیا۔ امرائے دربار بقول ہے النّاس علی دین ملوکھم کے عیش عشرت منانے اور ہر روز جشن اڑانے لگے۔ بیت المال جو حق مساکین عالمین تھا اب بھانڈوں گویوں بدچلن عورات پر بٹنے لگا۔ شہر میں سے نکلتا اور ہاتھی پر سے روپیہ لٹاتا ہوا نکل جاتا۔ جس دربار میں بلبن کی قدر دانی سے مشہور اور چیدہ عالم وفاضل مدبر بہادر جمع ہو گئے تھے اب وہ دربار مسخروں ڈوم ڈھاڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس دربار میں قرآن وحدیث پند وموعظت ملکی وجنگی تدابیر کے سوا کبھی کوئی بیہودہ کلام تک نہ سُنی جاتی تھی اب اس میں ناچ ورنگ مخنثاں وہ گوئی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ دہلی کی سکونت چھوڑ کر بمقام کیلو کھڑی عالیشان محل اور بے نظیر باغ بنایا تھا جس میں صبح شام جلسے اڑائے جاتے تھے اس محل کے قریب امرائے نے بھی اپنے عالیشان مکانات بنائے تھے۔ امرا کو ان جلسوں میں جانا پڑتا تھا۔ اس لئے خانقاہیں بند اور مساجد نمازیوں سے خالی پڑی تھیں۔ ہاں شراب خانے معمور تھے۔ شراب نہایت گراں تھا اور سامان عبادت ارزاں۔ خوف خدا یا فکر و تردد دنیا کا نام تک نہ تھا بہت عام تھی مسلمان عیدیں مناتے تھے تو ہندو ہولی کھیلتے اور رام لیلا کا لطف اٹھاتے ہر کوچہ پریوں کا اکھاڑا اور ہر بازار حسینوں کا اڈا تھا۔ خود بدولت تو اس لہو ولعب اور عیش وعشرت میں مبتلا تھے۔ اسکا وزیر نظام الدین برادرزادہ وداماد ملک الامرا فخر الدین کا تھا۔ وہ حریص خود غرض محسن کش ہو گیا تھا۔ باہر کاروبار سلطنت پر نظام الدین متصرف تھا اور اندر حرم سرا میں اسکی بیوی دختر ملک الامرا بادشاہ کی ماں بنی ہوئی تھی۔ اور دونوں نادان بادشاہ کو برائی کی طرف سے ہرگز نہ روکتے۔ بلکہ تائید کرتے +

نظام الدین وزیر کی شرارتیں

تمام سلاطین غلام ترک تھے۔ التمش نے ترک غلاموں کی تربیت میں خاص توجہ کی اور اس کے عہد میں چالیس غلام گورنری اور سپہ سالاری کے عہدہ تک پہنچ گئے اور ہندوستان کے مختلف صوبوں پر حکمران رہے۔ ان چالیس تُرکوں میں سے

اکثر کو بلبن نے بخیال رقابت ٹھکانے لگا دیا۔ باقی ماندہ بلبن کے عہد میں معزز اور طاقتور تھے۔ اور ترکی نسل کی سلطنت کے حامی و مددگار تھے۔ نظام الدین جو کیقباد کی غفلت وعیاشی سے خواہان سلطنت تھا ترکوں کا زور گھٹانے کے درپئے ہوا۔ سب سے اول حقدار سلطنت کیخسرو ولد سلطان محمد شہید کی ہلاکت کا منصوبہ کیا۔ کیقباد کو سمجھایا کہ کیخسرو دعویدار سلطنت ہے۔ سلطان بلبن نے اسکو ہی ولیعہد مقرر کیا تھا۔ امرا و ملوک کو اس کی طرف رغبت ہے قابو پاکر آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اپنی اور تاج وتخت کی خیر چاہتے ہو تو اس کو ملتان سے بلوا کر راستہ ہی میں مروا دیجئے۔ کیقباد نے حالت نشہ میں کیخسرو کی طلبی اور قتل کا حکم لکھدیا اور کیخسرو راہ میں ہی تھا کہ رہتک کے قریب ان قاتلوں کے ہاتھ سے قتل ہوا جو نظام الدین نے مقرر کئے تھے اس واقعہ سے امرائے بلبنی میں ایک تہلکہ پڑگیا۔ مگر چالاک نظام الدین نے خواجہ خطیر وزیر کیقباد کی تشہیر وتحقیر سے خاص و عام کے دلوں پر رعب جما دیا۔ نومسلم مغل کئی ہزار دہلی میں آباد ہو گئے تھے اور اپنے قومی جوش ذاتی تہور سے دربار دہلی میں طاقتور گروہ شمار ہوتا تھا۔ اور جدت ارادت سے شاہ دہلی کے آڑے وقت کام آسکتے تھے ان کے برخلاف کیقباد کو کہدیا کہ مغل شورہ پشت ہیں اور اپنی کثرت تعداد اور قومی شجاعت کے بھروسہ غدر کے منصوبہ کرتے ہیں کیقباد نے مغلوں کے دفعیہ کا حکم دیا۔ مغل سردار ایک ہی دن میں کوشک سلطانی میں دھوکہ سے بلا کر قتل کئے گئے۔ ان کا گھر بار لٹ گیا۔ بال بچے گرفتار کئے گئے۔ ایسے بہادر جانباز مغلوں کے قتل کے بعد ان کے آشناؤں دوستوں رشتہ داروں کو جو امرائے سند میں سے تھے قید کرکے دور دراز قلعوں میں بھیجدیا۔ ملک شاہک گورنر ملتان اور ملک توزکی وزیر جنگ کو جو امرائے بلبنی سے ممتاز تھے فریب و دھوکہ سے مروا دیا۔ باقی امرا پر ایسا خوف طاری ہوا کہ کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ جو لوگ جوش وفاداری میں نظام الدین کے منصوبہ بیوفائی اور خیالات شاہی سے کیقباد کو اطلاع دیتے نادان کیقباد سب کچھ نظام الدین سے کہہ دیتا۔ جو نظام الدین کے ہاتھ سے ہر ایک قسم کی سزا پاتے اب خیرخواہی کا دروازہ بھی بند ہوا۔ اور کوئی خبر دینے والا نہ رہا۔ نظام الدین حصول تخت کے لئے ہر ایک قسم کی کوشش کر رہا تھا۔ اوس کے چچا ملک الامرا نے ہرچند سمجھایا کہ بیوفائی کا نتیجہ بربادی ہے۔ غدار کبھی پھل نہیں کھا سکتا۔ اس حرکت سے

شراب خانہ خراب

کیقباد کے حالات اس قدر گندہ ہیں۔ کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر بدنما دھبہ لگا ہوا ہے۔ موّرخین اسلام نے وہ حالات مفصل اور واضح لکھے ہیں۔ مگر فقیر اُن تمام حالات کی تفصیل کو اس لئے قلم انداز کرتا ہے۔ کہ اس اسلامی تاریخ کی غرض تالیف درستی اخلاق ہے۔ اور کیقباد کے تفصیلی حالات نوجوان ناظرین کتاب کی بدچلنی کا باعث ہوں گے۔ مگر جس قدر حال لکھا جاویگا۔ وہ ایک فہمیدہ شخص کے لئے جس کے دل میں کچھ انسانی درد ہو۔ ایک عمدہ سبق ہو سکتا ہے۔ آجکل میخواری کی اس قدر کثرت ہے۔ کہ ملازمت پیشہ تعلیم یافتہ اور دولت مند اشخاص میں سے بہت کم لوگ بچے ہوئے ہیں جوں جوں انگریزی تعلیم اور یورپین سوسائیٹی کا اثر بڑھ رہا ہے اسی قدر شراب کا رواج زیادہ ہو رہا ہے۔ گو ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ پارسی مذاہب کے واعظ شراب کی برائیاں بیان کرتے کرتے تھک گئے۔ اور کیقباد جیسے لوگوں کے عبرت بخش حالات سنا سنا کر اور تصویریں دکھا دکھا کر عبرت دلاتے ہیں مگر اثر کچھ نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مذہب کا خوف نہیں رہا۔ گورمنٹ پروا نہیں کرتی۔ سوسائیٹی میں معیوب نہیں۔ بلکہ عموماً اس کی تو روح و روان ہے۔ ترقی مناصب میں شرابخوری مارج نہیں ہوتی۔ وجاہت دنیوی میں خلل انداز نہیں پس شراب کی بندش ہو تو کس طرح ہو۔

کیقباد کی خوبصورت جوانی اور آخر کی پژمردگی و ناتوانی قابل غور ہے۔ دو سال کی میخواری اور عیاشی نے بیس سالہ نوجوان شاہزادہ کو کھلا دیا اور مرض فالج میں جو شراب کا عموماً نتیجہ ہوتا ہے۔ مبتلا کر دیا۔ شراب خوار خیال کریں۔ کہ گو ابتدا میں ہضم طعام یا طاقت بڑھاتی ہے لیکن جب عادتاً غذا بن جاتی ہے۔ تو فائدہ نہیں دیتی۔ اور معمول سے زیادہ بڑھانی پڑتی ہے۔ اور آخر کیقباد کی طرح نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ ہم نے قوی ہیکل تنومند اشخاص کو شراب سے برباد و ہلاک

ہوتے دیکھا ہے۔

شریعت میں شراب کو ام الخبائث کہا گیا ہے۔ یعنی تمام گناہوں۔ برائیوں عیبوں کی جڑ ہے۔ شراب سے غرور و تکبر۔ شہوت پیدا ہوتی ہے۔ عقل و فہم جو نعمت الٰہی ہیں۔ مغلوب ہوجاتے ہیں۔ افعال شنیعہ کی خواہش وارتکاب شروع ہوتا ہے۔ اور شراب خوار اپنی اصلی طاقت سے زیادہ آرزو کرتا ہے۔ اور شراب کو ذریعہ طاقت جانتا ہے۔ اور کالبد جسمانی سے جب زیادہ کام لیا جائے تو آخر بگڑ جاتا ہے۔ اور ہلاکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ یعنی شراب تھوڑی ہو یا بہت ہر حال میں جسمانی روحانی عوارض کا باعث ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اسکو مطلق حرام قرار دیا ہے۔ پس جب تک نوجوان حرمت شراب کی فلاسفی پر یقین نہیں کریں گے۔ تب تک شراب کی ترک محال ہے۔ جوان مرگی کے حادثے جائداد کی بربادی صحت کی خرابی پسماندوں کی فلاکت۔ دین و دنیا کی رسوائی میخواری سے حاصل ہوتی ہے۔ ؎

نمیدانند اہل غفلت انجام شراب آخر ؛ باتش میروند این غافلاں ازراہ آب آخر

لٹریچر کی خرابی

شراب خواری کی تائید فارسی لٹریچر نے بہت کچھ کی ہے۔ شاعروں نے زور طبع ساقی و شراب کے تلازمات پر خرچ کیا خدا کی محبت اور عشق الٰہی اور عطائے فیض ربانی کی آرزو بھی شراب و ساقی کے الفاظ میں کی گئی۔ حافظ شیرازی جیسے عارف پاکباز کی تو سرمایہ ہی یہی ہے۔ مرنے کے بعد بھی شراب کی خواہش کرتا ہے اور کہتا ہے۔

من ازانکہ گردم بمستی ہلاک ؛ بآئین مستان بریدم بخاک
بتابوتے ازچوب تاکم کنید ؛ براہ خرابات خاکم کنید
بآب خرابات غسلم دہید ؛ پس انگاہ بردوش مستان نہید
مریزید برگور من جز شراب ؛ میارید در ماتم جز رباب

حکیم سنجوی جیسا صوفی مشرب پابند ظاہر بھی ہر ایک داستان کے خاتمہ پر شراب

وساقی کو ہی پکارتا ہے۔ یہی حال دیگر شعرائے جلیل القدر کا ہے۔ پھر یاوہ گوؤں کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ کیقباد کو تو اس قسم کے اشعار نے لولی بچہ کی زبانی سنکر دوبارہ

شب رسمے توبہ کنم از بیم ناز شاہدان ۔ بامداد ان روی ساقی باز در کار آورد

میخواری و شاہد بازی پر متوجہ کیا تھا۔

فارسی لٹریچر کا اثر اردو پر پڑا۔ اور اُردو کے شاعر اس قدر بےباک ہوگئے۔ کہ ایک مسلم اُستاد کہتا ہے ؎

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے۔ رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

اس سے بڑھکر شراب کی خواہش اور کیا ہوسکتی ہے۔ بوڑھاپے۔ کمزوری۔ ناتوانی نے اس قابل نہیں چھوڑا۔ کہ ہاتھ تک ہلا سکے۔ یا شراب کا پیالہ منہ تک لاسکے۔ اخیر وقت ہے۔ ساغر و مینا کو سامنے رکھنے کی آرزو کرتا ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ اس مخرب اخلاق لٹریچر نے میخواری کو ترقی دی جب کسی کو نصیحت کرو۔ کوئی نہ کوئی شعر سنا دیتا ہے۔ یہ شاعری قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ قوم کو برباد کر رہی ہے۔ شاعران باکمال کا فرض ہے۔ کہ اس طرز بیان کو ترک کریں۔ بلکہ شراب کی مذمت اور میخواری کی ذلیل حالت کا نقشہ کھینچکر قوم کو سنائیں۔ ایسے اشعار تعلیمی کورسوں میں داخل کئے جائیں۔ اور اشعار مؤید شراب تعلیم سے خارج کئے جائیں۔

باپ کی بیٹے کو نصائح

بغرا خان نے کیقباد کو جو نصائح کیں۔ اُس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک تو شاہان اسلام کی دماغی قابلیت انتظامی لیاقت اوران کا دستور العمل دوئم نالائق بیٹے کی باپ کی نصیحت سے سرتابی اور اپنی بربادی۔ اسی طرح جو بیٹا اپنے شفیق باپ کی پند و نصیحت پر عمل نہیں کرتا۔ کیقباد کی طرح ناکام ہلاک ہوتا ہے۔ نوجوانوں کو کیقباد کے حال سے سبق لینا چاہئے۔

نصائح

فرزند من۔ ہر ایک انسان اپنی بہتری و ترقی چاہتا ہے۔ لیکن ایک باپ ہے جو بیٹے کی ترقی اقبال اپنی ذات سے بڑھکر چاہتا ہے۔ تم جو میری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہو یاد رکھو کہ بادشاہ کو سب سے زیادہ اعوان و انصار کی ضرورت ہوتی ہے۔ شاہنشاہ جہانگیر وہ ہوتا ہے۔ جس کی ماتحت کم سے کم دس خان ہوں اور ہر ایک خان کی ماتحت دس ملک اور ہر ایک ملک کی ماتحت دس امیر اور ہر ایک امیر کی ماتحت دس سالار اور ہر سالار کی ماتحت دس سرخیل اور ہر سرخیل کی ماتحت دس چیدہ شہسوار ہوں۔ جو اس قدر فوج نہیں رکھتا۔ تو وہ ایک اعلیٰ زمیندار ہے اور اخراجات جنگی اور انتظامی کے لئے احتیاطی خزانہ ضروری ہے جس بادشاہ کے خزانہ میں اس قدر روپیہ موجود نہ ہو۔ کہ کسی جنگی مہم کا خرچ برداشت کر سکے۔ یا قحط سالی میں رعایا کی مدد کر سکے۔ وہ ہرگز بادشاہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اصلی بادشاہ وہی ہے جس کے ملک میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ اس کے عدل و احسان پر امن انتظام سے رعایا فارغ البال آسودہ حال ہو۔ اور وہ ہمیشہ رعیت کی ہر ایک تکلیف دور کرنے کے لئے تیار ہو۔

بادشاہ کا فرض ہے۔ کہ قحط کے دنوں میں بلا غرض خزانوں کے منہ کھولدے اور تنگدست رعیت کی مدد کرے۔ اور ایسے نرخ اور ضابطہ مقرر کرے۔ کہ رعایا افلاس و درماندگی میں مبتلا ہو کر بھوک کے عذاب سے ہلاک نہ ہو۔

عزیز من۔ میں دو سال سے تمہاری کثرت عیاشی کے افسانے سن رہا ہوں۔ حیران ہوں۔ کہ ایسی حالت میں تم اب تک کس طرح زندہ رہ سکے ہو۔ بھلا ایسے غافل و عیاش کو کون چھوڑتا ہے۔ امور سلطنت سے بے خبری اور غفلت صرف ملک کو نہیں کھوئے گی۔ بلکہ ساتھ ہی تمہاری عزیز جان بھی جاتی رہیگی طمع سلطنت باپ بیٹے کو لڑا دیتا ہے۔ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں۔ کہ اگر موقعہ ملے۔ تو سلطنت کی خواہش نہ کرے۔ تمہاری غفلت شعاری عیاشی کے حالات سن کر باپ کی سلطنت خاندان اور تمہارا ماتم کر چکا ہوں۔ میں یہ سنکر کہ تم نے میرے باپ کے نمکخوار اور خاندان کے خیرخواہوں کو ہلاک کر دیا۔ پیچ و تاب کھا رہا ہوں۔

میرا بڑا بھائی خان شہید مر چکا۔ اس کے بیٹے کو تم نے ذبح کرا دیا۔ میں

لکھنوتی پڑا ہوں۔ تمہارا یہ حال اب جوں ہی تیرا فیصلہ ہوا سلطنت دوسرے خاندان میں منتقل ہوجائیگی۔ ہمارا نام ونشان مٹ جائیگا۔ میرے پدر بزرگوار نے مصیبتیں اٹھاکر سلطنت کو بنایا تھا۔ اور تمکو بغیر تکلیف مل گئی۔ اس کی قدر نہیں کرتے۔ تمہارے یہ دو سال بھی میرے باپ کے رعب وانتظام کے سبب سے گذر گئے۔ ورنہ تم تو ایک دن بھی بادشاہ نہیں رہ سکتے تھے۔ افسوس تمکو اپنی ذات کی بھی خبر نہیں۔ ذرہ شیشہ میں مُنہ تو دیکھو۔ تمہارا وہ حسن یوسفی کہاں پھول سے رخسارے کملائے ہوئے ہیں۔ ارغوانی رنگ اب زعفرانی ہے خون کا نام تک نہیں رہا۔ سب عیاشی حرامکاری کی نذر ہوچکا۔ بھلا جسکو اپنی جان کی خبر نہیں۔ وہ امور جہانداری سے کیا خبر رکھ سکتا ہے مجکو شفقت پدرانہ مجبور کرتی ہے جو صاف صاف کہہ رہا ہوں۔ ورنہ اوروں کو اس قدر دلسوزی وہمدردی کی کیا ضرورت ہے۔

کثرت ازواج سے اولاد زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ مگر میرا باپ (بلبن) فرمایا کرتا تھا کہ میں بیگمات اور کنیزوں سے زیادہ اولاد پیدا کرسکتا ہوں۔ لیکن کثرت اولاد سے آخر سلطنت برباد ہوتی ہے۔ عموماً نہ تو بادشاہ بھائی انصاف کرتا ہے۔ اور نہ ماتحت بھائی پوری اطاعت کرتا ہے نتیجہ اختلاف ونفاق نکلتا ہے۔ اور بادشاہ دوسرے بھائیوں کو قتل۔ قید یا جلاوطن کرتا ہے۔ یا باہمی کشت وخون سے سلطنت دوسرے خاندان میں چلی جاتی ہے۔ اور سابقہ شاہی خاندان کی بربادی کے ساتھ ہی اعوان وانصار نمکخوار۔ تہ تیغ کئے جاتے ہیں۔ اس تمام کشت وخون کا جوابدہ وہ عیاش بادشاہ ہوتا ہے جو شہوت پرستی سے زیادہ اولاد پیدا کرتا ہے۔ دیکھو تمہاری عیاشی نے رعیت کو بھی بدچلن عیاش کردیا۔ قاعدہ ہے کہ میخوار۔ زناکار بادشاہ کے ارکین سلطنت خصوصاً اور طبقہ رعایا میں عموماً یہی عادات رزیلہ اثر کرجاتی ہیں۔ اگر بادشاہ نیک چلن پرہیزگار ہو۔ تو ماتحت بھی اتقا وورع کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ میرا باپ بلبن فرماتا تھا۔ کہ جہانداری کے لئے پانچ چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) عدل واحسان (۲) جرجنگی فوج اور خوشنودی رعایا۔ (۳) خزانہ میں کافی روپیہ (۴) خیرخواہوں وفاداروں کی پرورش اور حوصلہ افزائی (۵) ملک کے ہر ایک طبقہ رعیت بلکہ ہر ایک فرد کے حالات سے باخبر رہنا۔ لیکن تم میں ایک وصف بھی نہیں ہے۔ بھانڈ۔ نقال۔ ارباب نشاط۔ طوائف تمہارے دربار کی زینت

اور یہی لوگ تمام خزانے کے مصرف ہیں۔ تمہارے جلیس وندیم خودغرض غیر شرع ہیں۔ تمکو کب راہِ راست پر آنے دیں گے۔ مجکو صرف محبت پدری مجبور کر رہی ہے۔

میں اب ان چند نصائح پر کلام ختم کرتا ہوں۔ اور تم سے وداع ہوتا ہوں۔ (۱) اگر تمکو خدا کا خوف مخلوق کا شرم نہیں تو اپنی جان اور جوانی پر ترس کھاؤ۔ اور عیاشی کو بالکل چھوڑدو شاہدان بازاری کو نکال دو۔ خودغرض لالچی مصاحبوں کو موقوف کرو۔ کیونکہ اول جان و ننگام جہان (۲) کسی کے بہکانے پر امرائے سلطنت کو قتل وہلاک نہ کرو۔ یہی لوگ سلطنت کے بازو اور مددگار ہوتے ہیں۔ اس سے اعتبار جاتا رہتا ہے۔ اور موقعہ پر کوئی یار مددگار نہیں بنتا۔ ایسا سلوک اختیار کرو۔ کہ دشمنوں تک بھی دوست بن جائیں۔ (۳) یہ نظام الدین اور قوام الدین جو اس وقت موجود ہیں۔ ان کے ساتھ اور دو امیر شریک انتظام بناکر ایک کونسل مقرر کرو۔ اور ہر ایک کے سپرد علیحدہ علیحدہ محکمہ وزارت۔ فوج۔ دفتر۔ مال کرو۔ ہر ایک معاملہ چاروں کی صلاح ومشورہ سے کرو۔ ایک شخص کے ہاتھ میں کل انتظام سلطنت ندو۔ بلکہ ہر ایک معاملہ چاروں ممبران کونسل کے روبرو اور اتفاق رائے سے فیصلہ کیا جاوے مگر تم ہر ایک ممبر کونسل کے نیک وبد سے خبردار رہو۔ اور اپنے مدبر ومنتظم دادا کے قوانین کو ملک میں رواج دو۔ اور رعب سلطنت کو قائم رکھو۔ مگر جب تک شراب نہ چھوڑو گے۔ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکیگی۔ (۴) چوتھی نصیحت یہ ہے۔ کہ میں نے سنا ہے۔ کہ تم نماز نہیں پڑھتے۔ اور روزہ رمضان نہیں رکھتے۔ لالچی علماء کے فتوے سے ایک غلام آزاد یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلاکر روزہ کی فرضیت سے سبکدوش ہوجاتے ہو۔ یہ حریص اور بیدین علماء کا حیلہ ہے۔ یہ تو اُن لوگوں کے لئے ہے۔ جو کسی جبر وعارضہ کے سبب سے روزہ نہ رکھ سکیں۔ یا کوئی اتفاقیہ روزہ رہ جائے۔ اس طرح اس کی تلافی کا حیلہ ہوسکتا ہے۔ نہ کہ نوجوان تندرست آسودہ حال خصوصًا سلطان کے لئے جو شراب خوری بدکاری کے لئے موقعہ نکالتا ہو۔ اور عیاشی وبدکاری کے لئے قدرت وتوانائی رکھتا ہو۔ اور روزہ سے بچنے کے لئے حیلہ کو کام میں لاتا ہو۔

تمہارا دادا (بلبن) فرمایا کرتا تھا۔ کہ علماء دو قسم کے ہوتے ہیں۔ علمائے آخرت جو طمع ولالچ سے آزاد اور قول وفعل کی مطابقت میں صادق ہوتے ہیں۔

دوسری قسم علمائے دنیا کے ہیں۔ جو دیوانہ کتے کی طرح ہر طرف دوڑتے پھرتے ہیں۔

اور عموماً اہل دول کے گھروں پر پھرتے رہتے ہیں - اُن کا پیشہ مسایل دین کی تحریف و تاویل ہوتا ہے۔ عقلمند دیندار بادشاہ کا فرض ہے - کہ راستی پیشہ علماء کے کہنے پر عمل کرے اور دین فروش دنیا پرست علماء کو اپنے پاس تک بھٹکنے نہ دے - نجات اسی میں ہے - کہ شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ و السلام کا کام اُنہیں لوگوں کے حوالہ کیا جاوے - جو عامل بالشرع مقلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں - تم نے اپنے جد بزرگوار کو دیکھا ہے - کہ وہ کس قدر پابند صوم وصلوٰۃ تھے صیام وقیام میں کوئی شیخ وزاہد بھی اُن کی (بلبن) برابری نہیں کرسکتا تھا ہم دونوں میں سے اگر کوئی بھائی نماز جماعت میں کبھی شامل نہ ہوسکتا تھا - تو ایک ایک ماہ ہم سے بات تک نہ کرتے - اور ترک نماز کی سخت پرسش فرماتے جو شخص نماز نہیں پڑھتا - وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا - اور جو روزہ کھاتا ہے جوان مرتا ہے - پس میری سخت تاکید ہے کہ روزہ رمضان نہ کھاؤ - اور نماز ترک نہ کرو - اور کوئی خیر خواہ دیندار بطرز ناصح اپنے پاس رکھو جو وقتاً فوقتاً تمکو پابندی شریعت کی ہدایت کرتا رہے -

بغرا خان اس قدر کہہ کر زار زار رونے لگا - اور بیٹے کو بار بار چومنے لگا - اور بغلگیر ہوکر بوقت وداع کیقباد کے سر وچشم کو بوسہ دیتے ہوئے کان میں کہہ دیا - کہ نظام الدین وزیر کو مروا ڈالنا - ورنہ وہ تمکو زندہ نہیں چھوڑے گا - اور شعر ذیل پڑھتا ہُوا رخصت ہُوا ؎

بگذار تا بگریم چوں ابر نوبہاراں ؛ کز سنگ گریہ آید روز وداع یاراں

حاضرین بغرا خان کی یہ حالت دیکھکر زار زار روتے تھے - بغرا خان روتا چلاتا ہُوا سوار ہُوا اور منزل پر پہنچ کر کھانا نہ کھایا - اور مصاحبوں کو کہا - کہ آج میں نے بیٹے اور سلطنت دونوں کو ہمیشہ کے لئے وداع کیا ہے - کیقباد جلدی ہی مارا جائیگا - اور سلطنت ہمارے خاندان سے نکل جائیگی - بغرا خان اسی غم وغصہ سے روانہ بنگالہ ہوگیا -

باپ کی نصیحت سے روگردانی اور بربادی

کیقباد کی عیاشانہ داد ودہش کی شہرت تمام ملک میں پھیل چکی تھی - اس لئے گداغاریان نامدار ارزالان بدکار وغیرہ بازاری رنڈیوں طوائف نے دور دور سے دہلی کی طرف کوچ کیا تھا - کیقباد کے تحفہ اور پیشکش کے لئے خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں کو گانے بجانے لطیفہ گوئی بذلہ سنجی شطرنج ونردبازی - شاہ سواری - گیند وچوگان بازی نیزہ بازی وشمشیر زنی وغیرہ

فنون کی تعلیم و تربیت دیکر عیاشی کیقباد کی دل لگی اور پیوند دلبستگی کے لئے خوبصورت اور قیمتی لباس اور زیورات پہنا کر کیقباد کے راستہ میں کھڑا کرتے چند روز تو ضبط رکھا۔ مگر ؎ پند پدر نافع نشد رسوائے مادر زاد را۔ کے مطابق آخر ایک لولی بچہ شوخ و شنگ نے عین سواری کے وقت اپنے حسن واوا کے جوہر دکھا کر کیقباد کو گرفتار بند مصیبت کر لیا۔ اور جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے۔ باپ کی نصیحت کو پس پشت ڈالکر علانیہ شراب کا دور چلنے لگا۔ اور ملاہی و مناہی میں غرق ہو گیا۔

بات یہ تھی۔ کہ بقول ؎ چھٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی۔ شرابخوری اور عیاشی کیقباد کی طبیعت میں راسخ ہو گئی تھی۔ چند روزہ ترک صرف باپ کی نصیحت کے شرم وحیا سے تھی ورنہ وہ دل سے برا نہ جانتا تھا۔ کہ ایک شاہد بازاری کے ناز و کرشمہ دکھانے اور ترغیب دینے سے عیاشی پر آمادہ ہو گیا۔ جن لوگوں کو یہ مرحلہ پیش آچکا ہے یا کسی ایسے شخص کی حالت کو دیکھا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ شراب و زنا ایسی بری عادتیں ہیں۔ کہ جب تک دل پر کوئی مذہبی چوٹ نہ لگے یا کوئی اور سخت سبق آموز حادثہ پیش نہ آئے۔ یہ بری اور ذلیل عادتیں ہرگز نہیں چھوٹ سکتیں۔ کیقباد اس دفعہ ایسا از خود رفتہ ہو گیا۔ اور ان دشمنان اخلاق کے ہاتھ میں ایسا گرفتار ہوا۔ کہ تمام دن ان اعدائے دین کے ساتھ شطرنج و نرد کھیلتا اور شراب کا دور چلتا رہتا۔ تمام امور سے غافل صرف عیاشی میں منہمک رہتا دربار کیا تھا۔ اندر کا اکھاڑا تھا۔ جس میں رنڈیں۔ کھنجڑے۔ امردوں۔ بھانڈوں۔ مسخروں کا ہجوم تھا۔ اور ملک کی آمدنی انہیں لوگوں پر خرچ کرتا۔ اسی موقعہ پر زبدۃ التواریخ کے مصنف نور الحق ولد شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

مثنوی

بہر کامے و لے کامے گرفتے ÷ جہان دادے و جامے گرفتے

سپاہی رنج و مطرب گنج میبرد ÷ یکے رنج و یکے نارنج میبرد

درم افزوں ز قدر مرد میداد ÷ بمطرب گنج باد آور میداد

کیقباد کی اس قدر شیفتگی سے یہ زنا پیشہ قوم اس قدر نمودار ہو گئی۔ کہ کوچہ و بازار در و بام جدھر دیکھو یہی لوگ نظر آتے تھے۔ امیر و وزیر وضیع و شریف سب عیاشی کے دریا میں ڈوب گئے۔ بقول ضیاء برنی اس کے اثر سے عابد و زاہد بھی نہ بچ سکے میخانہ معمور اور مسجدیں

خالی رہ گئیں۔ ناوان بادشاہ نے تو خزانہ لٹا دیا۔ اوروں نے قیمتی جائیدادیں کھو دیں۔ کئی ایک خاندانی شریف زادے مفلس و نادار ہو گئے۔ جس کے سود بیاج فروخت جائیداد سے ہندو ملتانی شاہو کار مالا مال ہو گئے۔ بیسیوں امیرزادے نادار ہو کر دہلی سے لکھنوتی چلے گئے۔ سچ ہے۔ کوئی قانون اس قدر اثر نہیں کر سکتا جس قدر کہ خود بادشاہ اور افسران سرکاری کے اعمال و افعال اثر کرتے ہیں۔ رعیت کی نیک چلنی و بدچلنی کے ذمہ وار اُس ملک کے گورنمنٹ ہوتی ہے۔ جسکے ہاتھ میں رعیت کا سدھارنا اور بگاڑنا ہوتا ہے۔

کیقباد تو تین سال عیاشی میں اپنی مال وجان کھوتا رہا۔ مگر نظام الدین اور قوام الدین جو اعلیٰ درجہ کے منتظم و مدبر تھے۔ ملک کو سنبھالے رہے نظام الدین میں اگر مادہ نمک حرامی نہ ہوتا۔ اور طمع سلطنت سے اندھا نہ ہو جاتا۔ تو بے نظیر مدبر اور ثانی آصف برخیا تھا۔ مردم شماری کا جوہر اس قدر رکھتا تھا۔ کہ انسان کو دیکھتے ہی اس کی عام لیاقت اور حالت بتا دیتا تھا اور ہر ایک کو عہدہ و منصب لیاقت کے مطابق عطا کرتا۔ کیقباد کی نالائقی نے اُس کو سلطنت چھیننے پر آمادہ کیا۔ اور سچ یہ ہے۔ کہ نظام الدین کے کرتوت تو ظاہر ہو گئے معلوم نہیں کہ اس نازک وقت میں اور کس کس کو آرزوئے سلطنت پیدا ہوئی ہو گی نظام الدین کی ناکامی پر جلال الدین خلجی کھڑا ہو گیا۔

کیقباد کو باپ کی اور نصیحت تو کوئی یاد نہ رہی۔ اور سب کو شہوت پرستی کے سمندر میں بہا دیا۔ مگر نظام الدین کے دفعیہ کی تدبیر سوچتا رہا۔ آخر دہلی پہنچنے سے چند ماہ بعد ہی نظام الدین کو گورنری ملتان پر جانے کا حکم دیا۔ نظام الدین سمجھ گیا۔ کہ بغرا خان کی بات اثر کر گئی۔ اب خیر نہیں۔ ملتان کی تبدیلی سے انکار کیا۔ نظام الدین کے دشمن بہت تھے۔ اور بادشاہ کے بگاڑ کو خدا سے چاہتے تھے۔ کیقباد سے نظام الدین کی ہلاکت کی اجازت لیکر شراب میں زہر دیکر مار ڈالا۔ نظام الدین سے تو چھٹکارا ہوا۔ لیکن دہلی میں اب اور کوئی نظام الدین کے رعب داب اور لیاقت کا نہ رہا تھا۔ جو ایسے غافل وعیاش سلطان کی وزارت کا کام سنبھال سکتا۔ لائق امرا، کیقباد کی نادانی اور نظام الدین کی شرارت سے فنا ہو چکے تھے۔ اس لئے ابتری پڑ گئی۔ کیقباد جو شراب و جماع کی کثرت سے دن بدن کمزور و ضعیف زار و نزار ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ شراب کے آخری نتیجہ لقوہ و فالج میں مبتلا

ہوگیا۔ امرا اس کی زیست سے مایوس ہو گئے۔ اراکین دربار نے کیقباد کے سہ سالہ بیٹے کیومرث نامی کو شمس الدین خطاب دیکر تخت پر بٹھایا۔ اور ایک وہ ترک وزیر اور جلال الدین خلجی سپہ سالار مقرر ہوا۔

سلاطین غلام خالص ترک تھے۔ اُس عہد میں اکثر امرا و ملوک ترک برسر حکومت رہے۔ نظام الدین نے ترکوں کا زور گھٹایا۔ مگر جو چند ترک امیر باقی تھے۔ انہوں نے پھر ترکوں کی طاقت بڑھانے کا خیال کیا۔ اور غیر قوموں کے امرا کو دفع کرنے کی تجویز کی۔ قوم خلجی کا اس وقت زور تھا۔ اور اُن کا سردار جلال الدین خلجی جو عہد بلبن میں چھاونی سمانہ واقعہ پٹیالہ کا کمانڈر اور پنجاب میں اعلیٰ فوجی خدمات کر چکا تھا۔ اور اس وقت سپہ سالار تھا۔ فہرست امرائے کشتنی میں اس کا نام بھی لکھا گیا تھا اور وہ سہارنپور میں قدیم وجدید فوج کو جمع کر رہا تھا۔ غالباً اس جمع آوری فوج سے ہی ترک امیر چوکنے ہوگئے اور جلال الدین کے مارنے کا ارادہ کیا ہو گا۔ ایک امیر ترک جلال الدین کے کیمپ میں گیا تاکہ دھوکہ دیکر دہلی لائے۔ مگر جلال الدین کے ڈیرہ پر ابھی گھوڑے سے اترا ہی نہ تھا۔ کہ جلال الدین کے پرجوش بیٹوں نے اُسکو قتل کر دیا۔ اور فوراً پانسو سوار لیکر دہلی پہنچے۔ اور قصر شاہی سے شمس الدین ولد کیقباد کو اٹھا کر اپنے باپ جلال الدین کے پاس لے گئے۔ اور ساتھ ہی ملک الامرا فخر الدین کوتوال کے بیٹوں کو بھی قید کر کے لے گئے۔ ایک ترک امیر نے تعاقب کیا۔ لیکن مارا گیا۔ دہلی والوں نے کیقباد کے بیٹے کی مدد پر ہتھیار اٹھائے۔ اور شہر سے نکلے۔ مگر فخر الدین کوتوال نے اپنے قیدی بیٹوں کے خیال سے شہریوں کو واپس کر لیا۔ اور عام جوش فرو ہو گیا۔ جلال الدین کیلوگڑی میں پہنچ کر تخت نشین ہوا۔ اگرچہ ابتدا میں خلجیوں کے تسلط سے بعض لوگ ناراض تھے۔ مگر آخر سب راضی ہو گئے۔ اور کیقباد کو ایک امیر کے ہاتھ سے جسکے باپ کو کیقباد نے مروایا تھا۔ ہلاک کرا دیا۔ اس ظالم نے محل شاہی میں جا کر کیقباد کو جو دم توڑ رہا تھا چند لاتیں مار کر ہلاک کیا۔ اور کمبل میں لپیٹ کر دریائے جمنا میں بہا دیا۔ اور ترکوں کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا بیس سال کی عمر ۶۸۷ھ میں تین سال سلطنت کے بعد مرا۔

رباعی

ای دل تو دریں جہان چرا بے خبری ٭ روزانہ شباں در طلب سیم و زری

سرمایۂ عمر در جہاں یک کفن ست ؛ آن ہم بامیدے کہ بری یا نبری

تاریخ فرشتہ میں کیقباد کے واقعہ پر نظم لکھی ہے جو ناظرین کتاب کی عبرت کے لئے لکھی جاتی ہے۔

نظم

بناگاہ در قصر شاہ آمدند ؛ بخونِ پدر کینہ خواہ آمدند

بیک جامخانہ تنِ شاہِ را ؛ بہ پیچید آن قوم وحشت گرا

بکردند انگہ لگد مال زود ؛ فلک طرفہ بازی بخسرو نمود

چنیں بازی ایں گنبد نیلگون ؛ نماید دریں دیر ششدر فزوں

کشانند شہانرا بدست خساں ؛ کساں را کند عاجز ناکساں

سر تاجداران بخاک افگند ؛ تنِ سرکشاں در مغاک افگند

ازان رو دریں عالم بے وفا ؛ نہ بستند دل اہل ملکِ دلا

سر از تاج شاہی وگردن کشی ؛ کشیدند باصد رضا و خوشی

نہ امید از عالم خاک شاں ؛ نہ بیمی ز دوران افلاک شاں

جلال الدین نے ملک چھجو کشلیخان برادر زادہ بلبن کو جو حقدار سلطنت تھا۔ کڑہ (الہ آباد) جاگیر دیکر رخصت کیا۔ کیقباد کے بیٹے کو مروا کر محل کیقباد واقعہ کیلوگڑی میں تخت پر بیٹھایا۔ اور باشندگان دہلی اور امرائے سلطنت کے تالیف قلوب میں ساعی ہوا۔

خلجی قوم کی اصلیت

خلجیوں کی اصلیت قوم کی بابت مورخین کا اختلاف ہے۔ نظام الدین ہروی تو قالیج خان داماد چنگیز خان کی اولاد بتلاتا ہے جو معرکۂ سندھ اور فتح ایران کے بعد بباعث ناراضگی چنگیز خان سے علیحدہ ہوکر معہ تین ہزار خاندانوں کے علاقہ غور میں سکونت پذیر ہوا۔ اور شاہانِ غور کی فتح ہندوستان کے عہد میں وقتاً فوقتاً وارد ہندوستان ہوتی رہی۔ فرشتہ اس روایت کے ساتھ ہی ترک بن یافث کے گیارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام خلج لکھتا ہے۔ پہلی روایت درست معلوم نہیں ہوتی۔ چنگیز خان بت پرست یا بدھ تھا۔ اور اسلام کا دشمن تھا۔ اس کی تلوار کی مسلمان تاب نہیں لاسکے اس لئے ایسے جابر و قاہر اور طاقتور فاتح کشور کشا کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ کہ اپنی بیٹی کا نکاح ایک

مسلمانوں کے ساتھ کرے۔ اگر قالیچ خان مسلمان نہ تھا۔ بلکہ چنگیزی مذہب رکھتا تھا۔ اور تیس ہزار
خاندان کا سردار قوم تھا۔ تو ایسے زبردست باغی کو اس کے بیٹے خصوصاً ہلاکو خان خودمختار
حالت میں کب چھوڑ سکتا تھا۔ اور چنگیز خان کا داماد معہ تیس ہزار خاندان جس میں کم سے
کم ایک لاکھ جمعیت ہوگی۔ اس پرجوش مغلیہ عہد میں کب غور کے پہاڑوں میں بیکار بیٹھ
سکتا تھا۔ جبکہ اور سرداران مغل اطراف عالم میں تاخت و تاراج اور فتوحات سے ہاتھ
رنگ رہے تھے۔ دوئم یہ صریح غلط ہے۔ کہ قالیچ خان کی اولاد شاہان غور کی فتح ہندوستان
کیوقت ہندوستان میں داخل ہوئی چنگیز خان کا عروج سلطان محمد غوری کے انتقال
کے بعد ہوا معرکہ سندھ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوا۔ اس وقت غوریوں
کی بساط اُٹھ چکی تھی۔ سلطان جلال الدین خلجی ستر سال کی عمر میں ۶۸۷ھ کے اخیر میں
قابض سلطنت ہوا۔ اس حساب سے وہ ۶۱۷ھ میں پیدا ہوا۔ جبکہ التمش تخت دہلی پر
متمکن تھا چونکہ اس کی عمر شاہان دہلی کی ملازمت جنگی اور مغلوں کے مقابلہ میں مع اپنی
قوم خلجی کے گذری۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ التمش کی اولاد کا فوجی سردار تھا۔ اگر قالیچ خان
عہد التمش میں چنگیز خان سے جدا ہوا۔ اور غور میں جنگی مہمات چھوڑ کر غور کی پہاڑی امن گاہ
میں رہنے لگا۔ تو اس صورت میں جلال الدین یا تو قالیچ خان کا پوتا نہیں یا قالیچ خان
چنگیز خان کا داماد نہیں ہے۔

دوسری مشکل یہ ہے۔ کہ نظام الدین اور فرشتہ خلجیوں کو چنگیز خان کے داماد
قالیچ خان کی اولاد خیال کرکے چنگیز خان کے بعد علاقہ غور میں آباد ہونا لکھتے ہیں۔ گویا اس
سے پہلے افغانستان میں خلجیوں کا وجود نہ تھا۔ حالانکہ سلاطین غزنی کی فوج میں بہادران
خلجی موجود تھے۔ سلطان محمد غوری کی فوج میں سرداران خلجی کی شمولیت خود فرشتہ
تسلیم کرتا ہے۔ پھر یہ کس طرح باور کیا جائے۔ کہ قوم خلجی چنگیز خان کے ساتھ افغانستان
میں داخل ہوئی۔ اور اس قدر جلدی اسلام لا کر بلبن کے معتبر جرنیل مغلوں کے سد راہ بن گئے
جو نو مسلم مغل کیقباد کے عہد نظام الدین وزیر کے شرارت سے سب ہلاک ہو چکے تھے۔ اور
خلجیوں کو کسی نے نہ پوچھا۔ علاوہ اس کے محمد غوری کے عہد میں قوم خلجی اپنے بہادر سردار
بختیار خلجی کے ماتحت بنگالہ کو فتح کر چکی تھی اور اس کے بعد ایک خودمختار اسلامی سلطنت
کی بنیاد بنگالہ میں ڈال چکی تھی۔

ان تمام حالات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خلجی قوم گو نسل کے اعتبار سے ترک ہو نگے مگر مدت سے افغانستان کے رہنے والے اور خاندان غزنی سے پہلے افغانستان میں جنگی قوم موجود تھی۔ شاہان غزنی و غور کی فوج ظفر موج کا جزو اعظم خلجی رہے۔ سلطان محمد غوری جس کے قدردان عہد میں بہادروں کو شجاعت کے جوہر دکھانے کا زیادہ موقعہ ملا۔ بہادران خلجی کا نام مشہور ہوا۔ دہلی کے سلاطین غلام کے عہد میں اگرچہ امرائے ترک کا زیادہ زور تھا۔ مگر دوسرے درجہ پر قوم خلجی تھی۔ یہی باعث ہے۔ کہ ترکوں کا زور گھٹتے ہی خلجی سلطنت پر قابض ہو گئے مورخین کو لفظ قالیج نے دھوکہ دیا ہے جس سے قلیج اور خلیج نکلا ہوا خیال کرتے ہیں۔ ورنہ جلال الدین اس قالیج خان کا پوتا نہیں ہوسکتا جو چنگیز خان کا داماد تھا۔ جلال الدین اور دیگر خوانین خلجیوں کو اُن خلجیوں کی اولاد کہنا چاہیئے۔ جو علاقہ غور وغیرہ حصص افغانستان میں رہتے تھے۔ اور سلطان معز الدین محمد غوری رحمتہ اللہ علیہ کی فتوحات ہند میں شامل رہے۔ نہ وہ خالص ترک تھے نہ افغان۔ بلکہ ایک تیسری قوم تھی۔ جو افغانستان کے مغربی حصے میں بکثرت آباد تھی۔ اور ان کا میل جول افغانوں سے زیادہ رہا۔ بلبن کے عہد میں مغلوں نے زیادہ پُرجوش حملے شروع کئے۔ اس لئے جنگی قوموں اور بہادر سرداروں کی سخت ضرورت تھی۔ سمانہ واقعہ پنجاب کی چھاونی کا نائب سپہ سالار جلال الدین خلجی تھا۔ جو بہادران خلجیہ کے ساتھ حملہ آور مغلوں کے مُنہ توڑ مقابلے کرتا رہا۔ جلال الدین اور اُس کا بھائی شہاب الدین والد علاء الدین کامل جہادی مذاق رکھتے تھے۔ کیقباد کی بیماری اور اس کے بیٹے کی برائے نام تخت نشینی کے وقت سپہ سالار ہو گیا۔ اور ترکوں کی کمزوری اور خلجیوں کی کثرت اور فوجی طاقت کے بھروسہ پر سلطنت کا خیال دامنگیر ہوا۔ سہارنپور یا بہادرپور میں سابقہ فوج کے علاوہ جدید فوج بھرتی کرنے لگا۔ اگر جلال الدین کو طمع سلطنت نہ تھا۔ تو اس فوجی طاقت کے بڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک دو ترک امیروں کو جو کچھ طاقت رکھتے تھے مارکر اور فخرالدین کوتوال کے بیٹوں کو قید کرنے سے سب راستے صاف کر لئے۔ کیقباد کے بیٹے شمس الدین کو قابو کر لیا۔ تاکہ کوئی اور امیر اس برائے نام بادشاہ کے ذریعہ پاؤں نہ جما سکے اور کیلو گھڑی پہنچکر کیقباد کو صریحاً مروا دیا۔ اور اُس کے بیٹے کو خفیتہً ہلاک کرا کے یہ سب کانٹے نکال کر تخت پر جلوس کیا۔ گو ابتدا میں ترکوں کی جگہ خلجیوں کی حکومت لوگوں کو شاق گذری۔

آخر امید و بیم و بذل و عطا سے سب خوش ہو گئے جلال الدین نے تالیف قلوب میں اس قدر مبالغہ کیا۔کہ باوجود دعویٰ دینداری و پرہیزگاری رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرتا۔شراب کا دور چلتا۔خود پیتا اور پلاتا۔اس سے پایا جاتا ہے۔کہ وہ پکا مسلمان نہیں تھا۔خواہ کس قدر نقصان اٹھانا پڑے۔سچا مسلمان کبھی شراب نہیں پی سکتا۔یہ فعل حقیقی پرہیزگاری کے خلاف ہے جلال الدین ملکی مصلحت میں دبا ہوا تھا۔کیقباد کی سہ سالہ حکومت میں میخواری اور عیاشی کے جلسوں کا ہی زور رہا۔اور وزرا بلکہ زاہدوں تک عیاشی پر اتر آئے تھے۔خلجی ترکوں کے نمکخوار ملازم تھے۔عموماً اس انقلاب کو پسند نہیں کیا گیا تھا۔جلال الدین ہردلعزیز بننے کے لئے شراب پیتا پلاتا رہا۔مجالس عیش و عشرت کو جاری رکھا۔یہ اخلاقی جُرم جلال الدین کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔جو اس کے دیگر واقعات سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔

جلال الدین کا بھرے دربار میں تخت نشینی کیوقت اپنی سابقہ حالت ملازمت کو یاد کرنا اور محلے رابلبن کے قریب جاکر گھوڑے سے تعظیماً اترنا۔اور ایک امیر کے اعتراض کے جواب میں بلبن کی شان وشوکت عظمت و رعب اعوان و انصار کی کثرت اور اخیر میں اس کے خاندان کی اس قدر جلد بربادی اور دنیا کی بے ثباتی و زوال کے بارہ میں جلال الدین نے جو تقریر کی ہے۔اور جسکو ضیا برنی نے تاریخ فیروزشاہی میں مفصل لکھا ہے۔اس سے ضرور جلال الدین کی نیک ذاتی اور شریفانہ فطرت ثابت ہوتی ہے۔لیکن کیقباد اور اس کے خوردسال بیگناہ بیٹے کی ہلاکت پر نوٹس نہ لینا جلال الدین کی تمام دینداری پر پانی پھیر دیتا ہے۔گو طمع سلطنت بُری بلا ہے۔اور مدعیان حکومت سے ایسی حرکات ہوتی رہی ہیں۔لیکن جس شخص کا یہ قول ہو۔کہ میں مسلمانی میں پیدا ہوا ہوں سوائے کفار مغل کے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا۔اور واقعی اپنے عہد حکومت میں چیونٹی تک کو بھی نہ ستایا ہو۔اور ہمیشہ خوف قیامت سے جملہ مظالم سے دست کش رہا ہو۔اس کے اشارے سے ایسے خون کے واقعات حیرت بخش ہیں۔

ملک چھجو کی بغاوت

جلال الدین نے اپنے بھائی بیٹوں بھتیجوں کو بڑے بڑے عہدہ دیئے۔دیگر امرائے بلبنی کو حسب مدارج انعام جاگیر سے خوش کیا۔ملک چھجو کشلیخان جو بلبن کا بھتیجا اور اس عہد

میں جود و سخا اور شجاعت میں شہرہ آفاق تھا چند نمکخواران بلبن اور ہندوروُ سا، اودھ کے ورغلانے سے باغی ہو گیا۔ اور اپنا سکّہ و خطبہ جاری کیا۔ مگر مقابلہ کیوقت جلال الدین کے دوسرے فرزند اسکلیخان نے جب تلوار نکالی۔ تو ہندو فوج بھاگ نکلی۔ اور ملک چھجو کی شکست کا باعث ہوئی۔ ملک چھجو معہ رفقا قید ہوا۔ قیدی امرا کو دست و پا بستہ دیکھکر جلال الدین کا دل پھر آیا۔ اور سب کو نہلا دُھلا اور لباس فاخرہ پہناکر دربار میں بلایا۔ اور قصور معاف کیا۔ ملک چھجو کو ملتان میں بطور اسیر سلطانی رکھا۔ اور جملہ سامان عشرت مہیا کر دیا۔ اور یہی سلوک عام مجرمان رعایا سے کرتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ لوگ نڈر ہو گئے۔ چوری ڈاکہ کی واردات بڑھ گئی۔ جلال الدین کو امرائے خلیج ناقابل سلطنت کہنے لگے۔ غالبًا اسی وقت سے علاء الدین کو آرزوے سلطنت پیدا ہوئی ہوگی۔

علاء الدین کے باغیانہ خیالات اور فتح دیوگڈھ ( )

علاء الدین اور الماس بیگ پسران شہاب الدین سے جلال الدین کی بیٹیاں بیاہی گئی تھیں۔ علاؤ الدین کی بیوی نہایت خوبصورت تھی۔ غرور حُسن اور باپ کی شاہی پر مغرور تھی۔ وہ اور اُس کی ماں ترکان جہان جس کا جلال الدین پر بہت کچھ اختیار تھا۔ علاء الدین کو بہت دق کرتی تھی۔ بیوی اور ساس کے ہاتھ سے تنگ آکر وہ دہلی سے دور رہنا۔ اور اپنے منصوبوں کو کامیاب بنانے کی تدبیر سوچتا تھا۔ کہ ملک چھجو کی جگہ سادہ لوح جلال الدین نے اپنے پروردہ برادر زادہ اور داماد علاؤ الدین کو کڑہ (الہ آباد) کی حکومت عطا کی جلال الدین کا خیال تھا۔ کہ اودھ سے بغاوت کے بقیہ مادہ کو علاء الدین دور کریگا۔ مگر تدبیر کنندہ تقدیر کنندہ کے راز سے ناواقف تھا۔ اسکو کیا معلوم تھا۔ کہ جسکو خیر خواہ حقیقی قابل اعتبار جانکر بغاوت دبانے کے لئے روانہ کرتا ہوں۔ یہی خود میری جان لیگا۔

علاء الدین دربار سے دوری خدا سے چاہتا تھا۔ کڑہ پہنچکر پر پرزے لگانے لگا۔ ملک چھجو کے ہمراہی ہندو مسلمان علاء الدین کے رفیق ہو گئے۔ اور کہا کہ ملک چھجو کے پاس روپیہ ہوتا۔ تو ضرور تخت چھین لیتا۔ کڑہ میں فوج کی کمی نہیں۔ علاء الدین کی نیت بگڑی ہوئی تھی۔ کسی دولت مند علاقہ کی تلاش کرنے لگا۔ تاکہ وہاں کی غنیمت سے طاقت بہم پہنچا سکے۔ یا کم سے کم بیوی اور ساس کی اذیت سے نجات پاکر کہیں دور دراز ملک میں

نشیمن بنا سکے۔ آیندہ روز مدہ سے دکن کے حالات دریافت کرنے لگا۔ پتہ لگا۔ کہ دیوگڑھ کا راجہ نہایت دولت مند ہے۔ وہ جمع آوری فوج اور سامان جنگ میں چپکے چپکے مصروف ہو گیا۔

جلال الدین کی غفلت اور علاؤالدین کی چالاکی

جلال الدین تو ملک پھجو کے دافعہ کے بعد مطمئن ہو گیا۔ کہ اب کوئی مدعی سلطنت نہیں رہا۔ ملک اس کے بیٹوں بھتیجوں اور دیگر خوانین خلجیہ اور خیر خواہوں میں تقسیم ہے۔ سیاست سلطانی کو مطلق چھوڑ دیا۔ چور ڈاکو اس کے سامنے آتے۔ تو صرف پند و نصیحت کر کے چھوڑ دیتا۔ ہزار ٹھگ گرفتار ہو کر آئے۔ تو ان کو بغیر سزا بنگالہ کی طرف نکالدیا۔ انسان کو قید اور مصیبت زدہ دیکھکر اس کا دل بھر آتا۔ چیونٹی تک کو ستانا پسند نہ کرتا۔ امرا اور حریف مجلس اس قدر شوخ و گستاخ ہو گئے۔ کہ بادشاہ کو رو در رو سرزنش اور ملامت کرتے۔ اور حلیم بردبار سلطان درگذر کر جاتا۔ جلال الدین کے قتل کے مشورہ کئے جاتے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک امیر کے ہاں مجلس شراب میں ایک دو نے یہاں تک کہہ دیا۔ کہ ہم سلطان کا سر تلوار سے اڑا دیں گے۔ اہل مجلس میں سے کسی نے سلطان کو خبر کر دی۔ سب حاضرین مجلس پکڑے آئے۔ جلال الدین نے جس کو اپنی شجاعت پر کمال غرور تھا۔ تلوار میان سے کھولکر مفسدین کے سامنے رکھدی۔ اور کہا کہ تم جو میرے مارنے کا مشورہ کرتے ہو۔ یہ لو تلوار پڑی ہے۔ میں تنہا ہوں جو چاہے مقابل آئے۔ اور ہاتھ دکھائے۔ تم رنڈی باز۔ شراب خور۔ شاہد باز ہو مستی میں بکواس کرنا تو آسان ہے لیکن مردوں کے سامنے آنا تم جیسے نامردوں سے کب ہو سکتا ہے مفسدین شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے۔ آخر اس ایک امیر نے جس نے بحالت مستی جلال الدین کا سر کاٹنے کا دعوے کیا تھا۔ عاجزانہ گفتگو سے سلطان کا غصہ فرو کیا۔ اور متحمل سلطان نے سب کا قصور معاف کیا۔ اور اپنے ہاتھ سے اس مفسد امیر کو پیالہ شراب دیا۔ اور باقی مفسدین کو شریک محفل شراب کیا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ بڑھاپے نے جلال الدین کے سامنے موت کا نقشہ کھینچ دیا تھا۔ اور عذاب عقبیٰ سے ڈر کر قتل و مردم آزاری سے پہلو بچاتا تھا۔ اور طبعاً بھی قتل انسان سے نفور تھا۔ گو جہادی لڑائیوں

میں بہ تعمیل فاقتلواھم حیث ثقفتموھم "پچاس سال تک ہزارہا مغلوں کی گردنیں اڑاتا رہا۔

سید مولا کا واقعہ

سید مولا کا واقعہ نہایت عبرت ناک ہے۔ دنیا داروں اور درویشوں دونوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے۔ سلطنت کو درویشوں پر پولٹیکل تہمتیں لگانے اور بدگمانی پیدا کرنے سے پرہیز مناسب ہے۔ اور درویشوں کو بھی اداب سلطنت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن امور سے محتاط و محترز رہنا چاہیئے۔ کہ جس سے گورنمنٹ کو پولیٹیکل بدگمانی پیدا ہونے کا موقعہ مل سکے۔ اور یہ اصول ہر ایک زمانہ میں دونوں گروہوں کے لئے کار آمد ہیں۔

سید مولا جُرجانی الاصل تھا۔ مغرب میں تعلیم پائی۔ اور جرجان واپس آکر ہندوستان کا سفر کیا۔ جہاں اس وقت کام کرنے والے اشخاص کے لئے میدان وسیع تھا۔ اور ہر ایک لیاقت والے اور اہل کمال کیلئے ہندوستان میں کمال قدر ہوتی تھی۔ اجودھن (پاکپٹن) پہنچکر قطب عالم شیخ المشایخ حضرت فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی۔ اور بقول ضیار برنی تین چار روز وہاں ٹھیر کر روانہ دہلی ہوا حضرت قطب عالم نے بنور عرفان فرمایا۔ کہ تم دہلی جاتے ہو لوگوں کی آمد و رفت اور اظہار نام و نمود پسند کرتے ہو۔ تم خود اپنا نفع و نقصان سوچ سکتے ہو۔ لیکن امرا و ملوک کی آمد و رفت سے پرہیز کرنا۔ ورنہ اندیشہ ہلاکت ہے حضرت قطب عالم گنج شکر رضی اللہ عنہ نے گویا آنیوالی مشکلات کو جتلا دیا سید مولا بلبن کے عہد میں دہلی پہنچا۔ لنگر جاری کرایا۔ بہت بڑی عالیشان خانقاہ بنوائی۔ مسافرین۔ غربا۔ مساکین کو دو وقت کھانا ملتا تھا۔ اور حسب ضرورت نقدی سے بھی مدد کرتا۔ نہ کسی سے مانگتا۔ اور نہ کسی سے نذر و فتوح لیتا۔ ترک جماعت وجمعہ کے سوا پابند صوم وصلوٰۃ زاہد و مرتاض تھا۔ اس کے لنگر میں روزمرہ ایک ہزار من میدہ۔ پانچسو من گوشت۔ تین سو من کھانڈ۔ دوسو من مصری اور اسی اندازہ سے دیگر اشیا خوردنی خرچ ہوتی تھیں۔ اور طرحطرح کے عمدہ کھانے دسترخوان

پر پوچھے جاتے ۔ جو امراء کے دستر خوان پر کم کم دیکھے جاتے ۔ باوجود اس کے سید مولا خود چاول کی روٹی یا سوکھی روٹی کھاتا ۔ صرف ایک چادر پہنتا ۔ کوئی لونڈی غلام خدمت گار نہ رکھتا ۔ لذات شہوانی سے دور رہتا ۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا ۔ نذر تحفہ انعام جاگیر وغیرہ کوئی ذریعہ آمدنی نہ رکھتا ۔ حاجت مندوں کو پانچ پانچ ہزار تنک نقد روپیہ دیتا ۔ جب کوئی مانگتا تو یہ کہدیتا ۔ کہ فلاں بوریا کے نیچے سے زرمطلوبہ اٹھالو ۔ جو بالکل مسکوکہ جدید ہوتا ۔ لوگ اس کو کیمیا جانتے یا دست غیب کا عامل مانتے ان تمام واقعات کو بہ تفصیل ضیاء برنی نے لکھا ہے ۔ جس نے بچشم خود سید مولا کی رونق کو دیکھا ۔ مگر کسی مورخ نے ان واقعات کی فلاسفی بیان نہیں کی ۔ مجکو بھی کرامت اولیاء سے انکار نہیں ۔ مشہور قول ہے آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ۔ انہیں بندگان دین کی شان میں کہا گیا ہے ۔ لیکن بحث یہ ہے کہ اگر سید مولا عموماً ایسا کرتا تھا ۔ اور بوریا کے نیچے سے کئی کئی ہزار روپیہ نکالکر دیتا تھا ۔ تو اس کو کرامت اولیاء کے ساتھ کہاں تک تعلق ہے ۔ ہم نے جہاں تک حالات اولیاء اللہ پڑھے ہیں ۔ ایسی کرامات کا ظہور شاذ و نادر ہی ہوا ہے ۔ اور وہ بھی اضطراری طور سے نہ کہ استقراری اور دوامی طرز سے بلکہ انکا تو کبھی برپشت پائے خود نہ بینم ۔ کا زرین مقولہ تھا ۔ اگر سید مولا سے کبھی کوئی ایسا واقعہ ہوا ہو تو تعجب نہیں ۔ کرامت ہوسکتی ہے ۔ اگر تمام محتاجوں کو جن کی تعداد کا انداز مشکل ہے ۔ نقدی حسب ضرورت دیتا تھا ۔ تو ہرگز کرامت نہیں ۔ بلکہ کوئی چالاکی تھی ۔ اور حضرت قبلۂ عالم گنج شکر رضی اللہ عنہ کا اس دوکانداری سے اشارتاً منع فرمانا ہماری رائے کی تائید کرتا ہے ۔ اور آخیر کو بروائیت ضیاء برنی حصول سلطنت کے لئے منصوبے باندھنے سید مولا کی درویشی پر بٹہ لگاتے ہیں ۔ اور کہنا پڑتا ہے ۔ کہ مغربی سیاحت و تعلیم نے جہاں عبید اللہ بانی خاندان بنی فاطمیہ مہدی بانی خاندان موحدین مراکو حسن بن صباح ۔ جیسے لوگ زبردست سلطنتوں کی بنیاد ڈال چکے تھے ۔ سید مولا کو بھی اسی پیمانہ پر کام کرنے کا خیال پیدا ہوا ہوگا زہد و ریاضت اور مذہبی ادعا کے بغیر ایشائی قوموں خصوصاً اہل اسلام میں کامیابی مشکل ہے ۔ اس لئے سیدی مولا کی زہد و ورع عوام کی کشش کے لئے ضروری تھی

لنگر کا اجرا عموماً مشائخ کبار کا دستور ہے۔ مگر درویشوں کا لنگر تو سے طریقت بجز خدمت خلق نیست کا نمونہ ہوتا ہے۔ نہ کہ حصول سلطنت کے لئے۔ راقم گو درویش دوست اور کرامت اولیا کا دل سے ماننے والا ہے۔ لیکن مورخانہ رائے اور شے ہے۔ سید مولا کے واقعات اُس کو متلاشی سلطنت ظاہر کرتے ہیں۔ جلال الدین کی بربادی اگر سید مولا کے خون کے انتقام میں تسلیم کیجائے۔ تو ولی کے سوائے ہر ایک شخص کے خون کی سزا منتقم حقیقی کی بارگاہ سے یہی ہو سکتی تھی۔ مقتول مظلوم خواہ کتنا ہی گمنام اور بدین کیوں نہ ہو۔ عہد بلبن میں چونکہ رعب سلطانی اور انتظام سلطنت کمال درجہ کا تھا۔ اس لئے سید مولا کا دربار پھیکا رہا۔ مگر کیقباد کے عہد میں جبکہ عیش و عشرت نے سلطنت اور رعیت دونوں کا دیوالہ نکال دیا تھا سید مولا کو عروج ہوا۔ اور جلال الدین کے عہد میں جبکہ امیر الامرا فخر الدین کوتوال نوے سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اور اُس کا خاندان بگڑ گیا۔ تو بارہ ہزار قرآن خوان جو روزمرہ ختم قرآن کرتے تھے محتاج ہو گئے۔ اور بلبنی عہد کے اکثر امرا، اور ملوک زادے بیکار تنگدست بن گئے۔ تو ان تمام محتاجوں بیکاروں کی شکم پُری کے لئے صرف سید مولا کی خانقاہ ہی تھی۔ ہجوم خلائق بڑھ گئی۔ ارا کین سلطنت کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جلال الدین کا بڑا بیٹا ولیعہد خانخاناں معتقد ہو گیا۔ اور سید مولا اُس کو فرزند ارجمند کہنے لگا۔ قاضی جلال الدین کاشانی سے ربط ضبط بڑھ گیا۔ خلوتیں ہونے لگیں۔ بقول مورخین قاضی مذکور نے سید مولا کے دل میں ڈال دیا۔ کہ آل رسول کی موجودگی میں اور کوئی شخص مستحق سلطنت نہیں ہو سکتا۔ غیر شرع امور کے مٹانے اور کلمۃ الحق کی تائید کے لئے آپ کو بادشاہ بننا چاہیئے۔ سید مولا اس دہوکہ میں آ گیا۔ لیکن اگر سید مولا حقیقی خدا دوست ہوتا۔ تو کبھی فتنہ انگیز قاضی کی باتوں میں نہ آتا۔ یا شروع ہی میں گنج شکر رضی اللہ عنہ کے عارفانہ اشارے پر عمل کرتا۔ مگر قاضی کی صلاح و مشورہ پر چلنے اور بروایت ضیا برنی دس ہزار کس سے خفیتہً بیعت سلطنت لینے اور برنجی کوتوال اور ہتیا پایک ہند و پہلوان کو جمعہ کے دن سلطان جلال الدین کے قتل پر آمادہ کرنے اور بیکار مریدوں میں عہدہائے سلطنت بانٹنے اور شریر قاضی کو شیخ الاسلام کا عہدہ اور ملتان کی خیالی جاگیر دینے سے سید مولا کی ولائیت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ خیر ہم تو

گنہگار نادان انسان ہیں۔ سات سو سال گذر چکے ہیں۔ اصلیت کو خدا جانتا ہے۔ اور وہی منتقم حقیقی ہے۔

سیّد مولا کا قتل

جس مجلس میں پرنجی کوتوال اور ہتیا پایک نے قتل سلطان پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ اُس مجلس سے ایک شخص نے سلطان کو سب حال سنا دیا۔ سلطان نے سب کو بلایا۔ اور مُخبر کا بیان سنایا۔ تمام ملزموں نے انکار کیا۔ سلطان نے سچ جھوٹ کی تمیز کے لئے شہر کے باہر بہت بڑی آگ جلائی۔ اور امرا، علما مُجرمین کو لیکر وہاں گیا۔ اور مُجرم آگ میں کودنے کو تیار تھے۔ اور یہ جرأت یا تو اپنی صداقت کے بھروسہ پر تھی۔ یا محض خودکشی کے لئے۔ تاکہ قتل وغیرہ دیگر سزاؤں کی تکلیف سے نجات پائیں۔ مگر جبکہ سلطان نے علماء سے فتویٰ پوچھا۔ تو اُن خدا پرست دینداروں نے صاف صاف کہدیا کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے سچا ہو یا جھوٹا سب کو جلا دیتی ہے۔ گو واقعہ صرف ایک ہے۔ اور ایک شہادت اثبات جُرم کے لئے کافی نہیں ہے۔ قانون شریعت میں آگ کے ذریعہ سچ جھوٹ کی امتیاز جایز نہیں ہے۔ جلال الدین نے ارادہ بدل دیا۔ اور قاضی کاشانی کو بداؤں کا قاضی بنا کر دہلی سے نکالدیا۔ اور باقی امیرزادوں کو بھی جلاوطن کردیا

سید مولا کی بابت شیخ ابوبکر طوسی حیدری کو جو پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہا۔ اور جس کے مرید حیدری (قلندر) جلال الدین کے ممنون احسان تھے۔ کہ اس شخص (سید مولا) نے کس قدر میرے برخلاف منصوبہ کیا ہے تم ہی انصاف کرو۔ یہ سنکر بحری نام ایک قلندر نے جھٹ سید مولا کو اُسترے سے زخمی کرنا شروع کیا۔ شدت درد و اذیت سے سید مولا نے کہا۔ کہ میں مرنے سے نہیں گھبراتا۔ مگر بیجا تکلیف ندو۔ جلد ماردو۔ جلال الدین کے تندمزاج بیٹے ارکلیخان نے مست ہاتھی کو سید مولا پر چھوڑنے کا حکمدیا۔ اور ہاتھی نے سید مولا کو پاؤں تلے روند کر ہلاک کردیا۔

ضیا برنی اپنا چشمدید واقعہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس وقت سخت سیاہ اندھیری آئی تھی۔ گو یہ امر اتفاقیہ ہو۔ لیکن جب شریعت نے سزا کے لئے کافی شہادت نہیں پائی تھی۔ اُس کو قید رکھ سکتا تھا۔ اگر اُس کی زیست سے اندیشہ فساد تھا۔ تو فوراً قتل کردیتا۔

بے رحم قلندر سے وحشیانہ سزا نہ دلواتا۔ اور سفاک بیٹے کے ظالمانہ سزا کو پسند نہ کرتا۔
اگر سید مولا نے بغاوت کا جرم کیا تھا۔ تو سلطان نے بھی رحم و انصاف سے کام نہ لیا جس میں
کہ وہ مشہور تھا پس یہ تیسرا الزام ہے۔ جو جلال الدین کی رحیمانہ شہرت اور پابندی
شریعت کے خلاف ہے۔ بلبن کا بڑا بیٹا خانخانان اس واقعہ سے پہلے مرچکا تھا۔
مورخین سید مولا کے واقعہ کو زوال جلال الدین کی وجہ لکھتے ہیں۔ ضرور سید مولا کا جرم
شرعًا اور قانونًا ثابت نہیں ہؤا۔ اور سفاکانہ طور سے مارا گیا۔ اور ایسے مظالم کا صریح نتیجہ
بربادی و زوال ہوتا ہے۔ لیکن بربادی کی اصلی وجہ خاندان بلبن کی بربادی تھی جس کا اس نے
برسوں نمک کھایا تھا۔

رنتھور پر ناکام حملہ

۶۹۱ھ / ۱۲۹۰ء میں جلال الدین نے رنتھور پر چڑھائی کی چونکہ بڑا بیٹا مرچکا تھا۔ اس لئے دوسرے
بیٹے ارکلیخان کو دہلی میں نائب چھوڑ کر خود مالوہ کو روانہ ہؤا۔ وجہ یہ تھی۔ کہ راجپوتوں نے
کیقباد کی غفلت کے سبب سے بغاوت اختیار کی تھی۔ جلال الدین نے جھابن کو توجاتے
ہی فتح کرلیا۔ اور باغیان مالوہ کو سزا دیکر قلعہ رنتھور کا محاصرہ کرلیا۔ مگر اپنی کمزوری طبیعت
کے باعث جو بڑھاپے کے سبب سے عارض ہوچکی تھی۔ یہ کہہ کر کہ میں محاصرہ قلعہ میں
مسلمانوں کو مروانا نہیں چاہتا۔ محاصرہ اٹھالیا۔ ملک احمد چپ نے جو وزیر اور سلطان کا
بھانجا اور اصابت رائے میں آصف ثانی تھا۔ ہرچند کہا۔ کہ بلاحصول فتح محاصرہ کے اٹھانے
سے مخالفین کے حوصلہ بڑھ جائینگے۔ اور انتظام بگڑ جائیگا مگر سلطان بار بار یہی کہتا رہا کہ میں چند
روزہ سلطنت کے لئے اس قدر مخلوق خدا کو گھایل نہیں کراسکتا۔ اور نہ اس قدر گناہوں کا
بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں۔ تم مجکو فرعون بنانا چاہتے ہو۔ جو مجکو پسند نہیں ہے۔
اس پر بحث کرنی فضول ہے۔ دنیا میں دونوں قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ بہرحال مردم
آزاری اور ہلاکت بنی آدم کے ذریعہ توسیع سلطنت اچھی نہیں ہوتی۔ بقول ؎

برد کی کہ ملک سراسر زمین ؎ نیرزد کہ خونے چکد بر زمین

مگر شاہان کشورکشا کے لئے کوئی جرم نہیں۔ بلکہ باغیوں کی سرکوبی میں ایسے خیالات کا مدنظر
رکھنا گورنمنٹ کے لئے عیب ہے۔ اُس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کا بچہ بچہ جوش بہادرانہ

اور فاتحانہ امنگوں سے مست ہو رہا تھا۔ اور شجاعت و تہور کے جوہر دکھانے کے لئے نئے نئے میدان ڈھونڈتا تھا۔ جلال الدین جیسے شخص کا بادشاہ دہلی ہونا ہرگز موزوں نہ تھا اور یہی وجہ تھی۔ کہ قوم نے اپنی ضرورت زمانہ کے مطابق اپنا اور لیڈر چن لیا علاء الدین نے دہوکہ سے جلال الدین کو قتل کیا۔ اور محسن کش بنا۔ مگر علاء الدین اگر ایسا نہ کرتا۔ تو زمانہ نے کسی اور اولوالعزم کو جلال الدین جیسے نرم دل کی علیحدگی پر مجبور کرنا تھا۔ اس وقت کے شمشیر زن جوشیلے مسلمانوں کے لئے..... انقلاب ضروری تھا۔

سلطان محمود غزنوی کی نسبت جلال الدین کی رائے

ملک احمد چپ نے اپنی تقریر میں سلطان محمود غزنوی اور سلطان سنجر ترکمان کی عزم جہانگیری کا حوالہ دیا تھا جسکو راستباز سلطان نے یہ جواب دیا۔ کہ نادان تو وزارت دہلی پر مغرور ہو رہا ہے۔ اور شاہ دہلی اور سلطان محمود کی شوکت و طاقت میں تمیز نہیں کر سکا۔ سلطان کی اسلامی خدمات اور قومی جذبات بہادران محمودی کی جانبازی اعازیانہ ہمت کی مثال کہاں مل سکتی ہے اس دین پناہ سلطان کی حمیت دین اس قدر تھی۔ کہ باوجود اس قدر وسیع سلطنت کے کوئی ملحد و زندیق اس کی قلمرو میں نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے بت پرستی کی جڑ کاٹ دی تھی۔ اور اسلام کی اشاعت کے راستہ صاف کر دیئے تھے مجکو اس حامی شریعت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ جسکے عہد میں کفر و الحاد کا زور ہے۔ اور ہم بے غیرت مسلمان کچھ نہیں کر سکتے۔ سلطان محمود دین پناہ مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ سلطان سنجر کی طاقت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ علاء الدین جہاں سوز جیسے جابر و قاہر کو بہادران سنجری پابجولاں دربار سنجری میں پکڑ لائے۔ بھلا آج امرائے دہلی میں اس لیاقت کا کون نظر آتا ہے؟

مغلوں کا حملہ

عبداللہ خان نبیرہ ہلاکو خان سنہ ۶۹۱ھ یا سنہ ۶۹۲ھ میں ایک لاکھ پنجاہ ہزار سوار جرار لیکر ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ جلال الدین جس کی عمر مغلوں کے مقابلہ میں ہی گذری تھی۔ شیر ببر کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ اور نہائیت شان و شوکت سے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ دریائے بیاس پر دونوں

فوجیں وار پار پڑی رہیں۔ چند روز تک فوج طرفین میں خفیف خفیف لڑائیاں ہوتی رہیں اور ہندوستانی فوج کا پلہ بھاری رہا۔ آخر شاہ دہلی کی فوج مقدمہ نے دریا کو عبور کیا۔ اور فریقین میں خونخوار معرکہ ہوا۔ جس میں مغلوں کو شکست ہوئی۔ اور ان کے ایک دو امیر گرفتار ہو گئے اور پھر دونوں میں صلح ہوگئی۔ جلال الدین باپ اور عبداللہ بیٹا بنا تحفہ تحایف بھیجے گئے۔ دونوں لشکروں میں خرید و فروخت شروع ہوگئی۔

وجہ صلح مغلوں میں اشاعت اسلام تھی

مورخین نے وجہ صلح نہیں لکھی۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گو مغل ایک صدی سے بہادران ہندوستان سے شکستیں کھاتے رہے۔ لیکن ابھی ان کی زبردست طاقت ایشیا کے اکثر ممالک میں موجود تھی۔ ان کو شاہ دہلی سے رابطہ اتحاد پیدا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بہادران ہندوستان کی شمشیر بران بھی اگرچہ کچھ ہیبت ناک نہ تھی۔ لیکن اصلی وجہ اسلام تھا۔ جو اسقت مغلوں میں پھیل رہا تھا جس کی بحث ہم تذکرہ بہادران اسلام میں لکھ چکے ہیں۔ وہ عبداللہ افسر فوج مسلمان تھا۔ مغلوں کے دربار میں کئی مسلمان بحیثیت ملازمت واستادی اشاعت اسلام کی خدمت کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے عبداللہ کو اہل اسلام کی باہمی کشت وخون کے مذہبی او قومی نقصان جتلائے ہونگے۔ عبداللہ تو واپس چلا گیا۔ لیکن الغو خان نبیرہ چنگیز خان معہ کئی ایک امرائے مغلی جو ہزارہ (ایک ہزار) سوار کے افسر اور صدہ (ایک سو سوار کے افسر) تھے۔ جلال الدین کے پاس چلے آئے۔ اور کئی ہزار مغلیں سمیت مسلمان ہوا سلطان نے اپنی بیٹی کا نکاح الغو خان سے کر دیا۔ اور ان مغلوں کا علیحدہ محلہ مغلپورہ آباد کیا گیا۔ اور سب کو وظیفہ ملتا رہا۔ اور کئی مغل جن کو آب وہوا موافق نہ آئی۔ واپس چلے گئے۔ باقی امرائے ہندوستان سے خلط ملط ہو گئے جو لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ وہ انصاف کریں۔ کہ یہ نو مسلم مغل کس کی تلوار سے اسلام لائے۔ ہمیشہ ہندوستان پر حملات کرتے رہے۔ اور پنجاب کو بے سپر کرتے رہے۔ لاکھوں کی تعداد میں مغل شمشیر زن موجود تھے۔ پس ان مغلوں کا دہلی آنا اور مسلمان ہونا اسلام کی حقیقی روشنی کا نتیجہ تھا جس نے اس سے پہلے شاہان مغل تک کو گرویدہ اسلام کر لیا تھا۔ اور مغلوں میں اسلام پھیل رہا تھا۔ جلال الدین کی مذہبی عظمت اور ہندوستان

کے مسلمانوں کے میل ملاپ نے ان مغلوں کا دل اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ ورنہ ایسے بہادروں کو اور کوئی خوف نہ تھا۔ الغوخان ایک شہزادہ مغل تھا۔ چونکہ اس کے خاندان میں اسلام اثر کر چکا تھا۔ اس لئے مسلمان ہوا۔

علاءالدین کے منصوبے

علاءالدین میں وہ جملہ صفات موجود تھیں۔ جو شاہان کشورکشا میں ہوا کرتی ہیں۔ جلال الدین بڑھاپے کے سبب سے جس قدر دنیا کی طرف سے سرد دل تھا۔ علاءالدین کی امنگیں اسی قدر زوروں پر تھیں۔ کڑہ (الہ آباد) کا جاگیردار تھا۔ بھلسہ کو فتح کیا۔ مال غنیمت اور بت کلاں کو دہلی لایا۔

جلال الدین اس بھتیجے اور داماد کی فتوحات سے خوش ہوتا۔ انعام و اکرام دیتا۔ اودھ کے جدید علاقہ کی حکومت سے علاءالدین کی طاقت بڑھا دی۔ علاءالدین نے سلطان کو مہربان دیکھکر فتح چندیری کے لئے جدید فوج بھرتی کرنے کی اجازت حاصل کی۔ سادہ لوح جلال الدین کو کیا معلوم تھا۔ کہ علاءالدین دہلی سے دور رہکر میری ہی بیخکنی کے لئے طاقت بڑھا رہا ہے۔

علاءالدین نے کڑہ پہنچکر تین چار ہزار سوار اور دو ہزار تجربہ کار پیادہ فوج لیکر بظاہر چندیری کی فتح کے افواہ سے اور دل میں دیوگڈھ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر دیوگڈھ کے ارادہ کی کسی کو خبر تک نہ کی۔ دیوگڈہ کی دولت مندی کی خبریں سن چکا تھا۔ اور راجہ دیوگڈہ (مہاراشٹر) گو دکن کا زبردست مشہور راجہ تھا۔ اور کئی ہزار سوار پیادے ہاتھی گھوڑے رکھتا تھا۔ لیکن علاءالدین کا صرف چھ ہزار فوج لیکر بلا استعانت شاہ دہلی ایسے دور دراز ملک میں جانا جس کے راستہ میں کئی ایک ہند و خود مختار راجگان موجود تھے تمام راستہ عموماً صحرائی اور کوہستانی تھا۔ اس وقت کے بہادران اسلام کی عزم و استقلال اور خود علاءالدین کی ذاتی شجاعت و تہور کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما دیتا ہے۔ گو اس راستہ سے ایک بہادر انگریز جرنیل بھی اٹھارھویں صدی عیسوی میں مرہٹوں کے مقابلہ پر گیا تھا۔ لیکن اس کے راستہ میں نظام حیدرآباد کی وسیع سلطنت واقعہ تھی۔ راجہ ناگپور دامن گرفتہ تھا۔ بمبئی۔ مدراس۔ کلکتہ۔ الہ آباد میں ہر طرف

انگریزی فوجیں موجود تھیں۔ شاہ انگلستان کی اجازت اور سرکار کمپنی کی مدد سے یہ مہم طے ہوئی تھی۔ علاء الدین کا معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اُس وقت تک فاتحین اسلام مالوہ سے آگے نہیں بڑھے تھے۔ مالوہ سے آگے راس کماری تک ہندو طاقت بلا اشتراک غیرے موجود تھی۔ گویا اب تک ہندو نصف ہندوستان کے خودمختار شاہنشاہ تھے۔ اس لئے علاء الدین کی یہ مہم خاص امتیاز رکھتی ہے۔ اور مسلمانوں کی بہادرانہ ہمت اور اُس وقت کے ہندوؤں کی ناقابلیت جنگی اور بیرونی حالات سے بیخبری اور مسلمانوں کی نگاہوں میں ان کی کمزوری ثابت کرتی ہے۔ علاء الدین ان تمام دشت و بیابان کو طے کر کے جو الہ آباد اور برار کے درمیان واقع تھے۔ دو ماہ کے عرصہ میں ایلچ پور پہنچ گیا۔ اور وہاں سے ایلغار کرتا ہوا دیوگڈھ جا پہنچا۔ رام دیو راجہ دیوگڈھ نے دو تین ہزار فوج مقابلہ پر بھیجی۔ باقی فوج راجہ کے بیٹے کے ہمراہ کسی مہم پر گئی ہوئی تھی۔ اس کو اتفاق کہو یا یاوری اقبال بہر حال علاء الدین کی ہوشیاری اور رام دیو کی غفلت شعاری پر دلالت کرتی ہے۔ خونخوار دشمن تو سینکڑوں کوس سے دیوگڈھ پہنچ جائے اور راجہ کو خبر تک نہ ہو سکے

شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر علاء الدین کی فوج قراول سے مرہٹوں کا مقابلہ ہوا۔ مگر بہادران اسلام کی ضرب شمشیر بران اور تیر سینہ شگاف کی تاب نہ لا سکے۔ اور بھاگ نکلے۔ راجہ رام دیو قلعہ میں محصور ہو گیا۔ کہتے ہیں۔ کہ قلعہ کی خندق و استحکامات نہ تھے اگر ہوتے بھی تو اُس فوج نے کیا کمائی کرنی تھی۔ جو دشمن کی شکل دیکھتے ہی میدان چھوڑ گئی تھی۔ علاء الدین نے شہر کو لوٹ لیا۔ خاص راجہ کے اصطبل سے چالیس ہاتھی۔ اور ایک ہزار گھوڑے ہاتھ آئے۔ اس کے بعد قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔

راجہ رام دیو کی دھمکی اور پیغام صلح

کہتے ہیں۔ کہ علاء الدین نے مشہور کر رکھا تھا کہ دہلی سے بیس ہزار اور فوج مدد کو آ رہی ہے۔ رام دیو نے اس کو صحیح باور کر لیا۔ اور ڈر کر پیغام صلح دیا۔ لیکن نا آزمودہ و ناتجربہ کار مخالف کی ایسی بے بنیاد افواہوں پر کب اعتماد کر سکتے ہیں۔ جو کچھ ہوا علاء الدین کی موجودہ

فوج کی فوق العادت شجاعت اور راجہ کے خوف وہراس بزدلی سے ہوا۔

راجہ نے کہلا بھیجا کہ تمہارا دیوگڈھ آنا خلاف عقل ہے۔ شہر پر گو تم نے قبضہ کرلیا ہے۔ لیکن شہر فوج سے خالی تھا۔ ہماری فوج کا حصّہ کیشر ڈکا صاحب کے ساتھ ایک مہم پر گیا ہوا ہے۔ باقی فوج ادھر اُدھر بیرونی علاقوں میں پڑی ہے۔ لڑائی میں ہماری فوج نے ابھی حصّہ نہیں لیا۔ مہاراشٹر کی تمام فوج اور ملکی راجگان کے آنے پر تم میں سے ایک بھی زندہ بچ کر نہیں جائیگا۔ اگر کوئی یہاں سے بچکر نکل بھی گیا تو راستہ میں راجگان خاندیس گوندواڑہ۔ مالوہ کی زبردست فوجوں سے بچنا مشکل ہے بہتر یہی ہے۔ کہ قیدیوں کو زرفدیہ لیکر چھوڑ دو چونکہ صلح سے انکار شرعًا ناجائز تھا۔ اور راجہ کی پیش کردہ رقم خراج وغیرہ کی پچاس من سونا اور کئی من موتی اور دیگر اثاثہ نفیسہ تھے۔ اور علاءالدین کو دہلی سے امداد پہنچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اس لئے رقم مذکور کی ادائگی پر ۱۵ روز کے بعد قیدیوں کو رہا کرنے کا وعدہ کیا۔ مگر رام دیو کا بڑا بیٹا حملہ علاءالدین کی خبر سنکر عین اسی وقت دیوگڈہ پہنچگیا۔ جبکہ علاءالدین واپس جانیکی تیاری کر رہا تھا۔ رام دیو نے بیٹے کو لڑائی سے منع کیا۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ اور علاءالدین کو پیغام بھیجا۔ اگر خیر چاہتے ہو۔ تو جس قدر مال ومتاع دیوگڈہ سے لوٹا ہے۔ واپس دیدو۔ ورنہ تم میں سے ایک متنفس بھی زندہ نہ جاسکیگا۔

علاءالدین کا منہ جوش غیرت سے لال ہوگیا۔ اور ایلچیوں کا منہ کالا کرکے ناکام واپس کیا۔ مطلب یہ تھا۔ کہ اس عہد شکنی کی سزا میں روسیاہی کے سوا اور کوئی نتیجہ نہ نکلیگا۔ نصرت خان کو ایک ہزار سوار کے ساتھ محاصرہ قلعہ پر مامور کیا۔ اور خود باقی فوج لیکر راجہ کے بیٹے کے مقابل ہوا۔ مرہٹوں کے ٹڈی دل نے مسلمانوں کی قلیل جماعت پر لگاتار پرجوش حملے کئے۔ اور قریب تھا۔ کہ مسلمانوں کے پانوں ڈگمگا جائیں۔ کہ نصرت خان یہ حالت دیکھکر بلا اجازت علاءالدین ہندو فوج پر یکایک آپڑا۔ ہندوؤں نے وہ بیس ہزار فوج خیال کی۔ کہ جس کے دہلی سے آنیکی افواہ اُڑ رہی تھی۔ اس لئے ہندو میدان سے بھاگ نکلے۔ بہر حال کچھ ہو۔ علاءالدین کا اس قدر ہندو فوج کثیر سے بلا دھڑک مقابلہ کرنا۔ اور ملک نصرت خان کا اس بہادرانہ شوکت وعظمت سے حملہ آور ہونا۔ کہ مخالف ایک ہزار کو بیس ہزار سمجھے۔ اس سے اس وقت کے بہادران اسلام

کی بہادرانہ جرأت و شجاعانہ جاں فروشی جنگی تربیت ۔ فوجی مہارت مظفرانہ لیاقت کا پورا ثبوت ملتا ہے ۔ کہ وہ ہندو فوج کی کثرت سے مطلق نہ ڈرتے تھے ۔ اُن کے ہزاروں لاکھوں پر بھاری ہوتے تھے ۔ اسلامی تہوّر نے فیصلہ کر دیا تھا ۔ کہ اللہ اکبر کے نعروں کی تاب ہندو بہادر نہیں لا سکتے ۔ ہندوستان کے دشت وجبل کوہ و بیابان سب تیغ مجاہدین کے سامنے سرنگوں ہیں ۔

وہ سچے بہادر تھے ۔ کسی ٹیڑھی کارروائی سے مخالف کو مات کرنا جوانمردی کے خلاف جانتے تھے ۔ جس طرح کہ علاءالدین نے وکلائے دیوگڈھ سے سلوک کر کے فوراً طبل جنگ بجا دیا ۔ اور اپنی قلت فوج اور علاقہ دہلی سے دوری اور ہندو فوج کی کثرت وعدت کا مطلق خیال نہ کیا ۔ اگر کوئی اور ہوتا تو کم سے کم چند روز نامہ پیام میں ہی گذار دیتا ۔ اور دہلی سے مدد منگوانے یا کوئی اور مخرج کے لئے چال چلتا ۔ مگر علاءالدین اور اس کے ہمراہیوں کو صدیوں کے تجربہ سے یقین ہو چکا تھا ۔ کہ غازیان اسلام کا مقابلہ ہندو خواہ کس قدر جوش و خروش اور کثرت کے ساتھ کریں ہرگز نہیں کر سکتے ۔ اس حق الیقین نے علاءالدین کو تسلی دے رکھی تھی ۔ اور اسی حوصلہ نے اس کو فتح دلوائی ۔

علاءالدین فتح پا کر محاصرہ قلعہ میں مصروف ہوا ۔ رام دیو نے راجگان گلبرگ ۔ خاندیس ۔ مالوہ ۔ تلنگانہ سے مدد مانگی ۔ مگر امداد پہنچنے سے پہلے ذخیرہ کی کمی کے سبب علاءالدین سے عاجزانہ خط و کتابت شروع کر دی ۔ اور عرض کی ۔ کہ ٹکا صاحب نے بلا اجازت و مشورہ مقابلہ کیا ۔ میرا کچھ قصور نہیں ہے ۔ بدستور سابق شرائط صلح منظور فرما کر قصور معاف کریں ۔ اور ایلچیوں کو خفیہ کہدیا ۔ کہ قلعہ میں غلہ و آذوقہ کچھ نہیں رہا ۔ اگر دو تین دن تک اور محاصرہ قایم رہا ۔ تو قلعہ والے ہلاک ہو جاوینگے ۔ صلح کا فیصلہ کرائیں ۔ علاءالدین یہ بات سمجھ گیا تھا ۔ مگر جب ایلچیوں نے زیادہ منت و سماجت کی ۔ تو چھ سو من سونا اور سات من موتی دو من جواہر لعل ۔ یاقوت ۔ الماس ۔ زمرد ایک ہزار من چاندی ۔ چار ہزار جامہ ابریشمی وغیرہ قیمتی مال و متاع اور ایلچ پور کے علاقہ کا خراج لینا منظور کیا ۔ علاءالدین نے یہ مال و اسباب لیکر قیدی رہا کر دیئے ۔ اور ۲۵ دن کے محاصرہ کے بعد واپس ہوا ۔

نوٹ

دیوگڈھ کی فتح سے حسب ذیل نتایج نکلتے ہیں

(۱) دیوگڈھ اگرچہ دولت مند سلطنت تھی۔ لیکن استحکامات اور فوجی ضروریات سے خالی تھی کہ ۲۵ روز کے محاصرہ میں بھی کمسریٹ خرچ ہو گیا۔ یہ سہل انگاری ہندوستان کی آب و ہوا کی تاثیر کا خاصہ تہا۔ یا ایک صدی تک مالوہ سے آگے جنوب کی طرف مسلمانوں کے نہ بڑھنے سے دکن کی ریاستوں کو بیخوف کر دیا۔ کہ مسلمان شمالی ہندوستان سے آگے بڑہنے کی طاقت اور لیاقت نہیں رکھتے۔ یا متواتر عزل و نصب کے انقلابات سے نا مخالفانہ طاقت کھو بیٹھے ہیں۔ لیکن صدی مذکور میں شاہان دہلی کو حملہ آوران مغل نے اور کسی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ علاء الدین بھی بلا اطلاع شاہ دہلی خود بخود دیوگڈہ پر حملہ آور ہوا ورنہ شاہ دہلی کی طاقت عہد غلامان میں خالص اسلامی جوش سے مضبوط تہی۔ جہاد و غزا کا جوش زوروں پر تہا۔ راجگان دکن نے بہادران اسلام کی جرأت اور شاہ دہلی کی حالت اور طاقت کا اندازہ کرنے میں غلطی کہائی۔ کہ دیوگڑہ جیسے قلعہ میں ایک ماہ کا آذوقہ بھی جمع نہ کیا۔ اور جس طرح وہ آپ آرام طلب اور گھر کی چار دیواری میں رہنا پسند کرتے تھے۔ اُسی طرح غازیان اسلام کو تصور کر لیا۔

(۲) راجہ دیوگڈہ کا زردوست ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کہ باوجود اس قدر زر و دولت کے جس میں سے کچھ حصہ علاء الدین کو دیا گیا۔ جو دیگر بادشاہوں کے خزانوں سے زیادہ تھا۔ مگر حفاظت ملک کے لئے کوئی انتظام نہ تہا۔ دشمن سینکڑوں کوس سے منہ اُٹھائے دیوگڈہ سے دو کوس تک پہنچ جائے۔ اور والی ملک کو خبر تک نہ ہو۔
سرحدی حفاظتی فوج کے علاوہ پولیس۔ جاسوس وغیرہ جو سلطنت کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی بھی نہ تہا۔ جو دشمن کی خبر دیتا۔

راجہ رام دیو نے

زر از بہر ترتیب لشکر بود : نہ از بہر آئین و زیور بود

پر عمل نہ کیا۔ ہندوانہ عادت کے مطابق خزانے جمع کئے۔ جو وقت کے ساتھ دشمن کے حوالے کرنے پڑے۔ ملکم صاحب نے اپنی تاریخ میں ایسے ہی واقعات سے ہندو قوم کو دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ زردوست لکھا ہے۔ یہ کروڑوں کا مال و متاع زر و جواہر جو علاء الدین کو دیا گیا۔ اگر سامان جنگ۔ تربیت فوج۔ جمع آوری رسد پر خرچ کرتا۔ تو

اس قدر جلدی سلسلہ صلح نہ ہلاتا۔

(۳) شمالی ہندوستان کے راجاؤں نے اگرچہ مسلمانوں سے شکستیں کھائیں۔لیکن اکثر معرکوں میں مسلمانوں سے سخت مقابلہ کئے گئے۔فوجیں بھی کثرت سے مسلمانوں کے مقابلے پر جمع ہوتی رہیں۔مگر دکن نے پہلے ہی حملہ میں چند ہزار بہادران اسلام کے سامنے ہتھیار ڈالدیئے۔اس سے نتیجہ نکلتا ہے۔کہ مہاراشٹر جو آج ہندوؤں میں بہت بڑا بہادر علاقہ گنا جاتا ہے۔قدیم زمانہ میں مردانہ حوصلہ نہ رکھتا تہا۔اور نہ شمالی ہندوستان کے ہندوؤں کی طرح جنگجو تہا۔آجکل کے سیٹھوں کی طرح دولت جمع کرنے کا ڈہنگ جانتا تھا۔پس ماننا پڑتا ہے۔کہ مرہٹوں کی شجاعت کی نشوونما عہد افغانیہ میں شروع ہوئی۔اور دکن کے شاہان اسلام کی جنگی تعلیم وتربیت سے بڑہتی بڑہتی عہد مغلیہ میں زبردست ہوگئی۔اس لئے مرہٹہ طاقت اسلامی عہد سلطنت کی یادگار ہے۔جس کے صلہ میں مرہٹوں نے اسلامی یادگاروں کے مٹانے میں قابو پاکر کچھہ کسر اٹھا نہیں رکھی۔جس کی سزا مرہٹوں کو مشہور معرکہ پانی پت میں بہادران دُرانیہ کے ہاتھ سے اٹھا کر شاہنشاہی ہندوستان کے خیال کو ہمیشہ کے لئے دماغ سے نکالنا پڑا۔

جلال الدین کی سادہ لوحی

علاءالدین بغیر حکم جلال الدین دیوگڈھ پر حملہ آور ہوا تہا۔بادشاہ کو کچھہ خبر نہ تہی۔کہ علاءالدین کہاں ہے۔اس کا نائب علاءالملک عم ضیاء برنی جہوٹی رپورٹیں بادشاہ کیخدمت میں بھیجتا تہا۔کہ علاءالدین سرکشوں کی تنبیہہ میں مصروف ہے۔اس لئے خود عرضی نہیں بہیج سکا۔سادہ لوح بادشاہ تو نہ سمجھا۔مگر بعض عقلمند معاملہ فہم جانتے تھے۔کہ علاءالدین کی اس قدر دلیری خالی از علت نہیں ہے۔

بادشاہ گوالیار میں سیروشکار میں مشغول تہا۔جہاں ایک عالی شان عمارت بنوائی تھی۔اور اس پر یہ رباعی طبعزاد لکھوائی تھی۔

رباعی

ماراکہ قدم برسر گردوں سائید ٭ از تودہ سنگ وگل چہ قدر افزاید

این سنگ شکستہ زاں نہادیم ز دست ؛ باشد کہ شکستہ درد آسا ید

یہاں گوالیار میں فتح دیوگڈھ کی خبر پہنچی - اور علاء الدین کی کثرت مال وغنیمت کی خبر سنی - اس برادرزادہ کی فتوحات سے خوش تہا - اور وہ سمجھتا تہا - کہ یہ دولت میرے خزانے میں داخل کیجاویگی - مگر خیر خواہوں نے کہا - کہ اس قدر زر وجواہر کہیں فساد کا مادہ نہ ہو - اس لیئے اراکین سلطنت سے مشورہ کیا - کہ میں خود جاکر علاء الدین سے ملوں یا یہیں مقیم رہوں - یا دہلی چلا جاؤں -

وزیر احمد چپ کی رائے اور بحث

ملک احمد چپ نے جو بادشاہ کا وزیر اور بہانجا وفادار مدبر تہا عرض کی - کہ مال وفتنہ لازم وملزوم ہیں - خدا معلوم اس قدر زر ومال کے ہاتھ آنے سے علاء الدین کے دل میں کیا کیا خیالات گذرتے ہونگے وہ اس قدر بے باک ہے - کہ بغیر حکم شاہی دیوگڈھ کے غیر علاقے پر حملہ آور ہوا - اور کامل کامیابی سے واپس ہوا - ملک چھجو کے تمام فتنہ انگیز رفیق علاء الدین کے ہمراہ ہیں - مناسب یہ ہے - کہ حضور چندیری میں جاکر ڈیرے ڈالیں - اور راستہ روک لیں - علاء الدین کی فوج قلیل اور تکالیف سفر سے تھکی ماندی ہوگی - اور ابھی مفسدین کڑہ میں دور ہونگے - علاء الدین ڈر کر تمام نقد و جنس خزانہ شاہی میں داخل کردیگا - آپ جواہرات اور ہاتھی لیکر باقی زر ومال اس کی فوج پر تقسیم کردیں - اور علاء الدین کا منصب بڑہادیں - مفسدین کڑہ کو علاء الدین سے جدا کردیں - اگر حضور نے دامادی اور برادر زادگی کے خیال سے ہماری گذارش پر توجہ نہ کی - تو علاء الدین کے ہاتھ سے خود بھی برباد ہونگے - اور ہمکو بھی تباہ وہلاک کرینگے علاء الدین مدت سے ملکہ جہان اور اپنی بیوی سے ضرر رسیدہ اور رنجیدہ ہے - اور ملکہ جہاں کے خوف سے کوئی حضور کو اصل معاملہ کی خبر نہیں کرسکتا تہا - علاء الدین کی بغاوت کے لیئے یہی ایک رنجش کافی تھی - چہ جائیکہ وہ اب دس بادشاہوں کے برابر دولت رکھتا ہے - اور دیگر اسباب تمرد جمع کرچکا ہے - جو صلاح دولت تھی - عرض کی گئی آئندہ اختیار ہے - بادشاہ نے کہا - کہ تو ہمیشہ علاء الدین کی مخالفت کرتا رہتا ہے - اور مجھکو علاء الدین کی نسبت بدگمان بناتا ہے - وہ میرا بیٹا کبھی باغی نہیں ہوسکتا -

دیگر وزرا سے صلاح پوچھی۔ ملک فخر الدین کوچی نے بددیانتی سے جلال الدین کی رائے کی تائید کی۔ اور کہا۔ کہ چندیری جانے اور راستہ روکنے سے علاء الدین کو خواہ مخواہ بغاوت پر آمادہ کرنا یا اس کو آوارہ کرنا۔ اور مال و دولت کا ہاتھ سے کھونا ہے۔ بہتر یہی ہے۔ کہ اس کو کڑہ آنے دیجئے۔ اس کی نیت بگڑی دیکھی تو فوراً سزا دیجاویگی۔

وزیر احمد چپ نے کہا۔ کہ تو صداقت کا خون کر رہا ہے۔ اور غلط مشورہ دے رہا ہے۔ علاء الدین کڑہ پہنچ گیا۔ تو میرا خدا تو کوئی بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ بدقسمت جلال الدین نے حقیقی خیر خواہ احمد چپ کی رائے پر عمل نہ کیا۔ اور دہلی چلا آیا۔

علاء الدین کے منصوبے

چند روز بعد علاء الدین کی عرضی پہنچی۔ کہ میں بخیریت کڑہ پہنچ گیا ہوں۔ اور بے شمار زر و مال لایا ہوں حضور کے خزانے میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ مگر حضور کی اجازت کے بغیر دیوگڈھ پر حملہ آور ہوا۔ ایک سال تک کوئی عرضی نہیں بھیج سکا۔ قصوروار ہوں نادم ہوں میں اور میرے رفقا ڈرتے ہیں۔ اگر فرمان معافی قصور صادر ہو۔ تو نوازش پدرانہ سے بعید نہیں۔ بادشاہ طمع دولت یا رشتہ داری کے دھوکہ میں آگیا اور معافی نامہ لکھکر دو معتبروں کے ہاتھ بھیجدیا۔ جنہوں نے علاء الدین کے لشکر میں پہنچکر حقیقت حال سے جلال الدین کو اطلاع دینی چاہی۔ مگر پہرہ چوکی کی سختی اور نظر بندی سے دہلی خبر نہ پہنچا سکے۔

جلال الدین کے دربار میں علاء الدین کا بھائی الماس بیگ مکار غدار موجود تھا۔ وقتاً فوقتاً علاء الدین کے خوف و دہشت کے بناوٹی افسانہ بادشاہ کو سنادیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ علاء الدین کا ایک خط بھی دکھلادیا۔ جس میں علاء الدین نے بھائی کو لکھا تھا۔ کہ بادشاہ میرا باپ مربی و محسن ہے۔ میرے پاس جس قدر زر و جواہر مال و اسباب ہے سب سلطان کا ہے۔ مگر دشمنوں نے سلطان کو مجھ پر ناراض کر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے میں خودکشی پر تیار رہوں۔ زہر ہر وقت رومال میں باندھے رکھتا ہوں۔ اس رنجیدہ اور ذلیل زندگی سے نجات پاکر خاندان سے ہمیشہ کے لئے

فارغ ہونیوالا ہوں۔ یہ خط جو دونوں بھائیوں کی سازش کا نتیجہ تہا۔ موقعہ پاکر الماس بیگ نے بادشاہ کے سامنے رکھدیا۔ اور زار زار رونے لگا۔ اور کہا کہ عنقریب میرا بھائی خودکشی کرے گا۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ اب کیا ہوسکتا ہے۔ الماس بیگ نمکحرام نے جیسا کہ علاءالدین نے سمجھا رکھا تہا۔ عرض کی کہ حضور خود بدولت جس قدر جلد ممکن ہو کڑہ پہنچکر علاءالدین کو بیدانہ تسلی دیں۔ مال وزر خود حضور کا ہے۔ جلال الدین دہوکہ میں آگیا۔ اور الماس بیگ کو کہا۔ کہ تم فوراً علاءالدین کے پاس پہنچ جاؤ۔ اور تسلی وتشفی دیکر ہلاکت و آوارگی سے بچاؤ۔ الماس بیگ فوراً کشتی پر سوار ہوگیا۔ اور سات روز میں کڑہ پہنچا۔ علاءالدین جسکو بھائی کی جان کا خطرہ تہا۔ اس کے صحیح وسالم پہنچنے سے بہت خوش ہوا۔ اور جلال الدین کے قتل کے منصوبہ کرنے لگا۔ تجویز یہ ٹھہری۔ کہ جلال الدین کو جریدہ اپنے لشکر میں لاکر قتل کیا جائے۔

جلال الدین جسکو طمع دولت نے اندہا کر رکھا تہا۔ احمد چپ وغیرہ کسی خیرخواہ کی بات نہ سنتا تہا۔ جو معاملہ کی اصلیت کو تاڑکر جلال الدین کو جریدہ طور سے کڑہ جانے سے مانع ہوتے تھے۔ آخر بقولے سہ

مرغے کہ دگر آشیان نخواہد دید ؛ قضا ہمی بردش تا بسوئے دانہ ودام

براہ دریا ایک ہزار سوار لیکر کڑہ کو روانہ ہوا۔ علاءالدین نے سمجھ لیا تہا۔ کہ نادان جلال الدین نہ خود عقل رکھتا ہے۔ اور نہ کسی کی سنتا ہے۔ ان ہزار سواروں کو بھی جلال الدین سے علیحدہ رکھنے کا منصوبہ کیا۔ اور الماس بیگ کو بہیجا۔ جسنے کہا۔ کہ حضور کے ہمراہی سواروں سے میرا بھائی کانپ رہا ہے۔ وہ بھاگنا چاہتا تہا۔ میں نے بمشکل اس کو روکا ہے۔ سواروں کی کیا ضرورت ہے۔ علاءالدین حضور کا فرزند وغلام اور اس کی فوج حضور کی ملازم ہے۔ سواروں کو ساتھ رکھنا مناسب نہیں۔ نادان سلطان نے بقول استاد سہ

قضا چوں ز بالا فرو ہشت پر ؛ ہمہ زیرکاں کور گردند وکر

ان ہزار سواروں کو ملک احمد چپ کے حوالہ کیا۔ اور دریا کے دوسرے کنارہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور چند خواصوں کیساتھ جو دو کشتیوں میں ساتھ بیٹھے تھے۔ الماس بیگ کی شرارت سے ہتھیار کہلوادیئے۔ علاءالدین کا لشکر مسلح کنارہ پر کھڑا تہا۔ جلال الدین

کے ہمراہی سمجھ گئے۔ کہ غیر نہیں۔ اور ایک امیر نے الماس بیگ کو کہہ بھی دیا۔ کہ ہم چند شخصوں کے تو ہتھیار بھی کھلوا دیئے۔ اور تمہارا لشکر سر سے پانوں تک لوہے میں غرق ہے۔ الماس بیگ نے کہا۔ کہ استقبال سلطانی ہے بادشاہ نے کہا کہ ہم روزہ دار ہیں۔ اتنی دور سے چل کر آئے ہیں۔ علاء الدین کشتی پر بھی استقبال نہیں کر سکا۔ الماس بیگ مکار نے کہا۔ کہ میرا بھائی تمام زر و جواہر کو حضور کے قدموں پر رکھنا چاہتا ہے۔ افطاری کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں افطار کرنے سے ہماری عزت بڑھ جائیگی جلال الدین ان تمام فریب آمیز باتوں کو صحیح مانتا تھا۔ رحل پر قرآن رکھکر پڑھ رہا تھا۔ کنارہ پہ پہنچکر کشتی سے اُترا۔ علاء الدین قدموں پر گرا۔ جلال الدین نے گلے لگایا۔ اور آنکھوں پر بوسہ دیا۔ اور مشفقانہ کلمات سے کہا۔ کہ تم بچپن میں جو میری گود میں موتتے رہے۔ اس کی بو ابتک نہیں گئی۔ تمکو بیٹوں کی طرح پالا معزز کیا۔ کس طرح مار سکتا تھا۔ میں اور تو ایک نسل اور ایک خون ہیں۔ کوئی غیر نہیں۔ یہ کہہ کر علاء الدین کا ہاتھ پکڑ کر کشتی کی طرف کھینچا۔ علاء الدین کے اشارہ سے محمود سالم سامانہ کے ایک رذیل نے جلال الدین کو تلوار ماری۔ جو اوچھی پڑی۔ نمک حرام اختیار الدین نے ایسی ضرب لگائی کہ جلال الدین کا سر بدن سے جدا ہو گیا۔ اور سر کو تمام لشکر اور پھر اودہ کے تمام علاقہ میں مشتہر کیا۔ جلال الدین روزہ دار بوقت افطار ۱۷ رمضان شنبہ کو شہید کیا گیا۔ اور تاج شاہی علاء الدین کے سر پر رکھا گیا۔

فاضل ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں علاء الدین کا حال ۳۵ صفحوں پر لکھا ہے چونکہ ضیاء برنی خود علاء الدین کا ہم عصر اور اس کا چچا اور باپ علاء الدین کے معزز عہدہ دار تھے۔ اس لئے ضیاء برنی کی تاریخ سے بڑھ کر اور کوئی کتاب تذکرہ علاء الدین میں معتبر نہیں ہو سکتی۔ اور جس طرح کہ ضیاء برنی نے پوست کندہ نیک و بد حالات لکھے ہیں۔ وہ کسی تاریخ میں مفصل نہیں دیکھے گئے۔ اس لئے ہم علاء الدین خلجی کے واقعات کو فیروز شاہی سے لیں گے۔ بعد کے مورخ فرشتہ۔ ہردی۔ بدایونی وغیرہ وغیرہ سب ضیاء برنی کے خوشہ چین ہیں۔

علاء الدین اور دیگر شاہان دہلی کا مقابلہ

علاء الدین تمام سلاطین دہلی سے وسعت ممالک اور فتوحات جدیدہ میں بڑھا ہوا ہے۔ پشاور سے لیکر راس کماری تک اور برہما سے لیکر سیوی بلوچستان تک نافذ الحکم شاہ دہلی صرف ایک علاء الدین ہی گذرا ہے مغلوں میں اورنگ زیب نے آہرام.... ارکان تبت سے خراج لیا۔ اور کابل وغزنی بھی اس کی ماتحت تھے لیکن دونوں کی حالتوں میں بھاری فرق ہے۔ علاء الدین پہلا مسلمان فاتح تھا جس کو بندھیاچل کے جنوب میں زبردست ہندو سلطنتوں کو تسخیر کیا۔ اور اُسکی بہادر فوجوں نے ہندوستان کی منتہائی آبادی راس کماری تک نشان فتح گاڑ کر خانہ خدا (مسجد) کو بطور یادگار اسلام تعمیر کیا۔ اور جو کچھ کیا محض قوت بازو سے کیا۔ بخلاف اس کے اورنگ زیب سلطان ابن سلطان خاندانی شہنشاہ تھا۔ اگرچہ اورنگ زیب کو زیادہ جری اور تربیت یافتہ فوجوں سے لڑنا پڑا۔ اور علاء الدین کے عہد کی طرح مغلیہ فوج میں اسلامی جوش ہی نہ تھا۔ اور دکن کی اسلامی سلطنتوں کے مقابلہ میں غازیانہ ترغیب کام نہیں دیسکتی تھی۔ مگر مغلیہ فوج کبھی بھی علاء الدین کی یادگار تک نہ پہنچ سکی۔ ضرور جنوبی ہند کے رؤسا باجگذار دہلی تھے مگر تمام دکن کو دہلی کا باجگذار بنانے کی عزت علاء الدین خلجی کو ہی حاصل ہوئی ہے:-

علاء الدین کی تخت نشینی

اور

زر بخشی

علاء الدین ۶۹۵ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اور لوگوں کے دلوں سے قتل جلال الدین کے جرم کو بھلانے کے لئے انعام واکرام ترقی مناصب وتنخواہ کے علاوہ عام زربخشی شروع کی۔

جب کڑہ سے روانہ دہلی ہوا۔ تو ہر ایک منزل میں بذریعہ منجیق وفلاخن پنج من سونے کے گولے لٹاتا تھا۔ لوگ سلطان علاء الدین پر خوش ہو گئے۔ جلال الدین کی مرنے کی خبر سُنکر اُس کی بیوی ملکہ جہان نے چھوٹے بیٹے رکن الدین ابراہیم کو تخت نشین کیا۔ اور بڑے بیٹے ارکلیخان گورنر ملتان کی انتظار نہ کی۔ اس سے ارکلیخان ناراض ہو گیا۔ دہلی

سے جو امیر سلطان علاء الدین سے لڑنے کے لئے روانہ کئے گئے تھے وہ سب بقول ع
زر برسر فولاد نہی نرم شود۔ رشوت لیکر سلطان علاء الدین سے جا ملے۔ رشوت جو دی
گئی۔ اس کی مقدار تیس اور پچاس من سونے کے درمیان درمیان تھی۔ اس امر کو
اخلاقی جرم کہا جا سکتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں کام کرنے کا
موقعہ ملا ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ اس سے کوئی مہذب سے مہذب سلطنت بھی نہیں
بچ سکتی۔ رکن الدین نے دہلی کے باہر مقابلہ کیا۔ لیکن فوج رات کو علاء الدین سے جا ملی
اور رکن الدین مع بیگمات راتوں رات ملتان کو بھاگ گیا۔ جس کے ساتھ صرف دو امیر
ملک قطب الدین علوی اور ملک احمد چپ وفادار رہے۔ ملتان کا فوج علاء الدین نے
محاصرہ کیا۔ دو ماہ بعد پسران جلال الدین نے بذریعہ شیخ رکن عالم صاحب نبیرہ حضرت
شیخ بہاؤ الحق صاحب صلح کی۔ اور گرفتار ہوکر دہلی روانہ کئے گئے۔ راستہ میں پسران
جلال الدین قتل کئے گئے۔ اور ملک احمد چپ کی آنکھیں نکلوائی گئیں۔

رشوت کی واپسی

سلطان علاء الدین نے ابتدا میں تو متعدد دربار جشن انعام و صلہ و جشن شادی
اور زر پاشی سے تمام لوگوں کو گرویدہ کر لیا۔ امیروں کے منصب بڑھاتا رہا۔ چنانچہ عم
ضیاء برنی علاء الملک کو گورنری اودھ اور کڑہ دے گئی۔ اور ضیاء برنی کے باپ مؤید الملک
کو برن مراد آباد کے کمشنری دی گئی۔ اسی طرح دیگر امراء و وزراء کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

واپسی رشوت

جب علاء الدین کا کوئی حریف نہ رہا۔ تو زر رشوت کی واپسی پر نصرت خان جیسے
جابز کو لگایا۔ جن لوگوں نے علاء الدین سے رشوت لی تھی۔ وہ قتل۔ قید۔ معزول کئے گئے
بیوفاؤں کے خاندان۔ قومیں برباد ہو گئیں۔ گھر بار لٹ گئے۔ صرف تین امیر جنہوں نے
رشوت نہ لی تھی۔ اور پسران جلال الدین کے ساتھ وفادار رہے تھے۔ سلامت رہے
نصرت خان نے جرمانہ سے ایک کروڑ روپیہ وصول کیا۔

مُغلوں کا حملہ

دوسری سال جلوسی میں مغلوں نے سندھ سے اتر کر پنجاب پر حملہ کیا۔ جالندہر کے نواح میں لڑائی ہوئی۔ مغلوں کو شکست ہوئی۔

فتح گُجرات و سُومنات

تیسرے سال جلوسی میں گجرات پر چڑہائی کی گئی۔ کرن راجہ گجرات کو شکست ہوئی۔ غنیمت میں کنولا دیوی زوجہ راجہ کرن ہاتھ لگی۔ سورت کے خواجگان (مسلمان سوداگر) کو لوٹا۔ وہیں سے ملک کافور ہزار دیناری کو (ہزار دینار پر بکا تہا) اُس کے مالک سے نصرت خان نے بزور چہینا۔ اور بادشاہ کا منظور نظر ہوا۔ بت سومنات جو بعد سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ علیہ دوبارہ بنایا گیا تھا۔ توڑا گیا۔ اور دہلی لاکر پے سپر کیا گیا۔

مغلُوں کا حملہ اور ظفر خان بہادر

سیوستان پر مغلوں نے قبضہ کر لیا تہا۔ ظفر خان بہادر نے بزور شمشیر سیوی کو فتح کیا۔ صفدری سردار مُغل کو کئی ہزار مغلوں کے ساتھ قید کیا۔ جو دہلی میں قتل کئے گئے مگر اس قدر صفدری اور ظفر مندی سے الغ خان (الماس بیگ) برادر سلطان کو حسد پیدا ہوا۔ اور بقول ضیاء برنی سلطان علاء الدین بھی متوہم ہو گیا۔

مُغلوں کا تیسرا حملہ

اسی سال میں قتلغ خواجہ مغل دو لاکھ سوار لیکر دہلی پر حملہ آور ہوا۔ راستہ میں کہیں لوٹ مار نہ کی۔ اکثر لوگ ڈر کر شہر دہلی کے اندر چلے گئے۔ سکنی مکانات کے علاوہ مسجدیں بھر گئیں۔ سلطان علاء الدین نے دہلی سے نکلکر بمقام سیری جو اُسی کی آباد کردہ چھاونی تہی۔ مقابلہ کی تیاری کی۔ کوتوال دہلی عم ضیاء برنی نے لڑائی سے روکا۔ اور کہا کہ اس دفعہ کسی طرح مغلوں کو ٹال دینا چاہیے۔ یا کسی جنگی دہوکہ سے نقصان پہنچایا جائے

مگر علاءالدین نے کمال درجہ کی شجاعت اور استقلال سے جواب دیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سلطان علاءالدین واقعی سکندر ثانی تھا۔ اور جس قدر اس کو فتوحات حاصل ہوئیں۔ اُس کا مستحق تھا۔

کوتوال کی تقریر اور علاءالدین کی تردید

کوتوال دہلی نے کہا۔ کہ اس دفعہ مغل فوج کثیر اور چیدہ لائے ہیں۔ سردار فوج شاہ ترکستان کا بیٹا قتلق خواجہ ہے۔ ہماری فوجیں ہندوؤں سے لڑنے کی عادی ہیں۔ بہتر یہی ہے۔ کہ اس دفعہ مغلوں کو ٹالا جائے۔ اور آئندہ ہم اپنی فوج کو زیادہ قواعددان اور مغلوں کے کمین و لڑائی کے طریقوں سے واقفیت حاصل کر سکیں گے۔ لڑائی کو طول دینے کے لئے ایک لاکھ سانڈھنی سوار (کمیل کور) مقابلہ پر بھیجا جائے۔ جس سے مغلوں کے گھوڑے بدکیں گے۔ اور حضور باقی فوج کے ساتھ شتر سواروں کے پیچھے رہیں موقعہ مناسب ہو۔ تو حملہ کریں۔ ورنہ اس قدر طوالت سے چونکہ وہ اس دفعہ ملک کو نہیں لوٹتے۔ خرچ سے تنگ آجائیں گے۔ یا رسد کم ہو جائیگی۔ اور واپسی پر مجبور ہونگے عام جنگ صف سے اندیشہ نقصان ہے۔

علاءالدین کا بہادرانہ جواب

علاءالدین نے تمام فوجی افسروں کو بلا کر کہا۔ کہ علاءالملک کہتا ہے۔ کہ اس دفعہ مغلوں کی لڑائی سے پہلوتہی کیا جائے۔ لیکن سنو مثل مشہور ہے۔ اُشتر دزدیدن و کوز رفتن راست نیاید۔ یہی حال ہمارا ہے۔ کہ شہنشاہ ہندوستان کہلانا اور مغلوں کے جنگ سے دل چرانا اور کوہان شتر کی اوٹ میں پناہ ڈھونڈھنا ایسی حرکت سے ہمارا نام بہادروں کے زمرہ سے مٹ جائیگا۔ اور آئندہ نسلیں ہمکو بزدل اور نامرد کہیں گی۔ میری رائے یہ ہے کہ دشمن کا استقبال تیغ و تبر سے کیا جائے۔ میدان کیلی میں ایک فیصلہ کن جنگ کیا جائے۔ فتح و نصرت خدا کے ہاتھ ہے سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور سلطان حفاظت دہلی اُسی کوتوال کے حوالہ کر کے میدان کیلی میں جا اترا۔ دروازہ بدایوں کے سوا دہلی کے تمام دروازہ بند کئے گئے۔ جہاں کافی فوج موجو تھی۔

ہندوستان کی اسلامی شمشیر

تغلق خواجہ سردار مغل خدا سے چاہتا تھا۔ کہ خود شاہ دہلی سے مقابلہ ہو۔ اور صدیوں کی شکستوں کی کسر نکالی جائے۔ اور اسی آرزو سے اُس نے بخلاف دیگر حملہ آوران مغل دہلی تک نہ کوئی معرکہ کیا۔ اور نہ کسی کو ستایا۔ علاءالدین کے ساتھ تین لاکھ سوار۔ دو ہزار سات سو ہاتھی جنگی تھے۔ شروع اسلام سے لیکر اب تک اور بعد میں بھی کبھی ہندوستان کے ایک معرکہ میں فریقین کی اس قدر فوج کثیر جمع نہیں ہوئی تھی۔ اور مغلوں نے بھی اس دفعہ جس قدر زور لگایا۔ کبھی کسی اور شہر یا ملک کی فتح میں اس قدر اجماعی طاقت سے کام نہیں لیا گیا۔ تغلق خواجہ دو لاکھ شاہ سوار لیکر دریائے سندھ سے اترا۔ اور اپنی طاقت کو فتح دہلی کے لئے محفوظ رکھتا ہوا دریائے جمنا پر پہنچ گیا۔ راستہ میں ہندوستانی فوجوں سے کہیں مقابلہ نہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیپالپور اور سمانہ واقعہ پنجاب کی چھاونی کو جو دہلی کے راستہ میں تھیں۔ یا تو خود مغلوں نے نہ چھیڑا۔ یا وہاں کی فوجیں دہلی کو بھاگ گئیں۔ اور یہی اغلب ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ عام لوگ بھی دہلی کو بھاگ گئے۔ اور اس قدر ہجوم ہوا۔ کہ عام مکانات۔ شاہی عمارات۔ سرائیں۔ پبلک ہوس۔ مسجدیں۔ خانقاہیں تکیہ وغیرہ سب پناہ یافتوں سے بھر گئیں۔ اس دفعہ جس قدر ہندوستان کو خطرہ پیدا ہوا تھا۔ اس قدر پہلے کبھی لاحق نہیں ہوا۔ کہ بہادران دہلی کی شمشیر بران نے ظفرخان کی ماتحتی اور جان بازی سے مغلوں کے خطرہ کو بالکل مٹا دیا۔ اور ثابت کر دیا۔ کہ ہندوستان کی اسلامی شجاعت بدستور موجود ہے۔ اور اسی طرح خونخوار اور جنگجو دشمن کے پرچھے اڑا سکتی ہے جس طرح مغلوں کے مورث اعلیٰ چنگیز خان کے عہد سے لیکر اب تک بہادر مغلوں کو خاص شکستیں دیکر خائب و خاسر بھگاتی رہی ہے۔

میدان جنگ اور بہادر ظفرخان

لڑائی کا دن مقرر ہوا اور طبل جنگ بجایا گیا۔ تغلق خواجہ جو مشہور سپہ سالار اور خاندانی شہزادہ تھا۔ حملہ آور ہوا۔ مغلوں کے جوش و خروش کو دیکھکر ہندوستان کی سپر ظفرخان آگے بڑھا۔ اور تمام حملے کی زد اپنی ذات پر لی۔ مورخ ظفرخان کو رستم و اسفندیار لکھتے

ہیں۔ مگر ہیں اس کو حیدر کرار اور خالد بن ولید کہونگا جس نے ایثار نفس سے سچے بہادران
اسلام کی نظیر قایم کی۔ اور فوج میمنہ جس کا وہ کمانیر تھا۔ ہندوستانی فوج اور حملہ آور
مغلیہ فوج کے درمیان حایل ہوگئی۔ اور اس قدر بے جگری سے لڑی۔ کہ مغل جو آندھی
کی طرح آرہے تھے۔ ظفر خان اور اس کے بہادر ہمراہیوں کی غازیانہ شمشیر زنی سے
رُک گئے۔ اور ظفر خان کے دوسرے پُرجوش حملے سے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔
اور ظفر خان نے تیسرے حملے میں تلوار کے آگے فوج مغل کو رکھ لیا۔ اور میدان
سے بھگا دیا۔ ظفر خان جوش تہور میں میدان جنگ سے ۱۸ میل دور تک تعاقب میں چلا گیا

ہندوستان کی پھوٹ اور ظفر خان کی شہادت

ہندوستان کا میوہ پھوٹ مشہور ہے۔ افسوس کہ اس وقت اپنا اثر دکھا گیا۔ فوج
میسرہ کا جرنیل الغ خان برادر سلطان تھا۔ ظفر خان کے رستمانہ کارناموں سے حسد کرتا
تھا۔ اس کا فرض تھا۔ کہ ظفر خان کا ساتھ دیتا۔ اور مغلوں کے تعاقب میں جاتا۔ مگر وہ
حاسد قوم کا دشمن جگہ سے نہ ہلا۔ اور مغلوں نے یہ معلوم کر کے کہ ظفر خان کے پیچھے
اور کوئی امدادی فوج نہیں ہے۔ اور شاہی لشکر سے دور ہو گیا ہے۔ ظفر خان کو گھیر
لیا۔ بہادر ظفر خان اپنے جان نثار رفقا کے ساتھ حملات کرنے اور کشتوں کے پشتہ
لگانے لگا۔ مگر تابکے۔ گھوڑا تیروں کی بوچھاڑ سے گرا۔ اور ظفر خان پیادہ ہو گیا۔ اور
تیروں سے دشمن کو نشانہ بنانے لگا۔ تغلق خواجہ نے کہلا بھیجا۔ کہ اب تیر و کمان رکھدو
میرے باپ کے پاس چلو۔ جس قدر شاہ دہلی کے ہاں تمہاری عزت ہے۔ اس سے بڑھکر
وہاں ہوگی۔ مگر وہ غیور جان فروش اپنے آقائے شاہ دہلی سے مُنہ موڑ کر بیوفائی کا
داغ اپنی مردانہ نیکنامی پر کب لگا سکتا تھا۔ بدستور لڑائی پر آمادہ رہا۔ تغلق خواجہ
نے تیر بارانی کا حکم دیا۔ مگر کسی مغل کو جرات نہ ہوئی۔ کہ اکیلا اس شیر ہندوستان
کے سامنے آتا۔ یک لخت ہزاروں تیر اولوں کی طرح پڑنے لگے۔ جن کے صدمہ سے
ظفر خان تاج شہادت پہنکر راہی فردوس بریں ہُوا۔

ظفر خان کی شجاعت کی مغلوں میں اس قدر دھاک بندھ گئی تھی۔ کہ گھوڑا جب پانی
نہیں پیتا تھا۔ تو مغل کہتے تھے۔ کہ مگر ظفر خان را ندیدی کہ آب نمی خوری۔ یہ تھی۔ اُسوقت

کی شمشیر ہندوستان جس نے بہادر اور فاتحین مغل میں ظفر خان کی شجاعت کو ضرب المثل بنا دیا تھا۔ گو ظفر خان ملک وقوم پر قربان ہو گیا۔ مگر مغلوں کے دلوں پر بہادران ہندوستان کا اس قدر رعب چھا گیا۔ کہ تیس کوس تک کہیں مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اور الغ خان کے حاسدانہ تاہل سے فایدہ اٹھا کر سندھ پار ہو گئے

مذہب جدید کے اختراع اور غیر ملکوں کی فتح کی آرزو

فاضل ضیاء برنی نے ان خیالات کا باعث جہل وحماقت وغرور وتکبر۔ کثرت مال و دولت اور متواتر فتوحات لکھے ہیں۔ جلال الدین کے قتل۔ اُس کی اولاد و رفقا کی تباہی مغلوں کی دوبارہ شکست اور عظیم الشان ظفر مندی۔ گجرات کی فتح اور باغیوں کی بربادی فوج کی شکست ہاتھیوں کی عدت۔ بیٹوں کی تولید وغیرہ متواتر کامیابیوں نے علاء الدین کے دل میں یہ خبط ڈالدیا۔ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کیوجہ چار یاروں کی مخلصانہ امداد تھی۔ اگر میں اپنے چار وفادار امراء الغ خان۔ نصرت خان۔ الف خان وغیرہ کی مدد سے جدید مذہب نکالوں۔ تو کامیابی ہو سکتی ہے۔ اور استحکام سلطنت کے لئے محبت ارادی کا مستحکم سلسلہ قائم ہو سکتا ہے۔ یہ خیال خواہ کس قدر غلط ہے۔ مگر بعض دنیا پرستوں کے دل میں ضرور گذرتا رہا ہے۔ اور ہمارے زمانہ میں بھی ایک دو قومی مگر اسلام سے خارج لیڈروں نے اسلام کی نسبت اسی قسم کا خبط جما کر عقائد اسلامیہ میں قطع و برید شروع کی تھی۔ مگر قابل غور یہ امر ہے۔ کہ علاء الدین کے دل میں یہ خیال کیوں گذرا۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس قدر کمال درجہ کا الوالعزم تھا اُسی قدر بے علم جاہل۔ علماء کی صحبت سے نفور تھا۔ طبعی الوالعزمی اُس کے خیالات میں جولانیاں پیدا کرتی اور بے علمی کے سبب سے سُنی و نا شُنی امور میں امتیاز نہ کر سکتا تھا۔ کل بنی آدم کی اطاعت اور کرہ ارض کی تسخیر کے خیالات اُس کے دل میں گدگداتے۔ اور اُس کے لئے ایک جدید مذہب کا خود بانی ہونا ضروری سمجھتا۔ اگرچہ اس سے پہلے اور پیچھے عموماً علم والے بھی ایسی ٹھوکریں کھاتے رہے تھے مگر اُن کی خود غرضی

اور علاء الدین کی جہالت تھی۔ وہ سچ مچ جانتا تھا۔ کہ جدید مذہبی ارادت سے زیادہ فتوحات حاصل ہو نگی۔ اُس نے کسی کم علم یا بیدین ملحد سے جو اس وقت ہندوستان میں پہنچ گئے ہوئے تھے یہ سُن لیا تھا کہ ترقی اسلام کا باعث صرف صحابہ تھے۔ یا اسلام خودساختہ مذہب ہے۔ اگر اُس کو علم ہوتا اور اسلام کے عروج کی تاریخ سے واقفیت رکھتا۔ تو صرف چار یاروں کے اخلاص و ایثار کو ہی ترقی کا ذریعہ نہ جانتا۔ ضرور اصحاب اربعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص وفادار یار غمگسار تھے۔ انہوں نے ہر ایک مشکل وقت میں تن من دھن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات کیں۔ مگر یہ صفات جملہ اصحاب مہاجر و انصار میں موجود تھیں۔ علاء الدین ان صفات عالیہ کے پیدا ہونے کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ اور اسلام کی فلسفی پر غور نہ کر سکا۔ اور نہ نبوت و سلطنت میں فرق کر سکا۔

مسلمان اختراع مذہب جدید کی خبریں سُن سُن کر دنگ رہ گئے تھے۔ اور امرائے دربار میں سے کسی کو حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ کہ کچھ کہہ سکے۔

مذہب جدید کے برخلاف تقریر وزیر

اور

اخلاقی سبق

ہم اس موقعہ پر علاء الدین کے ایک وزیر علاء الملک کی تقریر لکھتے ہیں۔ تاکہ بداعتقاد خبطیوں کو مذہب کی وقعت معلوم ہو سکے۔ اور مذہب کو جو ایک ڈھکوسلا جانتے ہیں اُسے اپنی غلط رائے کا اندازہ کر کے مذہبی فضیلت کی طرف توجہ کریں۔ علاء الملک بہت موٹا تھا۔ اسی وجہ سے صرف ہر ماہ کی پہلی تاریخ دربار جاتا۔ بادشاہ کو اُس کی عقل و رائے پر کمال بھروسہ تھا۔ اور وہ بھی بیخوف و خطر صاف صاف کہدیتا تھا۔ ایکدفعہ علاء الدین نے اپنی دونوں خواہشیں اختراع مذہب جدید اور تسخیر ممالک غیر کی علاء الملک سے بیان کیں۔ وہ پہلے ہی سُن چکا تھا۔ عرض کی کہ شراب کو مجلس سے دور کیا جائے۔ اور صرف چار ملوک (لارڈ) دربار میں رہیں۔ شراب اور اس کا سامان مجلس سے ہٹایا گیا۔ اور چار ملوک (لارڈ) کے سوا اور درباری رخصت کئے گئے۔ علاء الملک نے کہا۔ کہ مذہب کا

اختراع صرف انبیا کا کام ہے۔ جنکو تائید ربانی حاصل ہوتی ہے۔ بغیر تائید الٰہی نبوت کا کام چل نہیں سکتا۔ سلطنت کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے ہمیشہ جہانداری سلاطین کرتے رہے۔ اور نبوت انبیاء کو ملتی رہی عظیم الشان سلطنتیں گذر چکیں۔ اور بڑے بڑے بہادر فاتح ہو چکے۔ مگر دعوے نبوت کسی نے نہیں کیا اور نہ کوئی مدعی نبوت کامیاب ہوا۔ جھوٹھی نبی ہمیشہ ذلیل وخوار ہوتے رہے۔ شاہا نہ جاہ وجلال اور کثرت زر ومال مذہب جدید کے لئے کافی ذریعہ نہیں ہیں۔ ایسے ناشدنی خیال کو دل سے نکال دیں۔ ورنہ مسلمان بگڑ جائینگے۔ اور جن مسلمانوں کی تلوار آج آپ کے دشمنوں کے سر کاٹ رہی ہے۔ وہی مسلمان آپ کی جان وخاندان کے دشمن ہوجائینگے یہ کوئی معمولی بغاوت نہیں ہوگی۔ بلکہ مذہبی جوش ہوگا جس کا فرو کرنا آپ کی طاقت سے باہر ہوگا۔ خدانخواستہ اگر ایسی حالت پیدا ہوئی تو کوئی مسلمان آپ کا ساتھ نہیں دیگا۔ آپ کے مقابلہ میں سب مسلمان اسلام پر جانیں قربان کردیں گے۔ کیا آپ چنگیز خان مغل سے طاقت مند فاتح ہیں جس نے گو اسلامی دنیا کے لاکھوں مسلمانوں کو ذبح کرڈالا۔ کہیں ایک مسلمان کو بھی مذہب مغلی (بدھ) میں نہ لاسکا۔ بلکہ خود مغل اسلام میں جذب ہوگئے۔ کوئی مذہب تلوار اور سلطنت کے زور سے نہیں پھیل سکتا۔ یہ شان نبوی تھا۔ کہ بے یار ومددگار مفلس ونادار یتیم وبیکس تائید الٰہی سے مغرور وسرکش مشرکین وغیرہ پر کامیاب ہوا۔ اور سب نے اسلام کی صداقت کے سامنے گردنیں جھکادیں۔

حضور یاد رکھیں کہ مذہب کا اجراء نبی کا کام ہے اور نبوت ختم ہوچکی ہے تمام مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ آپ کے دعوے نبوت کوسنکر تمام مسلمانان عالم دشمن بن جائینگے۔ اور سلطنت کو سخت صدمہ پہنچیگا خون ریزیاں ہونگی مسلمان آپس میں ہی کٹ کر مرجائیں گے۔ اور بری یادگار قائم ہوگی آپ کے امراء وزراء خوف جان سے سچ نہیں کہتے۔ اور آپ کی غلط رائے کی تصدیق وآفرین کررہے ہیں لیکن یہ خیرخواہی نہیں بدخواہی ہے۔

علاءالدین کو قوال کی یہ بے لاگ باتیں سنکر سوچ بچار میں پڑگیا۔ اور دیر تک سرنگوں خاموش رہا۔ آخر بولا کہ تم پر اور تمہارے ماں باپ پر صد آفرین ہو جو صاف

صاف کہدیا۔ اور حق نمک ادا کیا۔ خیرخواہوں نمک حلالوں کی طرح میری غلطی کو جتلایا
میں آئندہ کبھی بیہودہ کلمہ زبان پر نہ لاؤنگا۔ اور اختراع مذہب جدید کا خیال دل میں
ہرگز نہ کرونگا۔

اب عزم جہانگیری کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔ وزیر با تدبیر نے عرض کی کہ
میں اس آرزو کے مخالف نہیں۔ سلاطین جہانگیری و کشور کشائی کیا ہی کرتے ہیں۔
ضرور حضور کے پاس زر و جواہر اسپ و فیل فوج و لشکر کی کثرت ہے۔ کم سے کم تین
لاکھ سوار آراستہ مع ساز و سامان مکمل فتح ممالک غیر کے لئے ساتھ لینے پڑیں گے
اور کم سے کم اسی قدر فوج ہندوستان میں رکھنی پڑے گی۔ اور خرچ کثیر کا متحمل خزانہ
نہیں ہو سکیگا۔ رعایا پر خرچہ جنگ ڈالا جائیگا۔ تو ناراضی پھیلے گی۔ فوج تھوڑی ہوئی۔
تو ہندو جو ہمیشہ موقعہ کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اور وقت پر عہد و پیمان کی پروا نہیں
کرتے۔ حضور کی غیبت سے فائدہ اٹھا کر اور فوجی انتظام کو کمزور پا کر بغاوت کریں گے

سب سے مشکل یہ ہے۔ کہ آپ انتظام ہندوستان کس کے حوالہ کریں گے۔ اور
ایسی لیاقت کون رکھتا ہے۔ جو انتظام سلطنت کر سکے۔ اور جس کے حوالہ کریں گے۔ اس
کی وفاداری پر کس طرح اعتماد ہو سکتا ہے۔ معلوم نہیں۔ کہ حضور کی واپسی پر کیا کیا مشکلات
پیش آئیں۔ اور کس قدر فتنہ و فساد پیدا ہو جائیں۔

مانا کہ آپ سکندر کی طرح اولوالعزم بہادر ہیں۔ مگر ارسطو جیسے وزیر کہاں سے لائینگے۔ کہ
جس کے معتقد خاص و عام اس قدر تھے۔ کہ فوج و لشکر بغیر سکندر کے ۲۳ سالہ غیبت میں
کوئی شخص ارسطو کے فرمان سے سرکشی نہ کر سکا۔ بلکہ ایک سوئی تک بھی نقصان نہ ہوا۔
سکندر کی واپسی پر ملک میں امن و امان اور رعیت خوش و خرم فارغ البال تھی۔ اس
زمانہ میں ایفائے وعدہ اور قول و قرار کا خیال سب سے مقدم تھا۔ مگر آج معاملہ برعکس ہے
ان وجوہات سے سلطان کے لئے ہندوستان سے باہر ملکوں کی فتح کے لئے جانا خطرناک
ہے۔

سلطان علاء الدین نے کہا۔ کہ پھر اس قدر مال و دولت اسپ و فیل سوار و پیادہ سے
کیا فائدہ۔ علاء الملک نے جواب دیا۔ کہ اگر حضور کو فتوحات کا شوق ہے تو ابھی ہندوستان
کے کئی علاقہ سلطنت دہلی کے مطیع نہیں ہوئی۔ رنتھور۔ چتوڑ۔ چندیری۔ مالوہ دھار۔ اوجین

وغیرہ کو فتح کیجئے مشرق میں بنگال وغیرہ پڑا ہے۔ کوہ ہمالہ کی ریاستیں باجگذار بنائیں۔
دکن میں سیت بندر رامیشور تک فتح کا نشان اڑائیں اور سب سے بہتر یہ ہے کہ
ممالک ماتحت کا انتظام کریں چور ڈاکوؤں کا نام ونشان نہ چھوڑیں۔ سب سے ضروری
فرض حضور کا یہ ہے۔ کہ مغل جو ہر سال پنجاب کو تاخت وتاراج کرتے ہیں۔ اُن کا راستہ
بند کریں۔ تمام فالتو فوج کو ملتان۔ دیپالپور۔ سمانہ واقعہ پٹالہ کی چھاونیوں میں اس قدر
عدت وکثرت کے ساتھ بسر کردگی نامور بہادر سپہ سالاان کے مقرر کریں۔ کہ ہندوستان
کو مغلوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے۔ قلعے بنوائیں خندقیں کھدوائیں۔ سامان جنگ
اور کمسریٹ کئی سالوں کے لئے جمع رکھوائیں۔ فوج کو قواعد پریڈ مشق جنگ سے ہمیشہ
مستعد وتیار رکھیں۔ گھوڑے اعلےٰ نسل کے قیمتی اور عمدہ ہوں۔ مغلوں کے
روکنے اور صوبجات ہندوستان کی فتح کے بعد حضور خود بدولت دارالسلطنت دہلی
میں اقامت پذیر ہوکر عدل و انصاف اور انتظام ملکی میں مصروف ہوں۔ اس کے بعد چیدہ
اور منتخب لشکر تجربہ کار جرنیلوں کے ماتحت ممالک غیر کی فتح پر نامزد فرمادیں۔ فتح ہوئی
تو بہتر ورنہ اصل ممالک ہندوستان میں کوئی خلل نہیں آئیگا۔

جب علاءالملک یہ تقریر کرچکا۔ اور دیکھا۔ کہ سلطان علاءالدین پر اثر ہوا ہے۔ آداب
بجا لاکر کہنے لگا۔ کہ انتظام ملک اور فتح صوبجات ہندوستان تب ہوگی جب حضور مے نوشی
ترک بالکل کریں گے۔ شاہی جشنوں اور جلسوں میں جو شراب کا دور علانیہ چلتا ہے۔
اس کو دیکھکر عام رعیت تک شراب کے جلسے کرتے ہیں۔ دعوتوں کا دارومدار شراب
پر رہ گیا ہے۔ حضور کی کثرت شرابخوری اور شکار کی مصروفیت سے کاروبار سلطنت
ناقص ومہمل پڑے رہتے ہیں جس سے مخالفان سلطنت۔ باغیوں۔ غداروں کے
حوصلے بڑھ رہے ہیں۔ اور شرارت کے منصوبے پکا رہے ہیں۔ شکار کی تفریح کے لئے
خاص محل سیری ہین کے قریب ایک شکارگاہ مخصوص کیجاوے۔ وہاں کبھی کبھی تفریحاً
شکرہ و باز سے شکار کھیل لیا جائے موجودہ حالت شکار نظم ونسق میں خلل انداز ہے
علاءالدین یہ تمام تقریر سنکر بہت خوش ہوا۔ اور کہا۔ کہ جو کچھ تم نے کہا ہے سلطنت
کی بہتری اور خیرخواہی کے لئے کہا ہے۔ میں اسی پر عمل کرونگا۔ علاءالملک کو انعام دیا چاروں
ملوک (لارڈ) نے بھی انعام وتحفہ علاءالملک کے گھر بھیجے۔ اور ہر ایک نے علاءالملک

رائے کی تحسین و آفرین کی۔

مؤلف کا نوٹ

جدید مذہب کی خواہش کرنا اور ایک کوتوال کی تردید سے خواہ کس قدر معقول تھی اس آرزوئی مذہب سے باز آنا علاءالدین کی حقیقی فطرت کو بخوبی ثابت کرتا ہے سلطان بے علم و جاہل تھا۔ مذہب کی فلاسفی سے بے خبر تھا۔ مگر اولوالعزمی۔ بلند حوصلگی اس کی طبیعت میں ودیعت تھی۔ ایسے اشخاص کے دلوں میں اس قسم کے خیالات کا آنا کچھ عجیب نہیں ہے۔ اگر خود خواندہ ہوتا یا علماء کی صحبت میں بیٹھتا۔ تو شان نبوت و رسالت و مذہب کی بناوٹ سے واقفیت حاصل کرتا۔ اور کبھی نہ کہتا۔ کہ چند سرداران کی مدد سے جدید مذہب اختراع ہو سکتا ہے۔ اور رواج پا سکتا ہے۔ یہ خیالات چالاک لوگوں کے دلوں میں گذرتے رہے ہیں۔ اور انہوں نے دعوے نبوت بھی کیا ہے۔ مگر ان مدعیان نبوت اور علاءالدین میں فرق ہے۔ مدعیان نبوت اور بانیان مذاہب جدید یا تو بالکل پولیٹکل بہروپیے تھے۔ یا خبطی۔ مگر علاءالدین ان دونوں مرضوں سے پاک تھا۔ جس نے ایک امیر کے سمجھانے سے ارادہ ترک کر دیا۔ اس کا دل صاف تھا۔ ایک جاہلانہ امنگ اُس کی دل میں اُٹھی تھی۔ جو ایک معقول تقریر سے بیٹھ گئی۔ ورنہ وہ اگر حقیقت میں اسلام کے برخلاف ہوتا۔ تو کبھی باز نہ آتا۔ اور اس مطلب کے لئے لاکھوں کے خون بہا دیتا۔ مگر اُس کی فطرت و طینت نیک تھی۔ جو کوتوال کے سمجھانے سے اپنے بُرے ارادہ سے باز آ گیا۔ علاءالدین انتظام ملک کے لئے ہر ایک عادت و خواہش کے چھوڑنے کے لئے تیار رہتا۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ ملکی انتظام اور بہبودی رعیت کے لئے وہ ایثار نفس کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ جس صفت میں دنیا کا کوئی بادشاہ علاءالدین کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

رنتھور پر حملہ کی وجہ

گجرات کی مال غنیمت کے (جس میں پانچواں حصہ حق شاہی تھا) تحقیقات نہایت سختی سے کی گئی تھی۔ تلاشی سے سپاہی تنگ آ گئے تھے اس سے نو مسلم سپاہی

جو زیادہ تر مغل تھے - باغی ہو گئے تھے۔ سلطان علاء الدین کے بھلیجے کو سپہ سالار نصرت خان کے شبہ میں قتل کیا تھا - اور ہنوز لڑ بھڑ کر راجگان ہند کے پاس چلے گئے باغیوں کے زن و فرزند سے نہایت ہی ظالمانہ سلوک کیا گیا تھا - ان باغیوں میں سے اکثر راجہ چتوڑ کے پاس جا کر ملازم ہو گئے تھے۔ رنتھور - راجپوتانہ میں نہایت مستحکم اور مضبوط قلعہ تھا - وہاں کا راجہ ہمیر دیو پرتھی راج کا پوتا تھا - یہ قلعہ اگرچہ سلاطین غلامان کے عہد میں بھی مطیع کیا گیا تھا - اور اسلامی فیاضی سے راجپوتوں کے قبضہ میں ہی رہا - اب باغی مغلوں کو ملازم رکھنے سے مخالفت کا صاف صاف اظہار تھا - یا یوں کہو - کہ شاہ دہلی کے مقابلہ کے لئے ایسے لوگ ملازم رکھے جاتے تھے جو خاص ہندوؤں کی نسبت زیادہ جری اور مسلمانوں کے مقابلہ کے قابل تھے - اور اگر صرف پناہ دینا ہی مقصود تھا - تو کبھی زیر رسوخ یا دوست رؤسا شاہنشاہ کے مخالفوں یا غیوں کو پناہ نہیں دے سکتے - اگر کوئی رئیس ایسا کرے تو باغی شمار ہوتا ہے - یہی وجہ رنتھور پر حملہ کرنے کی تھی جو راجہ چتوڑ کی حمایت میں تھا - رنتھور کے بعد چتوڑ پر حملہ ہوا -

فتح رنتھور

فتح رنتھور میں جس قدر علاء الدین ہمہ تن مصروف رہا - اور تمام چیدہ لشکر محاصرہ میں لگا رہا - اس سے رنتھور کی حصانت اور راجپوتوں کی بہادرانہ مدافعت کا پورا پتہ لگتا ہے - اور معلوم ہوتا ہے - کہ اس جنگ میں خوب اتفاق و اتحاد سے کام لیا گیا اور قومی جنگ کا حق ادا کیا گیا ہندوؤں کے کسی قلعہ کے فتح کرنے میں مسلمانوں کو اس قدر دیر نہیں لگی جس قدر کہ فتح رنتھور میں یہ توقف باغی مغلوں کی جانبازی اور بہادرانہ سرفروشی سے ہوا یا علاء الدین کی ظالمانہ سخت گیری سے مسلمانوں نے سرگرمی نہ دکھائی - مگر بہر حال راجپوتوں کی شجاعت کا اقرار کرنا پڑتا ہے - رنتھور بہت سی مشکلات اور بہت سی دقتوں کے بعد فتح ہوا - اثنائے محاصرہ رنتھور میں چند خوفناک بغاوتیں ظاہر ہوئیں - جن کا ذکر آئندہ لکھا جائے گا۔ مگر سلسلہ کلام کے لئے رنتھور اور چتوڑ کی فتح مقدم لکھی گئی ہے - ناظرین معاف فرماویں - فتح کے بعد رنتھور کی حکومت

الغ خاں کو دی گئی ۔ جو حملہ دکن کی تیاری کر رہا تھا ۔ کہ اتفاقاً مر گیا ۔ اور جلال الدین کی نمک حرامی کا الزام لے گیا ۔ اور دنیا سے ناکام گیا ۔

چتوڑ اور پدمنی کا افسانہ

چتوڑ کا راجہ راجپوتوں میں نہایت زبردست تھا ۔ باغی مغلوں کو جو سلطنت دہلی کے دشمن تھے ۔ پناہ دی تھی ۔ اور اس پناہ دینے کی غرض وہی تھی ۔ جو رنتھور کے بیان میں لکھی گئی ہے ۔ پس رنتھور کی فتح کے بعد جہاں تمام راجپوتوں نے علاءالدین کے مقابلہ میں زور لگایا تھا ۔ چتوڑ پر حملہ کیا گیا ۔ کوئی گورنمنٹ اس بات سے درگذر نہیں کر سکتی ۔ کہ اُس کے باغیوں کو پناہ دیجائے ۔ اسی وجہ سے رنتھور اور بعد میں چتوڑ پر حملہ ہوا ۔ راجہ چتوڑ کی رانی پدمنی کے عشق و محبّت سے مجبور ہو کر چتوڑ پر حملہ نہیں ہوا ۔ تھا جیسا کہ کہا جاتا ہے ۔ ضیاء برنی سے زیادہ معتبر علاءالدین کے عہد کا اور کوئی مورخ نہیں ہے ۔ اور ضیاء برنی علاءالدین کے ظلم و سفاکی کے واقعات مفصل لکھتا ہے ۔ بلکہ صریح لفظوں میں بیدین و جاہل تک لکھدیتا ہے ۔ اگر پدمنی کا افسانہ صحیح ہوتا جسکو کہ آزاد دہلوی نے لون مرچ لگا کر انشاء پردازی کے جوہر دکھائے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تو ضیاء برنی اس شرمناک واقعہ کے لکھنے سے کبھی نہ ٹلتا ۔ اور ظلم و جہالت کے ساتھ مغلوب الشہوت کا الزام بھی لگا دیتا ۔ اور ایسے حیوانی شہوانی واقعہ کو کبھی نہ چھپاتا مگر ضیاء برنی نے فتح چتوڑ کے بیان میں پدمنی کے بابت کچھ نہیں لکھا ۔ اور یہی حال فرشتہ اور نظام الدین ہروی کا ہے ۔ معلوم نہیں ۔ کہ آزاد دہلوی نے کس مستند تاریخ سے یہ افسانہ نقل کیا ہے ۔ جو تاریخیں علاءالدین کے واقعہ چتوڑ سے چار سو سال بعد لکھی گئی ہوں ۔ وہ ضیاء برنی پر فوق نہیں رکھ سکتیں ۔ جو علاءالدین کا ہمعصر تھا ۔ آزاد دہلوی نے غالباً پدمنی کا قصہ سیر المتاخرین سے لیا ہوگا ۔ جو قدیم تاریخ لکھنے میں غلطی کھاتا ہے سیر المتاخرین کا مولف کسی تاریخ کا حوالہ نہیں دیتا ۔ پھر اُس کی اور اس کے پیرو آزاد دہلوی کی بے سند روائت کو کس طرح صحیح تسلیم کیا جائے ۔ جس طرح آزاد نے لکھا ہے ۔ اُس سے تو علاءالدین محض ظالم و وحشی ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ نادان بے سمجھ غیر محتاط بے انتظام اور اُس کی فوج ڈرپوک کم سوار پائی جاتی ہے ۔ جو پانسو جعلی ڈولیاں

چتوڑ سے فاصلہ دراز طے کر کے دہلی پہنچ جائیں - اور علاء الدین کی خفیہ پولیس کو جس کی بابت ہم آیندہ لکھیں گے خبر تک نہ ہو - کہ ڈولیوں میں مرد ہیں یا عورتیں اور پھر خاص دہلی سے جہاں ہزارہا سوار موجود تھے - پانچسو راجپوت لڑ بھڑ کر راجہ کو نکال لیجائیں اور دنیا کے مشہور اسلامی شاہ سوار منہ دیکھتے رہ جائیں - یہ ایک ہندوستانی افسانہ ہے - جس کو آزاد دہلوی نے تاریخی رتبہ دیکر پنجاب کی تعلیمی سکیم میں داخل کرا لیا تھا - جواب خارج ہو چکا ہے -

ضرور اس قدر بات ہو گی - کہ مغلوں کی پناہ دہی یا زنبور کی امداد کی وجہ سے چتوڑ پر حملہ کیا گیا - راجپوتوں نے سخت مقابلہ کیا - اثنائے محاصرہ میں پدمنی کا حسن و جمال سنا ہو گا علاء الدین کوئی فرشتہ نہ تھا - انسانی شہوت رکھتا تھا - فتح سے پہلے یا بعد میں پدمنی کے حوالہ کرنے کی خواہش کرنا بھی قرین قیاس ہے - مگر پدمنی کی وجہ سے چتوڑ پر حملہ کرنا اور صلح کی شرط صرف آئینہ میں سے پدمنی کا شکل دکھا دینا خلاف قیاس ہے - علاء الدین ایسا غیر محتاط کہاں تھا - کہ جریدہ طور سے دشمن کے محلوں میں چلا جاتا - اور نہ راجپوتی خون اس بے غیرتی کو گوارا کر سکتا تھا - کہ اُس کی بیوی غیر مرد کو آئینہ میں سے بحیثیت معشوقانہ چہرہ دکھلائے - اسی غیرت سے شریف و غیور راجپوت اپنی عورتوں کو ذبح کرتے رہے یا خود راجپوت عورتیں غیرت کے مارے آگ میں جلکر راکھ ہوتی رہیں - پھر کس طرح ممکن ہو سکتا ہے - کہ چتوڑ کا خاندانی راجہ ایسی بے عزتی کو عمل میں لائے - ضیا برنی لکھتا ہے کہ فتح چتوڑ کے بعد علاء الدین نے اپنے بیٹے کو چتوڑ کی حکومت سپرد کی - اور راجہ کا خاندان پہاڑوں میں بھاگ گیا - جب چتوڑ میں سلطان کا بیٹا موجود تھا - تو پدمنی کہاں تھی - اور چتوڑ میں کس طرح ٹھیر سکتی تھی - جب راجہ قید ہو کر دہلی چلا آیا تھا - کیا سلطان علاء الدین جس کا بیٹا چتوڑ کا حکمران تھا - ایک بیکس عورت کو جو چتوڑ کے محلوں میں بیٹھی تھی - جبراً نہیں پکڑ سکتا تھا - الفنسٹن صاحب نے بھی پدمنی کا افسانہ نہیں لکھا - بہر حال اور واقعات ہوں یا نہ ہوں - لیکن اس بات کو ہم ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے - کہ راجہ چتوڑ سے بگاڑ پدمنی کی وجہ سے ہوا - اور پدماوت کا عشق چتوڑ کے حملہ کا باعث ہوا -

اگر آزاد مرحوم غور و تحقیق سے کام لیتا تو ایسے بے سند واقعہ میں زود قلم نہ دکھاتا - نہ تو راجپوت راجہ کو بے غیرت بناتا - اور نہ بہادر و منتظم علاء الدین کے کیرکٹر پر بدنما دھبہ

لگاتا۔ چونکہ فتح چتوڑ سے پہلے چند بغاوتیں ہوئی تھیں۔ اس لئے اُن کا مقدم لکھنا ضروری ہے۔ یہاں ہم چتوڑ کے قصہ کو اس بات پر ختم کرتے ہیں۔ کہ ان متعدد بغاوتوں کے رفع کرنے کے بعد چتوڑ سخت لڑائی کے بعد فتح ہوا۔ راجہ گرفتار اور بقول الفنسٹن صاحب بھاگ کر تکلیف کا باعث ہوا۔ اگرچہ بے سند ہے مگر ممکن ہے۔ لیکن ڈولیوں کا آنا اور علاء الدین کا دھوکہ کھانا اور پدمنی کا آئینہ میں سے شکل دکھانا نہیں لکھا ہے۔ جس سے ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے۔

بغاوت ۲ اکتخان

جب سلطان علاء الدین نے رنتھور پر چڑھائی کی۔ اور بمقام تلپت شکار کے لئے مقام کیا۔ تو ایک دن عین شکار میں جبکہ سلطان کے ساتھ صرف چند خواص تھے۔ سلطان کے پیچھے اکتخان نے چند سواروں سمیت علاء الدین پر حملہ کیا۔ علاء الدین ایک ٹیلہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں سے اُتر کر ٹیلہ کو مورچہ بنا لیا۔ باغیوں نے تیر برسانے شروع کئے۔ سلطان کے بازو پر بھی دو تیر لگے۔ ایک غلام نے اپنے آپ کو سلطان کی سپر بنا یا۔ جدھر سے تیر آتا اُدھر ہی سے سلطان کو بچاتا۔ اور سخت زخمی ہوا باغی سوار تلواریں کھینچکر سلطان کا سر کاٹنے کو بڑھے۔ چند شاہی پیادوں نے مقابلہ کیا۔ اور مشہور کیا کہ علاء الدین مرگیا ہے۔ اکتخان ناتجربہ کار نادان نوجوان تھا۔ سلطان کو سچ مچ مردہ تصور کر کے شاہی کیمپ کی طرف چلا گیا۔ اور جاتے ہی تخت پر بیٹھ گیا۔ اور سلطان کے قتل کا واقعہ بیان کیا۔ سب نے اطاعت کر لی۔ لیکن داروغہ محلسرائے سلطانی نے یہ کہکر محلسرائے پر قبضہ نہ دیا۔ کہ جب تک علاء الدین کا سر نہ دکھلایا جائے محلسرا پر قابض نہ ہونے دونگا۔

اُدھر جب ذرہ علاء الدین کو ہوش آئی۔ تو اپنے بھائی اُلغ خان کے پاس بمقام جھاین جانے کا ارادہ کیا۔ مگر ہمراہیوں نے کہا۔ کہ ابھی اکتخان کو استقلال نصیب نہیں ہوا۔ ابھی لوگ ششش و پنج میں پڑے ہیں۔ فوراً کیمپ کی طرف جانا چاہیے حضور کا چتر شاہی دیکھکر سب خیرخواہ اکتخان کو چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائینگے۔ علاء الدین نے یہ رائے پسند کی کیمپ کو چلا راستہ میں جو سوار و پیادہ دیکھتا۔ آداب

بجا لاکر ساتھ ہو لیتا۔ اسی طرح کیمپ میں پہنچنے تک پانچسو سوار ساتھ ہو گئے۔ قریب پہنچکر ایک ٹیلہ پر چڑھ کر چتر شاہی دکھلایا۔ فوج دیکھتے ہی دوڑی۔ اور دعائیں دینے لگی۔ نمک حرام اکتخان یہ دیکھکر بھاگا۔ مگر گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔

بغاوت (۳) ملک عمر خان منگو خان

علاء الدین کے عہد میں پہلی بغاوت نو مسلم مغلوں نے کی۔ جو مال غنیمت گجرات کے سبب سے ہوئی ہے دوسری بغاوت اکتخان برادر زادہ سلطان نے کی۔ تیسری بغاوت سلطان کے ہمشیرہ زادوں ملک عمر اور منگو خان نے کی۔ جو بداؤں اور اودھ کے گورنر تھے۔ سلطان کو محاصرہ رنتھور میں مشغول دیکھکر باغی ہو گئے۔ سلطان نے سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی جس نے دونوں کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس بمقام رنتھور پہنچا دیا۔ جہاں بحکم سلطان دونوں باغیوں کی آنکھیں کمال بیدردی سے خربوزہ کی پھانکوں کیطرح نکلوا کر ہلاک کیا گیا۔ ان کے رفقا زن وبچہ سب تہ تیغ کئے گئے۔

بغاوت (۴) حاجی مولا

حاجی مولا ملک فخر الدین قدیم کوتوال دہلی کا آزاد شدہ غلام تھا۔ چالاک فتنہ پرداز تھا۔ چونکہ خلجیوں کے ہاتھ سے کوتوال مذکور کا خاندان تباہ ہوا تھا جس خاندان سے حاجی مولا کا تعلق تھا اسلئے وہ سلطنت خلجیہ کے برخلاف تھا۔ علاء الدین کی سخت گیری جو حد ظلم تک پہنچ چکی تھی۔ اس سے لوگ ناراض تھے۔ یہانتک کہ خود علاء الدین کا بھتیجا جان کا خواہان اور بھانجے باغی خواستگار سلطنت بن چکے تھے۔ سلطان اس وقت رنتھور کی مہم میں سخت مشغول تھا۔ فوج شاہی کا اکثر حصہ محاصرہ رنتھور میں مصروف تھا۔ اور تین سال کے طویل محاصرہ سے کچھ نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ دہلی اور اس کے نواح میں کوئی زبردست فوج موجود نہ تھی۔ ان تمام بواعث نے حاجی مولا کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ اور ایک کوتوال دہلی کو فریب سے قتل کر کے دوسرے کوتوال کو محصور کر لیا۔ قیدی رہا کر دیئے۔ خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ ایک علوی کو جو شمس الدین التمش کے نواسوں میں سے تھا۔ زبردستی بادشاہ بنا لیا۔

علاء الدین نے رنتھور میں یہ خبر سنی - لیکن اُس اولوالعزم بہادر کے چہرہ پر بل تک نہ آیا - اور بدستور محاصرہ قلعہ پر زور دیتا رہا - دہلی کا ایک امیر حمید الدین جس کے بیٹے مشہور بہادر اور صف شکن تھے اپنی جمعیت لیکر باغیوں کی سرکوبی کے لئے تیار ہوگیا - اور اس قلیل اور تربیت یافتہ فوج اور علاء الدین کی یاوری اقبال سے باغیوں پر غالب رہا - علوی بادشاہ اور حاجی مولا قتل کئے گئے - اور ان کے سر معہ فتحنامہ علاء الدین کے پاس بمقام رنتھور بھیجے گئے - سلطان نے الف خان کو انتظام دہلی کے لئے روانہ کیا - جس نے باغیوں اور ان کی متعلقین زن و بچہ کو قتل کیا -

ہندوؤں کی بغاوت ۵

مندرجہ بالا چاروں بغاوتیں مسلمانوں خصوصاً شاہی خاندان کے متوسلین نے کی تھیں - جو خود علاء الدین سے سیکھی تھیں - مگر ان باغیوں میں علاء الدین جیسا حوصلہ و ہمت تدبیر اور کثرت رفقا اور زر و مال نہ تھی - علاء الدین کا مقابلہ جلال الدین بوڑھے سادہ لوح سے تھا - اور ان باغیوں کا علاء الدین جیسے بہادر مدبر اولوالعزم سے تھا - اسلئے کوئی باغی کامیاب نہ ہوا -

مسلمانوں کی ان باغیانہ حرکات اور باہمی سرپھٹول کو دیکھکر ہندوؤں نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کئے - نمبردار - مقدم - چودھری مسلح جمعیتیں رکھنے لگے - جنگی قواعد - نشانہ بازی کی مشق ہونے لگی - شکار - شہسواری جنگی مشق کا عام طور سے رواج ہوگیا - کثرت آبادی اور جنگی طاقت کے بھروسہ پر خراج زمین - جزیہ - خانہ شماری چرائی جو ہمیشہ گورنمنٹ کو دیا کرتے تھے - اس سے انکار کر دیا - اور باوجود اجراء سمن و طلبی حکام عدالتوں میں حاضر نہ ہوتے یہ جملہ علامات بغاوت و سرکشی کی تھیں - اگر گورنمنٹ کی طرف سے کچھ عرصہ اور تغافل رہتا - تو ضرور اعلیٰ پیمانہ پر مقابلہ کیا جاتا مگر سلطان جو بغاوتوں کے دبانے میں نہایت مستعجل تھا - اور بہادر مسلمانوں کو بغاوت کا مزا چکھا چکا تھا ہندوؤں سے کب دبتا تھا - باغی ہندوؤں کی سرکوبی کے لئے تھوڑی سی فوج مقرر کی - جس کے ہاتھ سے کچھ تو مارے گئے - اور زیادہ معافی کے خواستگار ہوئے اور بغاوت فرو ہوگئی - اور احکام سلطانی کی تعمیل ہونے لگی - فیروز شاہی صفحہ ۲۹۱

بغاوت (سڈیشن) کا انسداد

جب ملک میں بغاوت کا اسقدر مادہ پیدا ہو گیا۔ تو علاء الدین نے وزرا کی کونسل جمع کی۔ اور اسباب بغاوت دریافت کئے۔ بہت سے بحث مباحثہ کے بعد بغاوت کے اسباب ذیل بیان کئے گئے۔

جو ہندوستان کی ہر ایک گورنمنٹ کے لئے ہر ایک عہد میں مفید ہو سکتے ہیں چونکہ آجکل ہمارے زمانہ میں بعض ناعاقبت اندیش ہندوستان کی بے چینی کا موجب ہو رہے ہیں۔ اور انگریزی اخبار اس مضمون پر بہت کچھ لکھ رہے ہیں اس لئے ایسے وقت میں سلطان علاء الدین کی عملی تجاویز خالی از دلچسپی نہیں ہو سکتیں۔

کونسل کی تجاویز

(۱) پہلا سبب یہ ہے۔ کہ سلطان معاملات سلطنت اور رعایا کے نیک و بد خیالات سے بے خبر ہے سلطان علاء الدین ایک خود مختار بادشاہ تھا۔ استبدادی حکومتوں اور خود مختار سلطنتوں میں بادشاہ کی بیداری و غفلت کا سلطنت کے ہر ایک اہلکار پر اثر پڑتا ہے۔ جمہوری سلطنتوں میں بادشاہ کے ذاتی عمل کا کوئی اثر انتظام پر نہیں پڑتا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ آج ہندوستان انگریزی جمہوری سلطنت کے ماتحت ہے۔ اور ہر ایک عہدہ دار جمہوری سلطنت کا ممبر ہے۔ عہدہ داران سلطنت ہندوستان کے طرز عمل کا وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جو ایک سلطان وقت کی حرکات و عادات کا نکل سکتا ہے۔ علاء الدین کی بے خبری کو وجہ بغاوت قرار دینا بالکل درست ہے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ افسران انگریزی میں سے بہت کم ایسے عہدہ دار ہونگے۔ جو رعیت کے حقیقی خیالات اصلی تکالیف سے واقفیت رکھتے ہوں۔ ملک کا دورہ دریافت حالات کے لئے ہوتا ہے۔ مگر دورہ میں جن لوگوں کو ملاقات کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ وہ خوشامدی خود غرض ہوتے ہیں۔ ملک کے صحیح صحیح حالات بیان نہیں کرتے۔ اور نہ افسران ایسے حالات صحیح دریافت کرنے کی کوشش کرتے

ہیں۔ ان میں ہندوستانیوں کا ہی قصور ہے جو ہمیشہ حکام کا سلام کسی ذاتی غرض کے لئے ہی کرتے ہیں جس سے حکام انگریزی دیسیوں کی ملاقات کو فایدہ بخش نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر کوشش کیجائے۔ اور سلام کے لئے صرف موٹے تازے دیسیوں کو ہی منتخب نہ کیا جائے۔ بلکہ ملاقاتیوں کی فہرست میں عہدہ دار۔ تاجر۔ زمیندار۔ اڈیٹر۔ مصنف ہر ایک قسم کے لوگوں کا نام بحصہ رسدی لکھا جائے۔ اور ملاقات کرنے کے لئے صرف جاگیر و خطاب زر و دولت کو ہی معیار قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ عام لیاقت۔ آزادی خیالات۔ ملکی خدمات کی ہی قدر کیجائے۔ اور ایسے لوگوں کے خیالات سے ملک کی ضروریات معلوم کیجائیں سید غلام حسین مولف سیر المتاخرین نے ڈیڑھ سو سال پہلے انگریزی حکام کی اجنبیت اور دیسیوں سے علیحدگی و نفرت کارفرما دیا ہے وہی عادات انگریزوں میں ۱۸۷۰ء کے شرارت انگیز واقعات سڈیشن تک موجود تھیں جس سے ملک کے امن و امان میں خلل پیدا ہوا تھا۔ اگر عہدہ داران انگریزی ملک کے صحیح حالات سے خبر رکھتے۔ تو یہ نفرت بڑھنے والا مادہ جو ۲۲ سال سے پک رہا تھا کبھی اس طرح نہ پھوٹتا۔ اگر ان نتائج سے حکام واقف تھے۔ تو انتظام قابل تعریف نہیں۔ اور وہ ان ابتدائی واقعات کو خفیف سمجھتے رہے۔ جو نتیجہ بے خبری تھا۔ اور جس نتیجہ پر سلطان علاءالدین کی کونسل پانچسو سال پہلے پہنچ چکی ہے۔ آج گورنمنٹ انگریزی نے عمل شروع کیا ہے۔ دلیسیوں سے میل ملاپ اور تالیف قلوب کی تحریک بہت کچھ مفید ثابت ہوگی۔

علاءالدین کی کونسل نے بے خبری کی وجوہات میں خفیہ پولیس کی کمزوری بھی بیان کی تھی۔ جس پر میں آئندہ بحث کرونگا۔

(۲) وزیروں نے دوسری وجہ بغاوت کثرت شراب کو قرار دیا۔ جلسوں۔ میلوں بیاہ شادیوں میں علانیہ شراب کا استعمال اور بحالت نشہ متمردانہ الفاظ کا منہ سے نکالنا بیان کیا۔ کہا کہ شراب سے بے حیائی۔ گستاخی۔ بے ادبی۔ ضد سینہ زوری کی عادت پڑتی ہے۔ ایسے شراب کے جلسوں میں اکثر فتنہ و بغاوت کے خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں۔ بغاوت کے خیالات شراب کی بندش سے کم ہو جاوینگے

ناظرین ذرہ زمانہ حال کی طرز معاشرت پر غور کریں۔ کہ شراب کا کس قدر رواج ہو رہا ہے۔ یورپ سے کروڑوں روپیہ کی شراب ہندوستان میں آتی ہے۔ جو ہندوستانیوں کی جسمانی وروحانی صحت کو بگاڑتی ہے۔ مناہی وملاہی کا ارتکاب کراتی ہے۔ مذہبی احکام کی وقعت دل سے کھوتی ہے۔ بلکہ خوف خدا بھی نہیں رہتا۔ جب خوف خدا نہ رہا۔ تو گورنمنٹ کی وقار کس طرح دل میں رہ سکتی ہے۔ جب یہ دونوں خوف نہ رہے۔ تو بغاوت (سڈیشن) اپنا اثر دکھاتی ہے۔ غالباً ہماری اس رائے سے تاجران شراب اور شرابخور اتفاق نہیں کریں گے۔ اور شراب کی بندش کو آزاد تجارت کے اصول کے خلاف کہیں گے۔

لیکن جہاں گورنمنٹ عالیہ رعیت کی جسمانی حفاظت کرتی ہے اور کروڑوں روپیہ خرچ کر کے رعایا کی جانیں بچاتی ہے۔ وہاں روحانی امراض سے بچانا بھی گورنمنٹ کا فرض ہے۔ روح بگڑا تو جسم کی بناوٹ کس کام آئیگی ہم یہ نہیں کہتے کہ کسی خاص مذہب کی رعایت کرے۔ یا کسی خاص عقیدہ کی تعلیم دیں۔ لیکن شراب جس کا استعمال کسی مذہب میں جائز نہیں۔ اور جس کے برخلاف نیک دل یورپین بھی سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں اور ترک شراب کے لئے سوسائیٹیاں بنا رہے ہیں۔ انسداد شراب کا کوئی قانون پاس کیا جلئے۔ تو سوائے چند سوداگران شراب کے کوئی خدا پرست وخیر خواہ خلق اس قانون کو برا نہیں مانیگا۔ بلکہ جس طرح سلطان علاءالدین خلجی بندش شراب کے احکام سے مورخین کی نگاہ میں جملہ سلاطین سے بڑھکر ممتاز نظر آتا ہے۔ اسی طرح آیندہ نسلوں میں انگریزی گورنمنٹ عزت کی نگاہ سے دیکھی جائیگی۔ اور رعیت کی جسمانی اور روحانی امراض کی مہربان ڈاکٹر تصور ہوگی۔

اگر قطعی بندش نہیں ہوسکتی۔ تو کم سے کم سرکاری دعوتوں۔ جلسوں میں کھلے طور سے پینا یا عام بیاہ شادیوں۔ پبلک میلوں میں اس کا رواج بند کیا جائے سرکاری ملازموں کے اعمالنامہ (کیریکٹر رول) میں شراب کی بابت خاص طور سے افسر مجاز نوٹ لکھیں۔ کہ شراب پیتا ہے یا نہیں۔ اور یہ حکم گورنر جنرل سے لیکر ایک چپراسی تک نافذ کیا جائے۔ اگر انگریزوں پر یہ حکم نہیں چل سکتا۔ تو دیسیوں کو ایسے قانون

سے مستفید کیا جائے۔ اور جس طرح کہ بعض قوانین کے اجرا میں ملکی انتظام د
بہتری کو مدنظر رکھتے ہوئے عام رجحان کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اسی طرح لوگوں
کی میخواری اور چند روزہ ناراضگی کی پرواہ نہ کیجائے۔ جب گورنمنٹ ستی وغیرہ مذہبی
رسوم کو اوڑا چکی ہے۔ تو شراب جو ہندو مسلمانوں کے مذہب کے خلاف ہے
کیوں نہیں اڑاتی۔ علاءالدین اور اس کے درباریوں سے بڑھ کر کون شراب خور تھا
مگر اس حقیقی امن کے خیرخواہ رعیت کے مہربان۔ ملک کے نبض شناس نے یک لخت
شراب کو ترک کر دیا۔ اور قطعی انسداد کر دیا۔

سلطان علاءالدین کے تجربہ سے ہندوستان کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اور یہ اعتراض
کہ جہاں یورپ کی سلطنتوں کا سایہ پڑتا ہے سب سے اول شراب قدم رکھتی ہے
اور اس ملک کے روحانی فضائل کو نقصان پہنچاتی ہے دور کیا جائے۔ علاءالدین نے جو انسداد
شراب کے لئے طریقہ اختیار کیا آئندہ بیان ہوگا۔

(۳) تیسری وجہ بغاوت کونسل نے یہ بیان کی۔ کہ چونکہ امراء و ملوک (لارڈ) باہم
رشتہ کرتے ہیں۔ اور ایسی قرابت سے اُن کی ذاتی طاقت اور رسوخ بڑھ جاتا ہے
جب بصورت جرم گورنمنٹ ایک کو پکڑتی ہے۔ تو اس کے باقی رشتہ دار بھی بگڑتے
ہیں۔ اور سلطنت کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس لئے آئندہ ایسے رشتہ
بلا اجازت سلطان نہ ہوا کریں۔

کونسل کا یہ ریزولیوشن نہائیت سنجیدہ تھا۔ وزرا کی معاملہ فہمی اور تدبیر و دانش
پر دلالت کرتا ہے۔ واقعی ماتحت عہدہ داروں اور رعایا کے مختلف فرقوں کی طاقت
کا موازنہ رکھنا اصول سلطنت میں داخل ہے جو گورنمنٹ کسی فرقہ یا قوم کو سلطنت
کے کاروبار میں زیادہ دخیل کرتی ہے۔ یا کسی خاص فرقہ یا جماعت کی ملکی و مالی طاقت
دیگر رعیت کے فرقوں سے بڑھاتی ہے۔ اخیر میں مشکلات میں مبتلا ہوتی ہے۔ رشتہ
داری امراء انکی متحدہ طاقت کو بڑھا کر تمرد و سرکشی کا موجب ہوتی تھی۔ ملازمت کا یہ
سنہری اصول ہے

دو ہمجنس دیرینہ و ہم قلم ؛ نباید فرستاد یک جا بہم

اسی قسم کے خوفناک تجربوں کے بعد قائم کیا گیا ہے۔

میں اس صدیوں کے آزمائے ہوئے فلاسفرانہ تجربہ کی تائید میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ زمانہ کے حالات کو غور سے دیکھنے والے اس کی ضروریات اور متمدن گورنمنٹوں کے طرز عمل سے ہماری رائے کی صداقت دیکھ سکتے ہیں۔

(۴) چوتھی وجہ بغاوت روپیہ کی کثرت بیان کی گئی۔ عہد غوریہ میں جبکہ اسلامی سلطنت کی بنیاد ہندوستان میں مستقل طور سے پڑی۔ اور لکھ بخش قطب الدین اور رعیت کے حامی التمش و خدادوست ناصر الدین اور منتظم بلبن کے پُرامن عہد میں رعایا ہند کو ایکصدی رفاہیت و امنیت رہی۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے مقررہ خراج محواصیل کی مقدار بمقابلہ پیداوار و آمدنی بہت ہلکی تھی۔ اس کے سوا اور کسی قسم کا ٹیکس وغیرہ دینا نہ پڑتا تھا۔ آزادی کے ساتھ بلا شراکت قوم فاتح تجارت زراعت۔ صنعت حرفت سے روپیہ کماتے ہے۔ ان وجوہات سے روپیہ کی کثرت ہوگئی۔ اور تمول سے جرات و جسارت بڑھ گئی۔ جنگی طاقت اور حرارت کو بڑھانے لگے۔ جو حقیقت میں دوبارہ ہندو حکومت کے قائم کرنے کا پیش خیمہ تھا۔ اس تجویز سے بھی کوئی منصف مزاج زمانہ شناس انکار نہیں کر سکتا کہ کثرت دولت ہی سرکشی و بغاوت دلیری و جرأت کا بھاری سبب ہوتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں۔ اور روزمرہ کے حالات اور سلطنتوں کی مشکلات کے بواعث کو سمجھ سکتے ہیں۔ وہ ضرور ہی علاء الدین کی تجویز کو ہر ایک عہد کے موافق پا سکتے ہیں۔

علاء الدین کا انتظام اور انسداد بغاوت

تجویز اول کی بابت سلطان علاء الدین نے خفیہ پولیس کا محکمہ اس قدر وسیع کر دیا۔ کہ کوئی خبر سلطان سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ جو کچھ امرا کے گھروں میں ہوتا سب کچھ بے کم و کاست سلطان کو معلوم ہو جاتا۔ اور سلطان امراء سے جواب طلب کرتا یہ محکمہ اس قدر کڑا ہو گیا۔ کہ امراء کو ہزار ستون (دربار شاہی) میں بات کرنی مشکل ہو گئی۔ اور پولیس کی دھاک بندھ گئی۔ بغاوت کے منصوبہ رُک گئے۔ اسی وجہ سے پولیس کا محکمہ ہر ایک گورنمنٹ میں نہایت ضروری ہوتا ہے۔

دوسری تجویز کی بابت علاء الدین نے حکم دیا۔ کہ کوئی شخص شراب کی کشید اور فروخت نہ کرنے۔ اور مے نوشی۔ بھنگ۔ چرس وغیرہ مسکرات کے استعمال کی ممانعت کر دی۔

مشہور اور عادی شرابخوروں اور بھنگیوں کو جن کی صحبت سے لوگ بگڑتے ہیں۔
شہر سے نکالکر دور دور جلا وطن کر دیا۔ مسکرات کی آمدنی کثیر دفتروں سے خارج کردی
سلطان نے سب سے پہلے خود بسم اللہ کی۔ اور شراب کا جملہ سامان سنہری و روپہلی
صراحی و پیالہ اور زراندود بط و شیشہ کو توڑ تاڑ دیا۔ اور دہلی کے
دروازہ بدایوں کے باہر شراب کا جملہ سامان پیپہ وغیرہ جمع کیے گئے۔ شراب لنڈہائی
گئی۔ راستہ اور سڑک پر کیچڑ ہو گیا۔ سلطان علاء الدین نے بالکل شراب کا پینا چھوڑ
دیا۔ اور نامردوں کے اس مشہور قول سے چھٹتی نہیں یہ کافر منہ سے لگی ہوئی۔
کو غلط ثابت کر دیا۔ اور دکھلا دیا۔ الغرض جوانمرد جس کام کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں
اُس سے کوئی بات اُن کو روک نہیں سکتی۔ سلطان نے ملوک (لارڈں) کو حکم دیا
کہ ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہر ایک بازار و محلہ میں منادی کریں۔ کہ کوئی شخص شراب کی
کشید فروخت۔ استعمال نہ کرے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ شرم و حیا کے رکھنے والے اشخاص
نے تو اسی عام منادی سے شراب کو ترک کر دیا۔ مگر بے شرم اور بدمعاش گھروں میں
گوڑ کی شراب بنا لیتے۔ اور باہر سے بھی کسی نہ کسی حیلہ سے شہر کے اندر شراب
پہنچ جاتی۔ مگر گرفتاری پولیس پر بید سے پٹوا تے۔ جرمانہ کی سزا پاتے۔ قید کیے
جاتے۔ جب قیدیوں کی تعداد بڑھ گئی۔ اور خفیف سزاؤں سے فایدہ نہ نکلا تو کنوئیں
کھدوا کر اُن میں شراب بیچنے والوں اور پینے والوں کو ڈالدیا جاتا۔ جن میں سے
اکثر مر جاتے۔ اور جو چند روز بعد زندہ برآمد ہوتے۔ وہ بھی نیم مُردہ نکلتے۔ اور عرصہ
بعد طاقت پاتے۔ اس سخت سزا نے اچھا اثر کیا۔ کہ شراب قریبًا بند ہو گئی۔
اور جو لوگ شراب نہ چھوڑ سکتے تھے۔ وہ قانون سے بچنے کے لئے ادہر اُدہر بھاگ
گئے۔ جب مدبر سلطان نے دیکھا۔ کہ شراب کا رواج عام طور سے بند ہو گیا ہے۔ تو
سزائے چاہ زندان کی صرف اُن لوگوں سے مخصوص کر دی۔ جو میلوں جلسوں۔
مجلسوں۔ پبلک گذرگاہوں پر بیعوں کے ساتھ ملکر پیتے۔ اور بدچلنی کا بیج بوتے
نہ یہ حکم شرعی تھا۔ اور نہ چاہ زندان کی سزا شرعی تھی۔ صرف استعمال شراب کا
چھوڑانا منظور تھا۔ خفیہ مے نوشی کو گورنمنٹ کے قانون کی حد سے مستثنیٰ کرنا بھی خلاف
شرع تھا۔ مگر ملکی مصلحت کو سمجھنے والے انکار نہیں کرسکتے۔ جس گورنمنٹ کے

ماتحت مختلف مذاہب ۔ قومیں ہوں ۔ وہ اس قسم کے مستثنیات کرنے پر مجبور ہوتی ہے بہر حال سلطان علاء الدین کی یہ اخلاقی جرأت جملہ سلاطین کے لئے قابل تقلید ہے ۔ کہ مے نوشی سے انتظام سلطنت میں نقص پیدا ہونے کے علاوہ رعیت کی صحت صوری و معنوی کے لحاظ سے ترک شراب کے لیے ہمہ تن کوشش کرنی چاہیئے ۔ اور کوئی عذر مسموع نہ کیا جائے ۔ علاء الدین کی طرح سخت سزائیں نہ دی جائیں ۔ لیکن کم سے کم شراب کی عام بکری دیہات تک شرابخانوں کے اجراء اور شراب کی زینت مجلس ہونے کو تو قانوناً منع کرے ۔ عہدہ داران سرکاری کے لئے ترک شراب کو وجہ امتیاز قرار دیا جائے ۔

ہمنے علاء الدین کی یہ کارروائی جو ضیا برنی نے لکھی ہے ۔ اور انگریزی خوان اصحاب کے مطالعہ سے نہیں گذری تھی ۔ اور یورپین مورخین نے اپنی مبسوط تاریخوں میں درج نہ کی ۔ اور گورنمنٹ عالیہ کے کانوں تک نہ پہنچ سکی ۔ اس غرض سے لکھی ہے ۔ کہ گورنمنٹ ہند اس مضمون پر توجہ مبذول کرے ۔ اور جو انان ہند کی مال و جان کو جو نقصان پہنچ رہا ہے ۔ اس کا تدارک کرے ۔

مجالس باغیانہ کا انسداد

(۳) تیسری تجویز کی بابت "ایکٹ باغیانہ مجالس" پاس کیا گیا ۔ کہ کوئی جلسہ اور اجتماع خلاف قانون نہ ہوا کرے ۔ اور اس قدر تشدد کیا گیا ۔ کہ سلطانی خوف سے امرا و ملوک کی باہمی نشست برخاست اور ایک دوسرے کے ہاں کھلے بندوں آنے جانے میں سخت مشکل پڑی ۔ امرا کی باہمی رشتہ داری بلا اجازت و اطلاع سلطان نہ ہو سکتی تھی ۔ شریر و فتنہ انگیزوں کو کہیں جگہ نہ ملتی تھی ۔ اگر کہیں جاتے تھے ۔ تو خفیہ پولیس کے خوف سے نہ کوئی منہ لگاتا ۔ اور نہ بات چیت کر سکتا ۔ خفیہ پولیس نے اس قدر قافیہ تنگ کر دیا تھا ۔ کہ امراء و ملوک جائز باتوں کے کرنے سے بھی جھجکتے تھے ۔ یہ قانون شاید ناظرین کے خیال میں معیوب دکھائی دے ۔ مگر ہر ایک گورنمنٹ کو ایسی ملکی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں ۔ کہ وہ ایسے قانون کے اجراء پر مجبور ہوتی ہے ۔ جیسا کہ آجکل گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کو

ضرورت زمانہ نے پولیٹیکل جلسوں۔ باغیانہ مجالس کی بندش کے لئے قانون پاس کرنا پڑا حالانکہ بغاوت اور مجمع خلاف قانون کے لئے تعزیرات ہند میں پہلے ہی دفعات موجود تھیں پس علاء الدین ہو یا کوئی اور ملک کے انتظام اور امن و امان کے لئے اگر ایسے احکام صادر کرے۔ جو ظاہر بین آنکھوں میں ظالمانہ دکھائی دیں۔ قابل گرفت نہیں۔ بلکہ کمال تدبر اور مآل اندیشی۔ انتظامی قابلیت کا ثبوت ہے۔

(۴) مندرجہ بالا ہر سہ قانون مسلمانوں خصوصًا امرار لارڈوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کا اثر ہندوؤں پر بہت کم پڑا۔ لیکن چوتھا حکم جو تجویز (ریزولیوشن) ۳ کی بابت دیا گیا۔ اس کا نتیجہ عمومًا ہندوؤں کو بھگتنا پڑا۔ اگر مذہبی یا قومی تعصب سے یہ حکم دیا جاتا۔ تو بے شک قابل اعتراض تھا۔ مگر جہاں انتظام ملکی کے لئے تین حکموں کا نشانہ مسلمانوں کو بننا پڑا۔ اس چوتھے کا نزلہ ہندوؤں پر گرا۔ غیر مسلم ناظرین کتاب ہذا براہ مہربانی شاہ وقت کی حالت اور مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں۔ کہ ہر ایک ذمہ وار سلطنت ایسے وقت میں کیا کر سکتی ہے۔ عہد التمش سے ہندوستان کی زراعت۔ صنعت و حرفت اور تجارت داخلیہ عمومًا ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ علاوہ اس کے مسلمانوں میں فضول خرچی اور عام داد و دہش کی کثرت نے پہلے ملتانیوں کو اور پھر دہلی وغیرہ کے ہندوؤں کو مسلمان امرار کو قرضہ دینے کا چسکا ڈال دیا تھا۔ امراء کے جاگیروں تنخواہوں۔ آمدنیوں کے مالک ہندو ساہوکار بن گئے تھے۔ اور اسی طرح سے سلطنت کا روپیہ ہندوؤں کے گھروں میں چلا جاتا تھا۔ اور نیز ایک صدی تک اسلامی سلطنت کی عادلانہ اور فیاضانہ حکمرانی سے ہندو رعایا دولت مند بن گئی۔ اور ہندو سلطنت کے بحال کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ دولت مند شہریوں کے علاوہ دیہاتی ہندو زردار فارغ البال ہو گئے۔ اسلامی گورنمنٹ نے گانوں کے مقدموں۔ نمبرداروں کو خاص حقوق اور خاص رعایتیں دے رکھی تھیں۔ وصولی معاملہ کا انتظام مثل راجگان خود انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھا جس سے وہ رقم مقررہ کی زیادہ ستانی سے ادنیٰ زمینداروں کا خون چوستے۔ چھوٹے چھوٹے مقدمات میں بھی یہی لوگ فیصلہ کرتے۔ ملک میں ان

لوگوں کا رسوخ و اعتبار بہت بڑھ گیا تھا۔ ان رعایتوں اور پنچایتی اختیارات روپیہ اور مال مویشی کی کثرت سے اعلیٰ ہندو زمینداروں کے حوصلے بڑھ گئے غریب رعایا کی جان و مال میں تصرف کرنے لگے۔ گورنمنٹ کے اغماض سے عہدہ داران شاہی کو بھی آنکھیں دکھانے لگے۔ اور طلبی حکام پر حاضری عدالت سے انکار کرنے لگے جنگی قواعد اور استعمال آلات حرب کی مشق ہونے لگی۔ گویا اسلامی گورنمنٹ کے مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اس ملکی ضرورت نے سلطان علاء الدین کے دربار کو مندرجہ ذیل قانون کے پاس کرنے پر مجبور کیا۔ جو اس وقت بادی النظر میں ظالمانہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ہر ایک گورنمنٹ استحکام سلطنت کے لئے ایسے قوانین کے اجراء پر معذور رکھی جاتی ہے بغاوت کے اسباب کا دور کرنا اور متمرد فرقوں کے طاقت کا گھٹانا ہر ایک مدبر گورنمنٹ کا فرض ہوتا ہے۔ سلطان علاء الدین پر معترض ہونے سے پہلے ترقی یافتہ زمانہ حال کے پولیٹکل واقعات اور قوانین پر غور کریں۔ اور دیکھیں کہ اجرائے قوانین کا منشا ہر ایک عہد میں امن و امان کا قیام اور سلطنت کا استحکام تھا۔ گو سلطان علاء الدین کے قانون صاف صاف اور کسی پالیسی کے پردہ میں نہ ہونے کے باعث جور و ظلم کی حد تک دکھائی دیتے ہیں۔ مگر نتیجہ دونوں کا یکساں ہے۔ ایسے سخت قوانین کے ذمہ وار خود وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو غلط فہمی یا ذاتی اغراض سے رعیتانہ حدود سے باہر قدم رکھنے کی جرأت کرتے ہیں۔ انصاف پسند ناظرین فاتح و مفتوح نسل و مذہب کے مخالفت کو خیال میں لا کر سلطان علاء الدین کے قانون پر رائے زنی کریں۔

سلطان علاء الدین نے ان بااثر اور قابو یافتہ اعلیٰ زمینداروں کا زور گھٹانے اور غریب رعایا کے سروں سے نمبرداروں چودھریوں کا تسلط اٹھانے کے لئے وصولی معاملہ کا کام سرکاری عہدہ داروں کے سپرد کیا۔ نمبردار جو زیادہ ستانی کرتے تھے۔ وہ بند کی گئی۔ جو حقوق نمبرداروں کو ملتے تھے۔ وہ سب بند ہو گئے۔ زمین کی پیمائش کرائی گئی۔ اور نصف محصول کی وصولی کا حکم دیا گیا۔ محکمہ بندوبست قائم کیا گیا۔ جس کا افسر شرف قائنی فاضل تھا۔ جس نے اشتلہ مال مرتب کرائیں۔ ہر ایک زمیندار کے حقوق کی تصریح کی گئی۔ اعلیٰ زمینداروں نمبرداروں کی ناجائز آمدنی کے جملہ وسائل بند

کر دیئے۔ ہر ایک زمیندار کے لئے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ چار بیل۔ دو بھینسیں۔ دو گائیں۔ بارہ بکریوں اور بھیڑوں سے زیادہ رکھنے کی ممانعت کی گئی۔ گھوڑے کی سواری سے روک دیئے گئے۔ ایکٹ اسلحہ جاری کیا گیا۔ ہتھیاروں کا استعمال قانوناً منع ہوا۔ دودھ دینے والی گائے بھینس پر چرائی مقرر ہوئی جیسی کہ پنجاب کے اضلاع جھنگ اور منٹگمری میں بنام ترنی جاری ہے۔ سکونتی اور آباد گھروں پر خانہ شماری (کری) لگائی گئی۔ عملہ بندوبست کی اشلہ مال کے مطابق۔ معاملہ اراضی۔ چرائی۔ کری وصول ہوتی تھی۔ گھوڑے۔ ہتھیار چھن گئے۔ مال مویشی کی تعداد مقرر ہو گئی۔ نمبرداروں اعلیٰ زمینداروں کا زور گھٹ گیا۔ اسباب سرکشی کی کمی سے تمام باغیانہ خیالات جاتے رہے

انسداد رشوت ستانی

غریب رعایا ظالم نمبرداروں مقدموں کے پنجے سے تو رہا ہوئے۔ لیکن سرکاری عہدہ داران مال کی رشوت کا شکار ہونے لگی۔ اس لئے رعایا پرور سلطان نے رشوت خواروں کے لئے ایسی سخت سزائیں مقرر کیں۔ اور نگرانی و پڑتال کا انتظام ایسا مضبوط کر دیا اور صحیح اندراج کی۔ اور خفیہ پولیس کی بے لاگ رپورٹوں سے اہلکاروں کے لئے حصول مفاد کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ اور جس بالائی آمدنی کے لئے ملازمت مال کرتے تھے۔ وہ یک قلم بند ہو گئی۔ اور محکمہ مال کی ملازمت کوئی خوشی سے قبول نہ کرتا تھا۔ ملازمان محکمہ مال دوسرے پیشوں کو خواہ کس قدر ذلیل ہوں۔ ملازمت مال پر ترجیح دیتے تھے۔ علاءالدین نے لالچی اور ظالم عہدہ داران شاہی کے ہاتھ سے غریب رعیت کو بچا لیا۔ اور انسداد رشوت جو کبھی کسی بادشاہ سے نہ ہو سکی تھی۔ اس دلیر او منتظم سلطان نے رشوت ستانی کو قریباً معدوم کر دیا۔ اور تخمیناً دس ہزار محرروں کو سزا دی گو ضیاء برنی وغیرہ مورخ علاءالدین کو جابر و ظالم کہتے ہیں۔ اور جاہل شریعت سے بے پروا بیان کرتے ہیں لیکن رشوت کے انسداد میں جو انتظامی لیاقت علاءالدین نے دکھائی کسی پابند شرع سلطان سے بھی نہیں ہو سکی۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت شہادت پر فیصلہ کرتی ہے۔ اور رشوت کے گواہ نہیں مل سکتے۔ اور علاءالدین صحیح واقعہ کی موجودگی میں باضابطہ جوڈیشل تحقیقات کی پروا نہ کرتا تھا۔ اور بعض حالتوں میں مہذب تہذیب

سلطنت بھی ایسا ہی کر دیتی ہے۔ رشوت کے لئے شہادت واقعہ نہ ہو تو عہدہ دار کی آمدنی وخرچ عام حیثیت جائداغیرمقولہ سے مدد مِلسکتی ہے۔

افسوس کہ زمانہ حال میں رشوت خوار تو مزہ اڑاتے ہیں۔ اور دیانتدار بہزار حسرت زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیا اچھا ہو۔ جہاں حصول عہدہ کے لئے علمی مقابلہ ہوتا ہے وہاں ترقی مدارج کے لئے دیانت کا صحیح اندازہ لگایا جائے۔ اور حقیقی دیانتداروں اور محتاط عہدہ داروں میں امتیاز رکھا جائے۔ خوشامدپسندی اور خود غرضی کو دور کیا جائے جس سے حقوق انسانی پائمال ہوتے ہیں۔

علاءالدین کی لیاقت

علاءالدین ابتدا میں تو بالکل بے علم تھا۔ مگر بعد میں اس قدر لیاقت پیدا کر لی تھی کہ پولیس کی معمولی رپوٹیں خود پڑھ سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ طبیعت ذہین وذکی تھی۔ عام علمی لیاقت کے نہ ہونے اور اولوالعزمی کے باعث اجرائے احکام میں قانون شریعت کی پروا نہ کرتا تھا۔ علمائے وقت کو اُس کے دربار میں دخل نہ تھا۔ قاضی مغیث الدین بیانوی مشہور فاضل کی دربار میں آمدورفت تھی۔ سلطان نے ایک دن قاضی مذکور سے چند مسائل شرعی دریافت کئے جن کا جواب علاءالدین کے منشا کے خلاف تھا۔ مگر عالم باعمل اور راستباز قاضی جان سے ہاتھ دھوکر یہی کہتا رہا۔ کہ آپ جس قدر سزائیں دیتے ہیں۔ شریعت کے خلاف ہیں۔ قاضی تو موت کا منتظر تھا۔ مگر سلطان علاءالدین نے جس کی فطرت صداقت پسند اور مطیع شریعت تھی۔ قاضی کو خلعت گراں بہا عطا کیا۔ اور کہا

علاءالدین کی تقریر

سلطان نے قاضی کے اعتراض سنکر کہا۔ کہ قاضی صاحب آپ کو علم ہے تجربہ نہیں۔ اور مجھکو تجربہ ہے علم نہیں۔ مسلمان ومسلمان زادہ ہوں۔ تم نے جو کچھ کہا۔ حق ہے۔ مگر ہندوستان میں محض شرعی سزاؤں سے امن وامان قایم نہیں رہ سکتا میں اگرچہ جاہل ہوں۔ لیکن رعیت کی بہتری کے لئے سخت حکم جاری کئے ہیں۔

کیونکہ لوگ معمولی شرعی تحقیقات اور سزاؤں سے صراط مستقیم پر چل نہیں سکتے میں نے حکم دیا ہے۔ کہ جو شخص دوسرے کی بیوی سے زنا کرے۔ اس کو خصی کیا جائے۔ لیکن باوجود اس قدر سخت سزاؤں کے زناکاری اس قدر بڑھ گئی ہے۔ کہ ہر روز ایسے مجرم گرفتار ہوتے ہیں۔ اور زنا سے باز نہیں آتے۔ خیانت کے جرم میں وسہزار عہدداروں کو گدائی کرائی گئی۔ اور پبلک میں ذلیل طور سے مشتہر کئے گئے۔ بعض خائنوں کے بدنوں کو کیڑوں سے کٹوایا۔ مگر پھر بھی خیانت کو نہ چھوڑا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ محرری اور خیانت دونوں توام مادرزاد اور آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتیں شرابخوروں اور شراب فروشوں کے لئے چاہ زندان کھدوائے۔ مگر وہاں بھی شراب پینا نہ چھوڑا۔ سپاہی پریڈ میں حاضر نہیں ہوتے۔ اور تین تین سال کی تنخواہ جرمانہ کی جاتی ہے۔ مگر پھر بھی ہر روز دو تین سو سپاہی غیر حاضر رہتے ہیں۔ اور نمکخواری اور حقوق سلطانی کا خیال نہیں رکھتے۔ اور فرض منصبی سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ غرضیکہ اس زمانہ میں ہزاروں لوگ ہیں۔ جو بیخوف اور نڈر ہیں۔ شریعت کے باقاعدہ تحقیقات اور نرم سزائیں ایسے لوگوں کو کب اخلاق کے راہ راست پر لا سکتے ہیں۔ پس میں جو کچھ کرتا ہوں۔ رعیت کی اخلاقی تمدنی بہبودی اور سلطنت کی ملکی و مالی بہتری کے لئے کرتا ہوں۔ ورنہ شریعت سے نفور نہیں۔

چتوڑ کی فتح

چتوڑ کی چڑھائی اور پدمنی کے افسانہ کا حال لکھا گیا ہے۔ یہاں کا راجہ خاندال سہسو دیہ راجپوتوں میں نہایت زبردست تھا۔ اور ابتک شاہان دہلی کی زد سے چتوڑ بچتا رہا تھا۔ قلعہ رنتھنبور کی لڑائی میں راجہ چتوڑ نے حصہ لیا تھا۔ اور وجہ عداوت پیدا کی تھی۔ اثنائے محاصرہ رنتھنبور میں حاجی مولا وغیرہ کی بغاوت اور دہلی کے فساد کے سبب رنتھنبور کی فتح کے بعد سلطان دہلی چلا گیا تھا۔ اور چتوڑ کو سزا نہ دے سکا دہلی کے رفع فساد اور انتظام کے بعد چتوڑ پر حملہ آور ہوا۔ ضیا برنی۔ نظام الدین ہروی الفنسٹن صاحب نے معرکہ کی تفصیل نہیں لکھی صرف مجمل طور سے فتح چتوڑ لکھی

ہے۔ الفنسٹن صاحب صرف اسقدر ایزاد کرتا ہے۔ کہ سلطان نے اپنے بیٹے کو حاکم چتوڑ مقرر کیا۔ راجہ پکڑا گیا۔ اور پھر بھاگ کر تکلیف کا باعث ہوا۔ مگر پدمنی کا آئینہ سے شکل دکھانا۔ اور پانسو ڈولیوں کا دہلی آنا مطلق ذکر نہیں کیا جس سے ہماری اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ چتوڑ پر حملہ پدمنی کے لئے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پولیٹکل وجوہ سے کیا گیا تھا۔

مغلوں کا محاصرہ دہلی

مغلوں نے جس قدر ذلیل شکستیں بہادران ہندوستان کے ہاتھ سے کھائی تھیں۔ اس قدر کہیں بھی ناکامی نہ ہوئی تھی۔ ایک سو سال سے ہر سال ایک دو دفعہ ہندوستان پر حملہ آور ہوتے رہے۔ اور شمشیر ہندوستان سے پاش پاش ہوکر بھاگتے رہے۔ علاؤالدین کے عہد میں بھی دو بھاری شکستیں کھا چکے تھے جالندہر کی شکست میں گو بہادر ظفرخان ہندوستان پر قربان ہوگیا۔ مگر مغلوں پر غازیان ہندوستان کا اس قدر خوف چھایا ہوا تھا۔ کہ ظفرخان کی شہادت سے فائدہ اٹھا کر پاؤں نہ جما سکے۔ ان تمام شکستوں کا دھبہ مٹانے کے لئے مغل موقعہ کی تلاش میں تھے سلطان علاؤالدین کو چتوڑ کے محاصرہ میں ہمہ تن مصروف اور دہلی کو خالی دیکھکر طرغی مغل ایک لاکھ بیس ہزار سوار جرار لیکر حملہ آور ہوا۔ جبکہ سلطان کو فتح چتوڑ سے واپس آئے ابھی ایک ماہ ہی گذرا تھا۔ اور ملک فخرالدین جونا کو جو بعد میں محمد تغلق کے نام سے سلطان ہوا۔ فوج کثیر کے ساتھ وارنگل (دکن) کی تسخیر پر بھیج چکا تھا۔ اور باقی امرا بھی اپنی اپنی فوجوں سمیت اپنی جاگیروں۔ علاقوں۔ چھاؤنیوں میں چلے گئے تھے۔ سلطان کے ساتھ فوج بہت کم تھی۔ اور جو تھی۔ وہ بھی سامان جنگ کافی نہ رکھتی تھی۔ کیونکہ رنتھنبور اور چتوڑ کے معرکوں میں بہت سامان خرچ ہو چکا تھا۔ اور باقی ماندہ ابھی دہلی نہیں پہنچا تھا۔ امراء کے نام طلبی کے فرمان لکھے تھے۔ لیکن کثرت بارش اور پانی و کیچڑ کی شدت اور مغلوں کی مزاحمت کے سبب کوئی امیر دہلی نہ پہنچ سکا۔ سلطان نے خاربندی۔ دمس بندی۔ مورچہ بندی۔ خندقوں وغیرہ سے دہلی کو مضبوط کرلیا۔ اور ناقابل تسخیر بنا لیا۔ مگر جبکہ امدادی فوج کے پہنچنے سے مایوس ہوا۔

تو کمزوروں کی طرح زیادہ عرصہ محصور رہنا اپنی مشہور شجاعت کے خلاف سمجھا۔
اپنی قلیل فوج سوارہ لیکر شہر سے نکلا۔ اور چھاونی سیری میں مقام کیا۔ اور
مدافعانہ پہلو اختیار کیا۔ اور تجربہ کار جرنیلوں کی طرح اس طرح لڑائی کا ڈھنگ ڈالا
کہ مخالف باوجود فوج کثیر حملہ آور نہ ہوسکا۔ جو شخص سلطانی تک مارہ ہاڑ کرجاتا۔ اور
فوج نیرک (رکبٹ) سے مقابلہ بھی ہوجاتا۔ مگر بہادران ہندوستان کا پلہ بھاری
رہتا۔ سلطان اور اُس کی بہادر فوج کے اس قدر مردانہ استقلال نے مغلوں کے
دل میں ڈالدیا۔ کہ جب اس تھوڑی سی فوج پر کامیابی مشکل ہے۔ تو جبکہ برسات
کے کم ہونے اور راستوں کے کھل جانے پر تمام ہندوستانی فوجیں پہنچ گئیں
تو جان بچاکر جانا مشکل ہوجائیگا۔ اس لئے دو ماہ تک دریائے جمنا کے کنارہ ٹھیر کر
واپس چلے گئے۔

الفنسٹن صاحب کی رائے

مغلوں کی واپسی کو الفنسٹن صاحب رسدرسانی کے گھٹ جانے پر محمول کرتا ہے
جو درست نہیں۔ جو فوج ترکستان سے فتح کرنے کی نیت سے آئی تھی۔ کیا اُس کا
سامان جنگ دو ماہ کے عرصہ میں ہی خرچ ہوگیا۔ رسد کی فراہمی کا انتظام جس طرح
اور حملہ آور کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح مغل بھی کرتے تھے۔ اور دیگر ممالک میں عموماً
اسی جگہ سے حملہ آور مغل رسد لیتے رہے۔ دراصل بات یہ ہے۔ کہ مغل دہلی
کو علاءالدین سے خالی سُنکر آئے تھے۔ اور وہ چتوڑ سے واپس آچکا تھا۔ فوج
شاہی گو قلیل تھی۔ مگر جس فوج کا کمانڈر خود علاءالدین جیسا اولوالعزم سکندر ثانی
بہادر ہو۔ وہاں قلت کی تلافی بخوبی ہوسکتی ہے۔ سلطان نے حوصلہ نہ ہارا۔ اگرچہ
قلعہ دہلی بھی۔ مضبوط تھا۔ لیکن بہادر سلطان کی یہ جرات زیادہ کام کرگئی۔
کہ قلعہ سے نکل کر سیری میں کیمپ لگادیا۔ اور مورچہ اس قدر مضبوط کرئیے۔ کہ مغلوں
کو حملہ کرنے کی سکت نہ رہی۔ غرضیکہ سلطان کی دلیری اور ہندوستانی فوجوں کی
برجستگی نے دہلی کو بچایا۔ اور مغل علاءالدین کے قلیل ہمراہیوں کی مردانہ شجاعت اور
جانبازی کو دیکھکر فتح سے مایوس ہوکر واپس چلے گئے۔ اگر مغل نہ جاتے۔ تو موسم

برسات کے گذرتے ہی ہندوستانی فوجیں جو برسات کے سبب سے کول ودہن میں رُکی پڑی تھیں۔ حملہ آور ہوتیں۔ اور اس طرح مغل محصور ہو جاتے۔ اور مشکلات میں گھر جاتے۔ بعض مورّخ اس واپسی کو حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کی کرامت لکھتے ہیں۔

مُغلوں کے حملات کی رکاوٹ

ہندوستان کو بیرونی حملہ سے بچانے کی تدبیر ہر ایک گورنمنٹ کرتی رہی ہے۔ ہندوستان پر عموماً مغرب کی طرف سے ہی حملے ہوتے رہے ہیں۔ اور مغل تخمیناً ایک صدی برابر اس طرف سے حملات کرتے رہے۔ حملہ آور مغلوں کے رستہ میں جس قدر پرانے قلعہ تھے۔ ان کی مرمت کرائی گئی۔ جدید قلعے تعمیر کئے گئے۔ سامان جنگ اور رکسرسٹ وغیرہ وافر جمع کیا گیا۔ اسلحہ سازی کے کارخانہ مناسب جگہ جاری کئے گئے۔ لائق کاریگر صناع۔ انجینئر ملازم رکھے گئے۔ مختلف چھاؤنیوں کے علاوہ دیپالپور اور سامانہ واقع پٹیالہ کو بھاری جنگی ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ جو دہلی سے راستہ میں تھے۔ دیپالپور کی کمان غازی بیگ تغلق کو دی گئی۔ جو بعد میں غیاث الدین تغلق کے لقب سے سلطان دہلی ہوا۔ پنجاب اور سندھ کی دوامی فوجوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ اور خاص دہلی کی شاہی فوج اور دیگر صوبجات خصوصاً راجپوتانہ اور دکن کے جدید تسخیر شدہ علاقوں کے ضبط و انتظام کے لئے بھی بہت کچھ فوج درکار تھی۔ اور اس قدر فوج کثیر کے دوامی اخراجات کے لئے خزانہ شاہی کافی نہ تھا۔ اس لئے اس مشکل کو سلطان نے کونسل وزراء میں پیش کیا۔

جنگی اخراجات کثیر کا انتظام

مدبر اور دور اندیش کونسل نے تمام پہلوؤں پر غور کر کے یہ تجویز پیش کی۔ کہ بیرونی خطرات کے دفعیہ اور اندرونی امن و امان کے قیام کے لئے فوج برجستہ کا کافی طور سے مہیا رکھنا۔ اور حسب ضرورت بڑھانا۔ اور کیل کانٹے سے درست مستعد رکھنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن نہ تو ہمیشہ کے لئے خزانہ سلطانی اور نہ موجودہ

ابواب آمدنی اس قدر فوج کثیر کے اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔اور نہ رعایا پر کوئی جدید ٹیکس لگانا قرین انصاف ہے سلطان نے تنخواہوں کی تخفیف کی رائے دی۔مگر وزراء نے تردید کی۔اور کہا کہ کمی تنخواہ کی صورت میں ملازمت کو کوئی پسند نہ کریگا۔جب سپاہی کا پیٹ ہی نہ بھرا۔اور گذارہ ہی نہ ہوسکا تو جان ہار جنگی ڈیوٹی کس طرح قبول کرسکتا ہے۔موجودہ تنخواہ میں بھی ہر ایک چیز کی گرانی نرخ کے سبب سے عیالدار فراغت سے گذارا نہیں کرسکتے۔قلت تنخواہ میں کس طرح گذارہ ہوسکیگا۔اگر خزانے کی حالت پر خیال کرکے حضور تنخواہوں کی معیار گھٹانی چاہتے ہیں۔تو اولاً گرانی کو دور فرماویں۔اور نرخ اشیا کا انتظام کریں۔تاکہ سپاہی وغیرہ کم آمدنی میں بسر اوقات کرسکیں۔گھوڑے۔سامان باربرداری۔کمسریٹ تھوڑی قیمت پر دستیاب ہوسکیں۔اور روپیہ کی قدر بڑھ جانے سے رنگروٹ آسانی سے مِل سکیں۔غربا و مساکین جو گرانی غلہ سے جان بلب رہتے ہیں۔اور گورنمنٹ کے برخلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔فراغت سے زندگی بسر کریں۔کیونکہ یہی لوگ سلطنت کی جڑ ہیں۔

گرانی غلہ کا انتظام

علاالدین نے وزیروں کی اس رائے سے اتفاق کیا۔اور مندرجہ ذیل احکام صادر کیے۔ان میں سے گرانی غلہ کا ایک ایسا سوال ہے۔جو آج ہندوستان میں عام طور سے زیر بحث ہے۔اور جس پر گورنمنٹ عالیہ برطانیہ بھی غور کر رہی ہے۔اور استحکام سلطنت کے لئے اس مسئلہ کی گرہ کشائی سب سے مقدم ہے۔انگریزی گورنمنٹ نے آجکل جس قدر رعائیتیں حقوق ہندوستانیوں کو عطا کیے ہیں۔ان کا تعلق عموماً معزز تعلیم یافتہ گروہ سے ہے۔اور اس فرقہ کا منہ کچھ دنوں کے لئے ضرور بند ہوگیا ہے۔مگر ادنیٰ اور متوسط درجہ کے لوگوں کو گرانی نرخ کی شکائیت ہے۔اور گرانی نرخ کے باعث باوجود سخت محنت و جانکاہی کے آرام و فراغت سے گذارہ نہیں کرسکتے۔اور یہی لوگ آبادی کی جزو اعظم اور اڑے وقت پر کام آنے والے ہیں۔ان کی ناراضگی سے ملک کے بدخواہ امن کے دشمن فتنہ پرداز بہت کچھ فائدہ اٹھا

سکتے ہیں پس استحکام سلطنت کی جملہ تجاویز سے مقدم گرانی نرخ کا سوال ہے
ایشیائی لوگ قحط وہ باکو سلطان وقت کی نیت کا ثمرہ خیال کرتے رہتے ہیں۔
نوشیروان کا قصہ اورنگ زیب کا خط شاہد حال ہے۔ یہ عذر لنگ کہ کاشت
کاران کو گرانی غلہ سے فائدہ پہنچتا ہے۔ درست نہیں جس قدر گرانی غلہ سے فایدہ
پہنچتا ہے۔ اُس سے کئی گُنا زیادہ دیگر اشیا سے مایحتاج اور حبوب کاشت
کی گرانی قیمت سے نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور اس گرانی کا اثر گورنمنٹ برطانیہ
کے فوجی نظام پر بھی ویسا ہی پڑتا ہے۔ جیساکہ سلطان علاء الدین کے عہد میں جنگی
انتظام پر پڑا تھا۔ سرحدی انتظام اور حفاظت ہندوستان کا وہی سوال عایدہوتا
رہتا ہے چنانچہ علاقہ تیراہ جیسی بے تاج وتخت قوم کی سرکوبی میں ہی کروڑوں پر پانی
پھر گیا تھا۔ اور بقول لارڈ کرزن صاحب سابق گورنر جنرل بہادر اگر اس وقت کوئی
بیرونی دشمن سر اٹھاتا۔ تو خزانہ ہند اخراجات کا متحمل نہ ہوسکتا۔ پس عام
غریب رعایا کے حالات سے قطع نظر کرکے خود گورنمنٹ کو استحکام وحفاظت
ملک کے لئے گرانی نرخ کے دور کرنے کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ سلطان
علاء الدین کے ہر ایک قایم مقام کو ہر ایک زمانہ میں تدابیر رفع مشکلات مجوزہ
علاء الدین پر توجہ کرنی لازم ہے ہم اس موقعہ پر صرف ہندوستان کی بہتری کے
خیال سے ضوابط نرخ مقررہ سلطان علاء الدین کو تحریر کرتے ہیں۔ ہیں یہ نہیں کہہ
سکتا کہ یہ جملہ قواعد زمانہ حال کے موافق ہونگے۔ لیکن اگر کوئی فایدہ اٹھانا چاہے
تو ان قواعد سے مدد لے سکتا ہے۔ اگرچہ آجکل عام رائے گرانی غلہ کی بڑی وجہ برآمد
غلہ بیان کرتی ہے۔ جو غیر ممالک کو جاتا ہے۔ مگر اور وجوہات بھی ہیں۔

قواعد ارزانی غلہ

سلطان علاء الدین خلجی نے ارزانی غلہ کے مفصلہ ذیل قواعد مقرر کئے تھے۔

(۱) غلہ کا نرخ بادشاہ مقرر کرے۔ جو ہر فصل کی حالت ملک کی ضرورت کو مدنظر
رکھکر مقرر ہوتا تھا۔ غلہ کے بادشاہ بیوپاریوں کے ہاتھ میں نہ تھا

(۲) سلطانی غلہ کے انبار و ذخیرے جمع کئے جاویں۔ تاکہ خشک سالی میں رعایا کو مقررہ

نرخ پر غلہ آسانی سے مل سکے۔

(۳) غلہ کی منڈیاں مقرر ہوں۔ اور ہر ایک قسم کا غلہ منڈی میں فروخت ہو۔ منڈی کا شحنہ (افسر) معتبر اور با اختیار ہو۔

(۴) جس کے رجسٹر میں تمام بیوپاریوں کے نام درج رہیں۔ اور وہی قانون نرخ کا نگران اور ان کے مقدمات کا جوڈیشل فیصلہ کیا کرے۔

(۵) دہلی سے سوسو کوس تک اور دوابہ گنگا جمنا میں شرح لگان اراضی اس معیار سے مقرر کیجائے۔ کہ زمیندار دس من غلہ سے زیادہ ذخیرہ نہ رکھ سکے۔ اور اس قدر بھی لگان سخت نہ ہو۔ کہ زمیندار مجبور ہو کر بیچنے پر آمادہ ہو۔

(۶) حکام ماتحت کا فرض قرار دیا گیا۔ کہ غلہ بیوپاریوں کے ہاتھ فروخت کرانے کی آسانیاں پیدا کریں۔ اور بیوپاریان منڈی میں لاکر فوراً فروخت کردیا کریں۔ اور بامید گرانی غلہ ذخیرہ نہ رکھیں۔

(۷) منڈیوں میں روزنامچہ نویس مقرر کیے۔ تاکہ منڈی کے نرخ وغیرہ کے حالات روزمرہ بادشاہ کیخدمت میں بھیجا کریں۔

(۸) خشک سالی کے دنوں میں کوئی شخص ضروریات روزمرہ سے زیادہ ایک دانہ بھی نہ خریدے۔

یہ آٹھ ضابطہ ارزانی نرخ غلہ کیلئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ عہد علاءالدین میں باوجود متواتر خشک سالیوں کے مقررہ نرخ سے ایک چھٹانک بھی کم وبیش نہ ہوسکا۔ اور علاءالدین کے عہد میں نرخ حسب ذیل رہا۔

گندم فی من	۷½ چیتل (ٹکا)	جو فی من	چار چیتل
شالی فی من	۵ چیتل	ماش فی من	۵ چیتل
چنا فی من	۵ چیتل	موٹھ فی من	۳ چیتل

چیتل ایک ٹکے کے برابر تھا۔ چونکہ غلہ کی ارزانی پر دیگر اشیاء خوردنی کے نرخ کی کمی وبیشی ہوتی ہے۔ اس لئے دیگر اشیاء خوردنی کے نرخ میں خود بخود ارزانی ہوگئی۔ تعمیل ضوابط کے لئے شحنہ منڈی (کمشنر تجارت) ملک قبول الغ خانی مقرر ہوا۔ جو ایک فاضل تجربہ کار اور سیاق سباق میں بے نظیر تھا۔ اسکو زرخیز اور بیش قیمت جاگیر

دی گئی۔ تاکہ لالچ و رشوت کا خیال پیدا نہ ہو۔ اور ایک لائق دیانتدار امیر اس کا نائب مقرر ہوا۔ اور زبردست دستہ پولیس اس کے ماتحت رکھا گیا منڈیوں کی رپورٹ روزمرہ سلطان کو بذریعہ شحنہ منڈی محرر منڈی۔ جاسوس (خفیہ پولیس) کی برابر پہنچتی رہتی تھی۔ اگر تینوں رپورٹیں متفق نہ ہوتیں۔ تو جس میں غلطی یا کبھی کمی بیشی دانستہ ہوتی۔ اس کا لکھنے والا سزا کا مستحق ہوتا۔ خفیہ پولیس کے ملازم تو پہلے ہی بے نام ونشان ہوتے۔ ان پر ہرگز جاسوسی کا اشتباہ نہ ہوسکتا تھا۔ اور ہمیشہ تبدیل ومعزول بھی ہوتے رہتے۔ مگر محرروں کو بھی شحنہ منڈی کے ساتھ سازش کی جرات نہ ہوسکتی تھی۔ ایک دفعہ شحنہ منڈی (کمشنر تجارت) نے کچھ نرخ گھٹانے کی درخواست کی۔ اور سزا پائی تھی۔

دیگر اشیاء کا نرخ اور انتظام جنگی پر اثر

غلہ کے مقررہ نرخ اور کھیت پر فروخت کرنے سے زمینداروں کو جو نقصان ہوتا تھا وہ دیگر اشیاء کی ارزانی سے پورا کیا گیا۔ اگر زمیندار غلہ کی قیمت کم لیتے تھے۔ تو انکو بھی دیگر مایحتاج کے خریدنے میں کم قیمت دینی پڑتی تھی۔ اس لئے نرخ غلہ کی تقرری سے زمینداروں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ بلکہ قانون کے خوف سے بیوپاری غلہ کھیت پر ہی خرید لیتے۔ اور زمیندار نقد روپیہ وصول کر لیتے۔ کھیت کا نرخ مقررہ تھا۔ جو منڈیوں کے مقررہ نرخ سے سستا ہوتا تھا۔ اس لئے بیوپاری بھی کچھ فائدہ اٹھاکر بیچتے۔ بنجاروں (بیوپاریان غلہ) کو دریائے جمنا کے کنارے آباد کیا گیا تھا۔ جہاں ان کے بیلوں کو چارہ آسانی سے مل سکتا تھا۔ یہ لوگ دیہات سے غلہ خرید کر شہری منڈیوں میں لاتے تھے۔ اس تجویز سے غلہ کی اس قدر کثرت ہوگئی۔ کہ دہلی کے ہر ایک محلہ میں غلہ کے دو تین سٹور (کوٹھے) بھرپور رہتے تھے جب بیوپاریوں کے غلہ کی کمی یا امساک باران ہوئی۔ تو سرکاری ذخیروں سے بیوپاریوں کو غلہ دیا جاتا۔ اور ضروری مقامات پر پہنچایا جاتا۔ بصورت تساہل بیوپاری سزا پاتے۔ اس انتظام سے علاءالدین کے عہد میں قحط کے زمانوں میں بھی نہ تو غلہ کی کمی کی شکایت پیدا ہوئی۔ اور نہ نرخ مقررہ سے ایک ذرا بھی گھٹ سکا قلت آمدنی اور کثرت عیالداری کی تکالیف سے

رعایا نے نجات پائی۔

ہندوستانی فوج پر نرخ کا اثر

جنگی ضرورتیں تھوڑے خرچ سے پوری ہوگئیں۔ رنگروٹ آسانی سے ملنے لگے کئی لاکھ فوج معہ کافی سامان مستعد و تیار ہر ایک حصہ ملک میں موجود رہنے لگی شمالی سرحدی خطرات کا اندیشہ کم ہوگیا۔ خونخوار مغلوں کے حملات کو قریبًا بند کر دیا گیا۔ پنجاب میں فوج اس قدر زبردست اور ضرورت سے زاید جمع ہوگئی۔ کہ پنجاب کے گورنر جنرل غازی بیگ تغلق نے (جو بعد میں غیاث الدین تغلق کے لقب سے سلطان دہلی ہوا) مغلوں کے حملات کو ہی نہیں روکا۔ بلکہ حدود پنجاب سے آگے بڑھ کر مغلوں کو تہ تیغ اور ان کے ماتحت علاقوں کو تاخت و تاراج کرکے ہندوستان کا انتقام لینے لگا۔ فوج دہلی کو یہ بہادرانہ موقعہ شیر خان مرحوم کے بعد اب تہائی صدی کے بعد ملا تھا۔

مغلوں کا ہمالیہ کے راستہ سے حملہ کرنا

غیور غازی بیگ تغلق اور پنجاب کی بہادر اور کثیر فوج کے خوف سے پنجاب کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ آور ہونا تو بند ہوگیا۔ مگر بڈھے مغلوں کے منہ میں ایک صدی سے خون لگا ہوا تھا۔ انہوں نے پنجاب کا راستہ چھوڑ کر ہمالیہ کے غیر محفوظ پہاڑی راستوں سے براہ کماؤں۔ روہیلکھنڈ کے علاقہ میں داخل ہوگئے۔ اور امروہہ تک آ پہنچے۔ مغلوں کا خیال تھا۔ کہ شاہ دہلی کے فوجوں کا اجتماع اندرون پنجاب اور اس کے سرحدی مقامات پر ہوگا۔ دہلی وغیرہ دیگر علاقوں میں کافی فوج نہ ہوگی۔ مگر مدبر علاء الدین نے ہر ایک چھاؤنی خصوصًا دہلی میں اس قدر شائستہ اور جرار فوج مہیا کر رکھی تھی۔ کہ پنجاب کی فوج کے بغیر ہر ایک دشمن کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ دہلی سے زائد فوج بھیجکر مغلوں کو شکست دی۔ ہزاروں مغل قتل اور قید کئے گئے قیدی معہ دو مغل سرداران ترتاک اور علی بیگ کے دہلی لاکر مارے گئے۔ اور بطور یادگار فتح انکی کھوپریوں کی منار بنائی گئی۔

اس شکست کا انتقام لینے کے لئے مغل جرنیل کنگ ملتان تک آ پہنچا۔ مگر غازی بیگ تغلق کمانڈر افواج پنجاب نے ایسا دبایا۔ کہ دریائے اٹک سے پار کر کے مغلوں کو پیاس سے ہلاک کیا۔ کچھ تو بھاگ گئے۔ اور سردار فوج معہ چار ہزار مغلوں کے گرفتار ہوا۔ اور دہلی میں تمام مغل قیدی قتل کئے گئے۔ اس کے بعد اقبال مند نام مغل فوج کثیر سے حملہ آور ہوا۔ اور غازی بیگ تغلق سے شکست پا کر قتل ہوا۔ ہزاروں مغل معہ زن و فرزند قتل و قید ہوئے۔ اور آئندہ مغلوں نے علاء الدین کے عہد میں حملہ کا نام نہ لیا۔

نوٹ مؤلف بر حفاظت ہندوستان

مغلوں جیسا خونخوار دشمن کبھی اس طرح ہاتھ دھو کر ہندوستان کے پیچھے نہیں پڑا۔ لیکن سلطان علاء الدین کی تدبیر و ہمت نے ثابت کر دیا۔ کہ اگر ہندوستان کی قدرتی پیداوار سے کام لیا جائے۔ اور ہندوستان کو گرانی نرخ سے نجات دی جائے۔ تو ہندوستان اسقدر فوج کثیر اور برجستہ مہیا کر سکتا ہے۔ کہ ہندوستان کا ہر ایک صوبہ خصوصاً پنجاب ہر ایک سرحدی خطرہ کا سدباب بن سکتا ہے۔ اور ہندوستان کے فوجیں ملک کی بخوبی حفاظت کر سکتی ہیں۔ گورنمنٹ کے جائز ذرائع آمدنی جنگی ضرورتوں اور فوجی معرکوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ کسی جدید مہم کے لئے رعیت کی جیبیں ٹٹولنے کی ضرورت نہیں پیدا ہوتی یہ ایسا تجربہ ہے۔ کہ گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جس کے مدبروں کے سامنے حفاظت ہندوستان کا مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہتا ہے۔

ہندوستان کی حفاظت کے لئے کوہ ہمالیہ کے دروں کا انتظام بھی ویسا ہی ضروری ہے جیسا کہ کوہ سلیمان کے دروں کا۔ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ کہ مغل پنجاب سے مایوس ہو کر ہمالیہ کے راستہ روہیلکھنڈ میں گھس آئے۔ گو ہماری گورنمنٹ ہند کو ہستانی راجاؤں کے عہد و پیمان وغیرہ سے ہمالیہ کی جانب سے طمانیت حاصل کی ہوئی ہے لیکن یا تو زیر اثر کوہستانی ریاستوں کی حدود ملحقہ تبت پر انگریزی فوج مقیم رہے۔ یا ہمالیہ کے دامن میں ہندوستان کی حدود پر مناسب مقامات پر متعدد

فوجی چھاونیاں ہونی ضروری ہیں۔ خرچ بڑھیگا۔ لیکن اگر علاء الدین کی طرح نرخ اشیاء کا انتظام کیا جائے۔ تو رعیت کے فائدہ کے علاوہ فوجی اخراجات تھوڑی رقم سے پورے ہو سکتے ہیں۔

نرخ اشیاء

سلطان علاء الدین نے غلہ کے سوا گھوڑے ٹٹو اور اجناس کا نرخ حسب ذیل مقرر کیا تھا۔

اسپ قسم اول	سو سے ۱۲۵ تک		مصری فی سیر	دو جیتل
″ قسم دوم	۸۰ سے ۹۰	″	کھانڈ فی سیر	ایک جیتل
″ قسم سوم	۶۵ ″ ۷۰	″	شکر سرخ فی سیر	نیم ″
ٹٹو	۱۲ ″ ۲۰	″	کنجد تین سیر	فی ″
بیل	۴ ″ ۵	″	روغن زرد فی سیر	۲½ ″
گائے	تین روپیہ		نمک ۵ سیر	ایک ″
بھینس	دس روپیہ			

اسی طرح ہر ایک چیز کی قیمت کلاہ سے موزہ تک شانہ سے سوئی تک گنے سے سبزی تک حلوائی صابونی سے ریوڑی تک۔ کاک سے بریانی تک۔ نان سے ماہی تک۔ برگ پان سے ساگ پات تک بادشاہ خود نرخ مقرر کرتا جس کی تعمیل نہایت سختی سے ہوتی۔ کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ سلطانی نرخ سے کم و بیش فروخت کر سکے۔ زن و بچہ بوڑھے جوان ہر ایک کو ایک بھاؤ میں ملتا۔ وزن و ترازو کی بابت خاص احکام نافذ کئے۔ کوئی کم نہ تول سکتا تھا۔ جو خلاف ورزی قانون کرتا۔ جرمانہ۔ قید۔ ضبطی اموال کی سزا پاتا۔ نرخ کے بارہ میں اس قدر کوشش کی گئی۔

ارباب نشاط

کہ ارباب نشاط اور گانے بجانے والوں کی بھی اُجرت مقرر کر دی۔ اور دین و دنیا کے اس غارت گر فرقہ کی مشہور و معتبر سے لوگوں کو بچا لیا پیشہ ور بازاری عورتیں۔

جو دولت مند نوجوانوں کو دنوں میں مفلس و قلاش کر دیتی تھیں۔ خود بخود کم ہو گئیں
یہ اعتراض کہ بادشاہ نے اس فرقہ کو معدوم یا اس رذیل پیشہ کو بند کیوں نہ کیا۔ وہ
ہندوستان کی اُس تمدنی حالت پر غور کریں جو علاء الدین کے عہد میں اور اس سے
پیشتر بوقت آغاز سلطنت اسلام ہندوؤں میں ہتی پہنچی جس کو اُس زمانہ
میں رام جنی کہتے تھے ملک کے ہر ایک حصے میں موجود تھیں۔ بڑے بڑے مندروں
میں ایسی فاحشہ عورتیں بھجن گانے کے لئے ملازم تھیں۔ گداغازی (نٹ) بازی گر
وغیرہ اور کئی قومیں جن کا نشان اب تک ہندوستان میں اکثر پایا جاتا ہے۔ یہی
پیشہ کرتی تھیں۔ پس اس قدر عادی اور آبائی پیشہ کے لوگوں کو جو غیر مذہب کے
پیرو تھے یکلخت پیشہ مذکور سے ہٹانا مصلحت ملکی کے خلاف تھا۔ جبکہ ہندوؤں
کے دیگر مذہبی اخلاقی تمدنی امور میں شاہان اسلام دخل نہیں دیتے تھے۔ تو ان
ہندو قوموں کو صدیوں کے موروثی پیشہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا تھا۔

غرضیکہ پیشہ ور اور گانے بجانے والی رنڈیوں کے نرخ مقرر کرنے سے سابقہ
لوٹ مار نہ رہی۔ اور بدکاری کا بازار سرد ہو گیا۔ ضرور علاء الدین کے احکام آجکل کی
مہذب نگاہوں میں ظالمانہ دکھائی دینگے۔ لیکن مسکرات اور زناکاری کا انسداد
ارزانی غلہ کا انتظام۔ رشوت کی روکاوٹ جس طرح سلطان علاء الدین نے کی۔ وہ
روئے زمین کے کسی بادشاہ سے نہیں ہو سکی۔ ظالم تھا۔ جاہل تھا۔ مگر اس کی انتظامی
قابلیت۔ دلیرانہ ہمت۔ فاتحانہ اولوالعزمی عام نظم و نسق۔ امن و امان۔ رعیت و ملک
کے مفید مطلب قوانین پر علم و فضل۔ خشک تہذیب سو جان سے قربان ہے۔
واقعی انتظامی جرأت اسی شخص میں پائی جاتی ہے۔ جو غلظت طبع اور تند مزاجی
میں ممتاز ہو۔ نرم مزاج سلاطین کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

چوری و راہزنی کا انسداد

چوری وغیرہ کا انتظام ہر ایک گورنمنٹ کرتی رہی ہے۔ مگر علاء الدین نے جس طرح
انتظام کیا۔ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہدیۂ ناظرین ہے۔
سلطان علاء الدین نے نمبرداروں اعلیٰ زمینداروں کو راستوں کی حفاظت

کا ذمہ وار قرار دیا۔ جو سرِ راہ کھڑے ہو کر مسافروں اور قافلہ والوں کی حفاظت کرتے۔ جس نمبردار و مقدم کی حدود میں کوئی واردات ہو جاتی۔ وہ چور اور مال مسروقہ کے برآمدگی کا ذمہ وار ہوتا۔ اس انتظام سے اندرونی اور بیرونی چور دست اندازی نہ کر سکتے۔ اگر کوئی کرتا تو نمبردار و مقدم مجرموں کو گرفتار کرا دیتا۔ نہ کہ زمانہ حال کیطرح انخفائے واردات میں ساعی ہوتے۔ چوروں کی مدد کرتے۔ بلکہ مال مسروقہ میں سے حصے بخرے لیتے ہیں سی رعب سلطانی اور حسن انتظام کا نتیجہ تھا کہ مسافر اسباب نقد و جنس جنگل میں بے خوف و خطر چھوڑ کر چلتے پھرتے۔ اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ افسوس کہ ایسے مدبر و منتظم خیر خواہ رعایا کے اس قسم کے عمدہ حالات سے انگریزی تاریخیں خالی پڑی ہیں۔ اور انگریزی تعلیم یافتہ بے خبر ہیں۔ ایسے حالات کے ہوتے تھا ہاں اسلام پر بدنظمی و ظلم کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اس سے بڑھکر نظم و نسق مشکل ہے۔ نشہ آور چیزوں کی بندش۔ شراب کی ممانعت۔ زناکاری کا قلع و قمع۔ رشوت کا انسداد۔ بازاریوں میں صداقت کا رواج۔ قحط کی معدومی۔ غلہ کی ارزانی اسباب معاش کی فراوانی چوری و ڈاکہ زنی کا استیصال۔ عہدہ داروں کو عدالت کا خیال سرکشوں کی اطاعت۔ گورنمنٹ کے عمدہ انتظام کی دلیل ہوتی ہے۔ جن کا وجود مورخین خصوصاً علاء الدین کا ہمعصر اور عیب چین ضیاء برنی عہد علاء الدین میں تسلیم کرتا ہے۔

علاء الدین جیسے کامیاب بادشاہ بہت کم گذرے ہیں۔ اور سلاطین دہلی میں اپنی نظیر آپ ہے۔

کپڑے کا نرخ

کپڑے کے نرخ کے لئے چار ضابطہ مقرر ہوئے۔

(۱) ایک سرائے عدل (منڈی) مقرر ہوئی۔ جہاں ہر ایک قسم کا کپڑا بیوپاریوں کا ہو یا سلطانی وہاں فروخت ہوتا۔ اس سے فائدہ یہ تھا کہ خریدار تمام شہر میں بھٹکتے نہ پھرتے جس قسم کا کپڑا چاہیں ایک جگہ سے خرید لیں۔ دکانداروں کو کمی بیشی نرخ کا موقعہ نہ ملتا۔ نگرانی آسانی سے ہو سکتی۔

(۲) حسب ذیل نرخ تھا چیرا دہلی سولہ روپیہ - چیرا کوٹلہ چھ روپیہ - سری صاف اعلیٰ پانچ آنہ - سری صاف میانہ تین روپیہ - سری صاف ادنیٰ دو روپیہ - سلاہٹی اعلیٰ چار روپیہ - سلاہٹی میانہ تین روپیہ - سلاہٹی ادنیٰ دو روپیہ - کرپاس اعلیٰ بیس گز فی روپیہ کرپاس میانہ تیس گز فی روپیہ - کرپاس ادنیٰ چالیس گز فی روپیہ - اسی انداز پر باقی کپڑوں کا بھاؤ تھا صبح سے نماز ظہر تک منڈی میں خرید و فروخت ہوتی
(۳) کپڑے کے تمام بیوپاریوں کے نام ایک رجسٹر میں درج کیے جاتے - اور جملہ بیوپاریوں سے اقرار نامہ لیے گئے - کہ ہر سال اس قسم کا کپڑا سرائے عدل (منڈی) میں لایا کریں - اور نرخ سلطانی پر بیچا کریں -

سوداگروں کی روپیہ سے مدد

(۴) اُس وقت عام بیوپاری کپڑے کے ملتانی ہندو تھے - اُن کو بیس لاکھ روپیہ نقد پیشگی دیا گیا - تاکہ اور ممالک سے کپڑا خرید کر لایا کریں - اور نفع اٹھائیں - اس سے بڑھکر تجارت کی مدد اور کیا ہوسکتی ہے - یہ رعائت ہندوؤں کو اس شاہ دہلی نے دی تھی - جسکو بدمنی کے بے سروپا افسانوں سے بدنام کیا جاتا ہے - سرائے عدل (منڈی) کے تمام عہدہ دار ملتانی ہندو تھے - ان کو حکم تھا - کہ جب باہر سے کپڑا سوداگر کسی وجہ سے نہ لاسکیں - تو وہ لایا کریں -
(۵) ضابطہ پنجم یہ تھا - کہ امرار اور اعلیٰ عہدہ داران شاہی میں سے جس کسی کو پارچہ نفیس اور قیمتی کی ضرورت ہوتی - تو وہ رئیس بازار کا پروانہ حاصل کرتا - رئیس بازار (چوہدری) حسب حیثیت امرار وملوک جن کو کہ وہ جانتا تھا کہ سوداگری کے لئے نہیں خریدتے - ضرورت کے مطابق خرید دیتے - یہ شرط اس واسطے لگا رکھی تھی کہ بیوپاری وغیرہ نفیس کپڑے سرائے عدل سے ارزان خرید کر اور مقامات میں گراں قیمت پر نہ بیچ سکیں -

غلام و کنیزک

علاؤالدین نے غلام و کنیزک کی قیمت دوسو روپیہ سے پانچسو روپیہ تک مقرر کی اس

سے غلاموں کے تاجروں کی ہمت ٹوٹ گئی - جو ایک ایک غلام کی قیمت لاکھ لاکھ روپیہ تک لیتے رہے تھے - اور اس طمع سے اس معیوب طریقہ تجارت کی ترقی ہو رہی تھی - سلطان علاء الدین نے تجارت غلاموں کو بند تو نہیں کیا لیکن بہت کچھ کم کر دیا - ہندوستان میں غلاموں کی آمد کی وہ کثرت نہیں رہی تھی جو سابق میں تھی - اور جن بدقسمت قوموں خاندانوں کو غلامی کا نشانہ بننا پڑتا تھا - وہ بھی نسبتاً کچھ بچ گئے - سلطان علاء الدین کا مخلوق خدا پر یہ کچھ کم احسان نہیں تھا - یہ وہ زمانہ تھا - کہ جب یورپ تجارت غلامان کی ترقی اور غلاموں پر سختیاں کرنے میں ایشیا سے کم نہ تھا - بلکہ بڑھا ہوا تھا - ایسے وقت میں سلطان علاء الدین کا غلاموں کی تجارت میں رکاوٹ ڈالنا اخلاقی جرأت انسانی ہمدردی کا اعلیٰ نمونہ ہے -

قوانین علاء الدین کے انتظامی نتایج

ان ضوابط و قوانین کا نتیجہ یہ نکلا - کہ بنگال - بہار - اودھ - مالوہ - گجرات - راجپوتانہ کی فوجوں کے علاوہ صرف دہلی - سمانہ - دیپالپور - ملتان وغیرہ پنجابی چھاونیوں میں صرف فوج سوارہ چار لاکھ بہتّر ہزار سوار جرار تھی - اور اس قدر فوج کثیر کے لیے کافی سامان رسد اور جنگ برسوں کے لئے موجود رہتا تھا - جو ارزانی غلہ کی وجہ سے تھا گھوڑے عمدہ اور اعلیٰ فوجی خدمت کے لئے آسانی سے مل سکتے تھے - روپیہ کی قیمت بڑھ جانے سے رنگروٹ بھرتی کرنے میں کچھ مشکل پیش نہ آتی تھی - ان وجوہات سے قریباً پونے پانچ لاکھ سوار مہیا ہو گئے - جو صرف بیرونی حملہ آوروں کے روکنے کی خدمت پر مامور تھے - اس سے سلطان علاء الدین کی فوجی طاقت شاہانہ عظمت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے - اور جب اس قدر جرار اور کثیر فوج میں سوا مسلمانوں کے اور کسی مذہب کے آدمی کا نام نہیں پایا جاتا - تو صاف اقرار کرنا پڑتا ہے - کہ عہد علاء الدین میں خالص اسلامی فوج اسلامی طاقت کا نظارہ تھا - اور علاء الدین کے فتوحات اور سطوت و جرأت کا یہی راز تھا - کہ وہ استحکام سلطنت میں کسی غیر قوم کے زور بازو کا محتاج نہ تھا - ضرور اس وقت عام مسلمان جنگجو سپاہی تھے - اور ہندوستان کے ملحقہ ممالک اسلامیہ سے بھی جدید سپاہیوں کی بھرتی ہوتی

رہتی ہوگی۔ لیکن ہر حال میں علاء الدین کی عمدگی انتظام اور تدبیر و دانش کا اثر تھا۔ ہندوستان کی فارغ البالی اور سلطان کی قدردانی غیر ملک کے باشندوں کو کھینچ لاتی ہوگی۔ اگر یہ نہ بھی ہو۔ تو خاص مسلمانان ہندوستان جن کی صحیح تعداد تو مقرر نہیں کیجا سکتی۔ مگر قریبًا دو سو سال کی فاتحانہ آمد اور مستقل سکونت نے اس قدر اسلامی آبادی کر دی ہوگی۔ کہ فوجی خدمت کے لئے لاکھوں جوانمرد نکل سکتے ہوں جبکہ اُس عہد میں سب سے شریف اور اعلیٰ پیشہ تلوار کی دہار پر کھیلنا تھا۔ تو پھر ہندوستان کی اسلامی آبادی میں بہادروں کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔

ان فوجی تیاریوں کے بعد مغلوں نے چار دفعہ دانت پیس پیس کر ہندوستان پر حملے کئے۔ مگر ہر دفعہ غازی بیگ سپہ سالار پنجاب کے ضرب شمشیر سے ہزاروں جانیں دیکر ذلت اور ناکامی سے منہزم ہوتے رہے۔ اور پھر مدت تک ہندوستان کا نام تک نہ لیا۔

یہ تو حفاظت سلطنت کا نتیجہ نکلا جو ہر ایک گورنمنٹ کا مقدم فرض ہوتا ہے لیکن غریب رعایا کی جان و مال کی حفاظت کا سوال جس طرح سلطان علاء الدین نے حل کیا۔ کبھی کوئی نہیں کر سکا۔ قحط و گرانی وہ مصیبتیں ہیں۔ کہ جن سے لاکھوں انسان فنا ہو جاتے ہیں۔ یا لگاتار محنتوں سے بھی کنبہ کا گذارہ نہیں کر سکتے۔

فاقہ اور خودکشی

ہندوستان چھوڑ خود یورپ میں بھی فاقہ مستی کی بدولت خودکشی کے عام واقعات ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر جونس بانی کمی افلاس فنڈ انگلینڈ کو دو ہزار خطوط اس مضمون کے آئے تھے۔ کہ خودکشی کا باعث فاقہ مستی ہے درحقیقت جبکہ رات دن خاک اڑانے اور محنت کرنے سے گذارہ بھی نہ ہو سکے۔ اور فاقہ سے نجات نہ مل سکے۔ تو ایسی زندگی سے موت بہتر شمار ہوتی ہے۔ اور اس فاقہ مستی اور تنگی گذران کا باعث گرانی ہے جس کا علاج اور انتظام سلطان علاء الدین نے کیا تھا۔ اور غریب رعایا کو تکالیف سے بچایا تھا۔ اور شاہی فرائض تو نہایت جرأت سے بجا لا کر رعیت کی عزیز جانیں ہلاکت سے بچائی تھیں۔ اس

انتظام نے سلطنت اور رعیت دونوں کو یکسان فایدہ بخش تہا یمبارک ہے وہ گورنمنٹ جو ایسی تجاویز کو عمل میں لاتی ہے۔

آجکل گورنمنٹ عالیہ برطانیہ نے بھی گرانی غلہ کے اسباب دریافت کرنے کے لئے (جو ہندوستان میں عالمگیر ہے) ایک سرکاری کمیشن مقرر کی ہے۔ اور یقین ہے۔ کہ بیدار مغز کمیشن عہد علاءالدین کے واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل مطلب پر پہنچ جائیگی۔

علاءالدین کا انتظام اور جفاکشی

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ علاءالدین نے آراستگی فوج اور جنگی تیاریاں اعلیٰ پیمانہ پر کرلیں۔ بیرونی حملہ آوروں کا کوئی خطرہ نہ رہا۔ اندرونی انتظام اس قدر مضبوط کر لیا۔ کہ چوری وغیرہ کا نام تک نہ رہا۔ جو زمیندار پہلے مسافروں کو لوٹتے تھے۔ اب خود حفاظت کرتے۔ خفیہ پولیس نے باغیانہ منصوبوں کی جڑ کاٹ دی بازاری۔ بیوپاری۔ نرخ مقررہ سے نہ کم بیچ سکتے۔ اور نہ کم تول سکتے۔ جفاکش اور محنتی اس قدر تھا۔ کہ تمام رپورٹوں کو خود پڑھتا۔ اور خود ہی حکم دیتا۔ جہاں عدول حکمی بے انصافی۔ پائمالی رعایا کی خبر پاتا سخت سزائیں دیتا۔ علاوہ اس کے فوج کشی جنگ وجدل۔ دیگر انتظامی امور میں احکام صادر کرنا اور کاغذات کو سنتا جس سے علاءالدین کمال درجہ کا محنتی اور جفاکش ثابت ہوتا ہے۔

زمانہ شجاعت

ہندوستان کے مسلمانوں کا زمانۂ شجاعت سلطان محمود غزنوی یا محمد غوری سے شروع ہوتا ہے۔ جس کا کمال عہد علاءالدین میں تہا۔ یہ وہ عہد تہا۔ کہ جس میں مسلمان کنیزکیں اور مخنث غلام فوج کی کمان کرتے اور ہندو راجاؤں کو شکستیں دیتے۔ جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔ اس عہد کے مسلمانوں کا شجاعانہ جوش نہایت ہی بڑھا ہوا تہا۔ اس کے بعد طوائف الملوکی میں۔ جبکہ دہلی۔ جونپور۔ مالوہ۔ گجرات دکن میں مختلف اسلامی طاقتیں پیدا ہوگئیں۔ لیکن ہر ایک نے

اسلامی شجاعت کا سکہ قایم رکھا۔ اور قومی خدمات کو انجام دیتی رہی۔
مغلوں نے اچھا انتظام کیا۔ اور موروثی شجاعت کے ساتھ اسلامی تہور کے
نشان بھی قایم رکھے۔ اور اورنگ زیب کے مرنے تک اسلام کا شاہانہ
جلال اعلی درجہ پر رہا۔ لیکن عہد افغانیہ کا زمانہ خالص اسلامی شجاعت کا زمانہ
ہے جس کے غازیانہ کارنامہ تذکرہ بہادرانِ اسلام حصہ دوم میں لکھے جائیں گے
اس عہد کے مسلمان کشورکشائی میں کسی غیر قوم و مذہب کے محتاج نہیں ہوئی
جو کچھ کیا مسلمانوں نے اپنی ہمت اور زور بازو سے کیا۔ لیکن مغلوں کے عہد
میں ہندو عنصر مخلوط تھا۔ اکبر نے ایسی سکیم جاری کی۔ کہ ہندو راجپوتوں کی تعداد
فوج وغیرہ میں خاصی ہوگئی۔ اور اکبر کے عہد سے لیکر اورنگ زیب کے آخیر عہد
تک جدید صوبجات بھی وہی سلطنت دہلی سے ملحق یا مطیع ہوئی۔ جو کہ صدیوں
سے مستقل اسلامی علاقہ تھے۔ یا یوں کہو۔ کہ عہد افغانیہ میں ہندو ریاستیں فتح
ہوئیں۔ اور مغلوں کے عہد میں اسلامی ریاستیں برباد ہوئیں۔ پس اس خیال سے
میں عہد افغانیہ کو تو اسلام کا خالص زمانہ شجاعت قرار دیتا ہوں۔ اور عہد مغلیہ
کو مخلوط اور اسی گنگا جمنی اختلاط نے مغلیہ سلطنت کی ناؤ ڈبوئی جس پر مفصل
بحث تاریخ عہد مغلیہ میں لکھی جائیگی۔

جنوبی ہندوستان کی فتوحات

جب ملک میں ہر طرح انتظام کا سکہ بیٹھ گیا۔ اندرونی نرخ فوج اور سامان
فوج اس قدر وافر ہوگیا۔ کہ پنجاب کی چھاونیوں میں مستقل اور دوامی فوج کے
علاوہ پنجاب کی زاید فوج سپہ سالار غازی بیگ کی ماتحتی میں پنجاب سے باہر
مغلوں کی تلاش میں گشت کرنے لگی۔ اور ترکستان و ایران تک بہادرانِ
ہندوستان کی دھاک بندھ گئی۔ متواتر چار پانچ شکستوں سے مغلوں کے
حوصلے پست ہو گئے۔ اور مغربی بیرونی خطرہ نہ رہا۔ تو علاءالدین نے جو اولوالعزمی
میں واقعی سکندر ثانی تھا۔ دکن کی تسخیر پر توجہ کی۔ جہاں اب تک شاہانِ دہلی بلکہ
اسلام کا فاتحانہ قدم نہیں پڑا تھا۔ اشاعت اسلام تو فتح سندھ کے قریب یا

کچھ بعد بذریعہ مسلمان سوداگروں کے دکن میں ہو چکی تھی۔ ایک راجہ بھی مغربی گھاٹ کا مسلمان ہو چکا تھا۔ لیکن فاتحانہ طرز پر علاء الدین سے پہلے کوئی مسلمان دکن میں نہیں پہنچا۔ کوہ بندھیاچل سے لیکر راس کماری تک خالص ہندو طاقت موجود تھی۔ پس جس طرح شمالی ہندوستان کا پہلا فاتح سلطان محمود غزنوی ہے اسی طرح دکن کا پہلا فاتح مسلمان سلطان علاء الدین ہی ہے۔

دیوگڈھ مہاراشٹر کو عہد جلال الدین خلجی میں فتح کیا تھا۔ اور جنوبی ہندوستان کی فتوحات کا راستہ نکالا تھا۔ مگر علاء الدین کی ابتدائی مشکلات خارجی اور داخلی کی وجہ سے پھر دکن کی طرف توجہ نہ ہوسکی۔ اور راجہ رام دیو والی دیوگڈھ نے خراج بھیجنا بند کردیا۔ اور شاہ دہلی کی اطاعت کا جوا گردن سے اتار دیا۔ اس لئے علاء الدین نے سب طرف سے فارغ ہو کر ملک کافور کو امرائے کبار کے ساتھ دیوگڈھ کی فتح پر روانہ کیا۔ اور تمام مناسب ہدایتیں لکھ دیں۔

ہدایات سلطان علاء الدین

عام فاتحان اسلام کا جو مفتوحہ اقوام سے سلوک رہا ہے اور جس کی وجہ سے اسلامی سلطنت نے اس قدر جلدی روئے زمین پر عروج پکڑا۔ وہی اصول علاء الدین کے تھے۔ اور ہندوستان میں شاہان اسلام عموماً اسی طرز حکمرانی کے پابند رہے۔ تسخیر ملک اور غیر مذاہب پر حکومت کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی قاعدہ نہیں ہوسکتا۔ آج اقبالمند یورپ کا کسیقدر اسی پر عمل ہے (۱) قول و فعل کو مطابق رکھو (۲) جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو۔ (۳) حتی المقدور لڑائی سے پہلو بچاؤ۔ (۴) قتل و غارت سے پرہیز کرو۔ (۵) راجہ اگر اطاعت قبول کرے۔ تو لڑائی سے ہاتھ اٹھالو۔

کشور کشائی کے لئے اس سے اچھے اور کیا احکام ہوسکتے ہیں۔ اور یہ اصول اسلام کے سکھلائے ہوئے ہیں۔ اور جہاں جہاں فاتحان اسلام گئے وہاں انہیں قواعد کے پابند رہے۔ عام رعایا کے قتل و غارت سے پرہیز کرتے تھے ہاں مخالف حریف اور اس کی فوج کی غارتگری ہوتی رہی۔ جو ہرگز معیوب نہیں

ایفلے وعدہ مسلمان فاتحین سے بڑھکر کسی قوم نے نہیں کیا۔ جو وعدہ کرتے اسکو کوئی پالیسی توڑ نہ سکتی۔ کبھی کسی دوست کے بگاڑنے کی درپردہ کوشش نہیں کی گئی۔ کسی زیر رسوخ طاقت کے ملکی اقتدار کو بنظر شبہ نہیں دیکھا گیا۔ جبتک کہ وہ علانیہ باغیانہ حرکات کی مرتکب نہ ہو۔ مذہبی آزادی فاتحان اسلام سے بڑھ کر اور کوئی دنیا والا نہیں ہے۔ صرف فرائض مذہبی کے ادا کرنے کو ہی آزادی نہ کہنا چاہئے۔ بلکہ علوم مذہبی کی سرپرستی اور مقتدایان مذہب کی امداد اور ہر ایک مذہب کے مقلدین کے خصومات و مقدمات اسی مذہب کے مطابق فیصل کرنے سے مذہبی آزادی ہوسکتی ہے۔ یہ جملہ باتیں شاہان دہلی کے عہد میں حاصل تھیں محمد بن قاسم نے تو ہندو مقتداؤں برہمنوں کے لئے خراج میں حصہ مقرر کردیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی اور محمد غوری کی فتوحات میں ہندو صرف ٹیکس (جزیہ) یا خراج دیکر اپنے اندرونی معاملات تمدن اور مذہب میں آزاد رہتے تھے۔ زبردستی مسلمان کوئی نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ الزام ایسے نرم قواعد پر عمل کرنے والوں پر عاید کرنا خلاف انصاف ہے۔

علاءالدین کا رعب و انتظام

ملک کافور جسکو اس عہد کا مشہور مورخ ضیا برنی مجبوں بابون بنش بریدہ پس دریدہ کے کریہ الفاظ سے یاد کرتا ہے اور اس وقت کے عام مسلمان سرداروں کے خیالات کی نسبت ملک کافور پر روشنی ڈالتا ہے ایک خواجہ سرائی غلام تھا۔ بقول ضیا برنی علاءالدین کے عشرت خانہ کی جزو اعظم تھا لیکن اس کی سپہ سالاری اور جملہ خاندانی امراء و ملوک (لارڈ) کی ماتحتی سے سلطان علاءالدین کا کمال درجہ کا ضبط و انتظام ثابت ہوتا ہے۔ عہد علائی میں اسقدر یکہ تاز جانباز بہادر موجود تھے۔ کہ ان کے حالات لکھنے کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ تذکرہ بہادران اسلام حصہ دوم میں جس کا حصہ اول میں وعدہ کیا گیا تھا مفصل بحث ہوگی۔ ملک کافور نے جس قدر فتوحات حاصل کیں۔ وہ دیگر سرداروں کی ہمت اور علاءالدین کے اقبال سے کیں۔ اور غالباً

علاء الدین کو یہی دکھلانا منظور تہا۔ کہ میرا ایک غلام جو مردان شمشیر زن میں محسوب نہیں ہوسکتا جنوبی ہندوستان کی قدیم دولت مند سلطنتوں کے لیے کافی ہے۔ اور اسی طرح علاء الدین نے راجہ چہاہور کے مقابلہ میں اپنی ایک کنیزک گل بہشت نام کو مقرر کیا تہا۔ اور راجہ کے غرور کو توڑا تہا۔ واقعی جس سلطان یا گورنمنٹ کے اقبال کا ستارہ اوج پر ہوتا ہے۔ وہاں ایسے واقعات کا نظارہ حیرت انگیز نہیں ہوسکتا۔

ملک کافور کے ہمراہ حاجی خواجہ کو کیا گیا تہا۔ جسکو جملہ پولیٹکل اور مالی اختیارات حاصل تھے۔ اور وہ ایک تجربہ کار لائق افسر تہا۔

دیوگڈھ کی فتح

ملک کافور براہ مالوہ دیوگڈھ کے علاقہ میں داخل ہوا۔ اور حسب ہدایت سلطان علاء الدین رعیت کا کچھہ نقصان نہ کیا۔ اور شفقت سے پیش آیا۔ رام دیو نے انجام کار پر خیال کرکے اطاعت قبول کی۔ گذشتہ سالوں کے خراج اور خرچہ جنگ کے عوض میں تمام خزانہ اور ۱۷ ہاتھی پیش کئے۔ اور آئندہ اطاعت کی حلف اٹھائی ملک کافور مظفر و منصور رام دیو کو معہ اس کے پسران کے دہلی لایا سلطان رام دیو سے عزت و تعظیم کے ساتھ پیش آیا۔ دعوت کا ایک لاکھ روپیہ اور خطاب رائے رایان اور حکومت دیوگڈھ دیکر واپس کیا۔

شاہان دہلی کا ہندو ریاستوں سے سلوک

ناظرین غور فرماویں کہ رام دیو نے بغاوت کی عہد شکنی کی۔ سلطان کو مجبوراً زبردست فوج کشی کرنی پڑی۔ رام دیو کی فوجی طاقت اور ملکی قوت کو علاء الدین بخوبی جانتا تہا۔ عہد جلال الدین میں چند ہزار فوج کے ساتھ دیوگڈھ کی مرہٹہ طاقت کو پائمال کر چکا تہا۔ حالانکہ یہ وقت آوارگی اور بے یار و مددگار کا تہا۔ اب شاہنشاہ دہلی کی بہادر فوجیں مغلوں جیسے مخالفوں کے پرخچے اڑا چکی تھیں اور ہندوستان کی شمشیر کا رعب ایران توران تک بٹہا چکی تہیں۔ ملک کافور دہلی۔ گجرات۔ مالوہ۔ اودھ۔

مہابن کی چیدہ فوجیں اور تجربہ کار جرنیل لیکر حملہ آور ہوا تھا۔ اس سیلاب عظیم کی ٹکر کی برداشت دیوگڈھ کیا تمام جنوبی ہند بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ راجہ رام دیو میں ہرگز مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اور نہ کوئی ہندو راجہ مدد کرنے کے قابل تھا۔ جس کے خوف سے سلطان نے تاج بخشی کی ہو۔ بات یہ ہے کہ اظہار اطاعت کے بعد پھر تلوار اٹھانے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اور اسلام کے اس عالمگیر فیاضی کا نتیجہ ہے۔ کہ آج ہندوستان میں سینکڑوں ہندو ریاستیں برقرار ہیں۔ علاء الدین جس کو ظالم و جابر کہا جاتا ہے۔ جسکی فوجی طاقت کو دہلی کا کوئی مسلمان بادشاہ نہیں پہنچ سکا یہ اس کی فیاضی کا نمونہ ہے۔ جس سے شاہان دہلی کے اس عام سلوک کا پتہ لگتا ہے۔ جو وہ ہندو ریاستوں سے کرتے رہے۔ اگر علاء الدین لالچی۔ طماع۔ متعصب ہوتا۔ تو دیوگڈھ کے وسیع علاقہ کے الحاق کے لئے اور کون سا بہتر موقعہ مل سکتا تھا رام دیو نے بغاوت کی باغیوں سے بدسلوکی آجکل کی پالیسی کے مطابق کوئی اخلاقی جرم نہیں۔ عزل و نصب۔ الحاق ایک معمولی سزا تصور ہوتی ہے۔ مگر مہاراشٹر کا نہ تو الحاق ہوا۔ اور نہ کوئی ہندو جبراً مسلمان ہوا۔ بلکہ تاریخوں میں اس مہم کے تذکرہ میں معمولی اشاعت اسلام کا بھی نشان نہیں ملتا۔ ہندوؤں کے مذہبی مکان۔ مندر وغیرہ مسلمانوں کے دست تصرف سے آزاد رہے۔ کسی ہندو رعایا کو ستایا نہیں گیا۔ اس سے بڑھکر فوجی مہم کے عمدہ انتظام اور کیا ہو سکتے ہیں۔

دیول دی

کنولادیوی راجہ کرن کی بیوی مہم گجرات میں ہاتھ آئی۔ اور علاء الدین کی چاہتی بیگم بنی۔ راجہ کرن سے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ایک تو مر گئی۔ دوسری دیول دیوی زندہ راجہ کرن کے پاس موجود تھی۔ جو دکن میں آوارہ پھر رہا تھا جب شاہی فوجیں دیوگڈھ کو روانہ ہوئیں۔ تو کنولادیوی نے بادشاہ سے عرض کی۔ کہ میں اپنی بیٹی دیول دیوی کے فراق میں اس قدر غمناک ہوں۔ کہ حضور کی عنایت سے جس قدر سامان عیش مہیا ہیں۔ کچھ نہیں بھاتا۔ میری لخت جگر دیول دیوی کو منگا دو۔ تب چین پڑتا ہے بادشاہ نے فوراً الغخان اور ملک کافور نائب کو احکام بھیجدیئے۔ کہ جس

طرح ممکن ہو راجہ کرن سے دیول دیوی کو لیکر روانہ دہلی کرو۔ الغ خان نے ہرچند عطیات شاہی اعزاز کے وعدہ اور لڑائی کی دہمکی دی۔ مگر عنیور راجہ نے منظور نہ کیا اس سے پہلے راجہ رام دیو کا بیٹا سکل دیو بہی اس گوہر شب چراغ پر دل و جان دے چکا تھا۔ اور درخواست کر چکا تھا۔ مگر چونکہ ذات میں راجہ کرن سے ہیٹا مرہٹہ تھا۔ اس لئے راجہ کرن نے پیغام شادی کو منظور نہ کیا۔ اسی ذاتی لالچ سے رام دیو جلاوطن اور مصیبت زدہ کرن کی کچھ مدد نہ کرتا تہا۔ مگر جب افسران شاہی نے زور دیا۔ اور لڑائی تک نوبت پہنچی جس کی طاقت راجہ کرن میں اس وقت نہ تھی۔ تو اس موقعہ کو غنیمت جان کر سکل دیو نے اپنے بہائی بہیم دیو کو کچھ فوج اور قیمتی تحف و تحائف دیکر راجہ کرن کے پاس بہیجا۔ راجہ کرن نے جو مرہٹوں کے رشتہ کو مسلمانوں کی قرابت سے کم برا نہ سمجہتا تہا۔ مجبوراً دیول دیوی کو بہیم دیو کے ہمراہ روانہ دیوگڈھ کیا۔ جب افسران شاہی کو پتہ لگا۔ کہ پری کو دیو اڑا لیگیا تو پچتائے۔ اور غضب سلطانی اور کنولا دیوی کے ملال سے گھبرائے۔ پر لگا کر تعاقب میں اڑے۔ مگر دیول دیوی کا پتہ نہ لگا۔ دیوگڈھ سے ایک دن کے فاصلہ پر چند سلطانی سپاہی آلورہ کی غار کی سیر کر رہے تھے۔ کہ کچھ سوار نظر آئے۔ رام دیو کی مخالف فوج سمجھکر لڑائی پر تیار ہو گئے۔ بہیم دیو کی محافظ فوج کو شکست دیکر ایک مسلمان سپاہی دیول دیوی پر دست درازی کرنے لگا تہا۔ کہ لونڈی نے کہا دیکہنا یہ دیول دیوی ہے۔ سپاہی باغ باغ ہو گیا۔ اور سکہپال میں بہلا کر الغ خان کے پاس لیگیا۔ وہاں سے بحفاظت تمام دہلی کو روانہ کی گئی۔ ماں بیٹی کو دیکھکر خوش خرم ہوگئی۔ اس وقت دیول دیوی کی عمر ۸ سال کی تھی۔ خضر خان ولیعہد سلطنت کے میل ملاپ اور باہمی کہیل کود سے صحبت کا آغاز ہوا۔ علاء الدین دونوں کی شادی برضامندی کنولا دیوی کرنی چاہتا تہا۔ مگر خضر خاں کی ماں جو الغ خان کی بہن تہی۔ الغ خان کی بیٹی سے شادی کرنا پسند کرتی تھی۔ یہ شادی تو ہوگئی۔ مگر خضر خان دیول دیوی کے عشق میں دن بدن گھلتا جاتا تہا۔ اس لئے علاء الدین نے دیول دیوی سے بھی شادی کرادی۔ امیر خسرو اور دیگر شعرا نے اس داستان عشق پر بہت کچھ جولانی طبع

دکھائی ہے۔ خضر خان کی قید میں دیول دیوی ساتھ تھی۔ اور جب گوالیار میں قتل ہوا۔ تو خضر خان کو بچاتے ہوئے اپنے ہاتھ کٹوا دیئے۔ اور بقول بعض مبارک اور خسرو خان غاصب کے نکاح میں آئی۔

فتح سیوانہ

سیوانہ مارواڑ میں گجرات کے شمال میں ایک زبردست ریاست تھی۔ وہاں کا راجہ ہمیشہ شاہ دہلی کو ستاتا رہتا تھا۔ اس لیے جب ملک کافور دکن کو گیا۔ تو خود علاء الدین نے سیوانہ پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ کئی سال سے مقابلہ پر اڑا ہوا تھا۔ مگر بادشاہ کی موجودگی سے راجہ سیتل دیو کا حوصلہ پست کر دیا۔ اپنی مورت سونے کی بنا کر اور گلے میں رسی ڈال کر اظہار عجز کے لئے سلطان کے پاس معہ ایک سو ہاتھی اور قیمتی تحایف کے روانہ کی۔ چونکہ سیتل دیو برسوں سے شاہی فوج کو تکلیف دے رہا تھا۔ اور دیگر سرکشوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ اس لئے علاء الدین اس کو زیادہ کمزور کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے حکم دیا۔ کہ جب تک خود حاضر نہ ہو۔ معاملہ طے نہیں ہو سکتا۔ راجہ حاضر آیا جس کی معہ اہل و عیال جان بخشی کی گئی۔ اور سیوانہ کی حکومت بھی بدستور اسی کو دی گئی۔ مگر زر و مال اور دیگر سامان شان و شوکت جس سے مکرر بغاوت کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ سب کچھ چھین لیا۔

فتح جہالور اور ایک لونڈی کی چڑیلی

جہالور بھی گجرات کے شمال میں ایک راجپوت ریاست تھی۔ وہاں کا راجہ کانیر دیو بادشاہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک دن بادشاہ نے کہا تھا۔ کہ آج ہندوستان کا کوئی زمیندار (راجہ) ایسا نہیں۔ کہ میری فوج کا مقابلہ کر سکے۔ کانیر دیو نے کہا کہ اگر میں مقابلہ کروں اور کامیاب نہ ہوں۔ تو سزا میں قتل کیا جاؤں۔ بادشاہ دل میں تو بہت ناراض ہوا۔ اور منہ سے کچھ نہ بولا۔ چند روز بعد راجہ کو روانہ جہالور کر دیا اور کچھ مدت بعد اپنی لونڈی گل بہشت نام کو فتح جہالور پر متعین کیا۔ گل بہشت نے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور اس قدر شجاعت مردانہ دکھائی۔ کہ راجہ کانیر دیو اور تمام بہادران

صف شکن ونگ رہ گئے۔ قریب تھا۔ کہ قلعہ فتح ہو جائے۔ کہ گل بہشت بیمار ہو کر روانہ بہشت ہوئی۔ گل بہشت کا بیٹا شاہین نام بدستور محاصرہ کئے رہا اور راجہ کا نیرہ یو کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بادشاہ نے ایک اور جرنیل سید کمال الدین کو تازہ لشکر دیکر روانہ کیا۔ کمال الدین نے کمال دلاوری سے قلعہ فتح کیا۔ اور راجہ معہ رفقا مارا گیا۔

نوٹ

گل بہشت کے واقعہ سے اس عہد کی اسلامی طاقت جنگی جوش فوجی تربیت کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔ کہ ہندو راجاؤں کی سرکوبی کے لئے مسلمان لونڈیاں بھی کافی خیال کیجاتی تھیں۔ یا ہیجڑے غلام وخواجہ سرائے ہند وممالک کی تسخیر کے لئے انتخاب ہوتے رہے تاریخی واقعات کی سند پر ہمارا دعوے ہے۔ کہ اکبر کے عہد تک راجپوت اپنی جنگی طاقت کو کھو چکے تھے۔ اکبر نے دوبارہ راجپوتوں کو پولیٹکل قوت بخشی جس کا خمیازہ اس کی اولاد کو اٹھانا پڑا۔ جس پر مفصل بحث آئندہ اکبر اور اورنگ زیب کے حالات میں کی جائیگی۔

مہم تلنگانہ

سنہ ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء میں دوبارہ تسخیر بنگالہ پر ملک کافور کو مامور کیا۔ اڑلیہ کا ہندو راجہ اس مہم کا باعث ہوا تھا۔ اپنے ہمسایہ ہندو راجہ ورنگل سے حسد رکھتا تھا۔ اڑیسہ کے راستہ اسلامی لشکر کو ورنگل میں داخل کر دیا۔ لیکن ناکامی ہوئی تھی۔ اب علاءالدین کے یہ داغ مٹانے کے لئے صرف فوج شاہی کے بل پر راجہ ورنگل کو سزا دینی مناسب خیال کی۔ اس مطلب کے لئے ملک کافور کو دوبارہ زبردست فوج شاہی کے ساتھ روانہ تلنگانہ کیا اور حسب ذیل ہدائتیں دیں۔

ہدایات

ملک کافور تم غیر ملکوں میں جاتے ہو۔ جو منہ سے کہو اس پر عمل کرو۔ وعدہ خلافی سے بچو۔

ماتحتوں کے معمولی جرائم سے اغماض کرو- ایسا کوئی کام نہ کرو- جس سے فتنہ و فساد برپا ہو- نرمی و گرمی اپنے اپنے موقعہ پر استعمال کرو- رعب و سیاست قائم رکھو جسکو روپیہ کی ضرورت ہو- اس کو قرض دیدو- سپاہی کو اخراجات ضروریہ کی مشکلات سے بچاؤ- ماتحتوں کو فارغ البال اور خوش رکھو- قتل و غارت سے پرہیز کرو- جہاں تک ہو سکے- لڑائی سے بچو- جس سپاہی یا افسر کا گھوڑا ضایع ہو جائے- اس کو شاہی اصطبل سے دیا جائے- راجہ لدر دیو اگر خراج دینا منظور کرے- تو لڑائی نہ کرو- ممکن ہو تو اسکو ہمارے سلام کے لئے دہلی بہیجدو-

ان احکام سے علاء الدین کا طرز عمل جو وہ ہندو راجاؤں سے کرتا رہا اور جس قدر شفقت سپاہیوں سے عمل میں لاتا تھا ظاہر نہ ہوتی ہے- یہی وجہ ہے- کہ اس کی فتوحات ہندوستان کے منتہائے آبادی راس کماری تک پہنچ گئیں- اور گو خود ساتھ نہ تہا- لیکن فوج سلطان کی عزت و نام پر جانیں قربان کرتی تہی-

منزل راپڑی تک ملک کافور اور حاجی خواجہ کو جو پولٹیکل افسر تہا- خود سلطان نے وداع کیا- اور چندیری میں ہندوستان کی پہاڑیوں کی فوجیں جو ہر تلنگانہ پر مقرر ہوتی تہیں- سب ملک کافور سے جا ملیں- ملک کافور حدود دیوگڈہ پر پہنچا- رائے رایان رامدیو نے استقبال شایان کیا- اور تمام سرداران فوج شاہی کو دعوت اور تحایف دیئے رسد رسانی کا سامان خوب کیا- نرخ سلطانی پر فروخت اشیاء کا حکم دیا- دیوگڈھ میں چند روز اسلامی لشکر توقف کر کے تلنگانہ کو روانہ ہوا- رامدیو نے اپنی فوج کو راہبر مقرر کیا- ورنگل کی حدود تک رسد وغیرہ ... کرتا رہا- اور مسلمان سرداران فوج کے دل میں اپنی قومی شرافت کا سکہ بٹہا دیا- اور دیگر ہندو راجگان کے لئے شاہان اسلام کے سامنے اعتبار کا دروازہ کہولدیا-

فتح وارنگل

وارنگل جو علاقہ ہز ہائینس نظام دکن میں ہے- یہاں کا راجہ لدر دیو تہا- اس کو پیغام اطاعت دیا گیا- جس کا جواب بہادر راجہ نے سختی سے دیا- حدود وارنگل پر پہنچتے ہی لڑائی شروع ہو گئی مگر بہادران اسلام کی ضرب شمشیر سے فوج وارنگل ہار ایک

میدان اور قلعہ سے بھاگ کر وارنگل کے قلعہ خام میں جو نہایت مضبوط اور بہت بڑا وسیع تہا۔ جا داخل ہوئے۔ فاتح فوج نے وارنگل کا محاصرہ کرلیا۔ خود راجہ لدریو۔ وارنگل کے پختہ قلعہ میں مع عیال و اطفال و امراء وغیرہ محصور ہو گیا۔ قلعہ خام پر لڑائی کا زور پڑا محصورین و محاصرین بڑھ بڑھ کر بہادری کے جوہر دکھلاتے۔ اور دہڑا دہڑ گرتے۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔ آخر کئی روز کے بعد بہادران اسلام جہادی جوش میں آکر جانوں سے ہاتھ دہوکر برستی آگ اور تیروں کی بوچھاڑ میں کمندیں لگاکر قلعہ پر چڑھ گئے۔ اور قلعہ فتح ہو گیا۔ ہزاروں ہندو مارے گئے۔ اب پختہ قلعہ پر لڑائی کا زور ڈالا گیا۔ لدریو نے دیکھا۔ کہ جب قلعہ خام جو زیادہ مضبوط تہا۔ اور ہندو فوج کے کمال درجہ کی مدافعانہ ہمت کے باوجود بہادران اسلام نے آسانی سے فتح کرلیا ہے۔ تو یہ قلعہ جس میں لڑنے والے بھی کم ہیں کب تک مقابلہ کرسکیگا۔ اور بزور شمشیر فتح ہونے کی صورت میں۔ مجھکو مع رفقا تلوار کے گھاٹ اترنا پڑیگا۔ اس لئے فاضل برہمنوں فصیح اللسان بہاٹوں کو ملک کافور کے پاس بھیجکر اس شرط پر امان طلب کی۔ کہ تمام موجودہ خزانہ زر و جواہر۔ ہاتھی گھوڑے وغیرہ خرچہ جنگ میں بالفعل لیا جائے۔ اور آیندہ مقررہ خراج اور ہاتھی دربار دہلی میں بھیجتا رہونگا۔ ملک کافور نے اس شرط کو منظور کیا۔ اور وارنگل کی حکومت بدستور سابق راجہ لدریو کو دیکر ۷۱۰ھ میں دہلی واپس آیا۔

کرامت اولیاء

علاءالدین کا دستور تہا۔ کہ جہاں کہیں لڑائی پر فوج بھیجتا۔ دہلی سے وہاں تک گھوڑوں کی ڈاک بٹھلا دیتا جس سے لشکر کی خبر روزمرہ علاءالدین کو پہنچتی رہتی مہم وارنگل میں کسی وجہ سے راستہ کی چند ڈاک چوکیوں کا انتظام بگڑ گیا۔ اور ملک کافور کا کوئی عریضہ نہ پہنچا۔ بادشاہ کو تردد پیدا ہوا۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں دو امیر بھیجکر لشکر متعینہ تلنگانہ کی بابت اضطراب ظاہر کیا۔ اور دعائے فتح و نصرت کے التجا کی حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ نے بنور کشف و شہود ایک بادشاہ کے ذکر میں فرمایا۔ کہ اس فتح کے علاوہ مزد

اور فتوحات بھی ہوں گی۔ بادشاہ سُنکر خوش ہوا۔ اور یقین کر لیا۔ چنانچہ اسی روز عصر کی نماز کے وقت فتحنامہ پہنچ گیا۔ اور شادیانہ بجائے گئے۔ اور حسب فرمودہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ اس فتح کے بعد کرناٹک ملیبار۔ تمام دکن راس کماری تک فتح ہو گیا۔ گو علاءالدین کو حضرت محبوب الٰہی سے عقیدت تھی۔ لیکن افسوس کہ غرور سلطنت نے ایسے یگانہ روزگار غوث زمان کی ظاہری صحبت سے مستفید نہ ہونے دیا۔

فتح کرناٹک ملیبار سیت بندر رامیشور پر تعمیر مسجد

۷۱۰ھ ۱۳۱۰ء میں ملک کافور اور خواجہ حاجی کو فوج جرار دیکر کرناٹک اور ملیبار کو روانہ کیا۔ تلنگانہ پٹن واقعہ گوداوری پہنچا۔ کرناٹک کا راجہ بلال دیو مقابلے سے پیش آیا۔ لیکن ہر موقعہ پر منہزم ہوا۔ اسلامی لشکر راجہ کی راج دھانی دہوا سمندر تک پہنچ گیا۔ اور فتح ہو گیا۔ راجہ قید اور بت توڑے گئے۔ اور سیت بندر رامیشور (پل آدم) پر فتح اسلام کی یادگار میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کی۔ جو فرشتہ کے عہد تک مسجد علائی کے نام سے موجود تھی۔ اس مہم میں ملک کافور کو بہت خزانے اور جواہرات وغیرہ ہاتھ لگے۔ مال غنیمت میں تین سو بارہ ہاتھی بیس ہزار گھوڑے۔ چھیانوے من سونا اور موتیوں کے کئی صندوق وغیرہ تھے۔ اس قدر مال و دولت لیکر ملک کافور واپس دہلی آیا۔ اور بادشاہ خوش ہوا۔ سلطان نے خوب داد و دہش کی۔ ہر ایک امیر کو پانچ پانچ من سونا۔ مشائخ و علماء مستحقین میں سے ہر ایک کو ڈیڑھ ڈیڑھ من سونا انعام دیا۔

الزام ناقدردانی علوم اور تردید

اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ علاءالدین پر یہ الزام درست نہیں۔ کہ وہ اہل علم کا قدردان نہ تھا۔ ہاں اس کے معیار میں زیادہ فوجی اور پولٹیکل لیاقت کے لوگوں کی زیادہ قدر تھی مگر جس قدر علماء فضلاء ماہران ہر فن کا اجتماع علاءالدین کے عہد میں ہوا جس کی فہرست تاریخ فیروز شاہی میں لکھی ہے۔ اور جنہوں نے کئی ایک علوم عقلیہ و نقلیہ کے اعلے

مدارس اور کالج کھول رکھے تھے۔ جس کی بابت آگے چلکر ہم کچھ بحث کریں گے۔ اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ مصر۔ روم۔ ایران و توران تک کے فاضل دہلی میں اسیواسطے آتے تھے کہ علاء الدین کے عہد سلطنت یا امرائے سلطنت کی قدردانی علوم وفنون سے گذارہ عزت و فراغت سے ہوتا تھا۔ مشائخ کبار کے لنگر جن میں ہزاروں کھانا کھاتے تھے۔ وہ بھی عہد علائی کے دولت مند زمانہ کے طفیل تھا۔ فتح دکن پر ہر ایک شیخ طریقت اور عالم کو ڈیڑہ ڈیڑہ من سونے کا عطا کرنا کچھ کم سرپرستی علوم نہیں۔ علاء الدین اپنے عہد میں کسی شیخ سے بدگمان نہیں ہوا۔ اور نہ کسی عالم کو ستایا۔ ضرور وہ التمش۔ ناصر الدین۔ بلبن جیسا متقی و پرہیزگار نہ تھا۔ لیکن اس کے عہد کی امنیت و رفاہیت عام نظم ونسق۔ اس کی کسر نکالا دیتی تھی۔ مشائخ کبار کی روحانی تعلیم اخلاقی تربیت اور علمائے ظواہر کے عام تعلیم علوم اس پر امن زمانہ کے اثر سے تھی۔ آجکل کے ترقی یافتہ سلطنتوں کے اصول کو دیکھا جائے تو مذہب اور سلطنت کو جدا جدا رکھا جاتا ہے۔ اور ملکی مصلحت کے مقابلہ میں مذہب کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ انسانی زندگی کو پرائیویٹ لایف اور پبلک لایف دوشقوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایسے مدعیان تہذیب علاء الدین کی طرز عمل کو برا نہیں کہہ سکتے۔ گویا جن اصول پر آج یورپ کا عمل ہے۔ مدبر علاء الدین کئی صدیاں پیشتر ان قواعد کا کاربندرہ چکا ہے۔ اس کے زمانہ میں ہر ایک چیز کو ترقی ہوتی ہے۔ اشاعت اسلام کا کام جس میں سلطان کا ہاتھ نہ تھا۔ مشائخ کبار اعلیٰ پیمانہ پر کر رہے تھے۔ جس تعریف کا مستحق علاء الدین کا اعلیٰ درجہ کا انتظام ملکی ہوسکتا ہے۔

پس میرے نزدیک ضیاء برنی کا یہ اعتراض کہ سلطان علاء الدین اہل علم کی قدر نہ کرتا تھا۔ اس کے عہد کی ارزانی اور شراب و مسکرات کا انسداد رشوت وزنا کی کمی علاء الدین کیوجہ سے نہ تھی۔ جو کئی ایک معاصی لازمی و متعدی میں مبتلا تھا۔ اور جن انتظامی ترقیوں اور فتوحات کثیرہ کو دیکھکر لوگ حیرت میں پڑکر علاء الدین کی کرامات یا استدراج پر دلالت کرتے تھے۔ درست نہیں ہیں حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ کا ادنیٰ غلام ہوں۔ اور ضیاء برنی سے کم عقیدت نہیں رکھتا۔ لیکن مورخانہ اصول سے مجبور ہوکر لکھتا ہوں۔ کہ اگر علاء الدین ارزانی نرخ اناج

شراب وغیرہ کی بندش کا سبب نہیں تہا۔ تو عہد کیقباد۔ جلال الدین۔ مبارک خلجی میں کیوں یہ عمدہ قواعد جاری نہ رہ سکے۔ قحط و وبا سے نجات بزرگان دین کی یمن و برکت سے ہوتی ہے۔ مگر عام الشیاہی عقاید کے مطابق گورنمنٹ کی نیت کو بھی دخل ہوتا ہے پس ان آسمانی بلیات کا نہ ہونا بہی علاء الدین کی نیک نیتی پر دلالت کرتا ہے

عہد علاء الدین میں جس قدر اشاعت اسلام کا کام وسیع پیمانہ پر ہوا۔ اور جس کا ذکر آئندہ کیا جائیگا اس میں علاء الدین نے گو براہ راست حصہ نہیں لیا۔ لیکن یہ ویسا ہی تعلق تہا جیسا کہ شاہان یورپ کے زیر سایہ حمایت عیسائی مشنری مذہب عیسائی کی اشاعت منادی نہایت فارغ البالی سے کر رہے ہیں۔ علاء الدین مذہبی حمایت میں شاہان یورپ کے برابر قابل تعریف ہے اور اس کی کم علمی یا کم درجہ کی پرہیزگاری پر نکمے اور کم ہمت سلاطین کا زہد خشک سو جان سے قربان ہے۔

سلطان علاء الدین کی پولٹیکل لیاقت

سلطان علاء الدین کی فتوحات کثیرہ کے ساتھ ساتھ علما و فضلا صناعوں کاریگروں کا اجتماع اور علمی مذہبی ... اس کی کثرت سے خود بخود علمائے اسلام کا جاری کرنا اور مشایخ کبار کا فارغ البالی سے ... پیمانہ پر تبلیغ اسلام اور منادی قرآن کا کام کرنا اور اسلام کا ترقی پکڑنا۔ سلطان علاء الدین کی اعلیٰ درجہ کی لیاقت ملکی کو ثابت کرتا ہے۔ اشاعت اسلام بہی ہوتی رہی۔ اور بظاہر معتقد علیحدہ رہا۔ کہ ضیاء برنی جیسے بزرگوں کے دلوں میں علاء الدین کی مذہبی توقیر نہ رہی مگر آج یورپ کی خاموشی مگر نتیجہ خیز مذہبی امداد کو دیکھکر کہنا پڑتا ہے۔ کہ سلطان علاء الدین مذہبی حمایت اور اسلام کی اشاعت میں سلاطین یورپ سے کچھ کم مددگار نہ تہا۔ وہ نادان سلاطین کیطرح ایسی حرکات نہیں کرتا تھا۔ جس سے ہندوؤں کو تشویش اور نفرت پیدا ہو۔ اور تعصب سے بدنام ہو۔ غیر قوموں اور غیر مذاہب پر حکومت کرنے کے لئے اس سے زیادہ موزوں کوئی اور طریق نہیں ہے۔

علاء الدین کی بخشش

علاء الدین نے اس موقعہ پر خوب داد و دہش سے کام لیا۔ ہر ایک امیر کو پانچ پانچ من سونا اور مشایخ و علماء وغیرہ مستحقین کو ڈیڑھ ڈیڑھ من سونا انعام دیا۔ اور اسی طرح باقی حقداروں کو کچھ نہ کچھ عطا کیا۔ کیا مشایخ و علماء کو دینا مذہبی اور علمی امداد نہیں تھی۔ کیا ایسے عطیات علوم ظاہری و باطنی بدرس کی ترقی کا باعث نہیں ہو سکتے اور طلبائے علم کا حوصلہ بڑھانے کا موجب نہیں بن سکتے تھے۔ جب ایک بے علم سلطان اس قدر عطیات علماء کو دیتا تھا۔ تو دیگر امراء و اراکین سلطنت جو بڑے بڑے علم دوست خدا پرست تھے۔ وہ ان روحانی و جسمانی معلموں کی کیا کچھ کم مدد کرتے ہونگے۔ جن کی وجہ سے مشایخ کبار اور اہم علمائے نامدار مختلف روحانی اور علمی کالجوں میں فارغ البالی سے تعلیم دیتے اور ہر ایک طالب علم بے فکری سے حصول تدریس میں مشغول رہتا۔ ان تمام ترقیات کا سہرا سلطان علاء الدین کے سر ہے جس کی تاریخ کا روشن پہلو بے انصاف مورخین نے تاریکی میں رکھا ہے۔

ہندوستانی کسانوں کی غلامانہ حالت

کرناٹک کی مہم میں کہیں چاندی کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک میں سونے کی اس قدر افراط تھی۔ کہ چاندی کوئی استعمال ہی نہیں کرتا تھا۔ یہ قیاس عام ہے۔ مگر یہ مال غنیمت یا تو مندروں سے ملا جو بطور خزانہ جمع ہوتا تھا۔ یا راجاؤں کے خزانوں سے یا امرائے و معزز اشخاص سلطنت سے اس صورت میں یہ خیال غلط معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اس وقت دولت یا تو راجاؤں کے پاس تھی۔ یا مندروں کے پوجاریوں کے تصرف میں یا ٹھاکروں سرداروں معزز اراکین کے پاس تھی۔ جو صدیوں کی ریاست یا خاندانی وجاہت سے جس میں ہندو سلطنت اور ہندو قوم دنیا کی کل قوموں سے ممتاز ہے۔ سونا جواہرات جمع ہوتے رہے عوام بیچارے ویسے ہی کنگال تھے۔ جیسے کہ آجکل پنجاب کے سوا جہاں قانون بیچارہ نے غریب زمینداروں کو

حقوق مساوات دے رکھے ہیں۔ باقی صوبجات ہندوستان اور ایک دو اضلاع پنجاب میں غریب کسان رات دن کی لگاتار محنتوں کے باوجود بمشکل اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔ ان کی پوشاک خوراک کو اعلیٰ زمینداروں سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ کسانوں کے یہ غلامانہ حالات اسی عہد ہنود کی یادگار ہے جس میں کہ اسلامی گورنمنٹ نے دست اندازی نہ کی۔ اور آج انگریزی گورنمنٹ بھی اُسی تقلید ہیں۔ بیچارے کسانوں کی حالت سنوار نہیں سکی ہندوستان کے کسان روس کے کسانوں کی طرح اعلیٰ زمینداروں کے بالکل غلام ہوتے ہیں۔ روس میں تو آزادی حاصل ہوئی۔ دیکھیں ہندوستان کے غریب اور محنتی کسانوں کو کب نجات ملتی ہے۔ موجودہ نسل کو دیکھکر اس سے انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ علاءالدین کے عہد میں عام ہندو رعایا زر و مال سے محروم تھی۔ تمام دولت راجاؤں برہمنوں رئیسوں کے پاس تھی۔ اور مصارف کی کمی اور کئی پشتوں کی کفایت اور زر اندوزی سے خالص سونا ہی سونا جمع ہو گیا تھا۔ اور جب سونے کی افراط ہو۔ تو چاندی کو کون استعمال کرتا ہے۔ ورنہ غنیمت دکن میں چاندی کا ذکر نہ ہوتا۔ وہاں کی عام آبادی اور رعیت کی دولتمندی کی دلیل نہیں ہوسکتی جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے۔

نومسلم مغلوں کا قتل

فتح گجرات کے بعد مغلوں کی بغاوت نے علاءالدین کو مغلوں کی طرف سے بدگمان کردیا تھا باغیوں سے اکثر تو مع زن و بچہ مارے گئے۔ جو رہے تھے یا بعد میں ہندوستان آئے۔ اُن کی جانب سے بھی طمانیت نہ ہوئی۔ اور جبکہ مغل ایک زندہ قوم دنیا کے نامور فاتح جنگجو نسل اور ہندوستان کی صدیوں کی مخالف خونخوار ہو۔ اور خود علاءالدین کے عہد میں مغل کئی بار دہلی پر سخت حملات کرچکے ہوں۔ تو ایسے گروہ پر کوئی مآل اندیش فوراً اعتماد نہیں کرسکتا۔ اور ذمہ واری کی ملازمت نہیں دے سکتا۔ ان پولیٹیکل وجوہات نے علاءالدین کو مجبور کیا۔ کہ مغلوں کو ملازمت سے موقوف کرکے بیکاری نے ان نومسلم مغلوں کا قافیہ تنگ کردیا۔ اور بقول مرتا کیا نہ کرتا۔ چند شورہ پشت مغلوں نے مشورہ کیا۔ کہ بادشاہ کو شکار گاہ میں قتل کیا جائے جبکہ وہ معمولی

لباس پہنکر شکرہ اوڑاتا ہے۔ اور ہمراہیوں کے پاس بھی کافی ہتھیار نہیں ہوتے۔ مگر بادشاہ کو خبر لگ گئی۔ اور حکم دیا۔ کہ جہاں کہیں نومسلم مغل ہوں ایک دن تاریخ مقررہ پر قتل کئے جائیں۔ چنانچہ تاریخ معینہ پر سترہ ہزار مغل قتل کئے گئے۔

دیوگڈھ کی دوبارہ فتح

دیوگڈھ کا راجہ رام دیو مر گیا تھا۔ اس کا بیٹا منحرف ہو گیا۔ خراج دینا بند کر دیا۔ علاء الدین نے ملک کافور کو سزا دہی کے لئے روانہ کیا۔ راجہ لڑائی میں مارا گیا۔ تمام مہاراشٹر فتح ہو گیا۔ کرناٹک کے جن راجاؤں نے سرکشی کی تھی سب کو سزا دی گئی اور اس قدر رعب سلطانی بٹھایا گیا۔ کہ آئندہ کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوئی۔

مشائخ کی تعلیم سے امن عامہ پیدا ہوتا ہے

سلطان علاء الدین کی اعلیٰ درجہ کی نظم ونسق امن وامان ارزانی غلہ قحط و وبا کے نہ ہونے اور دیگر ملکی کامیابیوں کو دیکھکر عوام متعجب و ششدر تھے۔ اور ضعیف الاعتقادی سے اس امر کو علاء الدین کی کرامت یا استدراج سمجھتے مگر اس عہد کا مورخ اس امن وامان اور فارغ البالی کو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ کی یمن برکات کا نتیجہ لکھتا ہے۔ شاید آجکل اسکو بھی خوش اعتقادی کہا جائیگا۔ لیکن جبکہ آجکل پولٹیکل تجربات نے دوست و دشمن کے منہ سے یہ کہلوا دیا ہے۔ کہ سلامت روی اور امن وامان کا مدار اخلاق حسنہ پر اور اخلاق کا انحصار مذہبی تعلیم پر ہے۔ تو سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان مدرسہ الہیات کہ جس میں علوم صوری و معنوی کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور عالم باعمل ہونے کی عملی ترغیب تحریص اور

ہر جا کہ وجود کردہ سیر ست لے دل ؛ میداں بہ یقین کہ محض خیرست اے دل

کے مطابق خیر محض کی فلاسفی اور صلح کل و تفویض کل کے صراط مستقیم پر چلنے کی

ہدایت کیجاتی ہو۔ وہاں شر و فساد کا خیال کب رہ سکتا ہے۔ حقوق العباد کو نظرانداز کرنے سے ہی بغاوت و فساد و تمرد و سرکشی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ مشائخ طریقت ان ردی عادات کو روکتے ہیں۔ پس ان حالات پر غور کرنے سے ضیاء برنی کا قول کہ عہد علاء الدین کی برکات کا باعث حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ تھے ایک امر واقعہ ہے۔

اخلاقی تعلیم کیلئے مذہبی پیشوائوں کی ضرورت

علم تاریخ قصص الاولین وعبرت الآخرین ہے۔ اور بلند اقبال بیدار قومیں تاریخ سلف سے فایدہ اٹھاتی ہیں۔ فاضل مورخ ضیاء برنی کے اس قول پر کہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کی روحانی تعلیم نے امن وامان کو قایم کیا۔ گورنمنٹ کی اطاعت اور خدا کی عبادت کا میلان بڑھا۔ شاطرانِ یورپ غور کریں۔ اور جو کوتاہ بین استحکام سلطنت کو پیشوایان دین کے ضعف و اضمحلال میں خیال کرتے ہیں سو وہ ضیاء برنی کی راے سے فایدہ اٹھائیں۔ مذہبی تعلیم کی کمی اور پیشوایان مذہب کی کس مپرسی سے ضرور لوگ مذہب سے دور ہو جاتے ہیں۔ اور جاہلانہ تعصب بھی کسیقدر کم ہو جاتا ہے۔ اور غالباً اسی کامیابی پر ہمارے عیسائی مشنری دوست یورپ کو اندھا بنا رہے ہیں۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے مذہب سے بے پرواہی اخلاقی قیود کھو دیتی ہے خوف خدا نہیں رہتا۔ شرم وحیا جس پر تمدن کا مدار ہے جاتا رہتا ہے جب خالق حقیقی کے ازلی و ابدی حقوق کو نظر انداز کیا گیا۔ تو پھر گورنمنٹ کے تعلقات بشری کی طرف سے آنکھیں موند لینا کون سی بڑی بات ہے۔ اور اسی غلطی نے جس کا بانی سررشتہ تعلیم ہے گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کو مشکلات میں آج کل ڈال رکھا ہے اور حکام وقت میں ایک صدی کے تلخ تر تجربہ کے بعد مذہبی تعلیم کا سوال اٹھا ہے۔ تو سررشتہ تعلیم تردد میں پڑا ہوا ہے۔ اور اسکو کوئی جامع و مانع تجویز نہیں سوجھتی۔ اس موقعہ پر اس سوال کو زیر بحث لانا موزوں نہیں۔ یہاں صرف یہ دکھلانا منظور ہے۔ کہ اخلاق کی درستی حضرات مشائخ کی تعلیم و

صحبت کے بغیر قریباً ناممکن ہے۔ کوئی گورنمنٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا فرض ہے۔ کہ اگر وہ رعیت کے حقیقی فوائد اخلاقی کو چاہتی ہے۔ تو مشائخ طریقت کو جس طرح ممکن ہو مدد دے۔ اور اُن کے مدارس الہیات کی سرپرستی کرے یہ مدارس درستی اخلاق کے لئے موجودہ مدارس سے کئی گنا بہتر و مفید ملک و قوم ثابت ہوں گے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کا حال آگے بیان کریں گے۔

ہندوستان میں اشاعت اسلام

سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کے تذکرہ میں ایک خاص فصل "ترقی اسلام بذریعہ صوفیائے کرام" کے عنوان سے لکھی گئی ہے جس میں مجملاً حضرات صوفیائے عظام رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی علمی و عملی صوری و معنوی کمالات کا ہندوؤں سے مقابلہ کیا گیا۔ اور بتلایا گیا ہے کہ ہندوؤں کے اسلام لانے کی وجہ انہیں بزرگان اسلام کے پاکیزہ نمونے اور روحانی فیضان تھا۔ ہندو اُس وقت عموماً بُت پرست تھے۔ اور بُتوں کو متصرف فی الاشیاء مانتے تھے۔ اور عام مسلمان "اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ" پر اعتقاد رکھتے ہوئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا پانچ وقت ورد کرتے تھے۔ ہندوؤں کے اعلےٰ فلاسفر موحد ویدانتی اگر سرِّی اَہَم پر یقین رکھتے تھے تو مسلمان موحدین نَحْنُ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ میں اپنی ہستی کو محو کر دیتے تھے۔ اور وحدت وجود کی نشہ میں چور رہتے۔ یہ مقابلہ تو ظاہری و باطنی تھا جس میں حضرات صوفیائے باکمال کا پایہ بلند رہتا۔ اور ہندوؤں کے خاص و عام کو اسلام کیجانب کھینچتے۔ علاوہ اس کے ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی بھاری وجہ اسلام کے عالمگیر اصول تمدن اور ہندو رسوم کی تنگ نظری ہی تھی۔ ہندوؤں میں ذاتوں کی تقسیم اور لاکھوں مخلوق خدا کو شودر نیچ کے لقب سے پکارنا اور روحانی و جسمانی ترقی سے محروم رکھنا اور مخلوط النسل لوگوں کو قوم و ملت سے علیحدہ کر دینا اور علم و کمال کا دروازہ ادنےٰ قوموں کے لئے بند رکھنا۔ اور

سنہ ۵ میں اپنے غنچہ کو انوار ذات کی طرف خالص پھیرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں

بمقابلہ اس کے اسلام کا اعلان کہ "اکرمکم عند اللہ اتقاکم" (شرافت پرہیزگاری پر موقوف ہے) تھا۔ اسلام لانے سے عرب و عجم کالے گورے کی تمیز مٹ جاتی تھی۔ سب کے حقوق برابر تھے۔ ترقی کی راہیں ادنیٰ و اعلیٰ کے لئے کھلی تھیں۔ خدا کی عبادت میں ادنیٰ و اعلیٰ امیر و فقیر سلطان و غریب شانہ بشانہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اسلام کے ان قوانین نے بھی ان ہندوؤں کو اسلام کی طرف مائل کیا۔ ہندو قانون کی اس غلطی کو آج درست کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ اور نیچ ذاتوں کو ہندوؤں میں ملانے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ پس ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کا باعث اسلامی شریعت کی عالمگیر فیاضی اور صوفیائے کرام کے درویشانہ کمالات تھے یہ مقدس گروہ عربوں کے فاتحانہ داخلہ سندھ سے پہلے ہی ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ بقول بعض بابا رتن جس کی مزار بھٹنڈا میں ہے۔ ایک صحابی خیال کئے جاتے ہیں۔ عربوں کے داخلہ کیفیت جو ۲۲ھ ہجری کے بعد سے شروع ہوا۔ کئی درویش صوفی مشرب ہندوستان پہنچ گئے۔ اور اشاعت اسلام کرنے لگے۔ عباسی سلطنت کے زوال اور غزنوی عروج کے درمیانی زمانہ میں اعلیٰ پیمانہ پر قرآن کی منادی نہ ہو سکی۔ لیکن سندھ میں بدستور اسلام کے پاؤں جمے رہے۔ سلطنت غزنویہ کے اقبال کے ساتھ ہی علماء و صوفیائے سرزمین ہند میں اپنے علم و عمل کا اثر ہندوؤں پر ڈالنے لگے۔ محمود کے فوت ہونے کے بعد پھر کوئی بلند اقبال غزنوی پیدا نہ ہو سکا۔ کہ فتوحات کا دائرہ وسیع کرتا۔ مگر پنجاب ملتان سندھ میں مستقل طور سے سلطنت اسلام کے پاؤں جم گئے۔ اور اسلام بڑھتا رہا۔ سلطان محمد غوری نے ہندوستان کی ہندو سلطنت کو اوکھاڑ دیا۔ اور اسلامی سلطنت کو شمالی ہندوستان میں استقلال حاصل ہوا۔ کتب سیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حملات غوری سے پیشتر ہی بہ تعمیل بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خواجہ بزرگوار شیخ المشائخ خواجہ معین الدین چشتی سنجری رضی اللہ عنہ معہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور چالیس رفقا [illegible] ہندوستان پہنچ چکے۔ [illegible] کا مزار صابری [illegible] سیالکوٹ پشاور [illegible] ۱۰۳۴ ہند و خواجہ بزرگوار رضی اللہ عنہ کے

دست حق پرست پر محض کمالات روحانی دیکھکر مسلمان ہوئے تھے۔ خواجہ صاحب
رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نہ تلوار تھی۔ نہ کوئی فوج تھی۔ ہاں صداقت اسلام کی
شمشیر تھی جس کے سامنے ہر ایک کو گردن تسلیم خم کرنی پڑتی تھی۔ راجہ پرتھی راج
کے خیالات اور جیپال جوگی کے ساحرانہ مقابلہ اور اسلام لاکر عبداللہ نام رکھنا۔ تاریخ
خواجگان میں موجود ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ خواجہ بزرگوار عہد شمس الدین
التمش میں فوت ہوئے۔ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی میں خواجہ فرید الدین
مسعود شکر گنج رضی اللہ عنہ اجودھن (پاکپٹن) پنجاب اور بہاؤ الدین ذکریا رضی
اللہ عنہ ملتان میں۔ جو ولیوں میں باز سپید کہلاتے تھے۔ مسند خلافت کو زینت
بخش کر ہندوستان میں اسلام کی اشاعت فرما رہے تھے۔ جناب
خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ۱۲ تھے۔ اور خواجہ
قطب الدین بختیار رضی اللہ عنہ کے ۲۳ خلیفہ تھے۔ جو دیگر ممالک کے علاوہ
زیادہ تر ہندوستان میں تبلیغ احکام قرآن کی ڈیوٹی ادا کرتے تھے۔ خواجہ
فرید الدین مسعود شکر گنج رضی اللہ عنہ کے مشاہیر خلفاء ۳۲ تھے۔ اور یہ بزرگ
عموماً ہندوستان میں ہی اسلامی خدمات انجام دیتے تھے۔ ان میں سے
سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء اور خواجہ علاء الدین علی احمد صابر اور خواجہ
قطب جمال ہانسوی رضی اللہ عنہ مظہر کمالات اور مرجع خلائق تھے۔ حضرت
صابر صاحب رضی اللہ عنہ کی کرامات باہرہ ہندوؤں کو مبہوت کرتی تھیں۔ خواجہ
قطب جمال صاحب کی ارشاد و تلقین کی کوئی تحریر نہیں دیکھی۔ ہم نے خود
ہانسی جاکر بھی تلاش کی۔ مگر اب وہاں یہ علمی خزانہ کہاں۔ حضرت
سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کے تذکرے بہت ہیں۔ مگر
درویشانہ عقیدت سے لبریز جن کا اندراج اس تاریخ میں ضروری نہیں۔ البتہ
اس عہد کے مشہور مورخ ضیاء برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں جو حضرت
سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ کی فیض عام کا حال لکھا ہے۔ اس سے بخوبی معلوم
ہوسکتا ہے کہ کس طرح حضرت صوفیائے کرام اسلامی تعلیم اور اسلامی
صداقت کو پھیلاتے اور غیر مسلم اقوام کے دلوں میں محبت اسلام پیدا کرتے

یہ بحث جس قدر مسلمانوں کو فائدہ بخش ہوسکتی ہے۔ مخالفین کو بھی جو جبریہ اسلام کے الزام پر ضد کرتے ہیں تاریخ کا صحیح پہلو دکھا سکتی ہے۔ موجودہ مشائخ طریقت کو بھی اعلائی کلمۃ اللہ کا راستہ بتلا سکتی ہے۔ رعایا کے علاوہ گورنمنٹ کو بھی صوفیائے کی تعلیم سے اخلاق کا سُدھرنا۔ اور امن وامان کا قائم ہونا معلوم ہوسکے گا۔ اور اس مقدس گروہ کو امن عامہ کا باعث جان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گی۔

علاء الدین کے عہد کے مشائخ کبار

حضرت نظام الدین اولیا رضی اللہ عنہ

حضرت سلطان المشائخ کے ہمعصر مشائخ شیخ اسلام علاء الدین بنیرہ خواجہ فرید الدین مسعود شکر گنج اور شیخ الاسلام رکن الدین بنیرہ مخدوم بہاؤ الدین ذکریا ملتانی ہدایت خلایق پر مامور تھے۔ ایک دُنیا اُن کی بیعت کرتی۔ گناہوں سے توبہ کرتی۔ اور فسق وفجور کو ترک کرتی۔ جو توبہ کرتے۔ پھر جیتے جی گناہ کا نام تک نہ لیتے۔ دنیا کی لالچ وطمع جس سے تمام بُرائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ گھٹ جاتا۔ باہمی لین دین میں راستی اور سچائی کا رواج ہو جاتا۔ جو نتیجہ فوجداری سزاؤں سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ وہ ان بزرگان دین کی بیعت سے نکل سکتا۔ چوری۔ ڈکیتی۔ رشوت۔ ایذا رسانی دہوکہ فریب تمرد وعصیان ان مشائخ کی تعلیم سے کم ہو گیا۔ یہ بہت بڑی ملکی خدمت تھی۔ جس کا اثر رعایا کے علاوہ گورنمنٹ پر بھی پڑتا تھا۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ مشائخ صوفیائے کی ارادت وعقیدت بغاوت وعصیان نہیں پیدا کرسکتی درستی اخلاق اور قیام امن جس طرح حضرات مشائخ صوفیا سے کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ وہ نہ تو سررشتہ تعلیم کرسکتا ہے اور نہ کوئی جابرانہ قانون۔

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ

اور

اُن کا مدرسہ الہیات

غیاث پورہ واقعہ دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ نے مدرسہ الہیات کھول رکھا تھا۔ جہاں وحدت وجود۔ تصوف کی (فلسفہ اسلام) علمی و عملی تعلیم دیجاتی جہاں کے تعلیم یافتہ ایشیاء کے دور دور ملکوں میں جاکر اشاعت اسلام کا کام کرتے تھے۔ حضرت اخی سراج آپ کے خلیفہ چین میں پہنچکر توحید باریتعالی کی منادی کرنے لگے۔ ایسا ہی دیگر ملکوں خصوصاً ہندوستان میں اشاعت اسلام ہوتی تھی۔ حضرت سلطان المشائخ نے دروازہ بیعت کھول رکھا تھا۔ عام و خاص۔ محتنی و کنگال۔ عالم و جاہل۔ شاہ و گدا۔ شریف و رزیل۔ شہری و دیہاتی غازی و مجاہد۔ آزاد و غلام کو مرید بناتے۔ بڑے مشہور عادی گنہگاروں سے توبہ کراتے۔ اور اکثر کو خرقہ خلافت عطا کرتے چنانچہ بقول مؤلف مراۃ السالکین آپ کے خلفائے مشاہیر آئے تھے۔ جو خلقت کی ہدائیت اور اسلام کی اشاعت میں مصروف تھے۔ اس قدر مقدس درویشوں کی جماعت کا خدمت اسلام پر مامور ہونا۔ اُس عہد کے اسلامی رونق کا خاکہ آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے۔ یہ اسلامی مشن تھا جس کو بگھی گھوڑے کی ضرورت تھی۔ نہ بنگلہ کوٹھی کی۔ زہد و قناعت نے اُن کو نہائیت سادہ زندگی بسر کرنے والا بنا دیا تھا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے کہ اس وقت میں عموماً جوان بوڑھے۔ لونڈی۔ غلام۔ زن و بچہ تک تمام لوگ پابند نماز تھے۔ اور اکثر مرید نماز چاشت اور اشراق تک قضا نہ کرتے۔ کئی ایک نیکبختوں نے دہلی سے غیاث پور تک راستہ میں فرحت افزا چبوترے بنوا کر اُن پر چھپر ڈالوا دیئے تھے کنوئیں کھدوا دیئے۔ پانی کے مٹکے۔ گھڑے۔ کوزے وہاں رکھوا دیئے تھے۔ نماز کے لئے فرش بوریا بچھا رہتا تھا۔ ہر ایک چبوترہ میں حافظ قرآن

اور خادم مقرر تھا جس سے مریدان حضرت اور دیگر زائرین کو وضو کرنے اور ادائے صلوٰۃ و وظائف میں ہرج واقع نہ ہوتا۔ اور اس تمام پُرجوش مذہبی نظارہ کو دیکھکر ہر ایک کے دل پر مسلمان ہو یا ہندو اسلام کا گہرا اثر پڑتا تھا۔ اور انہیں دلکش نظاروں سے اسلام بلا جبر واکراہ ہندوستان میں پھیلا۔ اور آئندہ بھی پھیل سکتا ہے۔ یہی مرنج و مرنجاں اور پائدار طریق اشاعت اسلام ہے جو ہمیشہ بزرگان اسلام کا معمول رہا ہے۔ اور اسی کشش مقناطیس نے دنیا کی زبردست قوموں کو اسلام کا گرویدہ بنایا۔ انہیں لوگوں کے حق میں علماء امتی کانبیائ بنی اسرائیل وارد ہوا ہے ضیاء برنی لکھتا ہے۔ کہ حضرت نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کے فیضان تعلیم سے معاصی کا نام تک لینا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ذکر ہوتا تھا۔ تو نماز چاشت۔ اشراق زوال۔ اوابین و تہجد کی ترتیب و طریق ادا کا۔ شوق عبادت اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جدید مرید حضرت سلطان المشائخ و حضرت گنج شکر حضرت بختیار کاکی کے تقسیم اوقات اور اوراد و وظائف کو پوچھتے اور ان کی تقلید کی کوشش کیجاتی۔ قلت غذا نفس کشی میں سلطان المشائخ کا تتبع کیا جاتا۔

اکثر مرید بڑی عمر میں قرآن مجید حفظ کرتے تھے۔ نئے مرید قدیم مریدوں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے۔ اور قدیم مرید سوائے عبادت و ریاضت تجرید و تفرید ترک تعلق مطالعہ کتب تصوف بزرگان دین کے تذکرے و سوانح عمریاں پڑھتے۔ اور اپنے پیر طریقت حضرت سلطان المشائخ کے مقامات سلوک بیان کرتے۔ ضیاء برنی قسمیہ بیان کرتا ہے۔ کہ کبھی دنیا اور دنیا والوں کا ذکر اُن کی زبان سے نہیں سنا گیا۔ اور یہ کمال درجہ کا زہد و ورع و استغنا تھا۔ دنیا والوں سے ہرگز اختلاط نہ کرتے اور سہ

اہل دنیا چہ کہین وچہ مہین ؛ لعنۃ اللہ علیہم اجمعین

کی فلاسفی کا عملی نمونہ دکھاتے۔ اور غیر قوموں کو اسلام کا فریفتہ بناتے۔ ایسے مرید تارک الدنیا سینکڑوں تھے۔ جن کا کام محض اسلامی نور کا پھیلانا۔ اور چراغ ولائیت سے ملک کو روشن کرنا۔ اور اسلامی صداقت کا سکہ بٹھانا تھا حضرت کے خلیفہ ہندوستان کے علاوہ خراسان۔ ایران۔ ترکستان۔ عرب۔ مصر۔ چین

تک اشاعت و ترقی اسلام میں مصروف تھے۔ لوگوں میں شوق عبادت اس
قدر بڑھ گیا تھا۔ کہ خاص محل سلطانی میں امیر و سردار۔ غلام۔ کنیزک نماز اشراق و
چاشت تک ادا کرتے اور ایام بیض اور ذی الحجہ کے روزوں تک قضا نہ کرتے
ہر ایک محلہ میں ہفتہ دو ہفتہ بعد درویشوں کی مجلس سماع منعقد ہوتی۔ اور مسلم غیر مسلم
اقوام پر درویشانہ اثر ڈالتی۔ اور طریقت صوفیانہ کا شوق بڑھاتی نماز تراویح میں ختم
قرآن تو مریدوں کا عام معمول تھا۔ کئی ایک تمام ماہ رمضان قایم اللیل رہتے
اور یاد الٰہی کرتے۔ اکثر مرید دو تہائی یا تہائی رات رہے بیدار ہو جاتے۔ اور
بعض عابد نماز عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے۔ ضیا برنی لکھتا ہے۔ کہ میں
ان مریدوں کو جانتا ہوں۔ جو حضرت سلطان المشائخ کی تربیت سے صاحب
کشف و کرامت ہو چکے ہیں۔ سلطان علاءالدین معتقد اور اس کا خاندان مرید
تھا۔ آخر عہد علائی میں شراب خوری۔ شاہد بازی۔ قمار و فحش۔ لواطت وغیرہ
فسق و فجور کا نام و نشان تک نہ رہا تھا۔ اور یہ نتیجہ حضرت محبوب الٰہی رضی
اللہ عنہ کے مدرسہ الٰہیات کی علمی و عملی تعلیم کا تھا۔ جو مریدوں کے دلوں میں
اخلاق حسنہ کا بیج بوتی تھی۔ اور سفر حضر خلا و ملا میں مکروہات شرعی کی جانب
نہ جانے دیتی تھی۔ اور اس روحانی ارادت کے بغیر اخلاق کا سدھرنا حباب بر آب
ہے۔ حضرت کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ کہ ان معاصی کو بمنزلہ کفر خیال کیا جاتا تھا۔
بازاری لوگوں سے کم تولنے۔ جھوٹ بولنے۔ ملاوٹ و فریب کی عادتیں چھوٹ گئیں
علاءالدین کے سلطانی قانون نے بھی ایسے لوگوں کو دبایا۔ لیکن قطعاً ان ردی علتوں
کا چھوٹنا گورنمنٹ کی قانونی طاقت سے باہر ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ عالیہ
برطانیہ نے تعزیرات ہند میں یہ تمام دفعات رکھی ہوئی ہیں۔ اور گرفتاری پر
کم و بیش سزا بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن استیصال کی جگہ ترقی ہے۔ وجہ یہی
ہے۔ کہ گورنمنٹ عالیہ برطانیہ کے عہد میں ایسے مدارس الٰہیات کی کمی ہے۔

حضرت کے مرید امرا ملوک (لارڈ) کتب تصوف مثل قوت القلوب
احیای العلوم۔ عوارف۔ کشف المحجوب۔ رسالہ قشیری۔ مرصاد العباد۔ مکتوبات
عین القضاۃ۔ لوائح جامی۔ ابن عربی۔ لوامع قاضی حمید الدین ناگوری۔ فوائد الفواد۔

مؤلفہ امیر حسن کا مطالعہ کرتے۔ اس عہد میں تصوف کی کتابیں گراں ہوگئیں۔ حتیٰ کہ مسواک و کوزہ کی قیمت بڑھ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ کو سلطان العارفین شیخ المشائخ سلطان جنید بغدادی اور شیخ بایزید بسطامی رضی اللہ عنہم کا نمونہ (مثیل) پیدا کیا تھا۔ آپ کے لنگر میں ماسوا دوسری مخلوق کے چار صد عالم فاضل موجود رہتے تھے۔ چنانچہ لنگر میں نمک فلفل وغیرہ مصالح روزمرہ بقول مصنف مرآۃ السالکین دس اونٹ کا بوجھ خرچ ہوتا تھا۔ اور اشیاء خوردنی کا زیادہ حصہ لنگر کے لئے خریدا جاتا جس سے بازار میں بعض اشیاء گران بکتیں یا کم ملتیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے لنگر میں روزمرہ کس قدر خرچ تھا۔ اور زاہدین مستحقین کا کہاں تک اجتماع تھا۔ مگر باوجود اس قدر رجوعات کے حظ دنیوی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ تمام عمر مجرد رہے۔ کوئی نکاح نہیں کیا۔ غیر مسلم اقوام خصوصاً ہندوؤں پر جو ہندو سادھو جوگیوں کے شیفتہ تھے۔ کچھ کم اثر پڑتا نہ ہوگا۔ اشاعت اسلام اسی طریقہ سے ہوئی اور آئندہ ہو سکتی ہے۔

حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے کرامات لکھنے کا یہ موقعہ نہیں صرف ترقی اسلام بذریعہ صوفیائے کرام کے تائید میں ایک مشہور مورخ کی تحریر ہدیہ ناظرین کی گئی ہے۔ فن ہدایت آپ پر ختم تھا۔ سے

زین فن مطلب بلند نامی ؛ کاں ختم شدست بر نظامی

حضرت سلطان المشائخ ۱۸ ماہ ربیع الاول ۷۲۵ھ ہجری بعمر ۹۴ سال عہد سلطان محمد تغلق میں فوت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ علاء الدین عبادت تجسم پاک پٹن

سلطان المشائخ فرید الدین مسعود شکر گنج رضی اللہ عنہ کے زہد و ریاضت کے افسانہ آج بھی ہندو مسلمانوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ اکثر ہندو قومیں آپ کی کرامات باہرہ اور فیوضات ظاہرہ اور ریاضت کی محنت شاقہ کو دیکھ دیکھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں جس سے روشن خیال اہل علم ہندو بھی

انکار نہیں کرتے ۔ آپ کے مشہور خلفاء ۲۳ تھے جن میں حضرت نظام الدین اولیاء دہلوی کا بیان لکھا گیا ہے ۔ آپ کے جانشین آپ کے پسر و مشیر علاء الدین عبادت مجسم تھے ۔ اور ریاضت میں جدامجد کے نمونہ تھے ۔ ان کا ایک منٹ بھی بغیر عبادت الٰہی ذکر و نفل کے نہ گزرتا تھا ۔ رات دن یادِ الٰہی میں مصروف تھے ۔ چونکہ معرفت کے انتہائی درجہ تک پہنچ چکے تھے ۔ اس لئے عموماً مستغرق رہتے ۔ ضیاء برنی لکھتا ہے ۔ کہ شیخ علاء الدین اُن طائفہ کا نمونہ تھے جن کی بابت لکھا ہے ۔ کہ سوا عبادت الٰہی اور کوئی کام نہیں کرتے ۔ اس قسم کے زہد و عبادت استغراق و اخلاص و نیز کرامات کو دیکھ کر غیر مسلم بطوع و رغبت اسلام لاتے تھے ۔ علاؤ الدین جو ایک پولیٹیکل دماغ کا سلطان تھا ۔ اُس کے ہاتھ سے ایک ہندو بھی مسلمان نہیں ہوا ۔ اور نہ اُس کو ایسی باتوں کی پرواہ تھی شیخ علاء الدین سال سال اور چھ چھ ماہ تک روضہ جدامجد پر چلہ کشی کرتے ۔ عبادت سے فرصت ہوتی ۔ تو تلاوت قرآن ۔ مطالعہ کتب حدیث و تصوف یا مریدوں کی تلقین میں مشغول ہوتے مگر زیادہ وقت آپ کا عبادت الٰہی میں صرف ہوتا ۔ ضیاء برنی کا یہ قول بالکل درست ہے ۔ کہ جب تک انسان کو خدائے تعالےٰ سے کمال محبت اور ماسوے اللہ سے قطع تعلق نہ ہو ۔ عبادت بے قصور و فتور نہیں ہو سکتی اور شیخ علاء الدین اس صفت سے موصوف اور جد بزرگوار کے لائق جانشین تھا ۔

شیخ المشائخ علی احمد صابر صاحب

آپ کے کمالات استغراق اور جوش عشق الٰہی اور صفاتِ جلال کا اظہار متعدد مقامات اور اوقات میں اس طرح ہوتا رہا ۔ کہ غیر مسلم لوگوں کو مبہوت و مرعوب کرتا رہا ۔ اور ہندوؤں کے دلوں پر کرامات اسلامی کا رعب چھاتا رہا ۔ آپ حضرت شکر گنج رضی اللہ عنہ کے نواسے اور جناب غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے تھے ۔ عہد علاء الدین سے چار سال پہلے فوت ہو چکے

تھے۔ ضیاء برنی نے اس واسطے آپ کا تذکرہ نہیں لکھا۔ اور چونکہ آپ کی زندگی کے حالات عموماً مجذوبانہ اور جلال وکمال عاشقانہ جوش و خروش سے بھرے ہیں اور اس کتاب میں حضرت صوفیائے کرام رحمہ اللہ علیہم اجمعین کے صرف اسی قدر حالات لکھنے منظور ہیں جس قدر کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے حضرت سلطان اولیا مخدوم علی احمد صابر صاحب رضی اللہ عنہ کے حالات سے خاموشی اختیار کیجاتی ہے۔

مخدوم رکن الدین سہروردی ملتانی

ملتان کا خاندان سہروردیہ اسلامی خدمات میں دیگر سلاسل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ خاندان سہروردیہ کا مشہور شیخ المشائخ خواجہ شہاب الدین سہروردی ہے۔ جو ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۶۳۲ھ میں بعمر ۹۳ سال بغداد میں فوت ہوئے۔ ان کے خلیفہ حضرت بہاؤالدین ذکریا المعروف مخدوم بہاؤ الحق بمقام کوٹ ضلع میانوالی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ تاریخ تولد

درازی بحر قدم آمد بعالم

ہے جو عہد خسرو ملک معزی میں ۵۶۶ پیدا ہوئے۔ آپ قاری حافظ فاضل تھے ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد کمال باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور خواجہ شہاب الدین سہروردی کی فیضان تعلیم سے جلدی ہی عارف باکمال ہو کر ۶۱۴ھ میں بغداد سے روانہ ہندوستان ہوئے۔ ان دنوں ناصر الدین قباچہ محمد غوری کا غلام گورنر ملتان تھا۔ آپ کی فضیلت علمی اور کمال معنوی کا جلدی شہرہ ہوگیا۔ اور علاقہ ہندوستان کے علاوہ ہندوستان کے دیگر حصص اور اسلامی دنیا کے دیگر ممالک میں آپ کے مرید کثیر تھے۔ ہندو مسلمان آپ کے معتقد تھے۔ سندھ کی اکثر قومیں روحانی تعلیم سے اسلام لائیں۔ آپ کو اس قدر فتوحات تھیں کہ ایک مرید نے ستر لاکھ مہریں اپنے پیر کی خرچ لنگر کے لئے نذر کی تھیں۔ جو لوگ آج یورپ کی فیاضیوں سے حیران ہیں۔ وہ اس اسلامی چندہ کی مقدار پر غور کریں۔ کہ زمانہ اقبال میں مسلمان کچھ کم فیاض نہ تھے روحانی

مدارس (خانقاہوں) اور تعلیمی مدارس کی امداد دل کھول کر کرتے تھے جس سے مشائخ کرام اور صوفیائے عظام مریدوں نومسلموں کو مدد دینے کے قابل ہو سکتے۔

مخدوم بہاو الحق کا روحانی کالج جسکو اُن کے عارف بیٹے اور لائق پوتے نے بہت کچھ رونق دی۔ اسلامی تعلیم و اشاعت کا کام ہندوستان میں اعلیٰ پیمانہ پر کرتا رہا۔ مخدوم بہاو الحق صاحب ۶۶۶ھ میں فوت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون ط۔

حضرت مخدوم بہاو الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صوفیانہ بلند پروازی ذیل کی رباعی سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو شیخ المشائخ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراض کثرت مال ومنال کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

رباعی غوث بہاو الحق صاحب

دُنیا شکارگاہِ کمینہ سگانِ ماست ٭ عقبیٰ چراگاہِ خرانِ خرانِ ماست

جملہ بشر کواکب افلاک انجمن ٭ جبریل با ملائکہ ازچاکرانِ ماست

کُرسی و عرش جملہ بزیر قدم نہاں ٭ اسلام وکفر سوز دازیں امتحانِ ماست

مخدوم رُکن العالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بہاو الحق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اُن کے فرزند عارف صدرالدین اور اُن کی جگہ اُن کے بیٹے مخدوم رکن الدین ابو الفتح المعروف بہ مخدوم رکن عالم صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ ۶۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ حافظ قاری اور فقہ حدیث تفسیر کے فاضل تھے۔ آپکا دایرہ ارادت بہت وسیع تھا۔ دور دور سے لوگ آ آکر مرید ہوتے تھے۔ دربار شاہی میں آپ کا بہت رسوخ تھا۔ علاءالدین خلجی خود استقبال کرتا۔ اور دو دو لاکھ تک نذرانہ پیش کرتا۔ آپ کے فیض صحبت اور کرامات دیکھ دیکھ ہندو اسلام لاتے۔ آپ کی خانقاہ در الٰہیات کی تعلیم یافتہ بہت تھے مخدوم جہانیاں اور مولانا جلال کنبوہ اس خاندان عالیشان کے

سے فیض یافتہ ہیں۔ آپ کی کرامات وسلوک کے اظہار کا یہ موقعہ نہیں صرف
یہ دکھلانا منظور ہے کہ عہد علاء الدین خلجی میں مخدوم رکن عالم رحمۃ اللہ علیہ جیسے
بزرگ نہایت پاکبازی سے اشاعت اسلام بلا جبر و اکراہ میں مشغول تھے۔ اور اسی صلح کل
طریقہ سے اسلام ہندوستان اور دیگر ممالک میں شائع ہوا۔ کسی خاص نادان
بادشاہ کی کارروائی اصول اسلام کے برخلاف نظیر نہیں بن سکتی۔ مگر ہندوستان
کی تاریخ ایسے دیوانہ بادشاہوں سے قریبًا خالی ہے۔

ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر صوفیائے کرام اور علمائے عظام اسی
طریقہ سلف سے اسلام کو غیر مذاہب کے سامنے پیش کریں۔ اور اعلیٰ اخلاقی اور
عملی نمونے دکھائیں۔ تو ترقی اسلام بدستور سابق ہو سکتی ہے۔ گو ظاہری سلطنت
نہیں رہی۔ لیکن اسلام کی معنوی حکومت بدستور موجود ہے۔ صرف کام کرنے
والوں کی ضرورت ہے۔ میدان میں آئیں۔ اور یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک
من ربک الخ کی تعمیل میں ایمانی صداقت کے جوہر دکھائیں

علمی ترقی

ان بزرگ مشائخ طریقت کے علاوہ اور کئی بزرگ بھی راستی وصداقت کے
اعلیٰ نمونے تھے۔ جو غیر مسلم لوگوں کو اپنے طرز عمل اور پاکیزگی صفات کے
ذریعہ اسلام کی جانب مائل کرتے تھے۔ چنانچہ بدایوں میں سید تاج الدین اور
سید رکن الدین اور کیتھل میں سید مجیب الدین اور سید مغیث الدین
زہد و تقوے۔ علم و فضل میں شہرہ آفاق تھے علمی ترقی کے لئے معقول و
منقول کے اعلیٰ مدارس کھول رکھے تھے۔ نوتہہ میں سادات کا خاندان تھا
جو اپنی ستودہ اخلاق سے غیر مسلموں کو شیفتہ اسلام بناتے۔ ان کا ظاہری
اور باطنی درجہ تقدس اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ دہلی کے اکثر علماء اور مشہور استاد
ان دونوں بھائیوں کے قدموں پر گرتے تھے۔ ان کا علمی کالج دور دور تک
مشہور تھا۔

ان کے علاوہ ضیاء برنی نے علمائے معقولات ومنقولات میں سے کئی ایک

کا نام لکھا ہے۔ جسکو وہ غزالی اور رازی کا ہم پایہ بیان کرتا ہے یہ ایسے علماء ۴۶ بیان کئے ہیں۔ جنہوں نے مختلف علوم کے کالج اور مدارس کھول رکھے تھے۔ ایسی تعلیم گاہوں کی امداد پبلک چندوں سے ہوتی تھی۔ اور غیر ملک کے طالب علم بھی یہاں تعلیم پاتے۔ طالب علموں کو خرچ خوراک اور خرچ تعلیم کالج فنڈ سے ملتا تھا۔ جو زبردست فاضل پرنسپل کی تعلیمی شہرت کے مطابق ہوتا تھا یا ایسے طالب علموں کے امداد عام فارغ البال مسلمان کرتے تھے۔ جو مسلمانوں میں معمول رہا ہے۔ افسوس کہ گورنمنٹ علائی کی طرف سے ایسی مفید درس گاہوں کو بہت کم مدد ملتی تھی۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ایک تو فضلائے اسلام قناعت و ورع کے اعلےٰ نمونے تھے۔ ان کو زمانہ حال کے استادوں کی طرح صرف کشید زر کا ہی خیال نہ ہوتا تہا۔ بلکہ محض بنی آدم کی بہتری کو اعلےٰ فرض انسانی جانتے تھے۔ اور اشاعت اسلام خلائق کی نفع رسانی تب ہو سکتی ہے۔ کہ گورنمنٹ کی امداد پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ اور تعلیم یافتہ بزرگ تعلیمی خدمات کے لئے اپنی ذات کو وقف کردیں۔ اور پبلک خود تعلیمی امور میں شوق سے حصہ لے۔ ضرور ہارون۔ مامون۔ محمود و سنجر کی قدردانی علوم کو دیکھکر علاء الدین خلجی پر ضیاء برنی کا الزام نا قدرشناس علوم موزوں دکھائی دیتا ہے۔ لیکن زمانہ حال کی ترقی یافتہ سلطنتوں کے طریق عمل پر خیال کیا جائے تو علاء الدین اعلیٰ درجہ کا مدبر ثابت ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہماری گورنمنٹ عالیہ برطانیہ ایک صدی کے تجربہ کے بعد تعلیمی بوجھ رعایا پر ڈالتی جاتی ہے۔ رعایا گورنمنٹ کی مفید اور پر مغز راہنمائی سے اپنی اپنی تعلیم کا بوجھ اٹھانے میں ہمہ تن مصروف ہے گویا عہد علاء الدین میں جس سیلف ہلپ کا عام طور سے رواج تھا۔ وہ اب پھر ہندوستان میں مروج ہو رہا ہے۔ ضرور اُس وقت امرائے اسلام صاحب ثروت اور فیاض علم دوست تھے۔ اور عام مسلمان بھی زمانہ حال کی طرح محتاج نہ تھے۔ علمی امداد ایک مذہبی فرض تھا جس کے ادا کرنے کے لئے مسلمان یسارعون فی الخیرات میں داخل ہونے کے لئے تعلیم کے رفاہ عام کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ اور معلمین اور متعلمین کو گورنمنٹ کی مدد کی ضرورت نہ پڑتی

اور قوم کی اس قدر آسودگی اور فارغ البالی کا باعث سلطان علاء الدین کے عہد کی امنیت اور رفاہیت تھی۔ جس نے روزمرہ کی مایحتاج کے نرخ مقرر کرکے غریب رعایا کی آسانی کردی تھی۔ اور جہلم و طالب علم تھوڑے خرچ میں گذارہ کر سکتے تھے۔ اسی عہد علائی کا اثر تھا۔ کہ روم و مصر تک فضلائے علوم مختلفہ اور صناع ہندوستان میں چلے آتے تھے۔ اور ہندوستان کے فیاض اور علم دوست امرائے سلطنت سب کے گذارہ کا انتظام کرتے تھے۔

ضعف سلطنت

بقول "ہر کمالے را زوالے" اب علاء الدین کا آفتاب اقبال بھی ڈھلنے لگا گو ماتحت ملکوں میں کوئی سرکشی پیدا نہ ہوئی۔ لیکن خاص دربار شاہی اور خاندان سلطنت میں فتور پڑ گیا۔ ضیاء برنی لکھتا ہے کہ کثرت فتوحات سے علاء الدین مغرور ہوگیا۔ اور اخیر عہد سلطنت میں لائق عہدہ داروں کی جگہ نالائق بھرتی کئے گئے ممکن ہے کہ یہ بھی وجہ ہو۔ لیکن ہمارے خیال میں کافور غیر قوم اور غیر کفو کا اس قدر استیلا سلطنت علائی کی بربادی کا باعث ہوا۔ سلطان کی بیماری کی خواہ کوئی وجہ ہو۔ ہر حال میں تلوّن مزاج کا باعث ہو سکتی ہے۔ شاہزادوں کا قبل از بلوغ تادیب گاہوں سے نکال کر امور سلطنت میں مختار بنانا بھی نقص سلطنت کی وجہ بیان کی جاتی ہے مگر اکثر شہزادے چھوٹی عمر میں ملکی و فوجی مہمات میں شامل ہوتے رہے۔ اور یہی ان کی تربیت گاہ ہوتی تھی۔ شاہزادوں کی تربیت میں نقص تھا۔ اور سلطان علاء الدین کی آزاد مشربی بھی شاہزادوں کی بگاڑ کا باعث ہو سکتی ہے۔ شاہزادہ خضر خان ولیعہد سلطنت کے ذمہ سوا اس کے کوئی قصور نہیں ہے۔ کہ سلطان کی بیماری کے دنوں میں تیمارداری کی پرواہ کم کرتا تھا۔ ایک سعادت مند فرزند کے لئے ضرور عیب ہے۔ مگر سلطان علاء الدین جیسے شاہنشاہ کے کئی طبیب ڈاکٹر ملازم تھے خزانہ سلطان کے ہاتھ میں تھا۔ پھر خضر خان کیا کرتا۔ پس یہ اعتراض درست نہیں۔

سلطان کا رازدار اور مشیر معتبر ملک کافور تھا۔ مگر تاہم نواحی امرائے اس کے

اس کے مقابلہ کا صرف ایک لارڈ الغ خان رہ گیا تھا۔ جو ملکہ جہان کا بھائی اور خضر خان ولیعہد سلطنت کا ماموں اور خسر تھا۔ ملک کافور الغ خان کے درپے رہتا تھا۔ مگر کوئی وار کارگر نہ ہوتی تھی۔ سلطان کو بیماری نے زندگی سے مایوس کر دیا تھا۔ تند مزاج اور غلیظ الطبع تو تھا ہی۔ اب چڑچڑا اور بدگمان بھی ہو گیا۔ کافور سے خضر خان اور اس کی والدہ کی بے پرواہی کا گلہ کیا۔ نمک حرام کافور نے جو خود شاہ دہلی بننا چاہتا تھا۔ علاء الدین کے دل میں ڈالدیا۔ کہ الغ خان کے مشورہ سے حضور کے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ چونکہ علاء الدین خود ایسی حرکت کا مرتکب ہو چکا تھا۔ اس لئے اس تہمت کو صحیح باور کر لیا۔ اور الغ خان بیگناہ کو قتل کرا دیا۔ اور خضر خان ولیعہد کو گوالیار میں اور اس کی والدہ کو محل شاہی سے نکالا گیا۔ اور شاہزادہ شادی خان جو خضر خان کے بعد مستحق سلطنت تھا۔ وہ بھی قید کیا گیا۔ ان کے متعلقین امرار ہلاک و برباد کئے گئے۔ اور کافور نے اپنے لئے راستہ صاف کر لیا۔

زبان اردو کی ابتدا اور امیر خسرو رحمۃ اللہ عنہ

ہر ایک فاتح قوم جب کسی غیر ملک پر تصرف کرتی ہے۔ تو فاتح قوم کو مفتوحہ قوم کی زبان سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور مفتوح قوم بھی فاتحین کی زبان سیکھنے کی کوشش کرتی ہے اور بغیر اس کے ان کے روزمرہ کے کاروبار نہیں چل سکتے۔ مسلمان جب ہندوستان میں مستقل طور سے حکومت کرنے لگے۔ تو ہندو مسلمانوں کو یہی ضرورت پیش آئی۔ مسلمانوں نے ابتدا میں بالعموم کم سے کم اس قدر ہندوستانی زبان کو سیکھا۔ کہ وہ ہندو رعایا کے ساتھ اظہار مطلب کر سکتے۔ زیادہ تر عربی فارسی الفاظ کی ملاوٹ سے کام نکالنے لگے۔ اور ہندو بھی اسی طرح اُن کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو یاد کر کے مسلمانوں سے بات چیت کرنے لگے۔ یہ ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کی زبانوں کی آمیزش کی ابتدا۔

عہد غلاموں میں اسی طرح سے ایک جدید زبان کا ڈھانچا بنتا رہا۔ اور سنسکرت اور پراکرت میں مسلمانوں کی بے تعصبی سے عربی فارسی الفاظ پیوست ہو کر اپنی جگہ

شان کھوتے رہے۔ چونکہ سلاطین اسلام ہندو رعایا کی رضامندی اور اطمینان کے دل سے خواہان تھے۔ اس لئے انہوں نے خاص عربی فارسی کی ترقی اور ہندوستانی زبانوں کے مٹانے کی کوئی پالیسی اختیار نہ کی بلکہ ہندو رعایا کی خاطر اپنی مذہبی اور ملکی زبانوں کی بربادی کے سامان مہیا کر دیئے۔ ہر ایک عہد میں کوئی نہ کوئی مسلمان زبان سنسکرت کا اعلیٰ درجہ کا فاضل نکلتا رہا۔ اور ہندوستانی زبانوں کا چرچہ مسلمانوں میں پھیلاتا رہا۔ محمود غزنوی کے عہد میں ابو ریحان بیرونی نے زبان سنسکرت میں کمال پیدا کیا۔ جس کی مصنفہ کتاب الہند آج بھی فضلائے یورپ میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ اسطرح سنسکرت کی قدردانی اور برج بھاشا کی سرپرستی سے دربار شاہی میں برج بھاشا کو دخل ہو گیا۔ گو دفتر کی زبان تو کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن سلاطین اور امراء دربار فضلائے اسلام کے پسند خاطر بن گئی۔ اور ہندی شاعروں کو شاہی درباروں میں جگہ ملنے لگی۔ سلطان علاء الدین خلجی جو اسلامی علوم سے نابلد مشہور ہے۔ وہ بھاشا بول سکتا تھا۔ اور برج بھاشا کی شاعری کے نکات بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اسی قدردانی کا نتیجہ تھا کہ ہندو شاعر گدار علاء الدین کا وظیفہ خوار تھا۔ جیسا کہ کتاب ست سنگ برج مطبوعہ نولکشور میں لکھا ہے۔

اسی علاء الدین کے عہد کا مشہور فاضل ایشیا کا علامہ ہندوستان کا فخر امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ہندی بھاشا کی اس قدر تربیت اور سرپرستی کی کہ فارسی زبان کے مقابل برج بھاشا کو لا بٹھایا۔ ایک مصرعہ فارسی اور ایک بھاشا کا کہہ کر بھاشا کی عظمت کو مسلمانوں میں بہت بڑھا دیا۔ اور اپنے پیران طریقت کے حضور میں اسی بھاشا کے ذریعہ کبھی کبھی صوفیانہ خیالات کا بھی اظہار کیا۔ امیر خسرو جیسے قادر الکلام فصیح و بلیغ کا رواج کردہ سکہ ہر ایک کو ماننا پڑا اور موجودہ اردو کی ابتدا پڑی۔ اور مسلمانوں کی بے تعصبی آزاد خیالی تھی اس بات کا مطلق خیال نہ کیا کہ ان کی ملکی اور مذہبی زبانوں کو یہ جدید زبان ہضم کر رہی ہے۔ ہندوؤں نے قومی پولیٹیکل نگاہ سے اس جدید زبان کے رواج دینے میں کوشش کی جس کی اصل و نسل تو وہی سنسکرت اور پراکرت زبانیں تھیں۔ عربی فارسی تو بمنزلہ گوشت و پوست کے تھیں۔ امیر خسرو کا سکہ ایسا چلا کہ ہندو مسلمان اسی روش خسروی کے گرویدہ ہو گئے۔ صوفی مشرب بھگت کبیر اور ملک محمد جائسی ایسے خسرو

کے مقلد ہیں۔ ملک محمد کی مصنفہ کتاب پدماوت بھاشا کی پہلی کتاب ہے۔ جسکی تقلید میں تلسی داس۔ کیشب داس۔ بہاری لعل چوبے نے شاعرانہ کمال دکھایا ہے ہندوستان کے قومی شاعر بھاٹ میراثی بھی اپنی پراکرت زبانوں کو چھوڑکر امیر خسرو رحمتہ اللہ عنہ کے ترقی یافتہ بھاشا پر مر مٹے گئے۔

بھاشا کی کتاب پدماوت کا مصنف ملک محمد شیر شاہ سوری کے عہد میں ہوا ہے۔ اور یہ اُسی کی جرأت و دلیری کا نتیجہ تھا۔ کہ بھاشا کو درجہ زبان حاصل ہوا۔ اور تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور شاعر و مصنف اس زبان کے ذریعہ اپنے خیالات ظاہر کرنے لگے۔ شاہانِ اسلام سنسکرت و بھاشا کے شاعروں کی قدر کرتے رہے۔ اسی شیر شاہ کے دربار میں کھیم ساکن رائے بریلی ایک مشہور شاعر تھا۔ عہد مغلیہ میں جبکہ ہندو عنصر کو غلبہ ہوا۔ تو شاہان مغل کی قدردانی اور مسلمانوں کی بے تعصبی سے کئی ایک ہندو شاعر دربار اکبری میں موجود تھے۔ بابا رامداس سورداس۔ تان سین۔ ٹوڈرمل۔ منوہرداس۔ بیربل۔ راجہ مان سنگھ۔ کرن مان رائے۔ جگدیش۔ گنگا پرشاد جیت رام کوی۔ امرت۔ جگن ناج جگنانک ہمت مسلمانوں کی سرپرستی میں ... بھاشا کو ترقی دیکر مسلمانوں کی زبانوں کو مات دے رہے تھے۔ مسلمانوں نے کبھی بھی تنگ نظری سے نہ دیکھا۔ کہ عربی فارسی زبان کے معدوم کرنے کا آلہ تیار ہو رہا ہے۔ امرائے عظام تک مثلاً عبدالرحیم۔ خانخاناں۔ فیضی۔ سید ابراہیم عرف رس خان۔ قادر بخش ہندی کے شاعر اور ہندو شاعروں کے مربی و سرپرست تھے۔ مغلوں کے پُرامن عہد میں یہ سرپرستی برابر جاری رہی حتی کہ عہد شاہجہان میں اس مخلوط زبان کو اردو کا لقب دیکر ہندو مسلمانوں نے ہندوستان کی متحدہ زبان کا تاج پہنا دیا۔ اور بعد میں آج سے بیس سال پہلے تک مسلمانوں کی اس پرورش یافتہ ہندوزبان میں ہندو مسلمان شاعری کی داد دیتے رہے۔ اور بیش قیمت قومی اور مذہبی تصانیف سے اس اردو زبان کا دائرہ وسیع کرتے رہے گورنمنٹ عالیہ برطانیہ نے بھی اس زبان کی سرپرستی میں دریغ نہیں کیا۔

... آج ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں گذارہ کرسکتا ہے

گو اس ہندو زبان نے عربی فارسی کو ہندوستان سے خارج کر دیا ہے۔ مگر مسلمان پھر بھی بہ تقلید سلف اس ہندو زبان کو ہندو مسلمانوں کی سات سو سال کی متحدہ یادگار کو زندہ رکھنے کے خواہاں ہیں۔

امیر خسرو کا عروج عہد بلبن میں شروع ہوا۔ مگر شاعری کا کمال عہد علاء الدین خلجی میں تھا۔ اس لئے اردو زبان کے اختراع کا سہرا امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ہے اور عہد سلطنت کی عزت علاء الدین کو حاصل ہے جب تک اردو زبان ہے امیر خسرو اور علاء الدین کا نام زندہ ہے۔ فقط

علاء الدین کی کامیابی پر ایک مؤرخ کی رائے

علاء الدین کی فتوحات اور انتظام ملک اور اعلیٰ درجہ کی کامیابی کو دیکھکر بعض لوگ کرامت استدراج کہتے تھے۔ مگر نظام الدین ہروی نے جو قطعہ لکھا ہے۔ وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ واقعی بلند اقبال لوگوں کی حالت کا خاکہ کھینچ دیا ہے ؎

چو عون غیب سوئے مقبل آمد ؏ غرض پیش از تمنا حاصل آمد

ہنوزش آرزو باشد بسینہ ؏ کہ پیش از خواست پیش آید خزینہ

بمشرق گر بود کشت مرادش ؏ زمغرب در رسد باران و بارش

سلطان کی وفات

جب شاہی خاندان اور امرائے سلطنت کا اس طرح صفایا ہو رہا تھا۔ تو چتوڑ پر رانا ہمیر دیو نے اور دکن پر ہرپال دیو داماد رام دیو نے قبضہ کر لیا۔ گجرات کو متعلقین الغ خان نے دبا لیا۔ یہ متوحش خبریں سنکر بستر بیماری پر دانت پیستا۔ اور کچھ کر نہ سکتا۔ کافور اپنی دُھن میں لگا ہوا تھا۔ آخر سلطان علاء الدین ۶ شوال ۷۱۶ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۳۱۶ء کو اس دنیا سے چلدیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ بعض کہتے ہیں کہ کافور نے زہر دیا۔ جو قرین قیاس ہے۔ علاء الدین نے ۲۰ بیس سال سلطنت کی۔ سچ ہے کُل شئی ھالک الا وجھہ ربک ذو الجلال والاکرام لہ ملک السموات والارض

رباعی

چیست دنیا ز پیر پرسیدم از دیوانۂ ؛ گفت یا خاک ست یا باد ست یا ویرانۂ
گفت آنہا را چہ گوئی کاندریں دل دادہ اند ؛ گفت یا کور اند یا کر اند یا دیوانۂ

شہاب الدّین

علاء الدین کے بعد نمک حرام ملک کافور نے اس کے پانچ چھ سالہ بیٹے شہاب الدین کو تخت نشین کیا۔ اور خود تمام کاروبار سلطنت پر حاوی ہو گیا۔ شہاب الدین کی والدہ سے نکاح بھی کیا لیکن ایک خواجہ سرا جسکو اس عہد کا مورخ ضیاء برنی صاف لفظوں میں بیش بریدہ لکھتا ہے۔ نکاح کس طرح ہو سکتا ہے۔ یا کیا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ غالباً کافور کی آمد و رفت محل سرا سے یا زیادہ خلا و ملا سے کسی نے بلا تحقیق نکاح لکھدیا ہے۔ جسکو پروفیسر دہلوی نے نقل کر دیا۔ ورنہ کافور کا والدہ شہاب الدین سے نکاح عقل سلیم باور نہیں کرتی۔ کافور نے سب سے پہلے یہ کام کیا۔ کہ خضر خان اور شادی خان جو قلعہ گوالیار میں قید تھے۔ اور وارث سلطنت تھے۔ اُن کی آنکھیں نکالنے کے لئے ایک لالچی ملک سنبل کو گوالیار بھیجدیا۔ جس ظالم نے دونوں شاہزادوں کو اندھا کر دیا۔ شاہزادہ مبارک کو اندھا کرنے کی کوشش کی گئی۔ محل ہزار ستون واقعہ دہلی کے محافظ پیادہ فوج میں کئی ایک کو مبارک کے اندھے کرنے کیلئے بھیجا۔ مبارک نے باپ کے حقوق جتلائے۔ منت سماجت کی اور موتیوں کا قیمتی ہار دیا۔ پائیک مبارک پر ہاتھ نہ اٹھا سکے۔ اور واپس آکر اپنے افسروں مبشر و بشیر سے مشورہ لیا۔ چونکہ سب کو یقین تھا۔ کہ خاندان علائی کے استیصال کے درپے ہے۔ اور ہر روز اپنے رازدار خواجہ سراؤں وغیرہ سے بعد برخاست دربار جبکہ صغیر سن شہاب الدین کو محلوں میں بھیجدیا جاتا۔ ۔ ۔ ۔ علاء الدین کے خاندان کی بیخکنی کی تجویزیں سوچتا رہتا ہے خضر خان اور شادی خان کو تو نکما کر چکا۔ اور اب مبارک کے درپے ہے۔ جو اولاد علاء الدین میں ایک جوان بالغ رہ گیا ہے۔ اسکو ٹھکانے لگانے کے بعد شہاب الدین کا عدم وجود برابر رہ جائیگا۔ اور خاندان علائی جس کے وہ نمکخوار ہیں مٹ جائیگا۔ پس اس نمکخواری کے جوش سے اُن پائیکوں (سپاہی پیادہ) کو قتل کافور پر

آمادہ کیا۔ ایک دن جبکہ سب لوگ دربار سلطانی سے چلے گئے۔ اور کافور چند خواجہ سراؤں کے ساتھ نرد و قمار کھیل رہا تھا۔ دروازوں کو قفل لگاکر کافور کو معہ اُس کے رفقا کے قتل کر دیا۔ سچ ہے ؎

اگر بد کنی چشم نیکی مدار ٭ کہ ہرگز نیارد گز انگور بار

نہ پندارم اے در خزاں کشتہ جو ٭ کہ گندم ستانی بوقت درو

کافور کو مار کر شہزادہ مبارک کو جیل سے نکال لائے۔ اور کافور کی جگہ شہاب الدین کا نائب السلطنت بنا دیا۔ دو ماہ تک مبارک چپ چاپ نیابت کا کام کرتا رہا۔ جب امیروں کو اپنا خیر خواہ اور ممنون احسان بنا لیا۔ تو شہاب الدین کو اندھا کرکے قلعہ گوالیار میں بھیجدیا۔ شہاب الدین نے تین ماہ چند یوم سلطنت کی اور کافور کی حکمرانی صرف ۳۵ روز رہی۔

سلطان مبارک خلجی

مبارک ۷۱۷ھ مطابق ۱۳۱۷ء کو تخت نشین ہوا سب سے اول جن پایکوں نے اس کو تخت دلوایا تھا۔ اور اب مغرور ہوکر جادہ اعتدال سے باہر قدم رکھنے لگے تھے۔ ان کے افسران مبشر اور بشیر کو قتل کر کے باقی پایکوں کو اِدھر اُدھر باہر تبدیل کر دیا۔ امرا کے درجے بڑھائے۔ اپنے غلاموں کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے۔ ایک نو عمر حسن نام قوم پروار واقعہ گجرات جسکو علاء الدین کے نائب حاجب ملک شادی نے پرورش کیا تھا۔ اور خوبصورت تھا۔ اور ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ مبارک نے اس کو پہلے ہی سال خسرو خان خطاب دیکر اپنے عشرت خانہ کا جزو اعظم بنا لیا۔ الله ملک کافور کا تمام لشکر اور جایداد اس کے سپرد کی۔ افسوس کہ اس بدچلنی میں تو اپنے باپ کی پیروی کی۔ لیکن دیگر صفات مردانہ اور عادات مجاہدانہ شاہانہ میں بالکل علاء الدین کے برعکس تھا۔ علاء الدین بقول مورخین اخیر عمر میں کافور کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا۔ لیکن مبارک شروع ہی میں خسرو کے ہاتھ میں بک گیا۔ اور دین و ایمان کے ساتھ سلطنت خاندان اور اپنی پیاری جان کو بھی کھو دیا۔

ابتدا میں ایسے حکم جاری کئے جو اس کی رحمدلی پر دلالت کرتے تھے۔ قید

اور نقشہ موت نے یہ عادت اُس میں پیدا کی تھی تخت پر جلوس کرتے ہی قیدیوں کو رہا کیا۔ جلا وطنوں کو واپسی کا حکم دیا۔ علاء الدین کے انتظامی قوانین جس سے ملک کا امن وامان قایم تھا موقوف کر دیئے۔ دکن کی فوجکشی کے سبب جس میں علاء الدین کے امراء اور تربیت یافتہ فوج کا ہاتھ تھا۔ اور تمام کام اس نے اس قدر بے حیائی کے کئے۔ کہ بقول پروفیسر دہلوی اُن کا یہاں بیان کرنا بھی کسی بے حیا کا کام ہے۔ مگر مورخین سلف جن کے شرم وحیا اور دین وایمان پر کوئی حرف گیری نہیں ہوسکتی۔ واقعہ نگاری کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے مبارک کے بھلے بُرے حالات لکھتے آئے ہیں۔ میں خود صرف اس خیال سے پہلو تہی کرتا ہوں۔ کہ اس کتاب کی غرض تالیف موجودہ اور آئندہ نسلوں کے اخلاق کا سنوارنا بھی ہے۔ اور اسی وجہ سے کیقباد کی بے تہذیبی کے واقعات سے اغماض کیا گیا تھا۔ اور وہی مشکل مبارک کے واقعات میں ہے ورنہ مورخ اچھے بُرے حالات لکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔

مبارک خلیق اور سخی تھا۔ روپیہ بیدریغ لٹاتا تھا۔ علاء الدین کے قوانین جو مصالح ملکی پر مبنی تھے سب منسوخ کر دیئے۔ شراب کی بظاہر تو مخالفت کی۔ لیکن خود پیتا تھا۔ اس لئے علاء الدین کے عہد کی طرح بندش نہ رہی۔ بلکہ مے نوشی، فسق وفجور کا دوبارہ رواج ہوگیا۔ گجرات کی بغاوت کو دبالیا۔ اور خضر خان نے کے بھائی نے والہ گجرات کو فتح کر کے تمام گجرات کو بغاوت وفساد کے مادے سے پاک کر دیا۔

مہم دکن

علاء الدین کے بعد رام دیو کے داماد ہر پال دیو نے دیوگڈھ کو لے لیا۔ اور دکن سے شاہ دہلی کا تسلط اٹھا دیا۔ اس لئے مبارک نے خود چڑھائی کی۔ اور اس کے عہد کا یہی ایک واقعہ ہے۔ جس میں کوئی شاہانہ عادت ثابت ہوتی ہے۔ ایک غلام ملک شاہین کو دہلی میں نائب چھوڑ کر دیوگڈھ کو روانہ ہوا۔ جوں ہی فوج حدود دیوگڈھ پر پہنچی۔ راجہ ہرپال دیو اور دیگر زمیندار دور دراز علاقوں میں بھاگ گئے۔ مگر مبارک نے تعاقب

سے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ اور آخر شاہی فوج نے ہرپال دیو کو گرفتار کر کے حاضر کیا جہاں وہ سخت بے رحمی سے قتل کیا گیا۔ تمام مہاراشٹر پر قبضہ ہو گیا۔ اور زمینداران دکن پر رعب شاہ دہلی بیٹھ گیا۔

دکن میں پہلا مسلمان گورنر

علاء الدین کے عہد میں دکن فتح ہوا۔ لیکن ملک کی حکومت بدستور ہندو راجاؤں کے پاس رہی تھی۔ وہ صرف خراج مقررہ ادا کر دیتے تھے۔ لیکن ہرپال دیو اور دیگر زمینداران دکن کی متفقہ بغاوت نے اس دفعہ دکن کو ممالک محروسہ دہلی سے ملحق کرا دیا۔ اور مبارک نے ملک یک لکھی ایک امیر کو جو علاء الدین کا غلام تھا۔ دیوگڈھ کی گورنری پر ممتاز کیا۔ اور باقی علاقہ مہاراشٹر بھی امرائے اسلام پر تقسیم کیا گیا۔ خسرو خان کو تمام ملک دکن کا گورنر جنرل بنایا گیا۔ اور ملیبار کی فتح پر مامور کیا۔ مبارک چند روز دیوگڈھ میں رہکر واپس ہوا۔ اور راستہ میں مے نوشی اور عیاشی کرتا رہا۔ علاء الدین کے چچا زاد بھائی ملک اسد الدین نے یہ حال دیکھکر چاہا کہ مبارک کو مار کر خود تخت پر بیٹھ جائے مگر اسد الدین کے ایک رفیق نے مبارک کو اطلاع دیدی۔ اور اسد الدین گرفتار ہو کر قتل کیا گیا۔ اُس کے رفقا ہلاک کئے گئے۔ ملک نصرت خان کے نو بیٹے دہلی میں اسی سازش کے جرم میں قتل کئے گئے یہ وہی نصرت خان ہے۔ جو قتل جلال الدین خلجی میں شریک تھا۔ اور عہد علائی کے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کیا جس کا بدلہ اسکو اس طرح ملا کہ صغیر سن بچے بھی مارے گئے۔ اور یہی حال دیگر قاتلان جلال الدین خلجی کا ہوا تھا۔ کہ چند سال کے عرصہ میں سب کا نام و نشان مٹ گیا۔ ظلم دوست لوگوں کیلئے سخت عبرت ہے۔

مبارک کا ظلم اور عیاشی

جبکہ تمام مدعی سلطنت ہلاک ہو چکے گجرات۔ دیوگڈھ دکن کی بغاوتیں دب گئیں تمام راجہ زمیندار امرائے سلطنت مطیع و فرمانبردار نظر آئے۔ تو انتظام سلطنت تو اپنے معشوق خسرو خان کے سپرد کیا۔ اور خود ظلم و سفاکی پر کمر باندھی۔ ظفر خان

گورنر گجرات جیسے خیر خواہ اور لائق رکن سلطنت کو بیگناہ قتل کرادیا۔ اور اسی طرح ملک شاہین وفا، الملک پروردہ خاندان خود کو ہلاک کیا۔ اور یہ تمام ہتکنڈے خسرو خان کے تھے۔ جو زبردست امرا کا کانٹا درمیان سے نکالتا جاتا تھا۔ اور دین و دنیا سے گیا گذرا مبارک نہیں سمجھتا تھا۔

عیاشی میں ایسا غرق ہوا۔ کہ بعض دفعہ زنانہ لباس و زیور پہنکر دربار میں آتا۔ بازاری اور مسخرہ عورتیں محل ہزارستون میں آتیں۔ اور امرائے کبار مثل عین الملک ملتانی اور ملک قرا بیگ جیسے جلیل القدر افسر سے جس کے ماتحت چودہ محکمہ تھے۔ ٹھٹھہ مخول کرتیں۔ اور بعض دفعہ ننگی وعریان سامنے آتیں اور مہذب و متین امرا کے کپڑوں پر پیشاب کر دیتیں۔ بیچارے درباری شرفا سخت لاچار تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو جو کہ خضر خان کے پیر و مرشد تھے بُرے الفاظ سے یاد کرنے لگا۔ لوگوں کو زیارت سے روکنے لگا۔ شیخزادہ جام کو جو حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کا مخالف تھا۔ اپنا مقرب بنایا۔ حضرت خواجہ صاحب کے رونق گھٹانے کی نیت سے مخدوم رکن الدین صاحب کو ملتان سے بلایا۔ مگر وہ دونوں پاکباز تھے۔ دہلی آکر زیادہ الفت ہوگئی۔ مبارک ناکام رہا۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ٭ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد
ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس ٭ کم زند در عیب معیوباں نفس

مُسلمان سوداگر

مبارک دیو گڈھ سے خسرو خان کو ملیبار بھیج آیا تھا۔ ملیبار کے ہندو تو بھاگ گئے تھے۔ لیکن خواجہ تقی نام ایک مسلمان سوداگر یہ سمجھکر کہ اسلامی لشکر سے مجھکو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ نہ بھاگا۔ اس کو کیا معلوم تھا۔ کہ اسلامی لشکر کا سوار ایک منافق ہے۔ جو اسلامی لباس میں اسلامیہ سلطنت کے استیصال مسلمانوں کی ایذا رسانی ہندو طاقت کی بحالی کی کوشش کر رہا ہے۔ خسرو خان نے سوداگر کو خوب لوٹا۔ اور سوداگر کو گرفتار کرلیا۔ ایک سال تک ملیبار میں رہا۔ اور کسی دولت مند کو نہ چھوڑا۔ ملک پر خوب تسلط جم گیا۔

اشاعت اسلام بذریعہ مسلمان سوداگران

خواجہ محمد تقی کے قصہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ شاہان دہلی کی جنگی فتوحات سے پہلے ہی مسلمان تاجر علاقہ مدراس میں تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ دولت بھی کماتے تھے۔ اور اسلام کی اشاعت کی اپنے نمونہ دکھا کر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ جنوبی ہندوستان میں اسلام مسلمان تاجروں کے ذریعہ پہنچ چکا تھا۔ گو اُس وقت مسلمانوں کی کچھ زیادہ تعداد نہ بن سکی۔ لیکن علاقہ میں کوئی غیر مانوس اور بالکل اجنبی مذہب نہ تھا۔ تاجران اسلام اصول اسلام سے واقف دیندار لین دین میں کھرے خوش خلق تھے۔ اور واعظ و مناد کے لئے یہی ضروری عادات ہیں۔ مسلمان سوداگروں کی اولوالعزمی اُس زمانہ میں آجکل کے یورپین سوداگروں سے کم نہ تھی خشکی و تری کی چپہ چپہ بھر زمین میں قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ کی تعمیل میں تجارتی کاروبار کرتے تھے۔ اور اسلام کی صداقت پھیلاتے تھے مسلمان تاجر آجکل کی طرح پولیٹکل مخبر نہ تھے وہ سچے مسلمانوں کی طرح خدا پرست تھے۔ اور محض رضامندی الٰہی کے لئے "یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک الخ" کی ڈیوٹی ادا کرتے تھے۔ قرآن تقدس کو بلا تصنع مانتے۔ اور دل وجان سے عمل کرتے اور غیر مسلموں کو گرویدہ اسلام بناتے۔ افسوس کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان سوداگر اس تبلیغ کے ضروری کام کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ جو بہت کچھ کر سکتے ہیں یا کرا سکتے ہیں۔

ابن بطوطہ کی رائے رفاہ عام کی نسبت

ابن بطوطہ مشہور سیاح نے اُس سڑک کا حال لکھا ہے جبکہ مبارک دیوگڈھ گیا تھا دہلی سے دیوگڈھ چالیس روز کا راستہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف بید کے درخت لگے ہوئے تھے۔ سڑک پر چلنے والا مسافر یہ خیال کرتا تھا۔ کہ گویا باغ کی سیر کر رہا ہوں۔ ہر ایک میل پر ڈاک کی چوکیاں تھیں۔ ہر ایک ڈاک چوکی پر مسافر کو کھانا۔ [illegible] ملتی تھیں۔ مسافر کو یہ سفر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بازار [illegible]

اسی طرح دہلی سے مالابار اور تلنگ تک چھ چھ ماہ کے راستہ کی سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔ ہر ایک پڑاؤ پر مسافروں کے لئے سرائے اور بادشاہ کے لئے ڈاک بنگلہ (شاہی محل) بنا ہوا تھا۔ مفلس مسافروں کو ہر ایک پڑاؤ پر گورنمنٹ کی طرف سے مفت کھانا ملتا تھا۔

نوٹ مؤلف

جن لوگوں نے ہندوستان کی اسلامی مبسوط تاریخیں نہیں پڑھیں۔ یا صرف یورپین مورخوں کی یک طرفہ رائیں مطالعہ کی ہیں۔ وہ شاہان اسلام کے رفاہ عام کاموں سے علم نہیں رکھتے۔ اُن میں سے بعض صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ سڑکوں اور سراؤں کی ابتداء شیر خان سوری نے کی۔ واقعی شیر خان نے زیادہ وسیع پیمانہ پر اس رفاہ عام کام کو جاری کیا۔ اور قابل تعریف ہے۔ لیکن سڑکوں کا داغ بیل اور سراؤں کی تعمیر اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑتے ہی ہندوستان میں شروع ہوگئی۔ سلطان علاء الدین کی دولتمند گورنمنٹ اور پُر امن و امان زمانہ میں یہ کام مکمل ہوگیا۔ سڑکوں کی درستی۔ سرایوں کی تعمیر مسافروں کی امداد مسلمانوں میں کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ دیگر ممالک میں خلفائے سلاطین اسلام ان مفید رعیت تجاویز کو عمل میں لا چکے تھے۔ اور مسلمان ایسے رعایا نواز قوانین و تجاویز کے عادی تھے۔ اسلامی سلطنت کا خاصہ تھا۔ کہ رفاہیت رعیت کے لئے روپیہ دل کھولکر خرچ کرتی تھی۔ اور شاہان اسلام جو اس قسم کے فیاضیاں دکھاتے رہے۔ وہ کسی کو دکھلانے کے لئے نہ تھیں۔ بلکہ اسلام کی حقیقی تقلید نے ان کو بیت المال (خزانہ) کا صحیح مصرف امنیت و رفاہیت رعایا کا یقین کرا دیا تھا۔ اور وہ خلق خدا کو ودیعت الٰہی اور باز پرسی آخرت کو واقعی جانتے تھے۔ اور یہ اسلامی عقیدہ اُنکو ایسے رفاہِ عامہ امور پر روپیہ صرف کراتا تھا۔ سڑکوں کی درستی کی ضرورت تو ملکی اور جنگی ضرورتوں کے لحاظ سے ہر ایک گورنمنٹ کو ہوا ہی کرتی ہے۔ لیکن مفلس مسافروں کو کھانا کھلانا خدا ترسی اور غریب نوازی ثواب آخرت کی امید کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

ابن بطوطہ نے ان سڑکوں کا حال عہد مبارک میں لکھا ہے۔ جب میں یا بعد میں اس نے دیکھا

ہو گا لیکن اس تعریف کا مستحق سلطان علاء الدین تھا۔ ورنہ دو سال کے عرصہ میں عیاش مبارک کیا کر سکتا تھا چھ چھ سو کوس تک اس قسم کا انتظام کرنا کئی سالوں میں ہو سکتا ہے اور یہ سب کچھ سلطان علاء الدین کی نیک یادگاریں تھیں۔ جو ہندوستان کا سب سے زیادہ طاقتور بہادر منتظم بادشاہ گذرا ہے۔

مبارک کا بھائیوں کو قتل کرنا

جب مبارک دیوگڈھ سے شرابیں پیتا اور عیشیں اُڑاتا ہؤا دہلی پہنچا۔ رستہ میں اسد الدین کی سازش کا پتہ لگا۔ اور اسکو معہ رفقا ٹھکانا لگایا گیا۔ بقول ابن بطوطہ دہلی کے امراء نے مبارک کی جگہ خضر خان کے دہ سالہ بیٹے کو تخت نشین کرنا چاہا۔ اور مبارک نے اس جرم میں بیگناہ شاہزادہ کی ٹانگیں پکڑ کر دیوار سے ایسا پٹکا کہ بھیجا اس کا پاش پاش ہو گیا۔ لیکن ہندوستان کے مؤرخوں نے نہیں لکھا۔ ابن بطوطہ نے مبارک کے خیرخواہ قاضی بدر الدین سے سنا اور یقین کر لیا۔ مگر دیگر مورخین کی خاموشی سے ظاہر ہے۔ کہ مبارک کو ملک اسد الدین کے منصوبہ قتل سے شبہ پڑ گیا تھا کہ جب سلطان علاء الدین کا چچا زاد بھائی تخت کے لئے کوشش کر رہا ہے۔ اور امراء اس کے مددگار ہیں۔ تو سلطان علاء الدین کے پوتے اور خضر خان ولیعہد کے بیٹے سے کب بے فکری ہو سکتی ہے۔ اور اسی بدگمانی میں چار اندھے بھائیوں کو قلعہ گوالیار میں قتل کرایا گیا۔ حالانکہ اُن اندھوں سے اب عملی کام کیا ہو سکتا تھا۔ ان تمام منصوبوں میں خسرو خان کا ہاتھ تھا۔ جو خاندان علائی کی بربادی سے اپنی کامیابی کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔

مبارک نے اپنے ایک امیر ملک شاہ کو گوالیار بھیجا۔ کہ چاروں بھائیوں شہاب الدین شادی خان۔ ابوبکر۔ خضر خان کو قتل کر کے خدشہ مٹا دے۔ اُس ظالم امیر نے اول تو صغیر سن شہاب الدین کی گردن اڑائی۔ پھر ابوبکر اور شادی خان کو قتل کیا۔ پھر خضر خان پاس آئے تو واویلا مچایا۔ اُس کی ماں اور بیوی چیختی پیٹتی رہیں۔ اور قتل کیا گیا چاروں لاشوں کو بغیر غسل و کفن خندق میں ڈالا گیا۔ جہاں وہ برسوں سوکھا کیں۔ روائت ذیل اگرچہ دل لگتی ہے۔ لیکن وجہ قتل کے لئے کافی نہیں۔ لکھا ہے۔ کہ دیولدیوی کیوجہ سے خضر خان قتل کیا گیا۔ لیکن شادی خان اور شہاب الدین وغیرہ

کیئوں قتل ہوئے۔ پس ان مظلوم شاہزادوں کا قتل علاءالدین کے فرزند ہونے اور مدعی سلطنت کے شبہ سے ہوا تھا۔ جس کی سزا میں خود مبارک کو بھی نامبارک انجام دیکھنا پڑا۔

خسرو خان کے باغیانہ خیالات

جب دیوگڈھ سے خسرو خان ملیبار آیا۔ تو برسات شروع ہو گئی۔ ناچار توقف کرنا پڑا شاہ دہلی کے اقبال کے سامنے تمام سرکش دب گئے۔ ہندو راجگان مطیع ہو گئے۔ ایک سال کے عرصہ میں تمام دکن میں بخوبی سکہ بیٹھ گیا۔ کثرت دولت وشوکت نے باغیانہ خیالات پیدا کرنے شروع کئے۔ یہ متمردانہ خیال یا تو مبارک کے عیاشانہ طبعیت سے پیدا ہوا جس سے کہ خسرو خان بخوبی واقف تھا۔ یا ہندو رشتہ داروں کے بہکانے سے بہرحال اُس نے چاہا کہ دہلی نہ جاؤں اور دکن کی وسیع ہندو آبادی میں خودمختار بن بیٹھوں جب مسلمان جرنیلوں ملک تمر اور ملک تلیغہ کو خسرو خان کی بدنیتی کا حال معلوم ہوا۔ تو انہوں نے خسرو خان کو پیغام بھیجا کہ ہمنے سنا ہے۔ کہ تم سرکش و باغی بن کر دکن ہی میں رہنا چاہتے ہو۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو ہم تمہیں ابھی قید کر کے دہلی بھیجتے ہیں۔ زنانہ صفت خسرو خان میں یہ ہمت وحوصلہ کہاں تھا۔ کہ ماتحت جرنیلوں کو چشم نمائی کر سکے۔ یا جس طرح جرنیلوں نے سچے بہادروں کیطرح صاف صاف لفظوں میں قید کی دھمکی دی تھی۔ وہ بھی دندان شکن جواب دیتا۔ یا بہادرانہ جوہر دکھاتا۔ یا ہندو عنصر ہی اسکو جرأت دلاتا۔ اس لئے معشوقانہ ادائیوں پر اُتر آیا۔ جرنیلوں نے مبارک کو عرضیاں بھیجکر خسرو خان کی بدنیتی کی اطلاع دی تھی۔ اور خسرو خان نے مبارک کو لکھا۔ کہ امراء غلط تہمت لگاتے ہیں۔ آخر عشق نامراد نے مبارک کو اندھا کر دیا۔ اور خیرخواہ جرنیلوں کی عرضیوں کو غلط سمجھکر بدنیت خسرو خان کی بات کو صحیح باور کر لیا۔ اور خسرو خان کو دہلی بلا لیا۔ جو پالکی سواری میں سات روز کے عرصہ میں دیوگڈھ سے دہلی پہنچا۔ اور رو رو کر نا عاقبت اندیش مبارک کے ذہن نشین کر دیا۔ کہ امرائے شاہی میری اطاعت کو ننگ و عار جانتے ہیں۔ اور ناحق جھوٹی تہمتیں نمک حرامی کی لگاتے ہیں۔ دین و دنیا سے گئے گذرے مبارک نے خسرو خان کی

خوشنودی کے لئے اُن امرار کو جنہوں نے خیر خواہی و وفاداری ظاہر کی تھی۔ قتل وقید کرا دیا۔ اور آئیندہ کے لئے ہوا خواہوں کے زبان کو بند کر دیا۔

ہندوؤں کا دربار میں زور پاتا

اب خسرو خان کُل کاروبار شاہی پر حاوی ہو گیا۔ مسلمان امیر کچھ مارے گئے۔ کچھ برباد ہو گئے۔ باقی دم بخود خسرو خان کے دست نگر بن گئے۔ ہر ایک کی جان و مال خسرو خان کے قبضہ میں تھی۔ ذرا کسی پر خاندان علائی کی خیر خواہی یا اپنی مخالفت کا شک ہؤا نہیں کہ ذلیل وخوار قید وقتل کا نشانہ بنا نہیں۔ کئی معزز شریف خاندان اسی طرح تباہ ہو گئے۔ کئی ایک شریف ملازمت سے کنارہ کش ہوئے ان مسلمانوں کی جگہ خسرو خان نے ہندوؤں کو عہدے دینے شروع کئے۔ قوم پروار کے گجراتی ہندو عموماً دربار میں بھرتی ہو گئے۔ مبارک سے یہ کہکر کہ چونکہ حضور مجھکو تسخیر صوبجات کے لئے نامزد فرماتے ہیں۔ اور اسلامی فوج مجھکو غیر اور نو دولت سمجھکر پوری پوری اطاعت نہیں کرتے۔ اور گورنمنٹ کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے۔ اس لئے میری درخواست ہے۔ کہ میری خاص قوم پروار صوبہ گجرات میں بکثرت آباد ہے۔ اُن کو ملازم شاہی رکھا جائے۔ جو میرے ساتھ ہو کر تسخیر ممالک میں جانیں لڑائیں عیاش مبارک کو اتنی عقل کہاں تھی۔ کہ خسرو خان کی تہ کو پہنچتا۔ جھٹ حکم دیدیا کہ اپنی قوم پروار میں سے کافی تعداد فوج ملازم رکھ لو۔ بقول فرشتہ مبارک کا یہ حکم اس خیال سے تھا کہ شاید اس قوم پروار میں سے کوئی اور بھی خسرو خان جیسا حسین وخوبصورت نکل آئے۔ خسرو خان نے گجرات کے اکثر ہندوؤں کو جو نان شبینہ تک محتاج تھے۔ اسی طرح بیس ہزار ہندوؤں کا لشکر فراہم کر لیا۔ اور مسلمانوں کو جواب دیا گیا۔ یا اِدھر اُدھر دور دراز حصوں میں بھیجدیا۔ دہلی میں ہندوؤں کا زور ہو گیا۔ بُت پرستی کو رونق ہو گئی۔ اور شعار اسلام مِٹ گئے۔ خسرو خان کا ایک رشتہ دار گجرات کا گورنر مقرر ہؤا جس نے مسلمانوں کے ستانے اور شعار اسلام کے مٹانے میں کوتاہی نہ کی۔ مبارک تو برائے نام سلطان تھا۔ جو کچھ کرتا تھا خسرو خان کرتا تھا۔ خسرو خان نے اپنی ہندو فوجی طاقت بڑھانے میں صرف کثیر کیا۔ یہاں تک کہ بروایت فرشتہ چالیس ہزار سوار خسرو خان

کے ساتھ ہوگئے چند لالچی اور جاہ طلب مسلمان بھی خسرو خان کے رفیق بنگئے بہاؤالدین دبیر جس کی منکوحہ کی عصمت دری کا مبارک نے قصد کیا تھا۔ خسرو خان کا معاون ہوگیا۔ خسرو خان بادشاہی کے منصوبے کرنے لگا۔ ایک دن خسرو خان کے ہندو بھائیوں نے مبارک کو شکار میں قتل کرنا چاہا۔ مگر وہ مسلمان رفقا کے اس اعتراض سے کہ اگر شکارگاہ میں مارا گیا۔ تو مسلمان شاہی لشکر ادہر اُدہر سے ٹوٹ پڑیگا۔ بہتر یہ ہے۔ کہ محل ہزار ستون میں رات کے وقت قتل کیا جائے یہ تجویز پاس کی گئی۔ مگر محل شاہی کے پہرہ دار اور باڈی گارڈ مسلمان تھے اور شاہان سابق کے دستور کے موافق رات کے مقررہ وقت کے بعد کوئی شخص سوائے خاص ملازمان شاہی اندر محل میں نہ رہ سکتا تھا۔ سب نکالدیئے جاتے تھے۔ اور دروازہ کا قفل لگایا جاتا۔ قفل بردار اور قفل کی حفاظت اور محل شاہی کی دیکھ بھال ایک نہایت معتبر وفادار امیر کے سپرد ہوتی تھی۔ جو حفاظت کا ذمہ وار ہوتا تھا۔ مبارک کے عہد میں بھی یہی دستور جاری تھا۔ وفادار فوج شاہی محل کے پہرہ پر مقرر تھی۔ اور مبارک کا اوستاد قاضی ضیاءالدین کلید بردار اور سلطان کا محافظ جان تھا۔ معمولی وقت کے بعد کوئی شخص اندر رہ نہ سکتا تھا۔ مگر خسرو خان زنانہ خصال جس کے بغیر مبارک نہیں رہ سکتا تھا۔ اکثر محل ہی میں رہتا۔ یا بہت رات گذرے گھر جاتا۔

ایک دن مبارک سے عرض کی۔ کہ گجرات سے میرے عزیز رشتہ دار آتے ہیں چونکہ میں حضور کے پاس رہتا ہوں۔ یا بہت دیر بعد جاتا ہوں۔ وہ اکثر میری ملاقات سے محروم رہتے ہیں۔ بادشاہ نے جسکو خسرو خان کی جدائی منظور نہ تھی۔ دروازہ کی کنجیاں خسرو خان کے حوالہ کردیں۔ اور کہا کہ تجھ سے اور تیرے بھائیوں سے زیادہ کون قابل اعتماد ہے۔ محل شاہی کا اہتمام تمہاری قوم کے سپرد ہے۔ خسرو خان نے اسکو نیک فال خیال کیا۔

نظم

چو فیروز دید آن چنان فال را ٭ دلیل ظفر یافت آن فال را
ازان فال فرخ دل خسروی ٭ چو کوہ قوی یافت پشت قوی

سلطان مبارک کا قتل اور خاندان علاء الدین کی بربادی

جب اہتمام دولت خانہ خسرو خان کے ہاتھ میں آگیا۔ اور اس کے رفقا رشتہ دار ہندوؤں کو محل شاہی میں آنے جانے کی روک ٹوک نہ رہی۔ تو وہ ہتھیار بند فوج فوج شاہی محل میں خلاف داب سلطنت آنے جانے لگے عقلمند تاڑ گئے۔ کہ خسرو خان کس خیال میں ہے لیکن چونکہ جانتے تھے۔ کہ مبارک بدست خسرو خان بک چکا ہے۔ اس لئے خسرو خان کے برخلاف زبان کھولنی اپنی جان کھونی ہے۔ اس لئے خاموش تھے اور نیرنگئی تقدیر کے تماشہ کے منتظر تھے۔

اور تو کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ مگر جوش نمک نے قاضی ضیاء الدین کو مجبور کیا جس نے جان سے ہاتھ دھو کر مبارک سے عرض کر دیا۔ کہ خسرو خان کس جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہے خاص و عام میں خسرو خان کی نمک حرامی کا شہرہ ہو رہا ہے آپ تحقیقات کریں۔ افواہ غلط نکلے تو خسرو خان کا اعتبار بڑھ جائیگا۔ ورنہ حضور کی جان بچ جائیگی۔ مبارک بھلا کب سنتا تھا۔ قاضی خان کو برا بھلا کہنے لگا کہ اتنے میں خسرو خان بھی بن سنور کر عورتوں کی طرح سامنے آگیا پھر کیا تھا۔ مغلوب الشہوت مبارک دیکھتے ہی خسرو خان سے لپٹ گیا۔ اور جو کچھ قاضی صاحب نے کہا تھا حرف بحرف خسرو خان کو کہدیا۔ وہ مکّار رونے لگا۔ اور معشوقانہ ناز و انداز سے کہنے لگا۔ کہ چونکہ حضور مجھ پر لطف و کرم فرماتے ہیں لوگ حسد کرتے ہیں اور جب تک میری جان نہ لے لیں گے۔ آرام نہیں کریں گے بادشاہ دلبر کے رونے سے بیتاب ہوا۔ اور سر و چشم پر بوسہ دیکر کہا۔ کہ تیرا ایک بال بھی اپنی بادشاہی سے بہتر جانتا ہوں مخالفوں سے نہ ڈر و سے

سر سودا سے تو ہرگز ز سرما نرود ٭ برود این سر سودا و سودا نرود

خسرو خان کو تسلی دیکر گھر بھیجا۔ اس واقعہ سے دوسری شب ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ مطابق ۴ ۲ مارچ ۱۳۲۱ء کو تمام نمک حرام محل ہزار ستون میں گھس آئے۔ اور کمین میں بیٹھ گئے جب پہر رات گذر گئی۔ اور تمام امرا اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ قاضی

ضیاء الدین چوکیداروں کی دیکھ بھال کے لئے محل شاہی میں آیا۔ اور خسرو خان کا چچا مسمی مندل نے قاضی کو اپنے ہاتھ سے بیڑا پان دیا۔ اور باتوں میں لگا یا۔ کہ پیچھے سے جاہر نام قوم پروار نے آکر ضرب شمشیر سے قاضی کا کام تمام کیا۔ قاضی غدر غدر کہتا ہوا شہید ہوا۔ قاضی کے ساتھ جو کوئی تین ہمراہی تھے شور مچانے لگے۔ کہ قاضی شہید ہو گیا چوکیدار اٹھے۔ جنکو خسرو خان کے ساتھیوں نے کشت وخون سے کچھ کرنے نہ دیا۔ کچھ نمک حرام حسب قرارداد محل ہزارستون پر چڑھ گئے۔ شور وغل سنکر بادشاہ نے خسرو خان سے پوچھا۔ کہ یہ شور کیسا ہے۔ خسرو خان باہر آیا۔ اور پھر اندر جاکر کہا۔ کہ اصطبل کے گھوڑے چھوٹ گئے ہیں سائیس ان کو پکڑ رہے ہیں۔ کہ اتنے میں جاہر اور اس کے نمک حرام بھائی کوٹھے پر چڑھ گئے۔ اور خاص شاہی دربانوں کو قتل کرکے اندر گھس گئے۔ بادشاہ بدحواس ہوکر حرم خانہ کی طرف متوجہ ہوا۔ کہ شاید جان بچ جائے خسرو خان نے دوڑ کر بادشاہ کے سر کے بال پکڑ لئے۔ بادشاہ نے خسرو خان کو نیچے تو گرا لیا۔ لیکن خسرو خان نے بال نہ چھوڑے۔ اور خسرو خان کے ہمراہی تلواریں کھینچکر پہنچگئے۔ نمک حرام جاہر نے تلوار سے بادشاہ کا کام تمام کیا۔ اور خسرو خان کو نیچے سے نکال لیا۔ اور بادشاہ کا سر کاٹ کے محل ہزارستون سے نیچے پھینکدیا۔ خسرو خان کا بھائی حسام الدین اور جاہر اور دیگر ہندو حرم سرائے سلطانی میں گھس گئے جو چاہا سو کیا۔ سلطان علاء الدین کے فرزندان فرید خان اور منگو خان کو ان کی ماؤں سے زبردستی چھین کر قتل کیا۔ بیگمات کو اپنے بھائی بندوں میں تقسیم کیا۔ خود مبارک کی بیوی سے نکاح کیا۔ شاہی محل لوٹ لیا۔ اسی طرح سے سلطان علاء الدین کے خاندان کا نام ونشان مٹایا گیا۔

امرائے کبار مثل عین الملک ملتانی اور وحید الدین قریشی فخر الدین جونا (جو بعد میں سلطان محمد تغلق شاہ ہوا) پسران قرہ بیگ کو اسی رات محل ہزارستون میں نظربند رکھا۔ تاکہ مخالفانہ کارروائی نہ کرسکیں۔ صبح کو خسرو خان کی برادری جمع ہوئی۔ اور شہر کے علماء وشرفاء بھی بلائے گئے۔ خسرو خان ناصر الدین کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اور بعض مسلمان امرائے شاہی کو عہدے عطا کئے جو دل سے خوش نہ تھے اپنے بھائی کو خان خاناں اور مندل ہندو کو رائے رایان کا خطاب عنایت کیا۔ جاہر

ل بادشاہ کو زر وجواہر سے مالامال کردیا - بادشاہی غلاموں اور بعض امرا کو قتل - بادشاہ
ی عورتوں بیٹیوں کو اپنے ملازموں میں تقسیم کیا - قاضی مذکور کا خاندان تباہ کیا گیا -
رف قاضی کی بیوی عزت وجان لیکر بھاگ گئی - علاء الدین کے بھتیجے ملک نصرت
بھی مروا ڈالا - اور کوئی وارث سلطنت رہنے نہ دیا - ملک فخر الدین جونا جیسے امیر اس
لئے بچ گئے - کہ اس کا باپ غازی بیگ تغلق پوری طاقت کے ساتھ سپہ سالار و گورنر
بجاب تھا - ملک فخر الدین جونا کو انعام کثیر دیا گیا - اور میر اخور کے عہدہ جلیلہ پر بھی قایم
رکھا لیکن وہ دل سے اس نمک حرام کو پسند نہ کرتا تھا - اور یہی خیال دیگر امرائے اسلام
کا تھا - ہاں بعض لالچی زر پرست جنکو مبارک کے قتل سے بڑے بڑے عہدوں پر خسرو خان
نے ترقیاں دی تھیں - وہ خسرو خان کے معاون تھے - مگر ایسے لوگ کوئی مشہور مرد
میدان نہ تھے - عموماً مسلمان خسرو خان کو نہ چاہتے تھے -

ہندو سلطنت اور اسلام کی ہتک

خسرو خان نے گو زر پاشی کی - لیکن وہ برائے نام مسلمان تھا - غالباً مسلمانوں
کی مخالفت کیوجہ سے یا زمانہ حال کے قاعدہ شدھی کے مروج نہ ہونے کے سبب
سے علانیہ ہندو نہ بن سکا - ورنہ اس نے اپنی چار ماہ کی حکومت میں ہتک اسلام میں
کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی - مسجدوں کے محرابوں میں بُت رکھوا دیئے گئے ہندو برہمن
بے دھڑک جاتے اور بتوں کی پوجا کرتے - قرآن مجید کو کرسی و مونڈھا بنا کر ہندوؤں
کو اُن پر بٹھاتا - گائے کا ذبح کرنا بند کردیا - اور ہندو رسوم کو بجائے قواعد اسلام کے
دربار میں رواج دیا - گویا دہلی میں ہندو سلطنت مکرر نئے سر سے قایم ہوگئی - اور ایسا موقعہ
ہندوؤں کو کبھی نہیں ملا - پروفیسر دہلوی کا یہ خیال صحیح نہیں کہ شریف ہندو خسرو خان
کے ساتھ نہیں ہوئے - جبکہ مسلمان لالچی ساتھ تھے - اور میدان جنگ میں رفیق
رہے - تو پھر ہندوؤں کو ساتھ رہنے میں کیا عذر تھا جبکہ بُت پرستی کو عام طور سے
رواج دیتا تھا - کہ مسجدوں میں بُت رکھے گئے - گاؤ رکھشا کا جھنڈا کھڑا کیا گیا - پچھلے
مسلمانوں کی صدیوں کی غلامی سے نجات دلائی گئی - اگر خسرو خان کامیاب رہتا -
تو ہندوؤں میں بھارت ماتا کا دیوتا شمار ہوتا - یہ وہی کام ہیں جن کی وجہ سے شیواجی

مرہٹا قابل یادگار خیال کیا جاتا ہے۔ یا مسلمانوں کے کسی اور مخالف کا آج فخر سے نام لیا جاتا ہے۔

خسرو خان میں ذلیل عادتیں تھیں۔ اور نہائیت رذیل طریقہ سے تخت حاصل کیا لیکن ہندو سلطنت کے دوبارہ قایم کرنے میں جو اُس نے کوششیں کیں وہ ہندو نقطہ خیال سے قابل تعریف ہیں۔ مبارک کی نالائقی سے خیال سلطنت پیدا ہوا۔ لیکن اپنی ذاتی طاقت کو بڑھانا۔ اور ہندو بھائیوں کا ایک لشکر جرار بہم پہچانا۔ ہندوؤں کی جبلی فراست کو ثابت کرتا ہے۔ جس سے وہ حسب موقعہ مطلب نکالنے کی لیاقت رکھتے ہیں۔ اور کبھی بھی اس بات کو نہیں بھولتے کہ "ہندوستان ہندوؤں کا ہے"۔

اسلامی جوش۔ اسلامی اخوت

خاندان علائی کی بربادی۔ ہتک اسلام۔ اسلامی سلطنت کی تباہی ہندو گورنمنٹ کے قیام کو دیکھکر مسلمان خون جگر پیتے تھے۔ سلطان علاء الدین اور مبارک کے نمکخوار مسلمان امراء میں سے غازی بیگ تغلق جو عہد علاء الدین میں خونخوار مغلوں کے کئی بار پرخچے اڑا چکا تھا۔ اور اسم بامسمی غازی ثابت ہو چکا تھا۔ تمام واقعات کو سُنکر پیچ و تاب کھاتا تھا۔ لیکن چونکہ اُس کا بیٹا فخر الدین جونا دہلی میں خسرو خان کے قابو میں تھا۔ اس لئے کھُلم کھُلا کچھ کارروائی نہ کرسکتا تھا۔ اس نے کشلو خان حاکم ملتان کو مبارک کا انتقام لینے کے لئے لکھا۔ کشلو خان نے جواب دیا۔ کہ میرا بیٹا دہلی میں ہے جب تک وہ نہ آسکے میں ہاتھ پاؤں نہیں ہلاسکتا۔ غازی بیگ نے اپنے بیٹے فخر الدین جونا کو لکھا۔ کہ جس طرح ہوسکے کشلو خان کے بیٹے سمیت دہلی سے نکل آئے۔ فخر الدین ایک اولوالعزم جو انمردشہ سوار تھا۔ اصطبل شاہی کا افسر تھا ہی۔ خسرو خان سے کہا۔ گھوڑے بندھے بندھے سست و کم مشق ہوجاتے ہیں۔ ان کو باہر پھرانا مناسب ہے۔ خسرو خان نے اجازت دیدی فخر الدین جونا ہر روز ایک دو کوس تک گھوڑے پھرانے باہر جاتا۔ اور واپس آجاتا۔ اسی طرح چار پانچ کوس تک جانے کی عادت ڈالی۔ اور خسرو خان کے نزدیک

اعتبار جمتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک دن دوپہر تک واپس نہ آیا۔ معلوم ہونے پر خسرو خان نے پکڑنے کے لئے سوار تعاقب میں روانہ کئے۔ مگر غازی بیگ کے خلف الرشید کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔ غازی بیگ نے قلعہ سرستی میں دو سو سوار مقرر کر رکھے تھے اور ایک امیر کو پورے سامان کے ساتھ قلعہ کی محافظت کے لئے مقرر کر دیا تھا فخر الدین جونا معہ فرزند کشلو خان صحیح و سالم قلعہ سرستی میں پہنچ گیا۔ اور خسرو خان کے سوار ناکام واپس گئے۔ فخر الدین بخیریت دیپالپور پہونچا۔ اور باپ نے خدا تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ اور اب کھلم کھلا انتقام خون بادشاہ کا اعلان دیدیا۔

کشلو خان اور ملک بہرام ایبہ حاکم اُچہ غازی بیگ سے آملے۔ ملک یک لکھی حاکم سمانہ نے دغا بازی کی۔ کہ غازی بیگ کی تمام خط و کتابت خسرو خان کے پاس بھیجدی۔ اور خود غازی بیگ پر چڑھائی کر دی۔ مگر اس منافق نے پہلے ہی حملہ میں غازیان اسلام سے شکست پائی۔ خسرو خان کے پاس جانا چاہتا تھا کہ راستہ میں زمینداروں نے پکڑ کر ہلاک کیا۔

ہندو مسلمانوں کا معرکہ

خسرو خان کے ساتھ ضرور بعض مسلمان امیر تھے۔ لیکن وہ کرایہ کے ٹٹو صرف روپیہ کے لالچ کے لئے ساتھ تھے۔ اُن میں نہ تو قومی سپرٹ تھی۔ اور نہ مذہبی جوش۔ اس لئے ان کا عدم وجود برابر تھا خسرو خان کو صرف ہندو فوج پر سہارا تھا جس کی تعداد بقول فرشتہ چالیس ہزار سوار تک پہنچ چکی تھی۔ اور لڑائی کے لئے کافی تھی مقابل صرف دو تین نمک حلال امیر تھے۔ عام مسلمان خسرو خان کے شاہی رعب سے لڑائی میں حصہ نہ لے سکے۔ اور ایک دو طاقتور مثل عین الملک ملتانی وغیرہ دہلی میں پڑے تھے۔ کئی مسلمان امیروں کے لواحقین چالاک خسرو خان نے دہلی میں نظر بند کر رکھے تھے۔ جس وجہ سے یہ لوگ علانیہ خسرو خان کی مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ پس شاہ دہلی کے مقابلہ پر نمک حلال امیر کوئی زبردست فوج نہ لا سکے۔ مگر جس قدر فوج تھی۔ اپنے ولینعمت سلطان علاء الدین کے خاندان کے جوش انتقام میں بھری ہوئی۔ اور اخوت اسلامی کی حبل المتین میں جکڑی ہوئی تھی۔ وہ جانتے

تھی۔ کہ بہادران اسلام کی صدیوں کی کمائی کا انحصار اسی ایک معرکہ پر ہے۔
بصورت شکست مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ خود اسلام ہندوستان میں قایم نہیں رہ سکیگا
تمام شعائر اسلام مٹ جائینگے۔ اور بت پرستی کو از سر نو کمال رواج ہوگا۔ ان تمام
ذاتی۔ ملکی۔ قومی۔ مذہبی جذبات نے وفادار امرا کو جان فروشی پر آمادہ کیا تھا اور مسلمانوں
کے اس اتحاد اخوت نے ثابت کر دیا۔ کہ مسلمان ہندوستان سے نہیں نکل سکتے
اور ہندو سلطنت کی بحالی کی کوشش سے "چراغے بہ صحرا برافروختن"۔ کے
مشابہ ہے۔ بعد میں بھی ایک دو دفعہ ہندوؤں نے ہندو گورنمنٹ کے بحال
کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ اور ایک دفعہ کامیابی کے قریب بھی پہنچ
گئے لیکن غازیان اسلام نے اپنے اسلامی جوش سے ہر دفعہ ہندوؤں کو ناکام رکھا
جس کا ذکر عہد مغلیہ میں کیا جائیگا۔ یہ پہلی کوشش تھی جو ہندوؤں نے خسرو خان
کی سرپرستی میں کی۔ اور ایسے وقت میں کی جبکہ مسلمانوں میں مذہبی۔ قومی جنگی
سپرٹ کا مادہ پورا پورا موجود تھا۔ اور ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک میں مسلمان
پوری طاقت کے ساتھ موجود تھے۔ ہندوستان کے قدیمی رقیب مغل اسلام
لا کر نئے جوش سے فتح ہندوستان پر ادھار کھائے بیٹھے تھے پس اگر غازی بیگ
وغیرہ کو شکست بھی ہوتی۔ تو بھی خسرو خان اور اس کے ہندو بھائی دارالاسلام
دہلی کے تخت پر قابض نہیں رہ سکتے تھے۔ اور یہی نتیجہ بعد میں نکلتا رہا۔

معرکہ جنگ اور خسرو خان کا انجام بد

غازی بیگ کو پہلی لڑائی تو سرستی میں پیش آئی جہاں خسرو خان کی فوج نے جس میں
سپہ سالار خسرو خان کا بھائی تھا۔ بہادران اسلام سے سخت شکست کھائی تمام مال
و اسباب اور میگزین او سہر اروں جانیں دیکر بھاگ نکلی۔ غازی بیگ نے ایک ہفتہ میدان
جنگ میں قیام کیا۔ اور مال غنیمت سپاہ میں تقسیم کر دیا۔ اور فوج کا دل بڑھاتا ہوا
دہلی پہنچ گیا۔ خسرو خان نامرد سے اتنا نہ ہو سکا۔ کہ چند میل بڑھکر مقابلہ کرے
اور شاہ ہندوستان کی آبرو میں بٹہ نہ لگائے۔ مگر اس زنانہ خصلت میں یہ حوصلہ
کہاں۔ بمشکل دہلی کے حوض علائی تک نکل سکا۔ ہاں یہ چال علاء الدین کی طرح

ضرور چلا۔ کہ عام زرپاشی سے فوج کو قابو کرنے لگا۔ دو اڑھائی سال کی تنخواہ پیشگی دیدی۔ اور تمام روپیہ لٹا کر خزانہ میں ایک کوڑی نہ چھوڑی۔ مگر علاء الدین جیسی مردانگی شجاعت کہاں سے لاتا۔ اور نہ ہی علاء الدین جیسے صف شکن یار وفادار رکھتا تھا۔ مسلمان جو مجبوراً ساتھ تھے۔ اس وقت الگ ہونے لگے۔ راسخ الاعتقاد مسلمان سپاہی بے لوا کر گھروں کو چلے گئے۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھا کر دوزخ کا کندہ بننا قبول نہ کیا۔ طاقتور امیر عین الملک ملتانی خسرو خان سے باغی ہو کر اوجین و دہار کو چلا گیا۔ اور خسرو خان کی کمر توڑ گیا۔ مجبوراً بقیہ فوج لیکر جس میں ایک دو دنیا پرست مسلمان امیر بھی تھے۔ میدان اندرپت میں غازیان اسلام سے معرکہ آرا ہوا۔ ہندو حسب عادت اول تو بہت زور شور سے حملہ آور ہوئے۔ مگر جبکہ بہادران اسلام نے باقاعدہ حملات شروع کئے۔ تو گھبرائے اور ڈگمگائے۔ جمعہ کا روز تھا۔ غازی بیگ نے بعد نماز جمعہ حملہ کیا۔ ملک تلیغہ اور پسر قرہ قمار جرنیل جو خسرو خان کے ہراول تھے۔ ناموس دنیوی کے خیال سے دل کھول کر لڑے۔ اور غالبا انہیں کے رستمانہ جنگ کا نتیجہ تھا۔ کہ غازی بیگ کے ڈیرے لٹ گئے۔ اس کے ساتھ اس کے خاص وفادار ملازم تین سو رہ گئے۔ مگر ایسی حالت میں بھی جبکہ گرگ کہن تجربہ کار جرنیل غازی بیگ نے اللہ اکبر کے نعرے مار کر حملہ کیا۔ تو ملک تلیغہ میدان میں مارا گیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر غازی بیگ کے پاس لایا گیا۔ اور پسران قرہ قمار غازی بیگ کے ڈیروں کو لوٹتے ہوئے بھاگ گئے۔ خسرو خان عصر تک ہندو بھائیوں کے ساتھ جو بہ تعداد کثیر تھے۔ حرکت مذبوحی کرتا رہا۔ مگر غازی بیگ کے زبردست حملے نے اس کو ہندوؤں کی کثرت جمعیت سے کچھ فائدہ اٹھانے نہ دیا۔ اس کے ہم قوم ہندو پروار گجراتی جو دین و دنیا سے گئے گذرے سلطان مبارک کے قتل اور اس کی بیگمات پر غاصبانہ تصرف کرنے اور شعار اسلام کی ہتک سے کورو چھتر کے بہادر ظفر جنگ بن بیٹھے تھے۔ یہاں وقت پر حملہ پروار گاڈیروار ہی نکلے۔ اور میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ خسرو خان بھی گھوڑے سے اتر کر اور بھیس بدل کر بھاگا جو اس کی جبلی زنانہ فطرت کو ثابت کرتا تھا۔ ادھر ادھر چھپ گیا نہ صورت میں بھاگتا ہوا ایک باغ میں جو اس کے قدیم مربی شادی خان کا تھا۔ اسی کے مقبرہ

میں تین دن تک چھپا رہا۔ جب بھوک کے مارے بُرا حال ہوا۔ تو وہ باہر آیا۔ اور باغ کے محافظ سے کھانے کے لئے کچھ مانگا۔ جس کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس لئے خسرو خان نے اپنی قیمتی انگوٹھی اتار کر محافظ باغ کو دی۔ کہ جاؤ بازار میں بیچکر کچھ کھانے کو لاؤ۔ جب یہ شخص بازار میں گیا۔ تو لوگوں کو شبہ ہوا۔ حوالہ پولیس کیا گیا۔ پولیس نے خسرو خان کا سراغ نکال لیا۔ غازی بیگ کا بیٹا جونا گرفتار کر کے اور ٹٹو پر سوار کر کے باپ کے پاس لایا۔ خسرو خان نے بھوکا ہونا بیان کیا۔ غازی بیگ نے کھانا کھلایا شربت پلوایا۔ اور سلطان مبارک کے قصاص میں اُسی جگہ قتل کیا گیا۔ جہاں مبارک کو خسرو خان نے قتل کیا تھا۔ فاعتبرو یا اولی الابصار

مُسلمانوں کا ہندوؤں کی معاشرت پر اثر

اس سے پہلے مذہب اسلام کا جو ہندو مذہب پر اثر پڑا۔ کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ قوم فاتح کے تمدّن و معاشرت کا اثر مذہب سے زیادہ پڑتا ہے۔ معاشرت کے اسباب و ذرائع ایسے عام دلفریب ہوتے ہیں۔ اور قوم فاتح کا طریق تمدّن اسقدر بھاتا ہے کہ خواہ مخواہ تقلید کرنے کو دل چاہتا ہے۔ چونکہ مذہب میں عقیدہ کا تخالف ہوتا ہے اور پیشوایان مذاہب دوسرے مذہب کی بُرائیاں بیان کرتے ہیں اس لئے اُن کے پیرو مخالف مذہب کے اثرات سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اسباب تمدّن و معاشرت اُن تنگ نظر پیشوایوں کے دست تصرف سے آزاد ہوتے ہیں۔ لوگوں کو ضرورتیں مجبور کرتی ہیں۔ کہ فاتح قوم کی طرز معاشرت کو اختیار کر کے آرام و راحت یا عزت و رسوخ حاصل کریں۔ انہیں وجوہات سے مسلمان فاتحین کا ہندوؤں کی معاشرت پر اثر پڑا۔ ہندوستان کا پہلا مسلمان فاتح سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ کہ جس کے بعد مسلمانوں کا فاتحانہ اور شاہانہ تعلق ہندوستان سے مسلسل رہا۔ اور اسی مدبر اور فیاض سلطان نے ہندوؤں کو جنگی اور ملکی عہدوں پر ممتاز کیا۔ کئی جرنیل اور گورنر ہندو تھے۔ جیسا کہ عہد غزنوی میں بیان کیا گیا ہے۔ ہزاروں ہندو فوج غزنوی میں شامل تھے۔ ایسے تعلقات ملازمت کے ہوتے مسلمانوں کی جنگی اور ملکی وردی کا پہننا اور مسلمانوں کی طرح طرز تمدّن و معاشرت کا بنانا اور دونوں قوموں کا بے تکلف میل

ملاپ کرنا نہائیت ضروری تھا ہندو فوجیں افغانستان۔ ترکستان تک برسوں رہتیں۔ اور کام کرتیں۔ وہاں کی طرز تمدن کو ضرور قبول کرتیں۔ اور یہ بات کہ کس قدر اور کس قسم کا اثر پڑا۔ آج ہماری تحریر کو شائد ہندو صاحبان تسلیم نہ کریں۔ اس لئے ہم ان کی توجہ کو ہندو فاضل مسٹر راناڈے سرگباشی نامور جج ہائی کورٹ بمبئی کے اُس فاضلانہ ایڈریس کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جو فاضل سپیکر نے بمقام لکھنؤ ستر ہویں ہندو سوشل کانفرنس سنہ ۱۹ء میں دیا تھا۔ اس کتاب میں وہ ایڈریس پورا پورا لکھنے کا موقعہ نہیں ہے جس کو شوق ہو ہندو سوشل کانفرنس۔ اخبار مسلم پونہ۔ روزانہ پیسہ اخبار لاہور کو مطالعہ کرے۔

یہاں اُس ایڈریس کے بعض فقرات کا سنداً اقتباس کیا جاتا ہے۔

شمالی ہند اور جنوبی ہند کے ہندوؤں کی طرز معاشرت میں بھاری فرق پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔ کہ شمالی ہند میں مسلمانوں کا فاتحانہ اور شاہانہ تعلق جنوبی ہند کی نسبت زیادہ رہا۔ اس لئے شمالی ہند کے ہندو عموماً اسلامی معاشرت کے قالب میں ڈھل گئے۔ اور لباس صورت شکل میں کئی ہندو خاندانوں اور شریف مسلمانوں میں برائے نام امتیاز رہ گیا۔ اور ہندوؤں کی معاشرت میں ایک حیرت انگیز انقلاب ہوا۔ یہ انقلاب مذہب سے بڑھکر پائدار مؤثر اور مفید تھا جبکہ سلطان محمود غزنوی نے فتوحات شروع کیں۔ اُس وقت کے ہندوؤں کی حالت معاشرت پر غور کرنے سے اس انقلاب کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔

اس امر کا پتہ لگانے کے لئے کوئی ہندو تاریخ تو ملتی نہیں جیسا کہ مسٹر راناڈے نے لکھا ہے۔ اسوقت کے سیاحوں البیرونی فاضل سنسکرت کی تحریر جو عربی سے جرمنی اور جرمنی سے انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اور نہائیت مستند ہے۔ اور عبدالرزاق سیاح سنہ ۱۴۵۰ء ابن بطوطہ اور روسی اور وینشیا کی سیاحوں کی تحریروں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت کے ہندوؤں میں عملی قابلیت کا مادہ نہیں تھا۔ اور خیالات باطلہ کی طرف عقیدہ جما ہوا تھا۔ ہندوؤں میں نہ تو جمہوری خیالات کا رواج تھا۔ اور نہ مساوات انسانی کا۔ بے شمار فرقہ عظمت اور ذلت کے اوج وحضیض میں گرفتار ہیں جس سے خواہ کتنی کوشش کریں۔ نہ تو بڑھ سکتے ہیں۔ اور نہ موروثی عظمت سے گر سکتے ہیں۔ ہندوستانی عورتیں بیکس و بے اختیار ہیں۔ عام ہندو میلے کچیلے رہتے ہیں۔ پاکیزگی کا نام و نشان نہیں

ہے۔عادتیں ردی ہیں۔چند خدا پرست برہمنوں کے سوا عام ہندو باطل پرست ہیں۔برہمن بھی بجائے عملی نمونہ کے لفاظی لسانی کو برتتے ہیں۔اور اس کو اپنی دانائی تصور کرتے ہیں۔ہندو سر وار طماع وظالم ہیں۔اور اجتماعی طور پر کوئی رفاہ عام کام نہیں کرتے۔بزدلی ورزالت عموماً پائی جاتی ہے پراگندگی وانتشار بیشمار ہے۔کوئی نظم ونسق نہیں۔جنوبی ہند کے سیاح کہتے ہیں۔کہ مرد وعورت سب کالے وحشی بے انتہا ذاتوں میں تقسیم اپنے اپنے بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔کہ جن کی تعداد ہندو فرقوں اور ذاتوں کی طرح بے شمار تھی۔انسانی قربانی دیتے ہیں۔عورتیں ستی ہوتی ہیں۔اور بعض ہندو مذہبی خیال سے دریا گنگا میں ڈوب کر خودکشی کو مقدس ایثار جانتے ہیں۔مندروں بتوں کی گاڑیوں میں کچلکر جان دینا ذریعہ نجات مانتے تھے۔

شاہ بابر نے جو صحیح واقعہ نگاری میں مشہور ہے۔اور نتیجہ نکالنے اور حقیقت کے سمجھنے میں عام سیاحوں اور مصنفین سے ممتاز ہے توزک بابری میں لکھتا ہے۔ حالانکہ اُس وقت مسلمانوں کی مستقل سلطنت کو قریباً تین سو سال گذر چکے تھے وہ گرم وسرد چشیدہ شاہنشاہ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان ایسا ملک ہے۔کہ جس میں اچھی چیزیں بہت ہی نایاب ہیں۔آدمی یہاں کے خوبصورت نہیں ہیں۔دوستانہ جلسوں کے لطف اٹھانے اور آزادانہ بے تکلفانہ زندگی بسر کرنے کے طریقے نہیں جانتے۔ باہمی میل جول ربط وضبط جو تمدن کے اصول ہیں۔اُن پر کم عمل کرتے ہیں۔ان میں نہ تو قوت ایجاد ہے۔نہ قوت اخذ۔نہ دلربائی نہ مہر ومحبت۔جو ہاتھ کے پیشہ کرتے ہیں ان کی ساخت میں انہیں کچھ ایجادی طاقت نہیں ہے۔اور نہ اسے وہ ٹھیک بنا سکتے ہیں۔اور نہ تعمیرات میں ان کے مجوزہ نقشہ کچھ علم وہنر کو ظاہر کرتے ہیں۔یہ لوگ اچھے گھوڑے بھی نہیں رکھتے یعنی شاہ سوار نہیں ہیں۔نہ یہاں اچھے انگور وتربوز ملتے ہیں۔نہ اچھے میوہ وپھل نہ ٹھنڈا پانی برف نہ اچھی غذا نہ روٹی ان کے بازار میں میسر آسکتی ہے۔نہ عام ملک میں حمام ہیں نہ مدارس۔اس ملک میں نہریں اور نالے بھی نہیں۔باغ اور محلات بھی نادار ہیں۔وہ اپنے گھروں میں اس بات کو بھی نہیں سکھتے کہ ملک کے آب وہوا کی موافقت اور قدرتی خوشنمائی کیا چیز ہے۔ان کے اوسط درجہ کے لوگ اور دیہاتی باشندے چاروں طرف ننگے صرف لنگوٹی باندھے پھرتے

ہیں - عورتیں بھی فقط لہنگا پہنتی ہیں - یہ تھا اُس وقت کا ہندو طرز معاشرت جس پر
کہا جا سکتا ہے - کہ یہ تمام باتیں مسلمان حملہ آوروں کے غرور اور ناواقفیت کا نتیجہ تھیں
لیکن محقق مسٹر راناڈے اس موقعہ پر لکھتا ہے - کہ اُن علل پر صحیح صحیح قیاس کرنے سے
جو اقوام عالم کے اوج وحضیض کا باعث ہوا کرتی ہیں - اس کی تائید نہیں نکلتی - یہ سمجھ میں
کیونکر آسکتا ہے - کہ پروردگار عالم نے اس قدر جم غفیر کو جو ہندوستان کے سی بر اعظم میں
بستی ہے - صدہا سال تک ایک ایک بیگانہ قوم کے دباؤ اور پھندے میں پھانس دیا -
ہو بغیر اس کے کہ ان کا دباؤ اور لوگوں کی تقویت اور گفتار و کردار کی ترقی میں اسی طرح
کی مدامی خدمت کرتا ہو - کہ ہندوستانیوں کی جو بڑی بڑی کوتاہیاں اور کمزوریاں
ہیں - اُن کو دور نہ کرے - ایک بات کا تو ہمیں پورا پورا یقین ہے - کہ پانچسو برس
کے بعد مسلمانوں کی سلطنت کمزور پڑ گئی - اور پنجاب میں وہاں کی دیسی اقوام کو
موقعہ ملگیا - کہ وہ اپنی قوت پھر حاصل کریں جنہیں ابتدائی حملہ آور مسلمانوں نے
نہایت آسانی سے مغلوب کر لیا تھا - اس سے صاف ثابت ہوتا ہے - کہ اسلامی
سلطنت نے مخلوق کو ذلیل اور پست نہیں کیا تھا - کہ وہ پیشتر سے زیادہ مضبوطی
و استحکام کے ساتھ اپنا سر اٹھانے کے قابل نہ رہے ہوں -

اگر اقوام ہند کو ایسے آدمیوں کے میل جول سے اور ان لوگوں کی نظیریں دیکھ
کر جو اُن سے جسمانی طور پر زیادہ مضبوط اور بہت بڑے قوی تھے - فوائد حاصل
نہ ہوئے ہوتے - تو وہ اس قابل ہرگز نہ ہو سکتے تھے - کہ وہ اس صورت سے
دعوے خودمختاری کرتے جس طرح کہ انہوں نے (سکھوں) کیا - اور جس کی گواہی تاریخ
دیتی ہے -

اس بہت بڑے انقلاب سے قطع نظر کر کے کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز
میں سلطنت مغلیہ پر زوال آگیا - اور وہ پارہ پارہ ہو گئی - اور اس کی جگہ بیرونی اقوام
نے نہیں - بلکہ ہندوستانی قوموں نے از سر نو سرسبز ہو کر لی - اٹھارہویں صدی کا ہندوستان
اس ہندوستان سے کہیں زیادہ قوی اور بہتر تھا جسکو سنہ ۱۵۰۰ء سے لیکر سنہ ۱۶۰۰ء تک
سیاحوں نے دیکھا تھا اور یہ تجدید قوت اکبر کے عہد سے شروع ہوئی -
مسٹر راناڈے عہد مغلیہ کے خوبیوں کے اقرار کے بعد جسکو کہ ہم عہد مغلیہ جلد سوم میں

لکھیں گے۔صاف لفظوں میں تسلیم کرتا ہے۔کہ حکومت اسلامیہ نے ہندؤوں کے طرز و انداز اور شوق و مذاق میں خوبی پیدا کردی ہے فن حکمرانی کو اہل اسلام ہندو راجاؤں سے بہتر جانتے تھے۔ہندوؤں میں فنون حرب و جنگ جب تک کہ مسلمان یہاں نہ آئے۔بہت ہی بری صورت میں تھا۔مسلمانوں نے یہاں باروت کا استعمال کیا۔توپیں بنائیں بہت سی دستکاری کے کام ایجاد کئے۔اور کلوں سے کام لینا سکھایا۔بہت سی دستکاریوں کے نام ہندو زبان کے نہیں ہیں۔مثلاً فتیلہ سوز کاغذ۔بلور۔زین۔چارجامہ وغیرہ کئی خانگی اسباب فن موسیقی کے مزامیر۔طب۔ہیئات کو مسلمانوں نے ترقی دی۔مسلمانوں نے جغرافیہ اور تاریخ کی کتابیں لکھیں جو ہندوستان میں سب سے پہلے چیزیں تھیں۔شاہراہیں۔سڑکیں بنوائیں۔سرائیں۔ڈاکخانہ اور رفاہ عام عمارتیں چنوائیں۔نہریں اور نالہ کھدوائے۔باغات لگوائے۔ہندؤوں کے مذاق بدلائے۔

یہ ایک ہندو فاضل زمانہ حال کی شہادت ہے۔جس میں وہ عموماً تمام ترقی یافتہ امور درج ہیں۔کہ جو آج مہذب اور متمدن یورپ کے لئے باعث فخر ہیں مسٹر رنالڈ نے علوم کا ذکر نہیں کیا۔جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔کہ وہ ان فارسی مبسوط تاریخوں کا مطالعہ نہیں کرسکا۔کہ جن کے حوالہ سے ہمنے لکھا ہے۔کہ عہد التمش۔بلبن۔علاء الدین میں معقول و منقول کے کئی فاضل اور انکی سرپرستی میں کئی ایک کالج تھے یونانی فلسفہ ہیئت۔ریاضی طب سائنس کا اس وقت مسلمانوں میں کمال عروج تھا۔غزالی۔رازی۔طوسی وغیرہ جیسے اعلٰے درجہ کے مسلم اور مستند استاد اسی زمانہ میں پیدا ہوچکے تھے یہی وجہ ہے کہ علمائے ظواہر کو شکایت تھی کہ چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان میں علوم معقول کا اس قدر زور ہوگیا۔کہ علم حدیث کا قریباً قریباً رواج اٹھ گیا تھا۔اور اس نقص کے دور کرنے کے لئے مصر کا ایک فاضل عہد علاء الدین خلجی میں ہندوستان میں آیا تھا۔لیکن ملتان تک آکر واپس چلا گیا۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حصول علم حدیث کی وجہ یہی بیان کی جاتی ہے۔کہ ہندوستان میں معقولات کا بہت رواج ہوگیا تھا۔ان صورتوں میں یونانی علوم نے مسلمانوں کے ذریعہ ہندوستان میں قدم رکھا۔اور ہندو فلسفہ و حکمت پر جو کہیں کہیں فاضل برہمنوں کے سینوں یا کتب پارینہ میں مخزون تھی اپنا اثر کیا۔طب میں مسلمانوں کو کمال تھا ہر ایک عہد

میں چیدہ چیدہ ڈاکٹر (طبیب) ہندوستان کی خدمت کرتے رہے علاءالدین کے عہد میں ڈاکٹر بدرالدین دمشقی تھا جس کی نسبت ضیا برنی لکھتا ہے۔ کہ اگر چند حیوانات کا قارورہ شیشی میں ڈال کر اس کے پاس لیجاتے۔ تو وہ ہر ایک حیوان کا نام بنام قارورہ بتلا دیتا۔ تشخیص مرض اور علاج کا یہ عالم تھا۔ کہ جو جاتا عموماً شفا پاتا۔ اور ایسے طبیب یونانی اکثر ہندوستان میں ہوتے رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہندو ویدک طب جس کا مدار جڑی بوٹیوں پر تھا مسلمانوں کے علم کیمسٹری میں جذب ہو چکا تھا۔ خواص نباتات کے جاننے میں تو کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسی تفوق کا نتیجہ تھا۔ کہ انگریزی عہد سے پہلے تمام ہندوستان میں یونانی طبیب مرجع عوام تھے۔ اور کئی ایک ہندو بجائے ویدک یونانی طب کے ماہر تھے۔

جبکہ مسلمانوں کے علوم و فنون کا اس قدر دائرہ وسیع تھا۔ انکے تمدن و معاشرت کے سامان بکثرت ہر جگہ موجود تھے۔ تو اس سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ ہندوؤں کے لباس۔ خوراک۔ خانگی ضروریات پر مسلمانوں کی طرز بود و باش کا اثر پڑا جس کے صریح نشان شمالی ہند میں ہر جگہ موجود ہیں۔

پس جو فوائد ایک مہذب قوم و گورنمنٹ سے کسی غیر ملک کی رعایا کو پہنچ سکتے ہیں۔ وہ اسلامی گورنمنٹ کے زمانہ میں ہندوؤں کو حاصل ہوئے۔ جرأت و آزادی جس سے آج ہندو مفید قوم و ملک کام لے رہے ہیں سب مسلمانوں کے سکھلائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر رانا ڈے سرگباشی اقبال کرتا ہے۔ اور یہ خاصہ صرف اسلامی گورنمنٹ کا ہی رہا ہے۔ کہ ماتحت قوموں کی جنگی سپرٹ کو زائل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اور ترقی دی جس کا بیان عہد مغلیہ میں لکھا جائیگا۔

تجارت کا مذاق اس وقت دنیا میں صرف مسلمانوں کو ہی تھا۔ دنیا کے دور دراز ملکوں میں تجارت کرتے تھے۔ غیر ملکوں کی اشیا یہاں لاتے۔ اور ہندوستان کی قدرتی پیداوار کو غیر ممالک میں پہنچاتے۔ جس کی تقلید ہندوؤں نے بھی شروع کی یا کم سے کم تجارت کے دروازے ان کیلئے بند نہ ہو گئے۔ اسلامی گورنمنٹ نے کبھی کوئی ایسا قانون جاری نہیں کیا۔ کہ جس سے ہندوؤں کی تجارت رک گئی ہو۔ اور مسلمانوں کی

تجارت بڑھے۔ ایشیا کے چیدہ صناع ہندوستان خصوصاً دہلی میں لائے گئے۔ اور انجینئرنگ اور فن معماری نے ہندوؤں پر پائیدار اثر ڈالنا شروع کیا۔ اور اپنی بھدی دستکاریوں میں ترمیم شروع کی۔ زراعت میں باغات کا لگانا۔ نہروں کا کھدوانا۔ اور انسانی فطرت سے حظ اٹھانا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ سینکڑوں قسم کے پھل پھول میوہ دار درخت ہندوستان میں مسلمان لائے۔ جنگلوں کو کاٹ کر نئی آبادیاں قائم کی گئی۔ اور یہی کام ایک عمدہ گورنمنٹ کے ہو سکتے ہیں۔ آزادی مذہب اور امن و امان عدالت کے بارہ میں پہلے مفصل لکھا گیا ہے۔

اے۔ مارسڈن صاحب کی تاریخ مروجہ سررشتہ تعلیم

ہم نے ۱۹۰۶ء میں بذریعہ پیسہ اخبار لاہور ایک بسیط آرٹیکل میں لیتھبرج صاحب کی تاریخ ہند مروجہ مدارس کی ان خلاف واقعہ غلطیوں کو پبلک کے سامنے پیش کیا تھا جس سے شاہان اسلام پر تعصب و دشمن آزاری جبراً مسلمان کرنے کا الزام لگایا تھا اور مسلمان فاتحین کو محض زبردست لٹیرے ثابت کیا گیا تھا۔ اور بعد ازاں اسی مضمون کا ایک ریزولیوشن ایجوکیشنل کانفرنس امرتسر منعقدہ دسمبر ۱۹۰۶ء میں پیش کیا گیا تھا۔

حکام تعلیم کے ہم مشکور ہیں۔ کہ لیتھبرج صاحب کی تاریخ کو سکیم آف سٹڈی سے خارج کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی جگہ جناب اے مارسڈن صاحب بی اے کی تاریخ کو تاریخی کورس قرار دیا گیا ہے جس میں لیتھبرج صاحب کی طرح وہ غلط اور دل آزار فقرہ تو نہیں کہ "سلطان محمود کے ہندوستان کی دولت پر دانت تھے ہی لیکن وہ یہاں کے باشندے راجپوتوں کو بزور شمشیر مسلمان کرنا چاہتا تھا"۔ اور یہی تہمت بہادر محمد غوری پر تھی۔ مگر اے مارسڈن صاحب کی تاریخ میں اس سے زیادہ دل شکن فقرات خلاف واقعہ درج ہیں۔ یہ کتاب ہم کو ایسے وقت میں ملی جبکہ خاندان غلامان تک ہماری اسلامی تاریخ کے پروف چھپ چکے تھے۔ اس لئے موقعہ موقعہ پر ہم مارسڈن صاحب کے خیالات کی تردید نہیں کر سکے۔ مجبوراً خاتمہ پر عرض کیا جاتا ہے۔ یہ بحث کسی کاوش یا خود نمائی پر مبنی نہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ ہماری جدید اسلامی تاریخ کا موضوع یہ

ہی ہے۔ کہ یورپین مورخوں نے جو ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر سیاہ پردہ ڈال رکھا ہے۔ اسکو اٹھایا جائے۔ اور تاریخ کا روشن پہلو دکھایا جاوے۔ اس خیال سے مارسڈن صاحب کی تاریخ پر نظر ڈالی جاتی ہے۔

مارسڈن صاحب نے ہندو عہد کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ اُس کی تائید وتردید میں لکھنے کا حق زیادہ تر ہندو فضلا کو ہے۔ ہم صرف اسلامی عہد کی نسبت لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کا عہد صفحہ ۱۰۵ سے شروع ہوتا ہے۔ عرب کے جغرافیہ اور اقوام پر چند سطریں لکھی ہیں۔ جن کا تعلق ہندوستان سے کچھ بھی نہیں تھا حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر تعلیم کے بعد عربوں کی فتوحات کا حال لکھا ہے۔ اور وجہ فوج کشی لوٹ کھسوٹ بیان کی ہے۔ اور یہ چوٹ اسلام کے ممتاز عہد خلافت راشدہ پر ہے گویا مسلمانوں کا دعوے کہ فتح ممالک صحابہ کرام نے مظالم کے دور کرنے اور سچائی کے پھیلانے۔ ملکوں میں امن وامان قایم کرنے کے لئے صحابہ کرام نے شروع کی۔ اس دعوے کو مارسڈن صاحب نے اس ایک فقرہ سے اڑا دیا ہے۔ کہ "لوٹ کھسوٹ جو ہاتھ آئی تو اور ملکوں کی فتح کرنے کی آرزو پیدا ہوئی" یہ الزام خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور جماعت صحابہ پر ہے۔ جن کے قول و فعل کو اصولاً اسلام میں بہت کچھ دخل ہے پس مارسڈن صاحب کا یہ فقرہ تاریخ کے خلاف اور مذہب اسلام پر حملہ ہے۔ جو تعلیمی کورس کے شایان نہیں ہے۔

صفحہ ۱۰۷ کے اخیر میں لکھا ہے۔ کہ "سو برس کے عرصہ میں فارس۔ ترکستان۔ افغانستان اور آس پاس کا ملک فتح ہوگیا۔ اور ان سب ملکوں نے دین اسلام قبول کر لیا۔" ان سو برسوں کے تسخیر شدہ ممالک میں ہندوستان کا نام درج نہیں کیا گیا۔ جس کے مغربی صوبجات سندھ۔ گجرات ملتان میں کئی فاتح مسلمان ظفر مندی کا علم گاڑ چکے تھے۔ مہلب اور محمد بن قاسم اسی سو سال کے اندر مشہور فاتح اور منتظم گذرے ہیں جن کے حالات مفصل اس اسلامی تاریخ میں قبل ازیں لکھے گئے ہیں۔ افسوس کہ ہندو عہد میں تو مارسڈن صاحب نے ادنے اور گمنام قوموں کا حال لکھدیا۔ اور عربوں کی فتوحات اور ملک گیری نظم ونسق کو بالکل اڑا دیا۔ عرب

زمانہ فتح سے لیکر برابر سندھ میں جمے رہے۔ ایسی قوم کی تاریخ پبلک کی نگاہوں
سے اوجھل میں رکھنی۔ مورخانہ کانشنس سے بعید ہے۔ اور کہنا پڑتا ہے۔ کہ مارسڈن کی
تاریخ ناکمل اور تعلیمی کورس کے قابل نہیں ہے۔ مارسڈن صاحب کا یہ قول بھی درست
نہیں۔ کہ سو برس کے عرصہ میں ممالک فارس۔ ترکستان۔ افغانستان سب ملکوں
نے دین اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس زمانہ میں بہت ایسی قومیں ممالک مذکورہ میں ابھی
تک پرانے مذہبوں پر قائم تھیں۔ اور عرصہ تک رہیں۔ خالص افغان زیادہ کثرت کے
ساتھ عہد محمود غزنوی اور محمد غوری میں دین اسلام میں داخل ہوئے۔ ترکوں نے
سو برس کے بعد بھی کئی دفعہ اسلام کی مخالفت میں سر توڑ کوششیں کیں۔ معلوم نہیں
کہ مارسڈن صاحب نے کس تاریخ سے یہ روایت اقتباس کی ہے۔ مارسڈن صاحب
مسلمانوں کا عہد سلطان محمود غزنوی سے شروع کرتا ہے۔ سامانی اور خاندان غزنی
کی ابتدائی تاریخ سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ جس کی کمی کو طالب علم ہمیشہ محسوس
کیا کریں گے۔ سلطان محمود کی وجہ حملہ کو طمع دولت ہی بیان کرتا ہے۔ جو بچپن سے
ہندوستان کے تجارتی قافلوں کو دیکھکر اور قافلہ والوں سے ہندوستان کے مندروں
کی دولت مندی کی داستانیں سُن سُن کر پیدا ہوا تھا۔ معلوم نہیں کہ مارسڈن صاحب
کے پاس کیا سند ہے۔ محمود کا بچپن کا زمانہ وہ ہے۔ جبکہ اس کا باپ ابھی دربار
غزنی میں امارت کے معزز عہدہ پر نہ پہنچا تھا۔ ایسی حالت میں محمود کے دل میں مندروں
کے لوٹنے کا خیال پیدا ہونا مشکل سے باور ہو سکتا ہے۔ اگر کبھی انسانی طبیعت کے
تقاضا سے ایسا خیال آیا بھی ہو۔ تو اس پر کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کہ وہی خیال ہمیشہ
اس کے دل میں جا رہا۔ اور بادشاہ ہو کر بار آور ہوا۔ اگر مارسڈن صاحب سبکتگین
کی تاریخ اور جیپال کی تدابیر مدافعانہ پر نظر غائر ڈالتا۔ تو اس کو سلطان محمود کے فطرتی
طماع و لالچی بنانے کے لئے اس قدر تکلیف نہ کرنی پڑتی۔ محمود کی تعریف کرنے
کے بعد اس کے طامع ہونے کے ثبوت میں فردوسی کا قصہ لکھا ہے۔ جس کی بابت
ہم اس کتاب میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ ایسے شاہ اعظم کا حال صرف دو صفحوں پر
لکھا گیا ہے۔ اور بہت سے ضروری حالات چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ محمود کے خاندان
کی تاریخ جس کا تعلق ہندوستان سے قریباً ڈیڑھ سو سال تک رہا۔ مارسڈن صاحب

کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے عہد اسلامیہ کا مکمل ثبوت نہیں ہے اور طالبعلموں کا علم تاریخ ناقص ہی رہیگا۔

محمد غوری

محمد غوری کو فتح غزنی کے وقت غور کا بادشاہ لکھا ہے۔ حالانکہ بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ اُس وقت غور کا بادشاہ محمد غوری کا بھائی غیاث الدین تھا۔ جس کی ماتحتی میں وہ ہندوستان پر حملات کرتا رہا۔ جس کتاب میں ایسی صریح غلطی ہو۔ وہ سرکاری مدارس کا تعلیمی کورس مقرر ہونے کی قابلیت نہیں رکھتی۔ مارسڈن صاحب لکھتا ہے کہ ۱۱۹۱ء میں شہاب الدین نے ہند پر پہلا حملہ کیا۔ اور سیدھا دہلی کی طرف ہولیا۔ جس کی تائید تاریخی کتابوں سے نہیں ہوتی۔ ہندوستان میں پنجاب بھی داخل ہے جس پر اس سے پہلے محمد غوری کئی حملات کر چکا تھا۔ پشاور۔ گجرات سیالکوٹ لاہور۔ سرہند کیا ہندوستان میں داخل نہیں۔ جو جنگ پرتھی راج سے پہلے حملات کے زد میں آ چکے تھے۔ اور یہ بھی درست نہیں۔ کہ ۱۱۹۲ء میں سیدھا دہلی کی طرف ہولیا۔ محمد غوری نے لاہور کی فتح کے بعد سرہند کو فتح کیا۔ اور سرہند سے واپس غزنی کو جا رہا تھا۔ کہ راجہ پرتھی راج کی چڑھائی کی خبر سنکر واپس ہوا۔ اور تھانیسر کا معرکہ ہوا۔ جس تاریخ میں ایسی صریح غلطیاں ہوں۔ اسکو تعلیم مدارس میں داخل کرنا غلطی اور گمراہی کی تائید ہے۔

مارسڈن صاحب شکست تھانیسر کے ذیل میں لکھتا ہے۔ کہ جو افغان زندہ بچے۔ وہ سندھ پار بھاگ گئے۔ گویا پنجاب سے محمد غوری کی حکومت اوٹھ گئی۔ حالانکہ لاہور میں معتبر اور بہادر سرداران غوری قابض رہے۔ بلکہ عرصہ تک قلعہ سرہند بھی بارہ سو مسلمانوں نے نہ دیا۔ راجہ پرتھی راج کا عمل دخل خاص حصہ پنجاب اور ملتان پر نہیں ہوسکا۔ مارسڈن صاحب کا خیال درست نہیں۔

شہاب الدین غوری کے دوسرے حملہ کیوجہ جے چند راجہ قنوج کا پیغام اور سازش تاریخ مارسڈن صاحب میں لکھا ہے جس کی بابت ہم پہلے تذکرہ محمد غوری میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔

مارسڈن صاحب نے یہ بھی کتب تاریخ کے خلاف لکھا ہے۔ کہ محمد غوری نے پرتھی راج کی شکست کے بعد پہلے دہلی لیا۔ اور پھر اجمیر۔ کیونکہ دہلی کو بعد ازاں قطب الدین نے لیا تھا۔

بنارس اور قنوج کی فتح کے ذیل میں مارسڈن صاحب لکھتا ہے کہ "غوریوں نے قنوج اور بنارس دونوں لے لئے۔ اور شہروں کا کیا ذکر ہے۔ ایک بنارس میں انہوں نے ہزار سے زیادہ مندر مسمار کئے"۔

اس سے صاف مستفاد ہوتا ہے۔ کہ محمد غوری نے بنارس کی طرح ہندوستان کے تمام مفتوحہ شہروں کے مندروں کو مسمار کیا۔ حالانکہ بنارس کے سوا اور کسی جگہ ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ جس کی بابت ہم لکھ چکے ہیں۔ یہ طبع زاد خیالات محض شاہان اسلام کو غیر مسلم اقوام کی نگاہوں میں حقیر بنانے کے لئے لکھے جاتے ہیں۔

بختیار خلجی

مارسڈن صاحب بختیار خلجی کے حملہ کیوقت بنگالہ کا پایہ تخت لکھنوتی لکھتا ہے حالانکہ اس عہد کا مورخ منہاج سراج شہر ندیہ لکھتا ہے۔ اور ندیہ سے ہی راجہ لکھمن سین بھاگا تھا۔

لکھنوتی کا نام گور لفظ غور کا بگڑا ہوا بتلاتا ہے۔ جو غور اور گور کے ہم مخرج وہم شکل ہونے سے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر آئین اکبری کا مطالعہ کرتا۔ تو صاف معلوم ہو سکتا کہ گور آباد کیا ہوا گوریہ راجپوتوں کا ہے۔ اور گور نام بختیار خلجی سے پہلے کا ہے۔ نہ کہ مسلمانوں کا بدلا ہوا۔

صفحہ ۱۲۳ سطر ۱۴ میں التمش اور بختیار خلجی حاکم بنگالہ کی لڑائی کا ذکر لکھتا ہے۔ اور بنگالہ کا پہلا فاتح مسلمان بھی بختیار خلجی لکھا ہے۔ حالانکہ ہندوستان کی مستند تاریخوں میں صاف لکھا ہے محمد بختیار خلجی فاتح بنگالہ اور تھا۔ جو تبت سے شکست پاکر تنگ وعار سے بیمار ہوا۔ اور ایک لالچی خلجی امیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور یہی غاصب بنگالہ کا پہلا خود مختار بادشاہ ہوا ہے۔ جسکو غیاث الدین عوض خلجی مار کر بنگالہ کا بادشاہ ہوا۔ اور اسی عوض خلجی سے التمش نے بنگالہ لیا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اس قدر انقلابات

کا علم مارسڈن صاحب کو نہیں ہو سکا - اور ہو بھی کس طرح سکتا تھا - جبکہ انکی معلومات کا مدار صرف انگریزی تاریخیں ہوں - اور فارسی کی مبسوط تاریخیں مطالعہ کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی ہوں - اسی صفحہ پر بختیار خلجی کو قطب الدین ایبک کا داماد لکھا ہے جس کا اسلامی تاریخوں میں کہیں نشان نہیں پایا جاتا - تعجب ہے - کہ ایسی پر از اغلاط تاریخ کو تعلیمی کورس قرار دیا گیا - اور نہ ٹکسٹ بک کمیٹی نے اپنا فرض ادا کیا - اور نہ لالہ جیارام صاحب مشہور فاضل مترجم نے کوئی نوٹ لکھکر اپنی ہمہ دانی کا ثبوت دیا -

صفحہ ۱۲۰ پر سلطنت افغانیہ کی بے انتظامی - بدامنی - فتنہ و فساد کا زمانہ حال سے مقابلہ کیا گیا ہے - ضرور زمانہ موجودہ کے امن و امان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور نہ آیندہ کوئی کر سکیگا - لیکن یہ سخت بے انصافی ہے - کہ اگر تمام عہد افغانیہ کو تیرہ و تاریک قرار دیا جائے - بلبن اور علاء الدین خلجی کے نظم و نسق گو زمانہ حال کے ترقی یافتہ انتظامی شعبوں کو نہ پہنچ سکتے ہوں - لیکن اس وقت میں جو کچھ کیا گیا اس سے بڑھکر ہندوستان کے لئے ناممکن تھا - علاء الدین خلجی کے بعض قوانین ایسے مفید اخلاق اور باعث امن و امان تھے - کہ جس کا وجود آجکل مفقود ہے ملک کی آبادی زراعت کی ترقی تجارت کی افزونی کے لئے حتی المقدور کوشش ہوتی تھی اور ہندو سوداگروں کو شاہی خزانے سے روپیہ بغرض تجارت ملتا رہا جیسا کہ ہمنے علاء الدین خلجی کے حال میں لکھدیا ہے -

مارسڈن صاحب اسی صفحہ پر دیگر یورپین مورخوں کی تقلید میں لکھتا ہے - کہ مندر شوالے گرائے گئے - بہت سے ہندو جان کے خوف سے اور کچھ ملازمت شاہی کے لالچ سے مسلمان ہو گئے تھے - گویا مارسڈن صاحب بھی جبریہ اسلام کا الزام لگاتا ہے - گو کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں لیتا - مگر تمام عہد افغانیہ کو بدنام کرتا ہے جس کی تردید ہم اسلامی تاریخ میں کئی موقعوں پر کر چکے ہیں - یہاں اعادہ فضول ہے - مگر مارسڈن صاحب اپنی رائے کی تائید میں لکھتا ہے - کہ پٹھانوں کے عہد کے کئی نہایت مشہور جنگی سردار ایسے ہوئے ہیں - کہ اصل سے ہندو مگر بعد میں مسلمان ہو گئے تھے - لیکن ہم نے کئی ایک تاریخیں مطالعہ کی ہیں - اور عہد افغانیہ میں سوا ملک کافور خواجہ سرائے اور خسرو خان نمک حرام اور ہیمون بقال کے

اور کسی سردار کا حال نہیں پڑھا۔ کافور حبشی غلام تھا۔ اُس کو ہندوؤں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ خسرو خان ضرور ہندو سے مسلمان ہوا تھا۔ مگر اُس کی وجہ شہرت پر تمام ہندوستان کو شرم آتی ہے۔ اس کو کون جنگی سردار کہہ سکتا ہے ہیموں بقال ضرور بہادر شجاع تھا۔ لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ معلوم نہیں۔ کہ مارسڈن صاحب کو ایسے غلط واقعات کہاں سے مل گئے۔ اور بغیر تاریخی اسناد کے اپنی تاریخ میں کس طرح لکھنے کی جرأت کی۔ بلبن پر یہ اعتراض درست نہیں۔ کہ اُس نے تمام بندگان چہل گانی (چالیس غلام) قتل کرا دیئے تھے۔

علاءالدین و پدمنی

صفحہ ۳۳ پر پدمنی کا افسانہ لکھا ہے۔ جس پر ہم علاءالدین خلجی کے حال میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ ہاں مارسڈن صاحب کی تحریر میں یہ ایک اور ایزادی ہے کہ خود پدمنی بھی سات سو ڈولیوں میں سے ایک میں سوار تھی۔ اور بادشاہی لشکر میں پہنچکر راجہ کے ساتھ تلواروں کی چھاؤں میں صحیح و سالم نکل گئی۔ معلوم نہیں کہ مارسڈن صاحب کے پاس اس روائیت کا ماخذ کیا ہے۔ تمام تاریخیں اس واقعہ سے خالی پڑی ہیں۔ ہاں کسی کبیشر (بھاٹ) کا مبالغہ کلام دیکھا ہوگا۔ جو تاریخی وقعت نہیں رکھ سکتا۔

ملک کافور کو صفحہ ۴۳ کے اخیر میں ہندو لکھا ہے۔ جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا یہ درست نہیں۔ ملک کافور دکن کی فوج کا با اختیار سردار تھا۔ لیکن سب سے زبردست بہادر نہ تھا۔ جیسا کہ ہمنے اُسی عہد کے مشہور مورخ ضیا برنی کے رائے کے حوالہ سے کافور کے حال میں لکھدیا ہے۔

ہمنے چونکہ مبارک خلجی کے عہد تک تاریخ لکھی ہے۔ اس لئے مارسڈن صاحب بی۔ اے کی تاریخ پر بھی عہد مبارک تک ہی تنقید کرتے ہیں۔ اور یہ گذارش سررشتہ تعلیم کی توجہ کے لئے کی گئی ہے۔ کہ وہ دیکھیں کہ کس قسم کی تاریخ کو تعلیم میں داخل کیا گیا ہے۔ ایسی ناقص تاریخ سے کہانتک صحیح معلومات ہو سکتے ہیں۔ اور جبریہ اسلام کا الزام بدستور سابق موجود ہے۔ عہد افغانیہ کی تاریخ کا عموماً

تاریک پہلو دکھایا گیا ہے۔ اس قدر غلط واقعات کا اندراج اسباب کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے۔ کہ ہندوستان کی تاریخ کسی ہندوستانی مورخ کے ذریعہ تیار کرائی جائے یورپین مورخ جو ہندوستان کی قدیم مطول اور مبسوط فارسی۔ عربی تاریخوں کو مطالعہ نہیں کرتے یا کر نہیں سکتے۔ وہ کبھی ہندوستان کی صحیح تاریخ بنا نہیں سکتے۔ ہندوؤں کا میں ذکر نہیں کرتا۔ لیکن مسلمانوں میں ہر ایک صوبہ کے اندر کوئی نہ کوئی ایسا آدمی ملسکتا ہے۔ جو سر رشتہ تعلیم کی سرپرستی میں صحیح تاریخ تالیف کر سکے۔ بشرطیکہ ڈائرکٹر صاحب بہادر محض علمی نگاہ سے تلاش کریں۔

اب ہم جلد اول کو ختم کرتے ہیں۔ اور خدا علیم سے دعا مانگتے ہیں۔ کہ اس تاریخ کی باقی جلدوں کے اختتام کی توفیق عطا کرے۔ اور ملک و قوم کے لئے اس کتاب کو مفید ثابت کرے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ وسلم فقط

فقیر کرم الٰہی صوفی عفی عنہ

تاریخ محمد لہ [illegible]

[illegible]

۱۲

فہرست مضامین اسلامی تاریخ جلد اوّل